

بہنوں کا اپنا پاکستان

رنگ 2014

شعاع



WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

پیش کشاں کا ایڈیٹور

صاحبزادہ ریاض

باقی و مدیر ایڈیٹر

# شعاع

رضیہ جمیل  
اذر ریاض  
امت الصبور  
شہابین رشید  
خالد جیلانی

مدیرین  
مدیرین  
مدیرین  
مدیرین  
مدیرین

خط و کتابت نمائندہ

ماہنامہ شعاع

37 - نزد بازار کراچی

MEMBER  
APNS  
CPNE



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

### ناولٹ

محدثوں میں لٹا رشہ خاڑخان 172

### انٹرنیٹ

پہلی خوشی 58  
 رحم سے ہے زمانہ شہرہ بخاری 102  
 زینب 257  
 شکر ہے غنیقہ محمدیگ 194

### انٹیمپٹ

غزل 260  
 غزل 261  
 نظم 261  
 غزل 260

پہلی شعاع 10  
 حمد 11  
 نعت 11  
 نئی کی باتیں 12

### انٹرویو

رنگ چلنے لگیں 22  
 بندھن 17  
 دستک 31

### ناول

ایک تھی مشال 36  
 رقص بیل 200

### مسل ناول

نایاب ہیں ہم 68  
 یارم 216  
 بازگشت 112

قریب سے آواز دہکتا ہے  
 پاکستان (سہ ماہی) ... PAKI ...  
 انٹرنیٹ ... BUDNO ...  
 امریکہ ... BDNM ...

اختیار: ہمارے شعاع 10 جو ہے اسے جملہ حقوق محفوظ ہیں، ناشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جا سکتا ہے، نہ کسی بھی لی وی پیس میں اور نہ ذرا مانی تکمیل اور سلسلہ برائے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ طالب و روزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی میں لائی جا سکتی ہے۔



مستقلے

268	خالدہ جیلانی	کھلنا کسی پہ	270	رضیہ جیل	خطاب کے
287	خالدہ جیلانی	عید کے کپڑے	262	میا سحر	مُسکراہٹیں
290	ادارہ	خوبصورت بننے	282	واصفہ بیگم	ایٹینہ خانے میں
			266	شگفتہ جاہ	بالوں سے خوشنویس
			285	امت اصغر	پارچ کے چھڑکے
			278	ادارہ	مہندی کے ڈرائین

رگب 2014  
جلد 28  
قیمت 60 روپے

مکتبہ کا پتہ: ناہارہ، شارع 37 - اردو بازار، کراچی۔

رصدیہ مجلہ مکتبہ احسن پبلشرز، کراچی۔ مکتبہ احسن پبلشرز، کراچی۔  
Phone: 32721777, 32726617, 021-32622494 Fax: 0092-21-32768872  
Email: shuan@khatwatendigest.com website: www.khatwatendigest.com





شعاع کا اگست کا شمار سالگرہ نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہیں کہ اس کا گرم، بہرانی اور نواز نہیں شامل رہیں اور کامیابی سے آگے بڑھتے ہوئے ہم یہ طویل مسافت طے کر چکے۔

شعاع نے روزِ اوّل ایک معیار متعین کیا اللہ اسے صرف برقرار رکھا بلکہ خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کرتے اور وقت کے ساتھ ساتھ کامیابی کی نئی منزلیں سر کھتے ہوئے آگے بڑھتا رہا۔

ہماری کامیابی میں سب سے بڑا حصہ ہماری مصنفین کا ہے۔ ان کی بہترین تخلیقات شعاع کی زینت ہیں۔ ہم تبدیلی سے ہنسنے کے ممنون ہیں۔

ہم اپنی قارئین کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ مدد ہر قدم پر ہمارے ساتھ رہیں۔ ہماری غنیمتوں کو سراہنا اور اپنے بہترین لکھنوں سے شعاع کو خوب سے خوب تر بنانے میں ہمارا ساتھ دیا۔ ہمارے دل چاہے کہ یہ سب کچھ ہمیشہ جاری رہے اور ہمیں ان کے شمارہ آپ کو ملے گا تو آپ جلد کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہوں گی۔

تقدیر کو ہماری جانب سے دلی عید مبارک۔

عید آپ کے لیے ذمہ داریوں فرمائیے گئے۔ آپ کے دل پر آج اور خوشیوں سے بھرے ہیں۔ آج عید کے پر مسرت موقع پر ان لوگوں کو نہ بھولیں گے جو اسی وقت ایک گڑی آزمائش سے دوچار ہیں۔ بے سوسائٹی بے گھر و بے در ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی زندگیوں میں آس آسبائیاں لے کر اور وہ عاقبت اور سلامتی کے ساتھ اپنے گھروں کو لوٹیں۔

آج ہی عید تہاجب پاکستان وجود میں آیا تھا۔ اس کے لیے بے شمار لوگوں نے قربانیاں دی ہیں اور اب تک رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو قائم و دائم رکھے۔ آمین۔

**اس شمارے میں،**

- آسید زانی کا مکتبہ ناول - نایاب ہیں ہم
- سید میر کا مکتبہ ناول - ہاد گشت
- میر تقی میر کا مکتبہ ناول - یارم
- رضوان نگار عدنان اور نسیہ عزیز بزرگ کے ناول،
- رشید خالد خان کا ناول - محبتوں میں مانا کی بات نہیں چلتی
- نورو بختاوی، رفیقہ مہدی، مرقیۃ العین، شرم بانجھی اور فہمیدہ محمد بیگ کے افسانے
- رنگ چلے نگیں، عبا بھڑوانے - قارئین سے سروے،
- جنید خان اور آمنہ خان کا بندھن،
- معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ - دستک
- ہمارے نئی نئی اللہ علیہ وسلم کی پیلری باتیں - اداویث نبوی کا سلسلہ
- عید کے پیمان، ہمندی کے دیوانوں اور آئینہ خانے میں، خط آپ کے اور دیگر مستقل سلسلے شامل رہا۔
- شعاع کا سالگرہ نمبر آپ کو کس سال کا آپ کی ملنے کے منتظر ہیں۔



رسول مجتبیٰ کیسے، محسوس مصطفیٰ کہتے  
خدا کے بعد میں وہ ہیں پھر اس کے بعد کیا کہتے

شریعت کا ہے یہ امر خاتم الانبیاء کیسے  
محبت کا تقاضا ہے محبوب خدا کیسے

جب ان کا ذکر ہو دنیا سراپا گوش ہو جانے  
جب ان کا نام آئے مرجبا علی کہتے

مرے سرکار کے نقشِ قدم شیعہ ہدایت ہیں  
یہ وہ منزل ہے جس کو مغزت کا ارت کیسے

حسود کی نبوت دائرہ ہے نوریہ موت کا  
اسی کو ابتدا کہتے، اسی کو انتہا کہتے

خباہ راہ طیبہ سرمہ چشم بعیرت ہے  
یہی وہ خاک ہے جس خاک کو خاکِ شہا کہتے

ماہر القلادی

ہے نرغہ اعدا میں کہ تنہا بھی بہت ہے  
دل کو تری رحمت پہ بھروسہ بھی بہت ہے

ہے کسی غیر کی چاہت کا ٹھکانا بھی دلوں میں  
اور ان کو ترے عشق کا دعویٰ بھی بہت ہے

وہے ان کو مگر کوئی بشارت ہی کا موسم  
دکھ جن کے مقدر میں یہ لکھا بھی بہت ہے

کیوں کروں سچ پائیں ترے حق کو یازب  
دل جن کا ہوس گردے میلا بھی بہت ہے

ٹک جائے قلم حرفِ شہادہ ہر آکر  
ہر چند سخن کا یہ سلیقہ بھی بہت ہے

بھونڈ تر دیا وصیت نہ نہیں کافی  
گر بھوتہ کڑی کا یہ ہالا بھی بہت ہے

بخشش کے یہ لائق نہیں تو پھر بھی کرم کر  
نہان اکیلا بھی ہے پیاسا بھی بہت ہے

نعمان نادر



ادب



توبہ و استغفار کا بیان

بخش طلب کرنے کا حکم اور اس کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔  
 ”آپ بخش مانگیے اپنی لغزش کے لیے اور  
 مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے۔“ (محمد  
 19)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔  
 ”اللہ سے بخش مانگیے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت  
 بخشنے والا مہربان ہے۔“ (النساء 106)  
 اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

”پس اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ اس کی  
 پاکیزگی بیان کریں اور اس سے بخش مانگیں بلاشبہ وہ  
 خوب توبہ قبول کرنے والا ہے۔“ (التحریم 3)  
 اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

”پرہیزگار لوگوں کے لیے ان کے رب کے پاس  
 یاغاث ہیں (اللہ تعالیٰ کے اس قول تک) اور رات کے  
 آخری سہر میں استغفار کرنے والے ہیں۔“ (قل  
 عمران 15-18)

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔  
 ”جو شخص کسی برائی کا ارتکاب کرے یا اپنے نفس  
 پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخش طلب کرے تو وہ اللہ کو  
 بہت بخشنے والا مہربان مہربان پائے گا۔“ (النساء 110)  
 نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

”اور اللہ تعالیٰ تیری موجودگی میں ان کو عذاب دینے  
 والا نہیں ہے اور (اسی طرح) اللہ ان کو عذاب نہیں

دے گا جبکہ وہ بخش مانگنے والے ہوں۔“ (الافضل۔  
 33)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔  
 ”اور وہ توبہ جب کسی برائی کا ارتکاب کر لیتے ہیں  
 یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور  
 اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ اور اللہ کے سوا کوئی

دن میں ستر بار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ  
 میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے  
 سنا۔

”میں دن میں ستر مرتبہ سے توبہ اللہ سے استغفار  
 کرتا اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔“ (بخاری)  
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے  
 کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔  
 ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری

گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں اور وہ اپنے لیے پر  
 جانتے ہوئے اصرار نہیں کرتے۔“ (قل عمران 141)  
 اس موضوع پر کثیر آیات ہیں اور مشہور ہیں۔

جان سے اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ختم کر کے  
 ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو گناہ کریں گے اور پھر اللہ  
 سے استغفار کریں گے تو اللہ ان کو معاف فرمائے  
 گا۔“ (مسلم)

فوائد و مسائل :

1۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ کو گناہ کا ارتکاب  
 کرنا پسند ہے بلکہ اس انداز بیان سے اصل مقصد توبہ



سید لا استغفار

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔  
”بندے کا یہ کہنا سید الاستغفار (استغفار کا سرواں) ہے۔“

اللَّهُمَّ أَنْتَ ذِي الْإِلَهَةِ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَأَنْتَ عَمَدَتِي وَأَنْتَ عَلِيٌّ عَهْدِيكَ وَوَعْدِيكَ مَا أَنْتَ تَطْفِئُ أَهْوَاءِيكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَلْبُودُكَ بِبِعْتِكَ عَلَيَّ، وَأَلْبُودُ بِبِعْتِي، فَأَغْفِرْ لِي، فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ إِلَّا أَنْتَ ۝

ترجمہ: اے اللہ! تو میرا رب ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو نے ہی مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں جہاں تک طاقت رکھتا ہوں تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں اور میں اپنے کیے ہوئے عمل کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ میں ان نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں جو تو نے مجھ پر کیں اور میں اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کرتا ہوں۔ چنانچہ تو مجھے معاف کر دے۔ بے شک تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں۔“

جو شخص یہ دُکھات استغفار کون میں دل کے یقین کے ساتھ پڑھے اور شام ہونے سے پہلے اسے موت آجائے تو وہ جنتی ہے اور جو اسے یقین کے ساتھ رات کو پڑھے اور صبح ہونے سے پہلے اسے موت آجائے تو وہ جنتی ہے۔ (بخاری)

1- اس میں استغفار کے کچھ آداب بیان کیے گئے ہیں مثلاً اللہ کی ذات و صفات پر کامل اعتقاد یقین۔ اللہ کی نعمتوں کا اقرار و اعتراف اور اس کے مقابلے میں اپنی کوتاہیوں کا اعتراف اور بارگاہ الہی میں عاجز و نیاز کا اظہار وغیرہ۔ یہ دعائیں تمام باتوں کو جامع ہے اس لیے اسے استغفار کا سید (سرواں) قرار دیا گیا۔

و استغفار کی اہمیت کو واضح کرنا ہے کیونکہ گناہ تو ہر انسان سے ہوتا ہے، کوئی انسان گناہوں سے پاک یا محفوظ نہیں۔ لیکن اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو گناہ کر کے اس پر اڑتے نہیں ہیں بلکہ توبہ و استغفار کا اہتمام کرتے ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑاتے ہیں۔ توبہ و استغفار سے بندے کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوتا ہے اس لیے یہ بہت پسندیدہ عمل ہے۔

استغفار

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک مجلس میں سو مرتبہ (یہ استغفار کہتے ہوئے) شمار کرتے

رَبِّ اغْفِرْ لِي، وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ الرَّؤُوفُ الرَّحِيمُ ۝

اغفر لی وتب علی۔  
”اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما۔ بے شک تو بہت رحم فرماتے والا، نہایت مہربان ہے۔“  
(اسے ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔)  
فوائد و مسائل :

1- اس سے دعا کا ایک سبب یہ معلوم ہوا کہ دعا کے مطابق اللہ کے صفات نام استعمال کیے جائیں جیسے توبہ استغفار میں اس کی صفت توبہ اہمیت اور صفت غمخوری و رحیمی کا اور دنیا کے معاملات میں اس کے جواد و کریم اور معطی وغیرہ ہونے کا ذکر کیا جائے۔

ہر غم سے نجات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔  
”جو شخص استغفار کی پابندی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا اور ہر غم سے اسے نجات عطا کرتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔“  
(ابوداؤد)

صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔  
معافی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "اے ابن آدم! جب تک تو مجھے نیکار مانتا رہے گا۔ اور مجھ سے امید و ہمت رکھے گا تو تو جس حالت پر بھی ہو گا میں تجھے معاف کرنا رہوں گا اور میں کوئی پروا نہیں کروں گا۔ اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان تک پہنچ جائیں پھر تو مجھ سے معافی طلب کرے تو میں تجھے بخش دوں گا اور میں کوئی پروا نہیں کروں گا۔ اے ابن آدم! اگر تو زمین بھر گنہگاروں کے ساتھ میرے پاس آئے پھر تو مجھے اس حال میں ملے کہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ نہیں لیا ہو تو میں بھی باقی مغفرت کے ساتھ تجھے طوں گا جس سے زمین بھر جائے۔" (اسے تفسیر لے روایت کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث حسن ہے۔)

قوائد و مسائل : اس میں گناہ گاروں کے لیے خوش خبری ہے۔ لیکن کون سے گناہ گار؟ جو گناہوں پر اصرار نہیں کرتے اور توبہ سے توبہ کر کے اللہ سے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ گناہ ستنے بھی زیادہ ہوں اللہ کی مغفرت و رحمت اس سے بھی زیادہ وسیع ہے لیکن شر راوی ہے جو قرآن نے زبان کی ہے کہ وہ گناہ پر اصرار نہ کرے کیونکہ اصرار کے ساتھ توبہ و استغفار ایک بے معنی عمل ہے۔ جب انسان نے گناہ چھوڑا ہی نہیں ہے بلکہ وہ مسلسل اس کا ارتکاب کر رہا ہے تو

اس کی بہت اللہ سے یہ کہنا کہ یا اللہ مجھے معاف کر دے ایک عجیب بات ہے بلکہ اللہ سے مذاق ہے اس لیے ابن احماش سے یہ سمجھ لینا کہ محض زبان سے استغفار اللہ بڑھ لینے سے ہر صغیرہ اور کبیرہ گناہ معاف ہو جائے گا بیوقوفی ہے کیونکہ استغفار اللہ پر ہونا توبہ نہیں ہے صرف ایک درخواست اور دعا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے مطابق رد یا قبول فرماتا ہے جب کہ

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سلام پھیر کر) اپنی نماز سے فارغ ہوئے تو تین مرتبہ استغفار فرماتے اور یہ دعا پڑھتے۔

اَللّٰهُمَّ اِنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ  
 تَبَيَّنَتْ لِيْ اَآءَالِ الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ؕ

"اے اللہ! تو سلام ہے اور سلامی تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔ اے عزت و جلال کے مالک! تو بڑی برکتوں والا ہے۔"

استغفار

حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی امام ابو ذری سے پوچھا گیا آپ استغفار کیسے کرتے تھے انہوں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے استغفر اللہ استغفر اللہ میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں۔ میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں۔" (مسلم)

قوائد و مسائل :  
 1- سلام پھیرنے کے فوراً بعد مذکورہ دعا پڑھنا مستنون عمل ہے۔ اس مستنون دعا کو چھوڑ کر اللہ اللہ اللہ کا ورد یا صلوات و سلام وغیرہ پڑھنا اور وہ بھی باوجود اللہ سنت رسول سے انحراف ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے قبل یہ کلمات کثرت سے پڑھتے تھے۔

سبحان اللہ و بحمدہ۔ "اے اللہ! میں تیری پاکیزگی بیان کرتا ہوں تیری خوبیوں کے ساتھ۔ میں تجھ سے معافی کا طلب گار ہوں۔ اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں (بخاری و مسلم)  
 قوائد و مسائل :

1- ویسے تو ہر وقت اور ہر وہی توبہ و استغفار کا اہتمام ضروری اور بہتر ہے لیکن زندگی کے آخری ایام میں تو بالخصوص اس کی بہت ضرورت ہے اور اس طرح نماز



توبہ یہ ہے کہ انسان گنہگار کے ارتکاب سے باز آجائے پھر اس پر بارگاہِ نبوی میں ندامت کا اظہار کرے اور دل میں یہ عزم رکھے کہ آئندہ اس گنہگار کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ اس قسم کی توبہ اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتا ہے اور کوئی اور دلیل نہ ہو تو اس کی مغفرت یعنی ہے۔

**صدقہ اور استغفار**

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔  
 ”اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو اور کثرت سے استغفار کیا کرو“ اس لیے کہ میں نے جہنم میں اکثریت عورتوں کی دیکھی ہے۔“

تو ان میں سے ایک عورت نے کہا۔ ”اے اللہ کے رسول! ہم عورتوں کے زیادہ جنسی ہونے کا سبب کیا ہے؟“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم لعن طعن زیادہ کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے عقل اور دین میں ناقص ہونے کے پانچ دور تم عورتوں سے زیادہ عقل مند پر غالب آجائے والا کوئی نہیں دیکھا۔“

پس نے پوچھا ”ہمارے اندر عقل اور دین کی کیا کمی ہے؟“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”لقصان عقل تو یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے (پس یہ عقل کی کمی کی دلیل ہے)۔ اور (مخصوص پیام میں) نماز نہیں پڑھتیں (رمضان میں روزہ نہیں رکھتیں یہ نقصان دین ہے)۔“ (مسلم)

**فوائد مسائل :** اس حدیث میں عورت کی ایک فطری کمی ’قصان عقل‘ بیان کی گئی ہے یعنی مرد کے مقابلے میں اس کے اندر عقل کی کمی ہے۔ اس کا لحاظ کرتے ہوئے شریعت نے عورت کی گواہی کو مرد کی گواہی کے مقابلے میں تو ہا قرار دیا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے عورت مرد کے مقابلے میں جسمانی اعتبار سے

کنویر اور نازک ہے اور اسی جسمانی نزاکت کے پیش نظر شریعت اسلامیہ نے اسے کسب معاش کی ذمہ داریوں سے قاصر رکھا ہے کیونکہ اس کے لیے اسے گھر سے باہر نکل کر جدوجہد کرنی پڑتی ہو اس کی جسمانی نزاکت اور دیگر مقاصد شریعت کے خلاف بات تھی۔

مغرب میں جو مسلمات مرد و زن کا سب سے بڑا علم بھارا ہے، سو سالہ جدوجہد کے بعد بھی عورت مرد کے مساوی درجے پر فائز نہیں ہو سکی۔ وہاں آج بھی تمام کلیدی عہدوں پر مردوں ہی کا قبضہ ہے۔ ان کی تمام اہم ملکی و بین الاقوامی پالیسیاں مرد ہی بناتے ہیں اور ان کے تمام ضروری معاملات میں مردوں ہی کا نقش دخل ہے۔

اس لیے اس کی عزت اسی میں ہے کہ اسلام نے اس کی فطری کنویری کے پیش نظر اس کا جو ذمہ لے لیا، سمجھ کر کیا ہے وہ اسے قبول کرے اور اپنی سرگرمیوں کا دائرہ اسی فطری حد کے اندر محدود رکھے۔ اس سے تجاوز کر کے وہ اپنے نسوانی عظمت و وقار سے محروم ہو جائے گی جیسا کہ آج مغرب کی عورت خروار ہو چکی ہے۔

عورتوں کو کثرت سے استغفار اور صدقہ لے کر خالوہ خاوندوں کی ناشکری اور غیبت و بدگواہی اور لعن طعن سے بگنی اجتناب کرنا چاہیے تاکہ وہ جہنم کا ایذا من بننے سے بچ سکیں۔

**دل اور اعمال**

”عن ابی ہریرہ: عبد الرحمن بن صفیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”اللہ تعالیٰ تمہارے جسوں اور تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔“ (مسلم)

**فائدہ :** اس حدیث سے بھی اخلاص اور صحیح نیت کی



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

**فوائد و مسائل :**

1- نکاح کا تعلق زندگی بھر کے لیے ہوتا ہے اس لیے زندگی کا ساتھی تلاش کرنے میں کوشش کی جانی ہے کہ وہ ایسا فرد ہو جس کے ساتھ زندگی خوش گزار ہو جائے۔

2- اچھی بیوی یا اچھے خاوند کی خواہش ایک جائز خواہش ہے تاہم اس انتخاب کا معیار درست ہونا چاہیے۔

3- اکثر لوگ ظاہری چیزوں کو بغضلیت کا معیار سمجھتے ہیں۔ بہت سے لوگ مال دار خاندان میں شادی کرنا پسند کرتے ہیں تاکہ ان کی دولت میں حصہ دار ہو سکیں، حالانکہ دولت و اعلیٰ پھلوں ہے۔ امیر آدمی دیکھتے دیکھتے مغلص ہو جاتے ہیں اور غریب آدمی کے دن پھر جاتے ہیں اور اسے دولت حاصل ہو جاتی ہے اس لیے دائمی تعلق قائم کرنے کے لیے یہ معیار قابل اعتدال نہیں۔

4- بہت سے لوگ معزز خاندان میں رشتہ کرنا پسند کرتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ دنیا میں معزز سمجھے جانے والے خاندان کا ہر فرد اخلاق و کردار کے لحاظ سے بھی اعلیٰ ہو۔

5- اکثر لوگ ظاہری حسن و جمال پر فریفتہ ہوتے ہیں لیکن یہ معیار انتہائی ناقابل اعتدال ہے کیونکہ عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ حسن میں کمی ہوتی چلی جاتی ہے۔

6- اصل قابل اعتدال معیار نیکی اور تقویٰ ہے۔ نیک بیوی غریبی میں بھی باوقار رہتی ہے اور اہلرت میں مغرور ہو کر خاوند کی توہین نہیں کرتی اور بچے خاندان کی عورت میں اکثر نخوت و تکبر کی بدعلوت پائی جاتی ہے اور وہ اپنے خاوند پر حکم چلانے کی کوشش کرتی ہے جس کی وجہ سے خاوند اور بیوی میں محبت پیدا نہیں ہو پاتی جو خوش گوار زندگی کے لیے ضروری ہے، لیکن نیک بیوی جو خاوند کے حقوق و فرائض سے اٹل ہے وہ اپنے خاندان کی ہوا اور فی خاندان کی گھر کو جنت بنا دیتی ہے۔

اہمیت واضح ہے اس لیے ہر نیک عمل میں اس کا اہتمام ضروری ہے اور دل کو ہر اس چیز سے صاف رکھنا چاہیے جس سے وہ عمل برباد ہو سکتا ہے، جیسے ریا کاری اور نمود و نمائش کا جذبہ یا دنیا کا لالچ یا کسی قسم کے اور غلطی مقاصد، تاہم لوگوں کا جملہ چونکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اس لیے اعمال کی اصل حقیقت قیمت والے دن ہی واضح ہوگی جب کہ لفظ تعالیٰ کی پارہ کھوتے اچھا یا برا بدلہ ملے گا، دنیا میں انسان کے ساتھ اس کے ظاہری اعمال کے مطابق ہی معاملہ کیا جائے گا اور اس کی باطنی کیفیت کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے گا۔

**نیک بیوی**

حضرت ابو ابراہیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: "مومن کو اللہ کے تقویٰ کے بعد نیک بیوی سے بہتر کوئی چیز نہیں مل سکتی۔ (ایک بیوی کہ) جب وہ اسے کوئی حکم دے تو وہ اس کی تعمیل کرے؛ جب اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے تو اسے خوش کر دے، اگر اسے کوئی قسم دے تو وہ قسم پوری کر دے، اگر وہ اس کی نظروں سے اوچھل ہو (سفر وغیرہ میں چلا جائے) تو اپنی ذات کے بارے میں پوچھ اس کے مال کے بارے میں اس سے غلط رسبب (خیانت نہ کرے)۔"

**دین والی عورت سے نکاح کرنا**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"

1- "عورتوں سے چار چیزوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے (کسی سے) اس کے مال کی وجہ سے (کسی سے) اس کے حسب و نسب کی وجہ سے (کسی سے) اس کے حسن و جمال کی وجہ سے (کسی سے) اس کی دین داری (اور نیکی) کی وجہ سے۔ تو دین دار عورت (کے حصول میں لڑکا کرنا) مایاب ہو جا۔ تیرا بھلا ہو۔"

# جنید خان بسنر ڈاکٹر آمنہ خاتون

شہابین کشید

گپ شب نگال۔ ہم دونوں نے بھی ایک دوسرے سے بات چیت کی پور پور میں نے اسی سے کہا کہ آپ باقاعدہ رشتہ بنیں۔

”یعنی پہلی ملاقات میں ہی آمنہ مل گونجائیں؟“  
 ”ہاں جی۔ پہلی ملاقات سے ایک ہونے میں جو خوبیاں ہوئی ہیں ان میں وہ سب مجھے آمنہ میں نظر آئیں۔ پروگراموں، تعلیم یافتہ ہے، ڈاکٹر ہے اور اب اپنا ایجوکیشن

بھی کر رہی ہے۔ آمنہ لنگھیلی ہے۔ والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس پر وہ سارے سالے آری سے ابن کا تعلق تھا تو ایک ملاقات سے آمیزش میں لگی تھی۔“

”مفتی کتا عرصہ رہی اور ملاقاتیں ہوئی تھیں؟“

”مفتی کم عرصہ ہی رہی کیونکہ جب بات کی ہوئی تو دو مہینے کے بعد 20 جولائی 2010ء کو ہمارا نکاح ہو گیا اور 13 ستمبر کو رخصتی ہو گئی اور جیسے میری خالہ بھی اسلام آباد میں ہی رہتی ہیں تو جب ابن کے ہاں چلا ہوتا تھا تو ابن سے ملاقات بھی ہو جاتی تھی۔ اور گپ شب بھی ہوتی تھی تاکہ ایک دوسرے کے مزاجوں کو سمجھ سکیں۔“

”کہتے ہیں کہ مفتی کا پیڑ جائے پور رکھنے کا ہوتا ہے۔ مگر جب نکاح ہو جاتا ہے تو بیگم کیسی بھی ہو قبول کر لیا جاتا ہے۔“

”نکاح سے پہلے بھی ہماری گپ شب ہوئی تھی۔ مفتی اور نکاح کے دوران بھی دو مہینے تھے تب بھی اچھی طرح سمجھ لیا تھا اور نکاح کے بعد تو پھر احساسات و جذبات انگ ہو جاتے ہیں۔ نکاح کے فوراً بعد ہی ذمہ داری کا احساس بھی ہونے لگتا ہے۔“

شادی کے معاملے میں پروفیشنل لوگوں کا اپنی ہی ایک رائے ہوتی ہے۔ پڑھی لکھی بیوی کی ڈیمانڈ کرتے ہیں۔ کچھ لوگ اپنے ہی پروفیشن کی بیوی چاہتے ہیں تاکہ گھر میں لڑائی جھگڑے سے بچے رہیں جبکہ کچھ لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ ایک ہی پروفیشن کے مابین بیوی مسائل کو جنم دیتے ہیں۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ ساری بات نصیب کی ہوتی ہے۔ ہوشربا۔ سفر رب نے تب کی زندگی میں لکھ دیا ہے وہی ہوتے ہیں۔

بندھن کے سلسلے میں اس بار مجھے ”جنید خان“ جن کی بیگم ڈینٹسٹ ہیں۔ دونوں کے پروفیشن الگ بھی مشکل بھی گھر کس طرح چلتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں۔

جنید کے بارے میں آپ کو بتائیں کہ ان کا پورا نام جنید خان نیازی ہے۔ 2 نومبر 1981ء کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ اسٹار ان کا اسٹار پیو ہے اور تعلیمی قابلیت ایم بی اے ہے۔ جنید خان کے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں اور ابن کا نمبر تیسرا ہے۔

”کیسے ہیں اب۔ اور یہ بتائیں کہ آمنہ صاحبہ سے پہلی ملاقات کب اور کہاں ہوئی اور کیا آپ کی لومینج ہے؟“

”نہیں جی۔ ہماری لومینج نہیں ہے۔ ٹوٹل لومینج ہے اور میرے خالو کے ایک فیملی فرینڈ کی بیٹی ہیں میری بیگم۔ اور اسی کی طرف سے گیا تھا میرا رشتہ پور ملاقات کا احوال یہ ہے کہ میری بیٹی نے بتایا کہ فلاں فلاں لڑکی ہے تم ملاقات کرو ہماری فیملی کی ملاقات اسلام آباد میں ہوئی۔ میں نے آمنہ کے گھر والوں سے گپ شب نگالی پور میری بیٹی نے آمنہ کی امی سے



لوہور درمیان میں تھوڑی مس انڈر اسٹینڈنگ بھی ہوئی  
ہلکی پھلکی مگر شکر ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہوا کہ ہمیں  
پچھتاہٹا ہوا ہوں۔ ہر انسان پر ایک کٹ نہیں ہوتا اور ہر انسان  
دوسرے کی لمبیدوں پہ پورا بھی نہیں اتر سکتا تو ہلکی  
پھلکی لڑائی میں گھبراتا نہیں چاہیے۔  
"سسرال سے تعلقات کیسے ہیں؟ اور آمنہ کو مزاج  
کا کیا پایا آپ نے؟"

"آمنہ تین بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے اور سسرال  
والوں سے میرے تعلقات بہت اچھے ہیں۔ ان کے  
بھائیوں سے میرا مزاج کافی ملتا ہے اور اچھا وقت گزارتا  
ہے۔ لوہور جہاں تک مزاج کی بات ہے تو ہر انسان کا مزاج  
نرم گرم تو ہوتا ہے مگر اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس  
ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا کیا کیا ہے تو اس کی  
اپنی رائے بھی ہوتی ہے۔ مگر ہم جو کام کرتے ہیں باہمی  
مشورے سے ہی کرتے ہیں۔ نرم مزاج بہت ہے۔

بہت محبت کرنے والی اور بہت خندیل رکھنے والی بہن ہے  
میری۔ بچانوں والا غصہ ہے مگر جلدی اتر جاتا ہے  
اور غصہ تو ہر انسان کو آتا ہے۔  
"ایک بیٹا بھی ہے آپ کا تقریباً تین ماہ کا۔ بیٹم  
ڈاکٹر ہے؟ اور شرب نہیں ہوتا؟"

"جپ ہنڈ سے بیٹے لے ہونا تھا تو بیٹم نے جب  
سے بریک لے لیا تھا اور بیٹے کی پیدائش کے بعد اس  
نے جب تھوڑی دی ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ایچ ڈی بھی  
کر رہی ہے اور اپنی ایچ ڈی کے بعد ہمارا بیٹا بھی تھوڑا سا  
بڑا ہو چکا ہے۔ وہ جب دوبارہ شروع کرے گی۔  
"جب کرنے والی بیوی کو اپنی کمائی کا بڑا زخم ہوتا  
ہے کہ میں خود کماتی ہوں۔ اس لیے ہر کام میں مرد کو  
باتھ جانا چاہیے۔ یہ کہ میں مصروف ہوں آپ اپنے  
کام نو کریں کیسا ہے؟"

"دیکھیں! جب عورت خود مختار ہوتی ہے تو تھوڑا  
بہت رعب یا زخم آتا تو لازمی ہے۔ لیکن میری بیگم میں  
ایسا کچھ نہیں ہے۔ وہ گھر گرہستی والے کام بھی کرتی

ہے۔ وہ جانتی ہے کہ اسے اپنے شوہر اور بچے کو بھی کام  
دینا ہے۔ آسنے والے مہمانوں کی کچھ بھگت بھی کرنی  
ہے۔ میں تو اس کے حق میں ہوں کہ عورت نے جس  
پروفیشن میں پڑھائی کی ہو اسے جاری رکھے اور شادی  
کے بعد اسے کٹ آف نہیں کرنا چاہیے۔"

"کیا شادی یہ سوچ کر کی گئی کہ میں کسی بھی لیلڈ کی  
ایک پروفیشنل لڑکی سے شادی کروں گا؟"  
"ہاں میں ایسا کچھ نہیں سوچا تھا میں تو مکمل طور پر  
قسمت پر یقین رکھنے والا انسان ہوں اور اللہ نے جس  
کے ساتھ میرا جوڑ بنایا مجھے اس پر یقین ہے اور میں  
اپنی زندگی میں بہت خوش ہوں۔ اس لیے ضرور سوچا تھا  
کہ والدین کی عزت کرنے والی مہنور زولئی سو برس  
ہو۔"

"شوہر کی فیلڈ سے کسی لڑکی کا انتخاب کیوں نہیں  
کیا اور لوہور کو ترجیح کیوں نہیں دی؟"  
"یہ تو خیر میں نے سوچ رکھا تھا کہ اپنی فیلڈ میں  
شادی نہیں کرنی اور یہ میرا مشاہدہ تھا کہ اپنی فیلڈ میں  
شادی کرنے کا نقصان زیادہ سے زیادہ کم ہے۔ میں  
کچھتا ہوں کہ چاہے وہ آپ کا لائف پارٹنر ہی کیوں نہ  
ہو اسے تھوڑا سمجھنا چاہیے ہوتا ہے اس لیے اگر  
میں بیوی ایک ہی پروفیشن کے ہوں گے تو ایک  
دوسرے میں کھسے ہی رہیں گے۔"

"کیا اول چاہتا ہے کہ ایک دو اپنی بیوی کی طرف آمنہ  
آپ کا ہر کام کرے ہر طرح سے خیال رکھے؟"  
"میرا خیال ہے کہ یہ خواہش تو ہر مرد کی ہوتی ہے  
لوہور میں خوش قسمت ہوں کہ آمنہ میرا ہر طرح سے  
خیال رکھتی ہے۔ کوئی کنگ بھی کرتی ہے۔ گھر کو بھی  
سنجھاتی ہے۔ اس لحاظ سے وہ ایک مکمل بیوی ہے۔  
آمنہ کو پاکستانی اور کلاسیک ٹینل ڈیشن بھی پکلی آتی  
ہیں۔"

"وہ بیگم کی کوئی اچھی اور بری عادت بتائیں۔ میں  
بیوی میں شروع میں محبت زیادہ ہوتی ہے یا بعد میں؟"  
"میرا نہیں خیال کہ اس کی کوئی عادت ایسی ہے جو  
مجھے ناپسند ہو۔ ہلکی پھلکی عادتیں تو ہوتی ہیں مگر ان کو

www.paksociety.com

www.paksociety.com





نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ میاں بیوی میں احترام کا عنصر بھی زیادہ ہونا چاہیے۔

”مرا سکے ہاتھ میں اللہ نے پاور رکھی ہے۔ تمہارا“  
 تین لفظ بولے اور خاموش کر دیا۔ تو اس کے ہر سانس میں  
 آپ کیا نہیں مگے۔ یہ آنا لانا میں جو طلاق ہو جائی  
 ہے تو کیوں ہوتی ہے؟“

”عورت یا بیوی اپنے شوہر سے کیا چاہتی ہے اور  
 مرد کیا چاہتا ہے کہ لڑکی خوب صورت ہو؟“  
 ”لڑکی کا خوب صورت ہونا تو ضروری نہیں، لیکن  
 خوب سیرت ہونا چاہیے اور دیگر خصوصیات بھی ہونی  
 چاہئیں۔ عورت کو مرد میں ایک طاقت چاہیے ہونی  
 ہے۔ ایک گہرائی چاہیے ہونی ہے۔ اس کے حق کے  
 لیے لڑنے والا شوہر چاہیے ہو تاکہ اور شوہر کو وہ ایک  
 کامیاب مرد کی حیثیت سے دیکھنا چاہتی ہے۔ اسی  
 طرح مرد کو بھی ایسی ہی اچھی خصوصیات چاہیے ہونی  
 چاہئیں۔“

”طلاق بہت بری چیز ہے اور ایسا ہونا نہیں  
 چاہیے۔ دو انسان مکمل طور پر ایک دوسرے کو اندر  
 اشیئہ نہیں کھیلتے۔ مرد نے اپنے حساب سے اپنے  
 ماحول میں زندگی گزارنی ہوتی ہے۔ عورت کا اپنا ایک  
 ماحول ہونا ہے۔ مگر یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں کہ جس کی  
 وجہ سے طلاق ہوتی ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ طلاق کا  
 آپشن ہونا ہی نہیں چاہیے۔ آپشن ہونا ہے تو نوک  
 لینے کا سوچتے ہیں اور ایک دوسرے کی غائبیوں کو  
 برداشت نہیں کرتے۔ اگر یہ آپشن نہ ہو تو نوک یعنی  
 میاں بیوی ایک دوسرے کو برداشت کریں گے اور  
 برداشت تو کرنا پڑنا ہے۔ پر لکٹ جوڑ کوئی نہیں  
 ہوتا۔“

”شادی کی صحیح عمر کیا ہونی چاہیے۔ مرد کی اور  
 عورت کی؟“  
 ”مرد کی 28، 29 سال ہونی چاہیے۔ جبکہ  
 لڑکی جب کافی طور پر مہجور ہو جائے اس کی شادی  
 ہو جانی چاہیے۔ ہم میاں بیوی میں عمر کا ایک نہیں  
 ہے تقریباً برابری ہیں اور میری شادی بھی ناگم پر ہی

”مسٹر! نزدیک ہونا چاہیے یا دور؟ کیونکہ۔“

”جی آمنہ صاحب! ایسی گزر رہی ہے بلا تکلف؟“  
 ”جی ہاں، اللہ بہت مہربان ہے۔“  
 ”آپ دونوں کی اربن میج ہے پہلی ملاقات میں کیسے لگے تھے جنید؟“  
 ”بہت سلا سے بہت اچھے دیکھ کر ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ ان میں کوئی نحو نہیں ہے۔“  
 ”جب بتا چلا کہ ایک معروف آرٹسٹ سے شادی ہو رہی ہے تو کیا احساسات تھے آپ کے؟“  
 ”کچھ خاص نہیں۔ بس یہی کہ فیصل بلا تکلف ہو گی کہ نہیں، ہاں ایک ساتھ گھوم پھر سکیں گے یا نہیں۔ مگر اللہ کا شکر ہے کہ ایسی کوئی مشکلات پیش نہیں آئیں۔“

”شادی کے بعد جنید کو کیا پایا؟“  
 ”سوچا تو اچھا تھا لیکن سوچ سے کہیں زیادہ اچھا پایا انہیں۔“

”ماحول میں کتنا فرق تھا۔ یعنی آپ کے گھر اور ان کے گھر کے؟“  
 ”جی بات کہوں تو ان کے گھر لوہا ہمارے گھر کے ماحول میں کوئی زیادہ فرق نہیں تھا۔ تھوڑا بہت فرق تو اپنے بہن بھائیوں کے ماحول میں بھی ہوتا ہے تو ایسا کچھ خاص فرق نہیں لگتا۔“  
 ”کون سی رسمیں انجوائے کیں اور کس میں بوریت ہوئی؟“

”رسمیں اتنی ہوتی ہی نہیں۔ ہاں ہماری طرف سے جو رسمیں تھیں ان میں مجھے بہت مزا آیا تھا اور یقیناً انہوں نے بھی بانجوائے کیا ہو گا۔“

”منہ دکھائی میں کیا ملا تھا اور بنی مومن کے لیے کہاں گئے تھے آپ دونوں؟“  
 ”منہ دکھائی میں انہوں نے مجھے گولڈ کارہا سٹلٹ دیا تھا اور بنی مومن کے لیے ملایشیا اور وہیں گئے تھے اور انجوائے کیا تھا۔ اور گارڈز تھا ہمارا۔“  
 ”نکاح اور رخصتی کے وقت کیا احساسات تھے

لوگوں کا خیال ہے کہ دور ہونا چاہیے۔ نزدیک ہو تو لڑکی کو ہر وقت میکانہ ہی یاد رہتا ہے۔“

”میرا سسرال تو اسلام آباد میں ہے اور میں تو اس بات کا قائل ہی نہیں ہوں کہ بیوی کو میکے نہ جانے دوں میں تو اپنی بیوی کو کھلی چھٹی دے دیتا ہوں کہ جب دل چاہے چلی جائے کیونکہ جب لڑکی سسرال آتی ہے تو ایک نئے سیٹ اپ میں آتی ہے اور اس کو ٹائم لگتا ہے ایڈجسٹ ہونے میں تو اگر وہ اپنے میکے چلی جائے تو اسے سانس لینے کا تھوڑا موقع مل جاتا ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بیوی کو سسرال میں ہی رکھو تاکہ وہ ایڈجسٹ ہو سکے مگر میں ان باتوں کو نہیں مانتا سب سیٹ ہو جاتا ہے بے شک ٹائم لگتا ہے۔“

”اس انٹرویو کے ذریعے اپنی بیگم کو کچھ کتنا چاہیں گے جو آپ آج تک اس کے منہ پر نہ کہہ سکتے ہوں؟“

”تقدیر۔“ نہیں ایسا کچھ نہیں ہے جو کچھ بھی کہنا ہوتا ہے ہم ایک لاکھ کے سامنے ہی کہہ دیتے ہیں اور بہتر کی ہوتا ہے کہ انسان سامنے کہہ دے بجائے اس کے کہ کسی میرے بندے کے ذریعے لگے شکوے آرہے ہوں۔“

آمنہ جنید خان





WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM



تو؟  
 ”مجھے اندازہ ہے کہ وہ ایسا نہیں کریں گے کیونکہ  
 جنید مجھ سے بہت خوش ہیں اور مجھ سے بہت محبت  
 کرتے ہیں۔“  
 ”لورہ یہ آخری سوال کہ شادی کی رات کمرے میں  
 آکر پہلا جملہ کیا بولا تھا آپ سے؟“  
 ”شاید سلام کیا تھا۔ ٹھیک سے یاد نہیں۔ شادی  
 کی رسومات لورہ ہنگاموں میں اتنی تھکاوٹ لگا جاتی ہے  
 کہ کچھ ٹھیک طرح سے یاد ہی نہیں رہتا۔“  
 لورہ اس کے ساتھ ہی ہم نے اس جوڑے سے  
 اجازت چاہی اس شکر یہ کہ ساتھ کہ انہوں نے نام  
 دیا۔



آپ کے؟“  
 ”کلح کے وقت میں تو بہت روٹی تھی۔ وہ وقت ہی  
 شاید ایسا ہوتا ہے لورہ رخصتی کے وقت بھی ایسی ہی  
 کیفیت تھی بہت اور اس کی اور جذباتی ہو رہی تھی  
 اور شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ میں اپنے والدین کی  
 اکلوتی بیٹی اور تین بھائیوں کی ایک ہی بہن ہوں تو  
 لاڈل کی بہت تھی اور ابھی بھی مست لگتی ہوں۔“  
 ”جنید کو تب کس روپ میں اچھی لگتی ہیں؟ سماجی  
 میں یا بنی شخص؟“  
 ”میں انہیں سماجی میں اچھی لگتی ہوں بس  
 آنکھوں میں صرف کاغذ لگانا ان کو اچھا لگتا ہے۔“  
 ”آپ کی جاب جنید کی فیلڈ لورہ چھوٹا بچہ۔ لائف  
 ڈسٹریب ہوتی ہے؟“  
 ”نہیں۔ جاب نے تنگ نہیں کیا کیونکہ جب جنید  
 نہیں ہوتے یہاں تو اپنے آپ کو مصروف رکھنے کی وجہ  
 سے جاب کرتی ہوں ورنہ مشکل ہو جاتا ہے لہذا کے بغیر  
 نام گزارتا۔“  
 ”اسلام میں چار شادیوں کی اجازت ہے مگر کرنی

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف  
 سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

**لطیف حیات میں**

فاخرہ جبین

قیمت: 400 روپے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ  
 فون نمبر: 32735021  
 37، لورہ بازار، کراچی



عید۔ محبت خوشی شانانی کا دن، فراموشی کی ادائیگی کے بعد قدرت کا انعام اور تحفہ۔ تمام گلے شکوے دور کر کے محبت اور دوستی کے اظہار کا دن۔ تمام دنیا کے مسلمانوں کا یہ تہوار اپنے اندر عیوبت، محبت، شکر گزاری اور خوشیوں کے ہزاروں رنگ سمیٹے ہوئے ہے۔

عید کے ساتھ جزی خوب صورت روایتیں اس تہوار کو دلکش اور حسین بناتی ہیں۔ عید کے دن خصوصی اہتمام کیے جاتے ہیں۔ خصوصاً خواتین اور لڑکیوں کی تیاری تو شہر ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔ مندی کے دن فریب نقش و نگار سے سجے ہاتھ دکھائیوں میں دیکتی ہانڈک چوڑیاں خوش رنگ بلوسات۔ عیدی لینا اور عیدی دینا ہماری خوب صورت روایتیں ہیں۔

اس بار شعلع کا سالگرہ نمبر عید کے موقع پر آ رہا ہے۔ اس لیے قارئین سے سروے، سالگرہ نمبر اور عید کے حوالے سے سب سوالات یہ ہیں۔

- 1۔ چاند رات کو آپ کی کیا مصروفیات ہوتی ہیں اور عید کا دن کیسے گزارتی ہیں؟
- 2۔ وہ کون سی ڈش ہے جو عید کے دن آپ کے ہاں لازمی بنتی ہے اور سب اسے پسند کرتے ہیں؟
- 3۔ شعلع میں شائع ہونے والی آپ کی پسندیدہ مصنفین اور وہ آپ کو کیوں پسند ہیں؟
- 4۔ اس سال شعلع میں شائع ہونے والی تحریروں میں آپ کا پسندیدہ جملہ شعر یا اقتباس؟

آئیے دیکھتے ہیں ہماری قارئین نے ان سوالات کے کیا جوابات دیئے ہیں۔

## رنگ چنے لگیں صبا طہجائے

آراہ

### سرت الخلف احمد۔ کراچی

کشمش ہوں اسی لیے میری جیولری ڈریسنگ اور ٹیک اپ ہر ایک چیز پر فیکٹ ادنیٰ ہے۔ ابو اور امی سے عید ملنے کے بعد ایک دو سمرے سے عید ملتے ہیں لائی اور ابو سے من مانی عیدی وصول کرتے ہیں۔

بھانڈن تو کھراؤوں کے ساتھ اچھوٹے اور مستی کرنے میں گزر جاتا ہے؛ سب کے دوسرا دن شاعر اور روایت کو برقرار رکھتے ہوئے دلدارا ابو سے عید ملنے جاتے ہیں سمرے دن ہائی کے گھم بادل کھاتے ہیں غرض کہ عید کا دن میرے لیے بہت سی خوب صورت اور منفرد ہوتا ہے۔

۲۔ عموماً ہمارے گھر عید کے دن امی چکن بریانی بناتی ہیں لیکن یہ عام بریانی نہیں ہے یہ لبرائن کی خاص ڈش ہے جو ہمارے گھر بہت جتنی ہے اور ذوق و شوق سے کھائی جاتی ہے۔ ابو کی فڈرل ڈش بناس کے ساتھ رات ہوتا ہے۔

۳۔ پسندیدہ اور شہرہ سے تو اپنی قابلیت اور صلاحیت کی وجہ سے سب رائٹرز ہی ایک سے بڑھ کر ایک ہیں لیکن چا

1۔ چاند رات کو ہماری مصروفیت کا لڈازو اس بات سے لگایا ہوا ہے۔ کہ ہم رات دیر تک جاتے ہیں عید کے کپڑے پر نہیں کرتے ہیں ایک دوسرے کو مندی لگاتے ہیں بچی بسن صحیحہ اور کزنز وغیرہ مندی لگوانے آتی ہیں۔ کوئی فیصل کر رہا ہوتا ہے تو کوئی جیولری سلکٹ کر رہا ہوتا ہے غرض کہ ہر طرف گھما گھسی خوشیوں کا راج ہوتا ہے سب اپنی اپنی تیاریوں میں مگن ہوتے ہیں۔ اپنے۔۔۔ آپ کو سوار کرنے کے ساتھ ساتھ گھر کی نقلی تبدیلی اور عید کے لیے مزے دار ڈشز کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے، شعلع مذاق اور ذوق جو تک میں چاند رات کو بھر پور انجوائے کیا جاتا ہے۔

۲۔ کہہ کے قارئین نے فارغ ہونے کے بعد میں خود کو بہت ہی اہتمام سے تیار کر لی ہوں۔ کیوں کہ میں بہت ہی



**طلعت شیشیاں شریف۔ سرگودھا**

1۔ چاند رات کو میری مصروفیت بھی بس خام سی ہوتی ہے کیونکہ ہم لوگ گاؤں میں رہتے ہیں اس لیے اپنی شاپنگ وغیرہ میدت سے پہلے نھل کر لیتے ہیں اور اس دفعہ تو میں نے برصغیر سے بھی پہلے شاپنگ کر لی تھی کیونکہ برصغیر میں بازار کے پیمبر نے (لف)

چاند رات کو میں بچوں کو تیار کرنے کو تیار ہوتی ہوں کیونکہ ہم بچوں والے سب ایک اور سرے کے گھر مہلک جا دینے آتے ہیں اور سرگودھا کے آٹے والے دستہ دار جن میں میرے بھائی اور ان کے بھائی وغیرہ آج چاند رات کی خوشیاں اڑھا کر دیتے ہیں۔ ان کی خاطر تاجروں کے لیے میں اور میری لیارہ سالہ بی بی ہنس پر ہوش ہوتے ہیں۔ پھر آٹے آٹے والوں کا سالانہ شروع ہو جاتا ہے کیونکہ ہمارا خاندان بہت بڑا ہے اس لیے رات گئے تک یہ سالانہ چلا رہتا ہے۔ لڑکیاں آدھ چھری لگی اور چھوٹا بیٹا دو کہ ساڑھ سالہ کا ہے مندی نکات میں باڑھا کرتے ہیں۔ بڑا بیٹا دوستوں کے ساتھ مصروف ہوتا ہے۔ میاں صاحب ممانوں کے ساتھ کب ٹیپ میں مصروف ہوتے ہیں۔ میں اس اور ان سب کے لیے کچھ نہ کچھ بنا کے رکھتی رہتی

نہیں کہیں فیملہ عزیز سے مجھے وہی نصیحت سنبھ میں ان کو دل کی کھراٹیوں سے پسند کرتی ہوں ان کی ہر تحریر کو بہت ہی ذوق و شوق سے پڑھتی ہوں۔ نہ تو انہ مجھے بہت ہی سادھی ذہنی لکھی ہیں پانڈیک کی وجہ سے ہے لیکن کی تحریریں ہر دانشور سے کوئی ڈفرنٹ اور منفرد لگتی ہیں۔ بلکہ ہر دوں ہاؤس ہاؤس اور سب سے آواز داتا ہے۔

فردت و اشتیاق تو عید کا پانڈ ہیں جو کبھی کبھی اپنی بھلائی دکھا کر ہالوں میں پھسپ جاتا ہے میں نے انہیں بلدی میں ایکٹا کر ٹوٹی سے چھری جھنجھل گئی تھی۔ جسے بہت ہی سو اور ڈسٹنٹ لکھیں فرحت اشتیاق بھی میری دوست قدرت ہیں۔

اگر یہ ہمارا تیز زوی کے کھیل ناوں منہ سے صدمہ تاتا ہے

میں ایسوی صمدی کی ذہنی بہت پرست اداں ہالک یا منہ کھینے والی سالوں تک منہ منہ کرتے امریکی ساری پونجی لگا کر اب منہ بہت صبر اور ایات اور صدمہ اتنا صبرین اتنا و حیم اتنا کر پھر شکوہ نہیں کرتا لکھ نہیں دینا و متناہارنا نہیں اپنے وہار سے اڑاتا نہیں۔ نور اسما یہ غایت میں لے لیتا ہے۔"



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

2۔ وہ کون سی ڈش ہے جو لازمی بنتی ہے۔ اس طرح تو بہت سی ڈشیں ہیں جو لازمی بنتی ہیں اور ہر گھر میں بنتی ہیں لیکن۔ گریوں کے حوالے سے ایک ڈش بنتی ہے جسے کھوئے والا قلفہ کہتے ہیں۔

3۔ شعلہ کی مستحکم تو سب ہی میری پسندیدہ ہیں ان میں ماما ٹنگ میرے خواب ریزہ ریزہ کی وجہ سے بہت پسند ہیں۔ فائزہ افتخار داسی ڈھولن یا رادی۔ راحت جنیس زرد موسم عمیرہ احمد بیچر کمال انور احمد جنت کے پتے اور قرقرم کا تاج گل۔ اس کے علاوہ گت سیما۔ میرا امید سائرہ رضا تیز نبوی اور تقریباً ہر علاقہ کی ہر عمر میری پسندیدہ ہے۔ یہ۔ ویسے تو شعلہ میں ہر جملہ ہر اقتباس سبق آموز ہوتا ہے لیکن آپ نے ایک کی شرط رکھی ہے تو وہ رخصتہ آگاہی ایک بھی مثال میں لکھا ہے۔  
"یقیناً" جب اور وہ مضبوط ہو جائے کسی مشکل پر قابو پائے گا تو خدا اپنی رحمت کے وسیلے بنائی دیا کرتا ہے۔  
تمام قاری بہنوں اور شعلہ کی چوری نیم کو عید مبارک

حمیرا نوشین۔ منڈی بہاؤالدین

1۔ سب سے پہلے تو چاند رات کی عبادت مکمل کرتی ہوں اور پھر پین کراخ کرتی ہوں اور مزے دار سی کھیر کی تیاری کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ساڑھے دس لیٹروں تک اس کلاسٹ فارغ ہوتی ہوں تو سیدھی بستر کی راہ لی ہوں کیونکہ کپڑے استری کرنے اور صفائی ستھرائی کا کام میں دن میں کر لینا ہوتا ہے۔ منڈی میں نے کبھی لگائی نہیں۔ شادی سے پہلے اپنی بہت ڈانٹا کرتی تھیں کہ لڑکیوں کو منڈی لگانے کا کتنا شوق ہوتا ہے مگر اسے پروا نہیں۔ اب شادی کے بعد شوہر کو بھی پروا نہیں ہوتی منڈی لگانے یا نہ لگانے ان باتوں سے بالکل بیچوس نہیں ہے۔  
2۔ عید کے دن سب لگی پھلکی سی صفائی کے بعد بچوں کو تیار کرتی ہوں۔ میاں صاحب عید کی نماز پڑھنے چلے جاتے ہیں تو میں بھی ان کے دلہن آنے تک تیار ہو جاتی ہوں عید والے دن تیار ہونا مجھے اور انہیں دونوں کو ہی پسند ہے کیونکہ۔۔۔ ہمارا اسلامی تہوار ہے۔ اسے بھوپور طریقے سے منانا چاہیے۔

عید والے دن میں پانا چاہتے۔ چکن روٹ اور بیانی ضرور بناتی ہوں جو کہ سب کو پسند آتی ہے۔

ہوں۔ اسی طرح گلن والے ایک لاسرے کے گھروں میں آج کے چاند رات مناتے ہیں۔ میں چاند رات کو نہیں نہیں جاتی صرف گھر پر مسمانوں کو اینڈ کرتی ہوں اور عید پر سب کے گھروں میں جاتی ہوں۔ سب میں عیدیاں ہائے۔

سب کا دل سے فارغ ہو کے اپنے ہاتھوں پہ مندی لگاتی ہوں آخر دل تو بچہ ہے۔

عید کے دن میں صبح سویرے اٹھتی ہوں کیونکہ تفصیلی صفائی تو چاند رات سے بھی پہلے مکمل کر لینی ہوتی ہوں اس لیے ایک بار پھر صاف گھر کو دوبارہ صاف کرنے کے جلدی جلدی صفائی مکمل کرتی ہوں۔ پھر سب کے لیے ناشتا بنالی ہوں جو کہ اکثر سویوں اور چائے پر مشتمل ہوتا ہے۔

اس کے بعد میاں صاحب کو عید کی نماز کی تیاری میں مدد کراتی ہوں کیونکہ انہیں مسات پڑی ہوئی چیز بھی انہما کے دینی بنتی ہے۔

ان کے جانے کے بعد میری پیاری بیٹی تیار ہوتی ہے اور مجھ سے عید کی بنتی ہے۔ نماز سے واپس آنے کے بعد میں میاں صاحب سے اور بچے مجھ سے عید می لیتے ہیں۔

پھر کوٹنگ کی طرف آتی ہوں۔ اور گھر کے گھروں سے آئی ڈشز وصول کرتی ہوں جی ہاں ابھی تک گاؤں میں یہ رواج ہے۔ اور خود سب کے گھروں میں بھی ملو وہ بھی سواں اور کبھی کبھی وغیرہ بھراتی ہوں۔ اس کے بعد بھائی وغیرہ عید دینے تہاتے ہیں سرگودھا سے آئے لوگ اپنے اپنے گھروں میں رہتے ہیں اس لیے صبح کو اپنے دوبارہ ملاقات ہوتی ہے۔

آپ لوگ کہتے ہوں کہ میں نے اپنی تیاری کا کوئی ذکر نہیں کیا تو جناب حسب میں تیاری نہیں ہوتی تو ذکر کیسا۔ تی ہاں۔۔۔ سر تھاڑ منہ پھاڑو والا حملہ ملو اور انہیں حقیقتاً ٹھنڈے لٹ آتا ہے۔

پھر ہتی ہے۔ یعنی سب کے گھروں میں جاتی ہوں عید دینے۔ اپنی مندوں۔ بہنوں کھانوں اور لہن کے بھائیوں کے گھروں سے آتے آئے جو لوگ لہجہ میں بیٹھے ہوں ان کو مبارک باد دیتے دیتے شام اور پھر شام سے رات ہو جاتی ہے۔

اس طرح اس خواصورت دن کا اختتام ہو جاتا ہے ہم لوگ عید کے دوسرے دن کنگ پر جاتے ہیں۔ رات کو سونے سے پہلے اپنی عید کی گناہیں بھولتی۔



3۔ شعلع میں شلیخ ہونے والی پسندیدہ مصطفین کی فہرست میں سرفہرست ہمیشہ شاذیہ چوہدری ہی رہیں گی۔ اللہ انہیں غزواتِ جنت کرسٹ آئین (ان کے بعد عمیرہ امیرہ رخسانہ نگار ہرٹن 'نمرہ احمد ہیں۔ 4۔ اس سال پچھلے ماہ شائع ہونے والی اماہ خان کی کہانی کے ان حسلوں کی صداقت پر یقین لے آئی۔

”پرانسان کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کم از کم ایک ایسا شخص ضرور پیدا کیا ہے جو اس سے بے حد محبت کرتا ہے اس کی تمام برائیوں، بد صورتوں اور خامیوں کے باوجود وہ اس سے پیار کرتا ہے اس کی چاہت رکھتا ہے اور اپنی سب سے بڑی محبت سے وہ کبھی دستبردار نہیں ہوتا۔“

ذہنی مصلحت اشرف  
ذہنی مصلحت اور کاڑھ

اور روایت بہت پسند ہے۔ جیسے پانی رو اس اور۔ شروع سے لے کر اختتام تک میں عمر میں جلتی رہتی ہوں۔ بس میں سوچتی ہوں کہ وہ کیا ہوا کہ کہانی پڑھی رسالہ رکھا اور انہی مجھے کہانی پڑھو تو ایسے کہ ہر کردار کو سمجھو۔ قاری کردار کے ساتھ رہے اس کے دکھ درد کو محسوس کرے اس کی خوشی پر مسکرائے اور کردار کی نفسیات یوں سمجھے کہ اسے کوئی ڈاؤٹ نہ رہے۔

4۔ نمرہ احمد کی تحریر جنت کے بہت ہے۔ ”اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا“ جبکہ دل کو مارے بغیر نور نہیں ملتا۔“

ایشہ رفتی۔ ہارون آباد

1۔ میری چاند رات کی مصروفیات کچھ خاص نہیں ہوتیں۔ شاپنگ وغیرہ تو رمضان میں ہی ہو جاتی ہے کیونکہ چاند رات کو ہم کبھی بازار نہیں گئے۔ بس یہ ہو ہے کہ چاند رات کو سب کے کپڑے پر نہیں کرنا ہے کیونکہ عید

کے دن لائٹ کا کیا بھروسہ۔ پھر دس دنوں اور کسٹرا وغیرہ بنا کر رکھ دیتی ہوں۔ ایسے چھوٹے، ہونے کام کرتے کرتے دس کیا رہنچ جلتے ہیں پھر ساری کزنات بھی ہو جاتی ہیں اور

1۔ تب۔۔ کیا خوب سوانی پوچھا تب نے۔ آخری روزت میں سارا گھر لپٹ ہو چکا اور بس۔ ڈھیروں کلام اور او آئی جانیں (میں اور امی) اور حوا شک نشین میں کپڑے گھوم رہے ہیں اور ہر برتن دھل رہے ہیں۔ ساتھ ساتھ سلائی مشین کی کوڑھو بھی اس منظر کا ہم حصہ ہے۔ پھر امی کی آواز میں ”آئے ہائے اس قمیص کے فن انٹھی مانگنے ہیں۔ یہ کیس اور ہرنگے لگے۔ اور ہر تریالی کرو“ رات کے گیا وہ بچے تک جاگتی ہوں۔ شوکیس میں کپڑے بچھا کر برتن جوڑ کر سب کے کپڑے پیکس کر کے لوہ گھو سیٹ کرنا تھو۔ عمیرہ کے مندی لگائی ہوں (اگر وہ بے چاریاں جاگ رہی ہوں تو) مصلحت تو ہو جاتی ہے مگر یہ مصلحت بھی بڑی اچھی لگتی ہے۔

غیر۔۔ پھاری عید۔ میں چاہتی ہوں کہ میرا عید کا سارا دن خوشی خوشی گزرنے۔ مگر سوائے بچپن کی عیدوں کے کوئی عید ایسی نہیں گزرتی۔ شاید اس لیے کہ آگے عذاب ہے یا رب!

2۔ میں کا اٹھو ملازمی بنتا ہے خواہ عید کے پہلے دن سبے یا دوسرے دن۔

3۔ دیتے تو ماشاء اللہ ہر صنف ہی قابل اعتراض ہے۔ مگر مجھے زیاد تر آسید روزانی، نمرہ احمد، نیلاب بیگم، سمیرا امیر اور سائہ رضا پسند ہیں۔ مجھے فن کی تھاریری کی بے ساختگی



### مندى انگا شروع

اور بہت قریبی دوستوں اور محلے والوں کے گھر بھیجا جاتا ہے۔

عید نماز کے فوراً بعد ہی ملنے والوں کا ہنسا بندھ جاتا ہے جس کے لیے ہم نے فروٹ چائٹ 'شانی کباب' نگینس اور کولڈ ڈرنک بخانے کا انتھام کیا ہے۔ آجے تھوڑی دیر آرام کر کے ہم شام کو گھومتے پھرتے ہیں اور پھر جلدی سوجاتے ہیں۔

3۔ شعلہ کی تمام مصنفین مجھے بہت پسند ہیں۔ سارہ رنسا، نمرہ احمد، سمیرا حمید، حنینہ زہید، ثمدت سیمار، رنسانہ انکار، نیلہ عزیز جانتے تھے ہی نام ہیں کہ صفحے پھر وہیں سب بہت اہمیت ہیں مگر سارہ رنسا اور سمیرا حمید جتنا حقیقت سے قریب لگہ رہی ہیں ان کا انداز تحریر مجھے کسی اور دنیا کا بھائی بنا دیتا ہے۔ مجھے بہت پسند ہیں۔

4۔ بہت پیچھے کیوں جائیں ابھی تو کئی نوجوان نے ذہنی تقصیر سے منہم سے عہد تک اس کی چند اسٹیں مجھے دیوانہ کر دی ہیں۔ "بندہ کبھی کبھو سلسلہ نہیں دیتا بندہ تو صرف اپنی ذات کو اپنی لگاؤ کو خوش رکھتا ہے پھر یہ بے وقوفی ہی ہے کہ وہ اپنے بے لگائی کو اعلا تر بنا دیتا ہے اور محبوب مصلحتی کو پھوڑ دیتا ہے دور ہو جا آجے انسان جاہل ہے کہ اولیٰ کو اعلا کم تر کو پختہ اور اپنی ریاضت محبت کو بہتر اور "مستہرمانا ہے اس غلط فہمی اور خوش طمانی میں اللہ است پھر کسی بندے سے ذلیل نہوار جتا ہے۔"

### عائشہ جمیل۔۔۔ بلدیہ ٹاؤن کراچی

1۔ ہول۔۔۔ چاند رات کو مسرونیات کیا ہوتی ہیں؟  
ای آپ میری چوڑیاں ہائی ہیں؟  
شرین آئی بلینڈ سے پہلے مجھے مندئی دکھائیں۔  
نوشین باقی! میرے کپڑے سالی اوگے ہیں تو ہوش سے ہولیں کہ میرا سوت بھی پرہیس کر دیں۔ یہ تو ہوتی تھی ہمیں کی "موسم سی چاند راتیں" کھانا پینا مویج مستی اور اسباب۔  
"اکپڑے پرہیس کر لو" ارے اگر صبح عید ہوتی تو۔۔۔ بیٹھا بیٹھے کے لیے بھی سامان ریڈی کر لیتے۔ "ہس اب تو ایسی ہی تو اڑیں ہماری سامتوں سے گھرائی ہیں اور ہمیں مصروف رکھتی ہیں۔"

مندئی نگانے کے ساتھ ساتھ ہی وہی چہ چاند رات شروع

عید کا دن تو میرا ہمیشہ بہت اچھا گزرتا ہے۔ میں پہلے ہی مہما کو کھدیتی ہوں کہ عید والے دن میں نے کوئی کام نہیں کرنا۔ اس لیے عید نماز پڑھنے کے بعد اپنی فریڈے اور کزنز کے ساتھ کپ شپ ہوتی ہے۔ خوب گھومتے پھرتے ہیں اور اپنی عید کو یاد گار بناتے ہیں۔ ویسے اس واقعہ ہم نے بار بار پرہٹا کا بیان بنایا ہے۔ اگر کوئی سے لے کر گیا تو۔

2۔ عید والے دن ڈھنگ تو بہت نئی ہیں مگر باہا بناتی ہیں میں نہیں۔ پھر بھی ایک خاص ڈٹ سب میری سوتی ہے۔

3۔ پسندیدہ مصنفین تو ساری ہیں مگر کچھ تو زیادہ ہی باریت نورت ہیں جن کا شعلہ میں ہم دلچ کرتی ہیں بڑا خوش ہوتا ہے۔ ان میں سرفہرست سارہ رنسا، نمرہ احمد، نیلاب دیالی، امیہ خان، خرمین اختر، سمیرا حمید ہیں۔

4۔ پسندیدہ شعلے ہیں تو بہت ہیں اب کون سا لکھوں اور کون سا چھوڑوں؟ سمیرا حمید کے ٹھن یارم سے یہ جملہ مجھے بہت اچھا لگا۔

"مسکراؤ زندگی کے لیے زندگی میں کوئی دن نہیں

بنا۔"

"الو اڑنے کا حق صرف پر والوں کے پاس ہی نہیں۔"

### شیریں ظفر۔ ملتان

1۔ چاند رات کا اہتمام۔۔۔ ہم 27 شب سے بھی پہلے سامان خرچ کر رکھ لیتے ہیں۔ چاند کا اعلان ہوتے ہی سب سے پہلے شیر خرم تیار کرتے ہیں ہم 35-41 سال سے یعنی پہلے میری امی اور اب میں اور عائشہ بھانجی مل کر شیر خرم بنتے ہیں۔ تقریباً "تین کلور ہوجا" کا۔ اللہ میری بھانجی کو زندگی صحت دے۔ اس نے صحیح معنوں میں امی کی کی لار کی ہے۔ حالانکہ وہ چھوڑی سے ہم سے۔

عائشہ کامیاب میرا چھوٹا بھائی محسن میں چوپال سجالینا ہے۔ تین بچے اس کے تین میرے سب کے ہاتھوں پر مندئی بھی انگاتا ہے حالانکہ وہ بینک میں V.P کی پوسٹ پر ہے لہذا بھلکے سے بڑا ہارون فیر شادی شدہ ہے وہ جو شیر خرما پکھتا شروع کرتا ہے تو لینڈ تک کھا کھا کر اپنا برا مل کر لیتا ہے۔

2۔ ہلے گھر میں شیر خرم سی وہ لازمی ڈش ہے جو کہ بہت ہی اہتمام سے لور بہت زیادہ بنتا ہے سب رشتہ داروں



بہن رنجش آوں۔ یوں مصروف سے دن کے ساتھ ہر صورت  
کی چاند رات۔

عید کا دن بہت ہی مزیدار سا گزر آتا ہے۔ نماز عید سے  
پہلے ہی گھر کے کاموں سے فراغت مل جاتی ہے۔ فریڈا  
اور گزرتا زور غیرہ کو عید و شکر کرنا پڑتا ہے۔ عید کا پہلا دن سب ہی  
اپنے اپنے گھر میں گزارنا پسند کرتے ہیں تو کچھ سوکرائی  
وی دیکھ کر گھمائی کر یا پھر ٹیکزینز اور رسالے پڑھ کر اور  
آخر میں بھائیوں سے ایک زیورہت سی بحث کر کے عیدی  
نکلوا کر عید کے دوسرے دن ہی مہمانوں کی آمد کا سلسلہ  
شروع ہوتا ہے جو کچھ ہم جو انٹرنیٹ ایسی سسٹم میں رہتے ہیں  
تو عید کا مزہ 10 یا 11 دنوں تک کا پروگرام بننا  
ہوتا ہے۔

(2) خاص دش تو ایسی کوئی نہیں جو ہر عید پہ لازم بنتی  
ہے۔ ہاں۔۔۔ ہر عید پہ کچھ نہ کچھ ضرور لڑائی کیا جاتا ہے۔  
(3) شعلات میں شام ہونے والی میری پسندیدہ ترین  
نعتیں کی لسٹ خاصی لمبی ہے مگر سرفہرست "نور احمد"  
ہیں جنہوں نے ہمارے لیے خوب صورت سوال کو چھو  
لینے والا ناول "بخت کے پتے" تحریر کیا۔ میرا حیدر محبت  
"من لخرم" "نازہ افکار" "سندریا" "صائمہ اکرم" "چوہدری  
"دیمک ذراہ محبت"

(4) بہترین اقتباس "دیمک ذراہ محبت" "صائمہ اکرم  
چوہدری کے ڈالٹ سے۔

"بس ہاں ہی میرے لیے دعا کریں۔" "ڈاکٹر خاور بون  
تھکے تھکے انداز کے ساتھ وہیں گری رہیں گے۔

"پترا تیری اللہ کے ساتھ کوئی لڑائی ہے کیا؟" "ہیلہ مائی  
کے سوال پر وہ ہکا بکارہ گئے فوراً ہی ٹی ٹی میں سر لایا۔

"بخت اللہ سوئے ہے کوئی لڑائی نہیں تو پھر ہے دل  
سے فوراً اپنے لیے دعا کر۔ پترا جو دک اور پریشانی تیرے دھسے  
میں تکی ہے اسے تو چاہتا ہے یا تیرا رب۔ بھلا کوئی اور اتنے  
سے دل سے تیرے لیے دعا کر سکتا ہے؟" "ہیلہ مائی نے  
ڈاکٹر خاور کو لاجواب کیا۔

"لیکن ماں جی ایک مسلمان کی دعا دوسرے مسلمان  
کے حق میں قبول ہوتی ہے۔" انہوں نے یاد دلایا۔

"میں نے کب انکار کیا؟" "ہیلہ مائی نے سادگی سے کہا۔  
"لیکن جب انسان کو کوئی چوٹ لگتی ہے یا اس کے جسم کا  
کوئی حصہ ہکا سا چل جاتا ہے تو انکا بندہ اس کی تکلیف کا

اندازہ ہو کر سکتا ہے لیکن دوسرا محسوس تو نہیں کر سکتا ہے۔"  
سائبر داؤد۔ چاہ گجبر والا

1۔ چاند رات کو میں سب گزرتا کو منہ دی دکھائی ہوں اور  
پاتھ تھک جاتے ہیں لیکن لیا کموں اور کسی کو منہ دی دکھانا  
آتی ہو نہیں ہے۔ چاند رات کو ہم میں سے کوئی بھی نہیں  
سوتا کیوں کہ اس کی یہ سزا ہوتی ہے کہ جو سوئے گا اس کے  
منہ پر منہ دی لگا دی جائے گی۔ اس کے علاوہ ہم ایک  
دوسرے کو چوڑیاں پہناتے ہیں۔

2۔ ہمارے گھر میں عید کے دن لازمی پکنے والی اٹش  
سویاں ہیں اور اس کی ترکیب کے نہیں آتی؟

3۔ شعلات میں شام ہونے والی میری پسندیدہ مسندہ نمرو  
احمد ہیں۔ نمرو احمد کی ایسی کوئی تحریر نہیں ہے نکتہ میں نے  
نہ پڑھا ہو ہم سب گزرتا نمرو احمد کی دہلی ہیں۔ ہمارے بس  
میں دو آقا تو ہم سب نمرو احمد کا نام گھنیز بک آف ورلڈ  
ریکارڈ میں لکھاوا دیتیں کہ نمرو احمد دنیا کی سب سے خوب  
صورت راتھ ہیں۔ نمرو آئی بو آر کرٹ آئی بو بویری جگا  
4۔ نمرو احمد کی تحریروں کا لکھا ہر جملہ میرا پسندیدہ ہے۔  
ہاں بالہ شعریہ پسند ہے۔



کہیں قابل بدلتے ہیں فقط چہرے بدلتے ہیں  
جب اپنا سفر ہے 'فاسطے' بھی ساتھ چلتے ہیں

**تہلی مرزا۔ گجرات**

(1)۔ سہاری رات کام کاج کھانے پکانے میں گزار جاتی ہے۔ مندی بنگا کر پھر فجر کی نماز پڑھ کر سو جاتی ہوں عید کا دن است اجھا گزارتا ہے مسافروں کی آمد رات خاطر تواضع میں گزار جاتی ہے۔

(2)۔ عید کے دن خاص ڈش پکن روٹ ضرور بنتا ہے جو سب خوشی سے کھاتے ہیں۔

(3)۔ نایاب جیلانی 'قبیلہ عزیز' نمبر واحد 'صائمہ اکرم' امامیہ خان 'رخسانہ نگار عدنان۔ ان کی حقیقت پر مبنی کہانیاں ' گھریلو اور گھنٹے والی ہوتی ہیں۔

(4)۔ پسندیدہ اقتباس۔  
"سب سے جلدی راضی ہونے والی ذات اللہ کی ہے ہماری بدمامت کا ایک آنسو اسے ہمارا بہت قریبی دوست بنا سکتا ہے اور جس کاسب سے قریبی دوست اللہ ہو تو اس کا کوئی بھی کام کیسے رک سکتا ہے۔"

**عالیہ عثمان۔ چکوال**

1۔ کیا بتائیں مئی مصروفیت کی وجہ نہیں انتظار کی بے حد تو بس کچھ پاؤں کے نیچے بھیجے لگ جاتے ہیں۔ جیسے ہی چاند نظر آئے تو دونوں چٹا پھر مایاتی کے گھر بزرگوں کو چاند رات کو مبارک باد دینے اور سلام کرنے جانا ہوتا ہے خاندان کی بیانیہ بیٹیوں اور بھوؤں کا اہم فریضہ ہے۔ یہ بھی ایک رسم ہے بیٹوں کو گھر بھیجنے کی اور (رات بھر یاد دہانی تو ہونا ہے کہ حج عید ہے اور عیدنی ہی ہاں ہی ہاں! آپ خود سمجھو دار ہیں)

2۔ کبھی ہر عید پر لازمی بنتی ہے جانا نکلے اس کو کہتے سویوں والی عید لیکن آج تک ہمارے گھر میں سویا نہیں کھیں۔ اس کے علاوہ بنتی سے پر والی چٹا چاٹ 'وہی بھلے سارا رمضان کھاتے ہیں پھر بھی عید والے دن ضرور بنتے ہیں۔

3۔ سائرہ رضا 'نمو احمد' عمیر احمد 'نکلت سیمائیزیلہ' ریاض 'نکلت عبد اللہ' سمیرا حمید 'کنیز نبوی اور جناب راجہ ہے پسندیدگی کی ان کے حقائق اور موضوعات پر جاو اثر الفاظ جو لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔

4۔ صوم سے صوم تک کا اقتباس:

"بندہ کبھی صلہ نہیں دیتا بندہ تو صرف اپنی ذات کو اپنی انا کو خوش رکھتا ہے پھر یہ بندہ تو اپنی ہے کہ وہ اپنے جیسے اپنی کو اعلیٰ تر بنا دیتا ہے اور محبوب عشقی کو چھوڑ دیتا ہے دور ہو جاتا ہے۔ انسان جانی ہے کہ اپنی کو اعلیٰ اور کم تر کر پور تر اور اپنی محبت و ریافت کو بہتر سمجھتا ہے اس غلط فہمی خوش گمانی میں اللہ اسے پھر کسی بندت کے ہاتھوں ڈال کر دیتا ہے۔"

**افشاں یاسر گوٹمل۔ گوجرانوالہ**

چاند رات۔ بازار جلنے کا دلچ نہیں۔ سب تیاری رمضان سے پہلے کرنے کی کوشش کرتی ہوں چاند رات کو بچیاں اور مندی تو بچیاں لگوانی ہیں جبکہ میں عید کے پہلے عید کے کپڑے وغیرہ دیتی ہوں۔ گھر کو صاف تھرا کر دیتی ہوں تاکہ عید کی صبح ہر رسم کی پریشانی اور ہڑوٹک سے بچا جاسکے۔ الحمد للہ وقت سے پہلے کام کرنے کی عادت نے کبھی پریشان نہیں اونٹا دیا۔ عید کے لیے سب کو فون چاند رات کو کرنے کی کوشش کرتی ہوں تاکہ عید کی مصروفیت میں کوئی رونا نہ جائے۔ عید کے روز کی ڈشیز تو مہمی چاند رات کو تیار کر لیتی ہوں۔ پھر نماز عشاء کے بعد آرام سے لگنے دن کا انتظار۔

فجر کے بعد ہی تیار ہونا شروع ہو جاتی ہوں۔ ساتھ ساتھ بچوں کی اور میاں صاحب کی مدد بھی کرنی جاتی ہوں۔ سرت بچے ہم عید کھانچ جاتے ہیں۔

واپسی پہ ساس اٹی (جو کہ پھوپھو بھی ہیں) اور سر صاحب سے بہار اور عیدی لینے ضرور جاتے ہیں۔ مئی تو عید کا مہوہ ہے بزرگوں کی دعاؤں اور عیدی سے۔ پھر گھر آتے ہیں جو کہ ان کے سلسلے ہی ہے۔ گھر آتے ہی ہم ہوتے ہیں اور تیار ہوجن۔ میرا ایمان ہے اللہ کا ہم لے کر جو بھی پکا میں۔ لذت ہی دے گل۔

میرے گھر واپسیا کو میری بنائی ہر چیز پسند آتی ہے الحمد للہ سنے سے خوب تعریفیں کرتے ہیں۔ بچوں کے پاس اعلیٰ میں ٹھوڑے پھیل واقع ہوئے ہیں مگر تازے والے بھی کمال کی نظر رکھتے ہیں ہم بیان ہی جاتے ہیں کیا انہیں اچھا لگا کیا نہیں۔ بچوں کو پر والی 'مٹن ٹورم' ٹان ٹور کوک چاہیے ہے جبکہ میں عید پہ لازمی طور پر شیر خرما ہائی

اگر تمہیں اور دلیراں کہنے کی ضرورت ہے تو یہاں آنا۔

# خواجہ ابی طالب عیسیٰ

اگست 2014ء کے شمارے کی ایک نمونہ



- نریمانہ کا کھل ڈول "نمل"
- تنزیلہ پاش کا کھل ناول "عبدالست"
- حمیدہ صدیقہ کا کھل ناول "ابھی اکت ہے"
- عذت سحر پشاور اور عزیز مسیح کے ناول
- ثایاب دیناالی اور نور عین کے ناول
- شمیمہ عذرت علی اصباحت یا عین قرۃ العین خرم اور نقیلاہ ایمان کے ناول
- لی وی بیکارہ "طیغور زمان" سے ملاقات
- "محمد بیال قریشی" سے باتیں
- کرمان لرن روشنی تنصیاتی از روایتی انجمنیں
- نعتان کے شعورے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں

اگست 2014ء کا شمارہ آج ہی خریدیں۔

ہوں نور اور کرد کے سب کھراں میں ضرور پہنچتی ہوں  
 تحفہ "عبد کے روز بچوں کی فرمائش پر ہنگامہ دوست اور  
 آواز بگڑنے کی چٹنی بناتی ہوں۔ میرا اور شعلے کا ساتھ کم  
 و بیش پچیس سال پر محیط ہے۔ صبر و اجر فرحت  
 اشتیاقی ساتھ رفا اور بے شمار معشوقین۔ نور احمد تو دن  
 جیت نہیں آئی کو چھوٹی عمر میں پیر کامل بہت پڑھا ہوا  
 دل میں اثر کیا۔ میری رفا ہے شعلے کی ہر صنف ہر قاری  
 کو رب اللعالمین دنیا آخرت کی کامیابیوں سے نوازے۔

آئیں۔ آخر میں دست پاد اور پسندیدہ شعر  
 آؤ کائنات کو ہانت لیتے ہیں  
 تم میرے باقی سب کچھ تمہارا  
 حانیہ پسندیدہ شعر

کچھ اس طرح سے وفا کی مثل دیتا ہوں  
 سوال کرتا ہے کوئی تو تان دتا ہوں  
 اسی سے کھانا ہوں اکثر فریب مثل کا  
 میں جس کے پاؤں سے کانا نکال دیتا ہوں

## آہر ملک و مولہ

1۔ چاند رات کو میرے ابو اذکاف سے اٹھ کر آتے  
 ہیں۔ تو چاند رات کو مصروفیت بہت ہی ہوتی ہے۔ سب  
 کے کپڑے چاند رات کو ہی پرئیں کر کے ہوتے ہیں۔ گھوڑ  
 عموماً "میری" ہون ہی کرتی ہے۔ میں تو بس چھوٹی ہون کے  
 ہاتھ تنگ سے کرتی رہتی ہوں۔ بچرائی کی تصویر کی دست برد  
 کر دیتی ہوں۔ مگر اس دفعہ میری مصروفیت ذرا مختلف ہوں  
 کی۔ کیونکہ یہ میری شادی کے بعد پہلی عید ہے۔

2۔ کبیر ایک ایسی ڈش ہے جو کہ ہر عید پر تارے گھر  
 ضرور بنتی ہیں۔ اور سب ہی پسند کرتے ہیں۔ آٹھ ٹوڑوے کا  
 تو پہلے ہی دن ختم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ابو کے دوست الگ  
 آتے ہیں۔ بھائی اور ہون کے الگ میرے الگ۔ اور جس  
 کے دوست دوسرے دن آئیں۔ اسی کو دوسرے دن پھر  
 کھڑا بنا کر پاتا ہے۔ عموماً "میری" دوست دوسرے دن ہی  
 آتی ہیں۔

3۔ شعلے میں شائع ہونے والی تقریباً ساری ہی  
 معشوقین میری پسندیدہ ہیں۔ مگر تنزیلہ عزیز اور ثایاب بیلالی  
 میری پسندیدہ ترین معشوقین ہیں۔ کیونکہ پسند ہیں یہ میں  
 نہیں بنا سکتی۔



4۔ اس سال فروری میں شائع ہونے والی نایاب جیلانی کی تحریر میں شائع ہونے والا شعر۔

بڑی بے الما ہے زندگی اسے من کے کوئی پناہ ملے  
کوئی چاند رکھ میری شام پر میری شب کو مرکا گلاب کر  
کوئی بدگمان سا وقت سے کوئی بدگمان ہی دھوپ ہے  
کسی سایہ دار سے لفظ کو میرے جلتے دل کا جھلب کر  
میرا پسندیدہ شعر ہے۔ میں کئی مرتبہ بے خیالی میں اس کو پڑھتی رہتی ہوں۔

**سید محرقوشی۔ ضلع مہاول نگر**

1۔ چاند رات کو جناب نگر کے کام ہی نہیں ختم ہوتے۔ بائیس بجی چلتی رات ہی ہیں۔ بائیس کرتے کرتے گھیر تو تیار ہو جاتی ہیں۔ پھر میرے بھائی کپڑے وغیرہ استری کرتے ہیں تو میں کتنی اؤل کہ میرے بھی۔ میں نہ مزے کی بات۔ پھر میں اپنے ہاتھوں پر ہندی لگوائی ہوں تو جناب اسی طرح تو چاند رات گئی۔

اب تکی عید۔ صبح اٹھتے ہی نماز پڑھتے جاتے ہیں۔ عید میلنا کر کے ہم بھی تکی کی مدد کرتے ہے یعنی اجارہ گوشت اور برہا گوشت۔ برہا گوشت میں بنال ہوں اور سب تعریف کرتے ہیں۔ اتنے میں میری دونوں بہنیں بھی آجالی ہیں پھر عید کی خوشی کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔

3۔ اس قسم سوال کے لیے (سوری) کیونکہ میں جانوں کے نام سے پڑھتی ہوں پسند ساری ہیں جو ہم ہر ماہ سے چینی سے انتظار کرتے ہیں اور انجوائے کرتے ہیں۔ رقص میل کے پہلے تہنل۔

"لیکن میری نظر میں یہ زندگی کوئی زندگی نہیں ہے انسان کو اپنی ذات اور اپنی صوچ کے ساتھ چلنا چاہیے۔ دنیا تو دور ہماری نگاہ سے نکلنے لگ گئی طرف سے دور کر جائے۔ دنیا کو رنگ بدلتے دیر نہیں لگتی۔ اس لیے بہتر ہے کہ اپنی ذات کا رنگ اپناؤ جو بچہ تمہارے ساتھ رہے گا تمہاری پہچان بن کر۔"

اور پسندیدہ شعر  
منا تمہارا مجھ سے اک حادثہ نہ تھا  
یہ کارنامہ دل کا کرشمہ دعا کا تھا

**صبا اعظم۔ کراچی**

1۔ چاند رات کے واسلے سے جو مصروفیات ہوتی ہیں

انہیں میں کسی حد تک دن میں ہی یا شام تک نبھاتی ہوں۔ ساری اہل کو نون کر کے چاند کی مبارک بلا دیتی ہوں۔ تھوڑے بہت گھر کے کام نبھانے میں اپنی صاحبزادی کو عید کی بلنگی پھلتی شاپنگ کے لیے اور چاند رات کی رونقیں دکھانے کے لیے بازار لے جاتی ہوں۔ انہی پر چھوٹی لیماس نہیں بھولتے۔ بارہ ایک بجے تک ہم سو جاتے ہیں۔

عید کے دن کا آغاز نماز فجر سے ہی ہو جاتا ہے۔ عید نماز عید کے لیے جاتے ہیں۔ عید گاہ سے واپسی پر کھلم کھلاتے

کپڑوں میں تیار ہنوز اپنے ہلکا جاتی نو خرید مبارک کتنی ہیں۔ بیا نٹل ہو کر جواب میں دعا میں دیتے ہیں اور ہم دونوں کو عید ہی دیتے ہیں پھر ہم سب مل کر سیر خرما کھاتے ہیں اور پھر پورنا شرا کرتے ہیں۔ پھر سماںوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

اسکے دن ہی کے یہاں جانا ہوتا ہے۔ یہ سارا احوال تو تھا کچھ ساں پہلے کی عیدوں کا ہے۔ اب تو ہماری بیٹی بھی ہو گئی ہے۔ اب چاند رات تو یہ بدھ بازار جانے کے نام پر بھی گاؤں کو باقی لگاتی ہوں۔

اس عید پر تو میں نے ابھی تک کوئی اہتمام نہیں کیا۔ بل ہر خوشی سے خالی ہے۔ میرے پیارے بھائی نے قرآن خوان حاضر ملاقات کے بعد (11 جون کو صرف اکتیس برس کی عمر میں ہمیں رونما پھر زکرا اپنے خالق تعالیٰ سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے اور رحمت میں جگہ دے۔

2۔ عید پر تمہارے ہاں شیر خرما کے ماادو ایک اور روایتی ڈش بھی پورا بنتا ہے اور لوگوں کو بہت پسند بھی آتا ہے ترکیب پھر بھی سکی۔

3۔ یوں تو ساری مصنفین ہی اچھا لکھ رہی ہیں لیکن ان سب میں ساتھ رضا میرا حمید شہزاد احمد اور نایاب جیلانی سرفہرست ہیں۔

1۔ پسندیدہ جہا۔ "تیز نبوی کے ناول صدمت سے صدمت تک کا۔" "اب کیسی ہو گیا؟"

چند نکتوں پر جواب دیا تھا۔ "پہلے سے بہتر ہوں" اس نے سکون کی سانس بھری۔ وہ اس کے "اب" سے بات سمجھتی تھی اور وہ اس کے "پہلے" سے۔ کچھ لوگ کہی ہوئی بھی نہیں سمجھتے اور کچھ ان کہی بھی سمجھ جاتے ہیں۔ جو ان کی سمجھ لیں ان کا شمار بہترین دوستوں میں ہوتا ہے۔

# دستک دستک دستک

شائین رشید

## کامران اکبر خان

”کیسے ہیں آپ؟“ کلا ہے دل کا دروازہ ”تو دیکھ ہی رہے ہیں مزید کیا کر رہے ہیں؟“  
”اللہ کا شکر ہے اور آج کل ہم ستارہ کی شوٹ میں مصروف ہوں۔“

”لگتا ہے کہ ہمارے ڈائجسٹ کی راسٹرز آپ ڈائریکٹر حضرات کو بہت پسند آئی ہیں؟“

”بھئی آپ کے ڈائجسٹ کی راسٹرز تو مکمل کا کھستی ہیں۔ میری بہن بہت شوق سے پڑھتی ہیں تمام راسٹرز کو اور مجھے یاد ہے کہ کچھ عرصہ قبل میری بہن نے مجھے کلنی سارے نام دیے تھے کہ آپ ان کے بلوٹر پر کچھ بنائیں۔ ہلاری پوری ٹیلی کوڈ ڈائجسٹ پڑھنے کا کریز ہے جن میں میں بھی شامل ہوں تھا مگر میں عمران، شیا افریق اور باسوی ڈائجسٹ وغیرہ زیادہ پڑھتا تھا تو جب میری بہن مجھے اچھی اچھی کہانیاں سناتی تھی تو میں بھی کہتا تھا کہ نہیں بھئی یہاں پہ کوئی ڈرامہ نہیں بنائے گا۔ جو نام چل رہے ہیں ہم وہی چلیں گے مگر آپ یقین کریں کہ ایک سال کے بعد وہ تمام بلوٹر کہانیاں جو میری بہن تجھے بتاتی تھی وہ مختلف ہی وی چینلز سے ڈراموں کی شکل میں تین اور آ رہے تھے تو میری بہن نے مجھ سے مت شکوہ کیا کہ آپ نے میری بات نہیں مانی اور لوگوں نے اپنا کام کر دیا تھا آج اگر بچا جس ڈرامے بن رہے ہیں تو ہمیں ڈرامے تو آپ کے ڈائجسٹوں کے ہی ہیں اور تمام کے تمام ہی ہٹ گئے ہیں۔“

تو بنانے والوں میں سے ہیں ہمیں تو کلائینٹ چاہیے اور راسٹرز تو کلائینٹ ہلو ہوتے مگر لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں ڈائریکٹر کمال کا ڈونا چاہیے۔ جہلہ میں کہتا ہوں کہ جب تک آپ کے پاس کلائینٹ اچھا نہیں ہوگا آپ کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ اب ہلو ہی کھڑا نہیں ہوگا تو آپ کیا کریں گے۔“

”آپ کو لعیند تھی کہ ”دل کا دروازہ“ لوگ پسند کریں گے؟“

”مجھے اتنا تو اندازہ تھا کہ کہانی بہت اچھی ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ اس کہانی پر ایک فلم بہت خوب صورت بن سکتی ہے۔ میں نے اس پر اتنا زیادہ غور نہیں کیا تھا۔ بلکہ ساجد کا شہسری جو بالکل میرے بھائیوں جیسے ہیں، انہوں نے مجھے گانا کہ یہ ڈرامہ آپ کریں ساجد بھائی کے ساتھ دعویٰ میں بھی ایک میرٹل کیا ہے جو ”اروہ دن“ سے شروع ہونے والا ہے خیر انہوں نے مجھے ”دل کا دروازہ“ کی اسٹوری بتائی اور کہا کہ آپ نے اسے کرنا ہے۔“

”اس میں آپ نے خود بھی تو لو لاکری کے جوہر دکھائے ہیں؟“

”بالکل دکھائے ہیں ایک چھوٹا سا رول تھا جس کے لیے میرے دوستوں نے کہا کہ اسے آپ کر لیں وہ میں نے کر لیا تو رخ صاحبہ کو میری برقرار منس اتنی پسند آئی کہ انہوں نے جب کہانی کئی سال آگے چلی گئی تو میرے لیے ”بیچانے“ کا رول لکھا کہ آپ بہت اچھے برقرار مر رہیں اور میری ٹیلی کو آپ کی لو لاکری بہت پسند آئی ہے اس لیے آپ کریں تو پھر انہوں نے میرے رول کے لیے مزید لکھا لیکن میں آپ کو بتاؤں کہ

”دل کا دروازہ“ کے لیے کیا ریسٹس تیا؟“  
”بہت اچھا ریسٹس مل رہا ہے اور میں اس کی راسٹرز رخ چوہدری کو نہیں جانتا تھا مجھے تو اسکرپٹ ملا میں نے پڑھا تو مجھے بہت اچھا لگا اور مجھ سے کہا گیا کہ آپ نے اس کو ڈائریکٹ کرنا ہے تو جب رخ چوہدری کا میرے پاس فون آیا کہ کامران میں نے جس طرح سوچا تھا اس طرح آپ نے ڈرامہ بنایا ہے اور مجھے اس کا بہت اچھا فیڈ بیک مل رہا ہے تو یقین جانیے کہ مجھے بہت خوش ہوئی تو میں نے ان سے یہی کہا کہ دیکھیں ہم



ڈائریکٹر ہوں مگر مجھے اوانکاری مکمل کام لگا کر دیکھو کہ جب انسان کمرے کی دھاتوں کے سامنے آتا ہے تو ٹھنڈے گرم پینے پئے لگتے ہیں خیر اس میں - نیم طوفور محسن اور اساجا تیر نے بہت کمال کام کیا ہے اور اب میں نے سرف چودری صاحب سے کہہ دیا ہے کہ آپ کے پاس آپ کے لکھے ہوئے جتنے بھی بلوڑ ہیں وہ سب مجھے دے دیں تو کہنے لگیں کہ میری تو یہی خواہش ہے کہ آپ ہی میرے بلوڑ پہ کام کریں تو میرے لیے یہ بہت بڑی بات ہے۔

"کیا ایک رائٹر ایک اچھا اسکریں لے ڈائریکٹر بھی ہو سکتا ہے؟ ڈائریکشن سے پہلے اس فیلڈ میں کیا کرتے تھے؟"

"قلم کے لیے جب کوئی کملٹی لکھی جاتی ہے تو مکالمہ لکھا جاتا ہے اور ساتھ یہ بھی کہ جب اس نے یہ مکالمہ بولا تو اس کے پیچھے اس کی ماں کی تصویر بھی لگی ہوئی تھی مگر ہمارے پاس جو رسالے ہیں وہ مکمل نہیں ہیں ہمیں اس طرح کی چیزیں نہیں مل پاتی ہیں ڈائریکٹر ان محروموں کو اسکریں لے لیں ماسک لکھ کا کام بیٹھ پے ہوتا ہے جبکہ ہم آئن لوکیشنز کام کرتے ہیں اور میں ڈائریکشن سے پہلے کمرشل ڈوائی سائیڈ پہ تھا سوٹنگ وغیرہ کرتا تھا ڈرامے کی سائیڈ پہ مجھے زیادہ عرصہ نہیں ہوا ہے اس کام کے لیے انسان کو جنونی ہونا پڑتا ہے جب تک اس کام میں آپ کا مشن نہیں ہوگا آپ کو کام کا مزہ بھی نہیں آئے گا۔"

"اس طرح آئے آپ اس فیلڈ میں۔ آپ کابل چلا کہ میں ڈائریکٹر بنوں سائیڈ یا سائیڈ پہ آؤں؟"

"میں نے تو میڈیا میں آنے کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ پتھر کرنے کے بعد میں سوچ رہا تھا کہ اب کیا کرتا ہے تو میرے کزن نے مجھے اپنے پاس بلا لیا کہ وہ کمرشلز کے کام کرتے تھے انہوں نے کہا کہ دیکھو لو جو کام تمہاری سمجھ میں آئے کر لو اس زمانے میں انڈیپنڈنگ کپورٹ پہ نئی نئی آئی تھی تو مجھے بڑا اچھا لگا یہ کام تو اس وقت میں نے لیا تھا کہ بھی کی اور اپنی مشن بھی

کی۔ اس دوران کچھ کمرشلز بھی کیے اور پھر سوٹنگ کی طرف چلا گیا ان دنوں تو یہ عمل صاحب نے جاپان میں ایک ڈرامہ بنایا تھا "گاڈ فادر" وہ جب جاپان سے آئے تو چونکہ وہ مجھے جانتے تھے کہ میں ان کے لیے گرافک کرتا تھا تو انہوں نے مجھے کہا کہ تم مجھے ایک پریزنٹیشن بناؤ اور جب پریزنٹیشن بنا دی تو کہنے لگے کہ تم میرے ڈرامے کو ایڈٹ کرو میں نے کہا کہ یہ کام تو میں نے کبھی نہیں کیا تو کہنے لگے کہ تم کر لو گے تو

جب میں ڈرامہ ایڈٹ کر رہا تھا تو میں نے سوچا کہ یہ تو بڑا آسان کام ہے بس پھر مجھے شوق ہوا اس کام کا تو پھر میں نے ایک ٹیلی فلم کی ٹیوٹیو کو وی آکر چہ وہ ٹیلی کاسٹ تو نہیں ہوئی لیکن چیو والوں نے کہا کہ ہمیں آپ کا کام پسند آیا ہے تو آپ ہمارے لیے ایک ڈرامہ ڈائریکٹ کریں تو بس پھر سلسلہ شروع ہوا اور میں نے کمالی کام کیا۔"

"کیا کیا کر چکے ہیں اب تک؟"

"لیکن کاسب سے پہلا پروگرام میں نے کیا اس وقت لیکن چینل بھی نہیں آئے تھے تو میں نے "گنڈ فوڈ" کے نام سے ایک پروگرام کیا جس کی میزبان ڈاکٹر مزہ تھیں۔ یہ پروگرام تقریباً "ڈیڑھ سال چیو سے چلا پھر چیو سے ایک "ہم سب امید سے ہیں" کی نگر کا پروگرام "سیاسی پھڑی" کیا اس کے میزبان محمود اسلم تھے وہ اتنا پیک پہ گیا کہ ہم سب امید سے بند ہو گیا پھر ڈاکٹر صاحب کی ناراضی کی وجہ سے ہمارا پروگرام بند ہو گیا اور ان کا دوبارہ شروع ہو گیا بیو کے لیے بہت کام کیا۔ پھر راجیل راؤ کے ساتھ سوپ کیا شمالی کے نام سے اور یہ پہلا سوپ تھا جس میں تقریباً "سب ہی فنکاروں کو کام کرنے کا موقع ملا تھا پھر یہ زندگی ہے" اپنے ٹائم کا بلاک جسٹرز ڈرامہ تھا جو کہ میں نے تقریباً "ساڑھے چار سٹل تک کیا لیاری کنگ کیا۔ اب یعنی سے ڈرامہ کر کے آیا ہوں اور دل کا درد انا تو چل ہی رہا ہے چیو اور اسے آر وائی کے لیے میں نے بہت کام کیا۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

”تپ کسی رائٹر کی اسٹوری لیتے ہیں تو پہلے اسے پورا پڑھتے ہیں یا۔“  
 ”میں پوری اسٹوری پڑھتا ہوں اور اللہ کا پراکرم ہے کہ میری بارداشت بہت اچھی ہے میں کوئی

اسٹوری پڑھ لوں اور تین چار ماہ کے بعد اس پر کلام شروع ہو تو مجھے ایک ایک لفظ یاد ہوتا ہے شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو میں پڑھتا ہوں اور دوسری یہ کہ بہت دلچسپی اور توجہ کے ساتھ۔“

”چلیں جی کامران! اب آپ کچھ اپنے بارے میں یعنی نئی زندگی کے بارے میں بتائیں؟“  
 ”ہم پاکستان میں پیدا ہوئے لیکن تعلق بمبئی سے ہے انہی بھائی کی نہیں ہیں تخرانیہ کی سائیڈ سے ان کا تعلق ہے۔ اسی کی سائیڈ کے سارے لوگ باہر ہیں کوئی انڈیا کوئی دہلی تو کوئی لندن میں ہے یہ سب لوگ پاکستان آئے تھے مگر پاکستان ان کی سمجھ میں نہیں آیا تو واپس چلے گئے۔ نھیال کی سائیڈ سے ماشاء اللہ کافی پڑا کتبہ ہے۔ آٹھ دس تو ماہوں میں خالاً میں بھی اچھی خاصی ہیں۔ میں نے گریجویشن کیا ہے میری وہ نہیں ہیں جن کی شادی ہو چکی ہے میرا بھائی بھی اس فیلڈ میں آج کا ہے لو انکاری کا بھی اسے شوق ہے میری شادی ہو چکی ہے اور ماشاء اللہ سے بچے بھی ہیں۔“

”تپ نے کہا کہ اس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے تو یہ بتائیں کہ سب سے زیادہ کون کما رہا ہے ڈائریکٹر رائٹر یا انوکار؟“  
 ”اس وقت جو سب سے زیادہ کما رہا ہے وہ انوکار ہے اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ڈرامہ چلے یا نہ چلے۔ ڈائریکٹر پروڈیوسر اور رائٹر وہ لوگ ہیں جو پہلے دن سے لے کر آخری قسط تک ہانڈ ہوتے ہیں لو انکاروں کا تو یہ حال ہے کہ اپنا کام ختم کیا پیسے پکڑے اور یہ جاو جا ہوئے۔“

”تپ نے کہا کہ اس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے پھر ہمارے فنکار باہر جا کر پیسہ کیوں کما تے ہیں؟“  
 ”اس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے مگر سیاست بھی ہے اور ہماری مارکیٹ چھوٹی بھی ہے ہمارے پاس ٹیلنٹ بہت ہے۔ انہی میں ایسا نہیں ہے وہاں ٹیلنٹ کی قدر ہے تب ہی تو ہمارے لوگ باہر جا کر ہٹ ہو جاتے ہیں۔ سازشیں اور سیاست کی وجہ سے ہمارے لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں ورنہ آپ دیکھیں کہ اسٹور کرکٹ اسکواٹس ہاکی ہم ہر گیم میں آگے تھے مگر سیاست نے سب کچھ بریلا کر دیا ہے پھر ہمارے یہاں جو تکہ بنیادی سوئس مثلاً ”لائٹ کا مسئلہ پانی کا مسئلہ“ کیس کا مسئلہ ہڑتالیں آئے دن جھگڑے ان میں اتنے پھس کر رہ گئے ہیں لوگ کہ آگے کے لیے سوچنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔“

”تپ نے کہا کہ اس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے پھر ہمارے فنکار باہر جا کر پیسہ کیوں کما تے ہیں؟“  
 ”اس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے مگر سیاست بھی ہے اور ہماری مارکیٹ چھوٹی بھی ہے ہمارے پاس ٹیلنٹ بہت ہے۔ انہی میں ایسا نہیں ہے وہاں ٹیلنٹ کی قدر ہے تب ہی تو ہمارے لوگ باہر جا کر ہٹ ہو جاتے ہیں۔ سازشیں اور سیاست کی وجہ سے ہمارے لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں ورنہ آپ دیکھیں کہ اسٹور کرکٹ اسکواٹس ہاکی ہم ہر گیم میں آگے تھے مگر سیاست نے سب کچھ بریلا کر دیا ہے پھر ہمارے یہاں جو تکہ بنیادی سوئس مثلاً ”لائٹ کا مسئلہ پانی کا مسئلہ“ کیس کا مسئلہ ہڑتالیں آئے دن جھگڑے ان میں اتنے پھس کر رہ گئے ہیں لوگ کہ آگے کے لیے سوچنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔“

”تپ نے کہا کہ اس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے پھر ہمارے فنکار باہر جا کر پیسہ کیوں کما تے ہیں؟“  
 ”اس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے مگر سیاست بھی ہے اور ہماری مارکیٹ چھوٹی بھی ہے ہمارے پاس ٹیلنٹ بہت ہے۔ انہی میں ایسا نہیں ہے وہاں ٹیلنٹ کی قدر ہے تب ہی تو ہمارے لوگ باہر جا کر ہٹ ہو جاتے ہیں۔ سازشیں اور سیاست کی وجہ سے ہمارے لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں ورنہ آپ دیکھیں کہ اسٹور کرکٹ اسکواٹس ہاکی ہم ہر گیم میں آگے تھے مگر سیاست نے سب کچھ بریلا کر دیا ہے پھر ہمارے یہاں جو تکہ بنیادی سوئس مثلاً ”لائٹ کا مسئلہ پانی کا مسئلہ“ کیس کا مسئلہ ہڑتالیں آئے دن جھگڑے ان میں اتنے پھس کر رہ گئے ہیں لوگ کہ آگے کے لیے سوچنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔“

”تپ نے کہا کہ اس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے پھر ہمارے فنکار باہر جا کر پیسہ کیوں کما تے ہیں؟“  
 ”اس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے مگر سیاست بھی ہے اور ہماری مارکیٹ چھوٹی بھی ہے ہمارے پاس ٹیلنٹ بہت ہے۔ انہی میں ایسا نہیں ہے وہاں ٹیلنٹ کی قدر ہے تب ہی تو ہمارے لوگ باہر جا کر ہٹ ہو جاتے ہیں۔ سازشیں اور سیاست کی وجہ سے ہمارے لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں ورنہ آپ دیکھیں کہ اسٹور کرکٹ اسکواٹس ہاکی ہم ہر گیم میں آگے تھے مگر سیاست نے سب کچھ بریلا کر دیا ہے پھر ہمارے یہاں جو تکہ بنیادی سوئس مثلاً ”لائٹ کا مسئلہ پانی کا مسئلہ“ کیس کا مسئلہ ہڑتالیں آئے دن جھگڑے ان میں اتنے پھس کر رہ گئے ہیں لوگ کہ آگے کے لیے سوچنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔“

”آپ کو پانی چائس اس فیلڈ میں آتا پڑا اور آپ کو مزہ آیا تو آپ نے اسے ہی پروڈیشن بنا لیا۔ اب تو یہی ہونے لگا ہے کہ انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے۔“

”جی ہاں۔ انسان کو کچھ پتا ہی نہیں ہوتا کہ کیا ہو جائے۔ ایک بندہ اچھے سڑنگ پڑھتا ہے مگر وہ کسی اور فیلڈ میں چلا جاتا ہے کیونکہ اللہ نے اس کا رتق بنا دیا تھا ہوا ہوتا ہے۔ جب میں نے گریجویشن کیا تو مجھے پتا ہی نہیں تھا کہ میں نے کیا کیا ہے۔ بس اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور میں باپ کی دعاؤں سے ایک لائن مل گئی اور ترقی ہوئی گئی۔ قدرت راستے دکھاتی ہے مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ جو بھی کام کریں خود چھوڑنا ہو یا پڑاؤ نہ واری کے ساتھ اور ایمان واری کے ساتھ کریں۔ میں دس بارہ سالوں میں ۱۰ تین لوگوں کے ساتھ ان کے پروڈکشن ہاؤس میں کام کر چکا ہوں کم لوگوں کے ساتھ زیادہ عرصے تک کام کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے مجھے پسند کیا تو اتنے سال میرے ساتھ کام کیا ورنہ وہ مجھے چھوڑ بھی سکتے تھے۔ ہر کام میں ایمان واری بہت ضروری ہے۔“

”آپ نے کہا اس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے پھر ہمارے فنکار باہر جا کر پیسہ کیوں کما تے ہیں؟“  
 ”اس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے مگر سیاست بھی ہے اور ہماری مارکیٹ چھوٹی بھی ہے ہمارے پاس ٹیلنٹ بہت ہے۔ انہی میں ایسا نہیں ہے وہاں ٹیلنٹ کی قدر ہے تب ہی تو ہمارے لوگ باہر جا کر ہٹ ہو جاتے ہیں۔ سازشیں اور سیاست کی وجہ سے ہمارے لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں ورنہ آپ دیکھیں کہ اسٹور کرکٹ اسکواٹس ہاکی ہم ہر گیم میں آگے تھے مگر سیاست نے سب کچھ بریلا کر دیا ہے پھر ہمارے یہاں جو تکہ بنیادی سوئس مثلاً ”لائٹ کا مسئلہ پانی کا مسئلہ“ کیس کا مسئلہ ہڑتالیں آئے دن جھگڑے ان میں اتنے پھس کر رہ گئے ہیں لوگ کہ آگے کے لیے سوچنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔“

”آپ نے کہا اس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے پھر ہمارے فنکار باہر جا کر پیسہ کیوں کما تے ہیں؟“  
 ”اس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے مگر سیاست بھی ہے اور ہماری مارکیٹ چھوٹی بھی ہے ہمارے پاس ٹیلنٹ بہت ہے۔ انہی میں ایسا نہیں ہے وہاں ٹیلنٹ کی قدر ہے تب ہی تو ہمارے لوگ باہر جا کر ہٹ ہو جاتے ہیں۔ سازشیں اور سیاست کی وجہ سے ہمارے لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں ورنہ آپ دیکھیں کہ اسٹور کرکٹ اسکواٹس ہاکی ہم ہر گیم میں آگے تھے مگر سیاست نے سب کچھ بریلا کر دیا ہے پھر ہمارے یہاں جو تکہ بنیادی سوئس مثلاً ”لائٹ کا مسئلہ پانی کا مسئلہ“ کیس کا مسئلہ ہڑتالیں آئے دن جھگڑے ان میں اتنے پھس کر رہ گئے ہیں لوگ کہ آگے کے لیے سوچنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔“

”آپ نے کہا اس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے پھر ہمارے فنکار باہر جا کر پیسہ کیوں کما تے ہیں؟“  
 ”اس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے مگر سیاست بھی ہے اور ہماری مارکیٹ چھوٹی بھی ہے ہمارے پاس ٹیلنٹ بہت ہے۔ انہی میں ایسا نہیں ہے وہاں ٹیلنٹ کی قدر ہے تب ہی تو ہمارے لوگ باہر جا کر ہٹ ہو جاتے ہیں۔ سازشیں اور سیاست کی وجہ سے ہمارے لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں ورنہ آپ دیکھیں کہ اسٹور کرکٹ اسکواٹس ہاکی ہم ہر گیم میں آگے تھے مگر سیاست نے سب کچھ بریلا کر دیا ہے پھر ہمارے یہاں جو تکہ بنیادی سوئس مثلاً ”لائٹ کا مسئلہ پانی کا مسئلہ“ کیس کا مسئلہ ہڑتالیں آئے دن جھگڑے ان میں اتنے پھس کر رہ گئے ہیں لوگ کہ آگے کے لیے سوچنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔“

”آپ نے کہا اس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے پھر ہمارے فنکار باہر جا کر پیسہ کیوں کما تے ہیں؟“  
 ”اس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے مگر سیاست بھی ہے اور ہماری مارکیٹ چھوٹی بھی ہے ہمارے پاس ٹیلنٹ بہت ہے۔ انہی میں ایسا نہیں ہے وہاں ٹیلنٹ کی قدر ہے تب ہی تو ہمارے لوگ باہر جا کر ہٹ ہو جاتے ہیں۔ سازشیں اور سیاست کی وجہ سے ہمارے لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں ورنہ آپ دیکھیں کہ اسٹور کرکٹ اسکواٹس ہاکی ہم ہر گیم میں آگے تھے مگر سیاست نے سب کچھ بریلا کر دیا ہے پھر ہمارے یہاں جو تکہ بنیادی سوئس مثلاً ”لائٹ کا مسئلہ پانی کا مسئلہ“ کیس کا مسئلہ ہڑتالیں آئے دن جھگڑے ان میں اتنے پھس کر رہ گئے ہیں لوگ کہ آگے کے لیے سوچنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔“

”آپ نے کہا اس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے پھر ہمارے فنکار باہر جا کر پیسہ کیوں کما تے ہیں؟“  
 ”اس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے مگر سیاست بھی ہے اور ہماری مارکیٹ چھوٹی بھی ہے ہمارے پاس ٹیلنٹ بہت ہے۔ انہی میں ایسا نہیں ہے وہاں ٹیلنٹ کی قدر ہے تب ہی تو ہمارے لوگ باہر جا کر ہٹ ہو جاتے ہیں۔ سازشیں اور سیاست کی وجہ سے ہمارے لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں ورنہ آپ دیکھیں کہ اسٹور کرکٹ اسکواٹس ہاکی ہم ہر گیم میں آگے تھے مگر سیاست نے سب کچھ بریلا کر دیا ہے پھر ہمارے یہاں جو تکہ بنیادی سوئس مثلاً ”لائٹ کا مسئلہ پانی کا مسئلہ“ کیس کا مسئلہ ہڑتالیں آئے دن جھگڑے ان میں اتنے پھس کر رہ گئے ہیں لوگ کہ آگے کے لیے سوچنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔“

”آپ نے کہا اس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے پھر ہمارے فنکار باہر جا کر پیسہ کیوں کما تے ہیں؟“  
 ”اس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے مگر سیاست بھی ہے اور ہماری مارکیٹ چھوٹی بھی ہے ہمارے پاس ٹیلنٹ بہت ہے۔ انہی میں ایسا نہیں ہے وہاں ٹیلنٹ کی قدر ہے تب ہی تو ہمارے لوگ باہر جا کر ہٹ ہو جاتے ہیں۔ سازشیں اور سیاست کی وجہ سے ہمارے لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں ورنہ آپ دیکھیں کہ اسٹور کرکٹ اسکواٹس ہاکی ہم ہر گیم میں آگے تھے مگر سیاست نے سب کچھ بریلا کر دیا ہے پھر ہمارے یہاں جو تکہ بنیادی سوئس مثلاً ”لائٹ کا مسئلہ پانی کا مسئلہ“ کیس کا مسئلہ ہڑتالیں آئے دن جھگڑے ان میں اتنے پھس کر رہ گئے ہیں لوگ کہ آگے کے لیے سوچنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔“



کے ہیں، لیکن پشاور میں کافی حد تک تبدیلی نظر آرہی ہے، خاص طور پر تعلیم اور صحت میں، صفائی ستھرائی میں بھی کافی حد تک بہتری آئی ہے۔"  
 "ریڈیو کے علاوہ کیا کر رہے ہیں مطلب کوئی چاب یا برنس؟"

"جی ریڈیو کے علاوہ ایک چھوٹا سا برنس بھی کر رہا ہوں اور ساتھ میں ایک اسکول بھی چلا رہا ہوں۔"  
 "ریڈیو پر آج کل کب پروگرام کرتے ہیں؟"  
 "جی آج کل 1.30 PM سے پروگرام کرتا ہوں، جو کہ علاوہ ہر دن سنی روزانہ رات 8 بجے سے 10 بجے تک پروگرام کرتا ہوں۔"  
 "اور شاہی نہیں نہیں کی؟"

"یاباب۔۔۔ سب سے مشکل سوال مجھے یہی لگتا ہے اس کا جواب دو سال کے بعد دوں گا۔"  
 "یعنی دو سال بعد شاہی ہے؟"  
 "جی کچھ کہ نہیں سکتا۔"

"پشاور کے حالات آئے دن خراب رہتے ہیں، موت سے ڈر لگتا ہے؟"

"موت تو جی ایک دن آتی ہے۔ بس ڈر اس بات پر لگتا ہے کہ کہیں ان حادثات میں اللہ معذوری کی زندگی نہ دے بہت خوف آتا ہے ہمتا جی سے اور سچ پوچھیں تو اب ہم ان خراب حالات کے بہت عادی ہو چکے ہیں۔"

"خشتہ ہوئے۔۔۔ جی جی۔۔۔ گرامن و سکون بھلا کے برا لگتا ہے اللہ تعالیٰ پورے ملک میں امن و سکون قائم کر دے اور ہمارا ملک بھی ایک ترقی یافتہ ملک بن جائے۔ آمین۔"

"ایم ایف کے پروگرام سامعین کے لیے فائدہ مند ہوتے ہیں؟"

"کچھ کچھ جیسے ہونے چاہیں ویسے نہیں کیونکہ ہمارا وسیان میوزک کی طرف زیادہ ہوتا ہے۔ میری کوشش ہوتی ہے کہ ہر موضوع کو زیر بحث لاؤں اور لوگوں کے خیالات معلوم کروں۔"

"اور جناب آپ سب کو عید مبارک۔۔۔ کہ عید سے پہلے یہ میگزین تیار ہو گا۔"



"اللہ فہم۔ بالکل ٹھیک ٹھاک اور روزے بھی ٹھیک جا رہے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے۔"  
 "عید کی تیاریاں کیسے؟"

"عید کی تیاری تو تقریباً ہو ہی چکی ہے، بس جو تھوڑی بہت رہ گئی ہے وہ عید سے ایک دو دن پہلے کریں گے یا چند رات کو کریں گے، مگر شام اللہ۔ چاند رات کو شاپنگ کرنے اور گھومتے پھرنے کا اپنا ہی ایک مزہ ہے۔"

"آپ کا مضمون مبارک اور عید کا چاند پہلے کیوں نکل آتا ہے؟"

"فہم۔۔۔ چاند اس لیے پہلے نکلتا ہے کہ شاید ہم چاند کے بہت قریب ہیں اس لیے ہمیں جلدی نظر آجاتا ہے۔"

"ہر سال دو عیدیں ہوتی ہیں پشاور میں۔ آپ کس کے ساتھ ہوتے ہیں؟"

"یہ حیثیت آ رہے ہے کہ لور میڈیا کا حصہ ہونے کی وجہ سے میں تو دونوں کے ساتھ ہوتا ہوں لور دونوں کے ساتھ عید انجوائے کرتا ہوں۔"

"پشاور کے کیا حالات ہیں اور عمران خان نے کچھ کیا پشاور لور کے پی کے دیگر شہروں کے لیے؟"

"حالات تو بس ایسے ہی ہیں جیسے پورے پاکستان"

## رخسارہ نگار عدنان

# سیکھائی

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشری ان کی بہو ہے اور ذکیہ نسیم کی بیٹی ہے۔ عمران بشری کا بھائی ہے۔ مثل ذکیہ بیگم کی خواہی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشری اور نسیم بیگم میں روادتی ساس ہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصالحت پسینا ہوتے نکاح کی کھالی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشری کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑا۔ سب سے سبیل کی مسلسل کوششوں کے بعد بشری کی اند فوزیہ کا باہر خراک جگہ رشتے طے پا جاتا ہے۔ نکاح ہوا ہے روز بشری وہ لہا تھیر کر دیکھ کر ڈوب جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل تھیر کا بشری کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بہت نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن فوزیہ کی ساس زادہ ولور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشری اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بہانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشری اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشری کے پاس سات ماہ بعد پھر خوش خبری ہے۔

عنان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عنان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ مگر بچی اور لالوں کی ذمہ داری فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ذرا کہ وہ زمین کا سودا کر کے وہ عنان کے ساتھ خوش خوشی شہر آ رہے ہوتے ہیں کہ ذکیہ کی رادوات میں گل ہو جاتے ہیں۔

عنان کے ترقی درست ذہن کی مدد سے عاصمہ عنان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹ سے سات لاکھ روپے وصول کیا ہے۔ ذہن گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد رہا ہے۔ اسلام آباد سے واپسی پر عدیل اور نسیم بیگم کو دیکھتا ہے۔ زیادہ نسیم بیگم سے تین لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی





WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM





رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ دوسرے پریشان ہو جاتے ہیں۔ عدیل بشری سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے ملائے کو کھتا ہے۔  
حمیدہ خاں عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زہیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ باتیں بڑے ہیں  
جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مونس نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔ وہ  
جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زہیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر تہانا ہے کہ دوران عدت استثنائی  
ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے۔ بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر تہائے سورہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے  
جاتا ہے۔ اور موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے اپنی اہوس کا نشانہ بنا تا ہے اور وہیں چھوڑ کر فرار ہو جاتا ہے۔

رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہو جاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہو کر سولہ سو روپے اس کے گھر والوں کو سورہ الزام  
نصرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشری کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشری کو دھکارتا ہے اس  
کا پالش ہو جاتا ہے شرمندہ ہو کر معافی مانگتا ہے۔ گھر وہاں رہتی رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی  
جاتی ہے۔

اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دکھاتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ اپنے حالات سے تنگ  
آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم نکل جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی نسیم پریشان ہو کر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ  
کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے نسیم کو بتاتا ہے کہ زہیر نے ہر جگہ فراڈ کر کے اس کے سارے راتے سترہ کھپے ہیں اور  
اب مفور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد نسیم عاصمہ کو ایک مکان دولا پاتا ہے۔

بشری اپنی واپسی الگ گھر سے شروع کر دیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل سخت پریشان  
ہے۔ عدیل مکان کا لوہرو والا پورشن بشری کے لیے سیٹ کروا دیتا ہے اور کچھ دنوں بعد بشری کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے  
لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔ عدیل اپنی بات نہ ماننے جانے پر بشری سے جھگڑتا ہے۔  
بشری بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ عدیل طیش میں بشری کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو نہیں لیتا ہے۔ مثال بنار  
پر جاتی ہے۔ بشری بھی حواس کھو دیتی ہے۔ عمران بسن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے جھین کر لے آتا ہے۔ عدیل  
عمران پر انخوا کا پرچا کھاتا ہے۔

عاصمہ اسکول میں مازمت کر لیتی ہے مگر گھر پر مسائل کی وجہ سے آئے دن پھنسیاں کرنے کی وجہ سے مازمت خلی  
جاتی ہے۔ اچانک ہی فوزیہ کا کہیں رشتہ طے ہو جاتا ہے۔

انسپیکٹر طارق خانوں فریقین کو سمجھا بھرا کر مصالحت پر تیار کرتے ہیں۔ ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل مثال کو لے  
جائے تاکہ وہ بشری کی کہیں فوز شادی کر سکیں۔ دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچتے بیٹھی ہیں۔ فوزیہ کی شادی کے بعد  
نسیم بیگم کو اپنی جلد بازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔

انسپیکٹر طارق ذکیہ بیگم سے بشری کا رشتہ مانتے ہیں۔ ذکیہ بیگم خوش ہو جاتی ہیں مگر بشری کو یہ بات پسند نہیں آتی۔ ایک  
پراسرانی عورت عاصمہ کے گھر بلور کرانے اور رہنے لگتی ہے۔ وہ اپنی حرکتوں اور اندازت جاؤ نونے والی عورت لگتی  
ہے۔ عاصمہ بہت مشکل سے اسے ٹھل پاتی ہے۔

بشری کا ساتھ منگیترا حسن کمال ایک طویل عرصے بعد امریکا سے لوٹ آتا ہے۔ وہ گرین کارڈ کے لالچ میں بشری سے  
منگنی توڑ کر نازیہ بھٹی سے شادی کر لیتا ہے پھر شادی کے ناکام ہو جانے پر ایک بیٹے سیٹی کے ساتھ دوبارہ اپنی پہلی ذکیہ بیگم  
کے پاس آ جاتا ہے اور دوبارہ بشری سے شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ بشری تذبذب کا شکار ہو جاتی ہے۔

بشری اور احسن کمال کی شادی کے بعد عدیل مستقل طور پر مثال کو اپنے ساتھ رکھنے کا عوا کرتا ہے مگر بشری قہمی نہیں  
مانتی پھر احسن کمال کے مشورے پر دونوں بمشکل رضی ہو جاتے ہیں کہ بیٹے کے ابتدائی پندرہ دنوں میں مثال بشری کے  
پاس رہے گی اور بیٹہ پندرہ دن بعد عدیل کے پاس۔ گھر کے حالات اور نسیم بیگم کے اصرار پر بالآخر عدیل عفت سے شادی کر لیتا  
ہے۔ والدین کی شادی کے بعد مثال دونوں گھروں کے درمیان ٹھن چکر بن جاتی ہے۔ بشری کے گھر میں سیٹی بلور احسن اس  
کے ساتھ کچھ اچھا رہاؤ نہیں کرتے اور عدیل کے گھر میں اس کی ہوسری بیوی عفت۔ مثال کے لیے مزید زمین ٹکسہ بشری



اور عدیل کے نئے بچوں کی پیدائش کے بعد بڑھاتی ہے۔ مثل اپنا اعتدال کو پہنچتی ہے۔ احسن کمال اپنی فیصلی کو لے کر ملائیشیا چلا جاتا ہے اور مثل کو تاریخ سے پہلے عدیل کے گھر بھجوانا ہے۔ دوسری طرف عدیل اپنی بیوی بچوں کے بھجور کرنے پر مثل کے آنے سے قبل اسلام آباد چلا جاتا ہے۔ مثل مشکل میں گھر جاتی ہے۔ پر مثل کی حالت میں اسے ایک نشیئی تک کرنے لگتا ہے تو عاصمہ آکر اسے بچاتی ہے۔ پھر اپنے گھر لے جاتی ہے۔ جہاں سے مثل اپنے ماموں کو فون کر کے بلواتی ہے اور اس کے گھر چلی جاتی ہے۔

عاصمہ کے حالات بہتر ہو جاتے ہیں۔ وہ نسبتاً سہولت میں گھر لے لیتی ہے۔ اس کا کوئی سیکرٹری نہیں رہتی کر جانا ہے۔ اسے مثل بہت اچھی لگتی ہے۔ مثل ڈانٹ کی نظروں میں آتی ہے ماموں کو ایک دوسرے سے واقف نہیں ہیں۔

عاصمہ کا بھائی ہاشم ایک طویل عرصے بعد پاکستان لوٹ آتا ہے اور تہ تیہ عاصمہ کی نظروں اور ارشہ اور اسے کو اپنے بیٹوں و قار و قاسم کے لیے مانگ لیتا ہے۔ عاصمہ اور واقف بہت خوش ہوتے ہیں۔

مثل کو خیر میں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی اسے تھکیت رہا ہے۔

-۱۸-

## اٹھارویں قسط

بشری شہری نینو سو رہی تھی۔ احسن کمال کے فون پر کوئی سوچ آیا۔ بکلی سی ہو۔ فون پر بشری نے کچھ ناگواری سے کوٹھ بولی تھی۔ بہت مہینوں سے اس کی نینو کم ہوئی جا رہی تھی۔ اور گرتا بھی ہلتا تو فوراً اس کی آنکھ کھل جاتی اور پھر بہت کوشش کے بعد خود کالی دیر تک سو نہیں پاتی تھی۔

تک آکر اس نے سیپنگ پلورینا شروع کر دی تھی مگر احسن کمال نے اسے ایسا کرنے سے سختی سے ٹوکا تھا۔ کچھ دنوں کی بے چینی کے بعد اس کی نینو کچھ بہتر ہوئی چلی تھی مگر ابھی خود سو سوج ٹون سے آنکھ کھلی تھی۔ وہ کھلے طور پر جاگ چکی تھی۔

بشری نے احسن سے سیلی اور مثل کے بارے میں بات کرنی چاہی۔ احسن نے کبھی مثل کو پسند تو نہیں کیا۔ بس اس کے انداز میں مثل کے لیے ایک سو سو مری سی ہے جو کہ ایک نیچل کھل ہے وہ مثل کا سا باپ تو ہے نہیں۔

ہاں اگر سیلی اور مثل کا رشتہ طے ہو جاتا ہے تو احسن خود بخود مثل کو پسند کرنے لگے گا جیسے آج کل سیلی۔ اس کے ہونٹ خود بخود مسکرائے لگے۔

شام میں جب مثل لان میں اپنی کتاب لے کر آئی تو سوال رٹنے میں ہی طرح سے گمن تھی تو سیلی کے لیے جو سی لے کر آئی بشری نے خود کھا تھا اور کس محویت سے مثل کو دیکھنے میں گمن تھا۔

سیلی کی مثل کے لیے پسندیدگی بہت دنوں سے کم از کم بشری سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ وہ مثل پر بہت توجہ دے رہا تھا اور پہلے کی طرح بات بات پر اس سے الجھتا بھی نہیں تھا۔ مثل کچھ بات کرتی تو بہت توجہ ہو کر اس کی طرف دیکھتا رہتا تھا۔ بلکہ آئینہ نے بھی ایک دو بار طنز سے کہہ دیا کہ ”مما! لکھا ہے بھائی بہت شریف ہو گئے ہیں۔ اب وہ مثل تہل سے ہانکل بھی روٹا لسا نہیں کرتے۔“

اور سچی بات تو یہی ہے کہ آئینہ کے یوں کہنے پہ ہی بشری نے سیفی کے سلیے کی تہذیبی کو محسوس کرنا شروع کیا تھا۔

”یہو سکتا ہے مثل بھی اس تہذیبی کو محسوس کر چکی ہو تو اب بھی تو اب سیفی سے ہٹ کر نہیں کرتی۔“  
 ”تو گویا معاملہ دو طرفہ ہے۔“ وہ بے اختیار ہی مسکرائے گی۔

”اگر ایسا ہے تو پھر احسن کمال کی مخالفت خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو زیادہ دیر جم نہیں سکے گی۔ یوں بھی وہ سیفی کی پسند کو رد کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ الٹی گاڑ۔ اگر ایسا ہو جائے تو میری مثل پھر میٹھ کے لیے میرے پاس میرے گھر میں رہ جائے گی۔“

ایک بہت ہی خوش کن نئی فرما احساس۔

وہ کہنیوں سے ٹیک لگا کر اب بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا چکی تھی احسن کمال گہری نیند میں تھا۔

”یہ بھی ہو سکتا ہے سیفی مثل کو اپنے ساتھ یو کے لے جاتا چاہے اگر ایسا ہو گیا تو یہ بھی برا نہیں سمجھتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے قریب رہیں گے۔ ایک دوسرے کے ساتھ بہت اچھا وقت گزاریں گے اس گھر میں تو ہو سکتا ہے سیفی کی دیکھ کر ہمارے اپنے کے بعد بھی احسن میری مثل کو وہ مقام نہ دے سکے جو وہ زبرد کر رہی ہے۔“  
 وہ اپنے خیالوں میں بہت دور نکل گئی تھی۔

”بہت سادہ معصوم اور بے زبان سی ہے میری مثل کھنڈ کو اس کی سادگی پہ رحم آیا ہے جو اتنا اچھا رشتہ جیسے خود چل کر اس تک آیا ہے۔ اب میں عدیل کو بتاؤں گی کہ اصل میں مثل سے پیار کس کو ہے۔“ اس نے زعم بھرتے

طنطنے سے سوجا۔

”گور اس عدیل کو تو کبھی بھی اپنی ذمہ داریاں اٹھانے سے بھائی نہیں آئیں۔ اس نے تو ابھی مثل کی شادی یا رشتے کی بات کے بارے میں سوچا بھی نہیں ہو گا۔ یہ تو صرف ہل ہوتی ہے جو اس کی باتیں سوچتی ہے جسے بیٹیوں کی فکر ہوتی ہے اور میں نے تو وہ کھتا ہے بلکہ اس بات کو برداشت کیا ہے کہ وہ اپنی نئی شادی اور بچوں میں کس ہو کر مثل کو بالکل بھلا بیٹھا ہے۔ وہ جب بھی وہاں سے آتی ہے تو کیسی زرد اور دکھڑی سی ہوتی ہے اسے عدیل کے گھر میں نہ توجہ دیتی نہ پوری خوراک۔“

عدیل تو تھا ہی شروع سے ایسا۔ جب اس کا جھکاؤ ایک طرف ہوتا تھا تو دوسرے کو بالکل بھول جاتا تھا۔ اچھا ہے مثل کے رشتے کے لیے مجھے اس کی شفتیں نہیں کرنا پڑیں گی۔

اور جب سیفی اور مثل کے رشتے کا اس کو بتا چلے گا تو اس کے منہ پر پڑنے کی اور۔۔۔

”ہاں بات ہے بشری! ایسا نیند نہیں آ رہی۔ اس طرح کیوں نہیں ہو؟“ احسن کمال نے کراٹھ لیتے ہوئے اسے یوں پیٹھ دیکھا تو نیند میں بھاری آواز میں بوجھنے لگا۔

بشری اس کی طرف دیکھ کر یوں کھل کر مسکرائی جیسے رات کی نیند پوری کر چکی ہو اور دونوں من محوم کی سیر کے بعد واپس لوٹے ہوں اور کسی بہت دلچسپ موضوع پر کھل پور سے بات کر رہے ہو۔

”نہیں بیس آٹھ کھل گئی تو پھر نیند نہیں آتی اور میں نے بھی سوئے گی کو شش نہیں کی۔“

وہ خوش دلی سے مسکرا کر نظروں میں احسن کے لیے پیار سموا کر بولی۔

”سو جاؤ سوئے گی کو شش کرو۔“ وہ اس کے انداز سے بے خبر جیسی ہی جمائی لیتے ہوئے بولا۔

”کچھ دیر جاگ لوں میرے ساتھ۔ مجھے نیند نہیں آ رہی۔“ وہ پھر سونے جا رہا تھا۔ اس کے ارادے کو بھانپتے

اسی وہ جلدی سے اس کا بازو پکڑ کر کچھ دیر سی سے بولی۔



”یار۔ نیند آرہی ہے بہت۔ تمہیں پتا ہے پھر آفس کا بھی نمنا ہے۔ صبح اٹھنا مشکل ہو جائے گا۔“ بھاری بو تھل تو اڑ میں کہہ کر وہ سستی سے اٹھتے ہوئے بولا۔

”تیا تم کیا ہو رہا ہے؟“ وہ سہانہ نچیل برہنہ لاسیل فون اٹھا کر تاتھر کھینے لگا۔  
 ”اچھا کی بچے ہیں۔ اچھی تھلی نیند خراب کر دی ہے تمہ نے میری بھی باور اپنی بھی۔“ وہ کچھ کوفت بھرے لہجے میں بولا۔

”مجھے تو خیر نیند آتی نہیں رہی تو خراب کیا ہوگی۔ تو ڈی دیر باتیں کر لیتے ہیں تو پھر نیند آنے لگے گی۔“ وہ آخر میں کچھ معصومیت سے بولی۔

”بھلا اس وقت کوئی کیلیبات کر سکتا ہے؟“ وہ اسی بے زار لہجے میں کوفت سے بولا۔  
 ”بہت سی ایسی باتیں جنہیں دن میں کرنے کا موقع ملتا ہے نہ ٹائم معصومیت اور دوسرے کاموں کی وجہ سے۔“ بشری کچھ بتانے والے انداز میں اسے دیکھ کر بولی۔  
 وہ کچھ چونک سا گیا۔

”اچھا ایسی کون سی باتیں ہوتی ہیں جو نہ جاتی ہیں۔ میرا تو خیال ہے میں بزنس کے ساتھ تمہیں گھراور بچوں کو بالکل پر اپر ٹائم روت رہا ہوں۔“ وہ سر کھجا کر پیشگی طرح ایک ذمہ دار مہیے کو ظاہر کرتے ہوئے کچھ غور سے بولا۔

”بچوں ہی کے بارے میں میں بھی سوچ رہی تھی۔“ بشری اسے کن اکھیوں سے دیکھ کر بولی۔  
 احسن کمال نے اسے کچھ حیرانی سے دیکھا۔

”میں سمجھا نہیں۔ بچوں کے بارے میں ایسی کون سی بات ہے جو تم مجھے ری مانڈ کروانا چاہتی ہو۔“ وہ بشری کے یوں جھکنے والے انداز پر قدرے ناگوازی سے بولا۔

”کچھ میونس نہیں۔“ بشری اس کے ایسے انداز پر پیشگی ہی سے کچھ گھبرا جابا کرتی تھی۔  
 ”بچے بوے ہو گئے ہیں۔“ وہ اسے دیکھ کر ورا رک کر بولی۔  
 احسن کمال اسے عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا۔

”یہ وہ بات ہے جو دن بھر میں کرنے سے رہ جاتی ہے تمہارے خیال میں یا جسے میں نظر انداز کر رہا ہوں۔“ وہ کچھ کڑے پن سے بولا۔

”نہیں بالکل نہیں۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ تم نظر انداز کر رہے ہو۔ یونہی۔ ابھی نیند نہیں آرہی تھی تو مجھے خیال آیا کہ بچے بوے ہو گئے ہیں۔“ سینی کی اسٹڈیز مکمل ہونے میں بس سال ڈیڑھ سال کا تو ٹائم رہ گیا ہے۔“ وہ جلدی جلدی صفائی دینے والے انداز میں بولی۔

”ہوں وقت۔۔۔ تو واقعی کافی تیزی سے گزرا ہے۔“ احسن کمال نے اس تمام وقفے میں پہلی بار کچھ سکون بھرے لہجے میں کہا۔

”ابھی سینی بچہ تھا اور میری انگلی پکڑ کر اسکول میں ایڈمٹ ہونے جا رہا تھا اور مجھے تو وہ دن بھی بہت اچھی طرح سے باور ہیں جب اس نے کتنی جلدی تمہیں ماں کی جگہ قبول کر لیا تھا اور اس کے بعد ہمیشہ تمہیں اپنی سگ ماں ہی سمجھا بلکہ میں تو سمجھتا ہوں وہ مجھ سے زیادہ تم سے۔“ قریب ہے جو بات مجھ سے نہیں کرتا تم سے کر لیتا ہے۔“

وہ پہلی بار مسکرا کر بہت دکھاؤ سے بولا۔ بشری نے دل میں اطمینان بھرا سانس لیا کہ اب اگر وہ مثال اور سنٹی کے رشتے کی بات کرتی بھی ہے تو احسن اس کو کسی طرح کی بدعتی خیال نہیں کرے گا۔

”ہوں۔۔۔ یہ تو ہے۔ میرے بہت قریب ہے۔ بہت محبت بھی کرتا ہے بلکہ میں آج کل دیکھ رہی تھی وہ کسی میں دلچسپی بھی لے رہا ہے۔ اس کی دلچسپی ڈیڑھ گھنٹہ ہو رہی ہے ایک بالکل نئے انداز میں۔“ وہ بہت مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

احسن کو بشری کا اندازہ کچھ دھماکا خیز سا لگا تھا۔ وہ اسے کچھ حیرانی سے دیکھنے لگا۔  
 کون ہے وہ؟ بہت آہستگی سے بولا جیسے اسے ڈر ہو کہ اس کی ساتھیوں سے غیر متوقع نام سنیں گی۔  
 اس کا انداز ڈرا ڈرا سا تھا۔ بشری بوجھ سے مسکرائے لگی کہ وہ سرے سے گھر میں ایک دل بوجھ کوئی۔  
 ”یہ کون ہے؟ آئینہ کی تو از تھی۔ وہ ڈر گئی شاید۔“ احسن بہتر سے چھلانگ لگا کر اترا۔  
 ”یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ تو مثال کی تو از ہے۔ لوہر سے آئی ہے۔ آئینہ تو ساتھ والے بیڈروم میں ہے۔“  
 بشری کی تو از کانپنے لگی تھی۔ جانے کیوں۔  
 وہ بے ربطانہ مول سے کرنی پڑتی کرے سے باہر نکل کر اندھیرے میں لوہر کی طرف بھاگی تھی۔



جب وہ احسن کمانی کے مثال کے بیڈروم میں داخل ہونے کے ڈیڑھ منٹ بعد داخل ہوئی تو وہاں کا منظر دیکھ کر اسے لگا تو وہاں کھڑی کھڑی پتھر کی طرح آدمی دشمن کے اندر کڑھی ہے۔  
 ایسا منظر تو اس نے کبھی خواب میں خیال میں کسی برے گمان بدترین دھیان میں بھی نہیں سوچا تھا۔ نہ دیکھا تھا۔

مگر جو کچھ نظر آ رہا تھا وہ آنکھ کا دھوکا تھا نہ سراب نہ کوئی برا خواب۔ کبھی نہ بھلائی جانے والی ٹھوس حقیقت۔۔۔ کسی بھی ایک خواب سے زیادہ خوفناک۔ مگر خواب سے بہت آگے کی چیز!  
 بشری فاطمہ بند سا ہونے لگا تھا۔

اس کی مثال۔۔۔ اس کی زندگی۔۔۔ اس کا مان۔۔۔ اس کا سب کچھ اس کی تمام عمر کی کمانی۔ جیسے اپنے بیڈروم میں نہیں سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پہ پاگل ہے آمر اپڑی تھی۔ بشری کو لگا۔ وہ یہ منظر دیکھنے کے بعد اب بہت دانستی نہ پائے گی۔  
 مثال کا دھوکا تو جانے کہاں تھا مگر اس کی سرخ شرٹ گریبان کے پاس سے نیچے تک لٹھری ہوئی۔ نہیں بری طرح سے پھٹی ہوئی تھی۔  
 آستین کہنی سے یوں لٹک رہی تھی جیسے درزی اتا پیس آستین کے ساتھ توہانا ناکا لگانے کے بعد جوڑنا بھول گیا ہو۔

اس کے رخسار کے پاس سرخ کھونچ تھی۔  
 اور آنکھوں میں اتنی بے بسی بے کسی اور خالی جیسے وہاں نہیں سال کی کوئی لڑکی نہ ہو برسوں سے ویران رہا اجڑا بکرا کھر ہو۔ کھنڈر بننے کو ڈھے جانے کو بس کر جانے کو تیار!  
 ”قسم۔۔۔ قسم لے لیں پاپا۔۔۔ اس لڑکی نے خود مجھے اپنے فون سے ابھی۔ کچھ دیر پہلے خود گل کر کے۔ اپنے دروم میں خود۔ خود بلوایا۔ میں تو سو رہا تھا کھری تیر میں تھا۔ آپ تو جا۔ جانتے ہیں میں رات میں جلدی سونا



ہوں۔ اس نے فون کیا مجھے۔ یہ مجھ سے کوئی بہت ضروری بات کرنا چاہتی ہے۔ بہانے سے بھوٹ سے دعوے کے۔ اس نے خود مجھے بلایا۔

میں نہیں سمجھا۔ سمجھ نہیں سکا کہ اس نے مجھے کیوں بلایا ہے۔ میں خند سے اٹھ کر آگیا اور۔ اس نے۔ اس کی نیت ہماری تھی۔

یہ۔ اچھی لڑکی نہیں ہے۔۔۔ آپ تو جانتے ہیں پہلے بھی میں۔ میں نے بتایا تھا آپ کو۔ یہ مختلف لڑکوں کے ساتھ۔ پھرتی ہے میں نے خود کہا ہے اسے۔ کی بلایا۔ یہ لہوئی۔

سیلی انے گریبان کے ٹوٹے ہنوں کو اس پر برباد گنگو کے دوران بوزویدہ نظروں سے تلاشتارہا تھا۔ اس کی ٹھرت کے گریبان کے اوپر کے تین ہنوں میں سے ایک مثال کے نیچے پڑا تھا۔۔۔ سراسر اکیل کے اوپر اور تیسرا حسن کمال کے قدموں میں۔

”میں نے کچھ بھی نہیں کیا پایا۔۔۔ میں تو آیا اس کے روم میں۔۔۔ یہاں اندھیرا تھا۔ اور پھر یہ خود مجھ سے

میں نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی۔ تو یہ مجھ۔ مجھے بلیک میل کرنے لگی۔ مجھے کہنے لگی کہ میں اس سے شادی کر لوں۔ اور یہ۔۔۔ میں نے اسے پیچھے ہٹایا۔“

سخت سردی میں سیلی کے ہاتھ پر پستے کے قطرے تھے۔ احسن کمال بالکل خاموش تھا اس کی آنکھوں میں غصہ اور طیش تھا مگر کس کے خلاف۔ بشری ہاندانہ نہیں۔

کیا پائی۔ مثال آنکھیں بند کیے چہرہ جھکائے اب بالکل ساکت تھی۔ وہ رو بھی نہیں رہی تھی۔ معلوم نہیں وہ جینے کیسے تھی۔ یا پھر سیلی ٹھیک کہہ رہا تھا۔ یہ سب کچھ مثال نے جان بوجھ کر۔

”نہیں۔۔۔ نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا اور مثال ایسا کرے گی۔ کبھی ممکن نہیں۔“ بشری بوجھیں ساکت کھڑی

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے 4 نواں سورت، اول

<p>ساری بھول ہماری تھی</p> <p>راحت حسین تبت 300 روپے</p>	<p>شریک سطر</p> <p>ذہرہ ممتاز تبت 350 روپے</p>	<p>کسی راسخ کی تکاش میں</p> <p>میونہ نور شیدائی تبت 350 روپے</p>	<p>میرے خواب لوٹاؤ</p> <p>نعمت امجد تبت 400 روپے</p>
--	--	--	--

پبلشنگ ایسوسی ایشن  
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، ملدو والدار، کراچی  
فون نمبر 32735021

آندھی کی طرح چلتے خدشوں کے طوفان کو بھٹائے جا رہی تھی۔  
 ”یہ۔۔۔ میں نے اس کی بات نہیں مانی۔۔۔ میں نے۔۔۔ میں اسے سمجھا رہا تھا۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ سمجھانے  
 کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اس نے نہ حسبِ کما۔۔۔ میں بالکل ابگمری نہیں ہوں۔“

علیویٰ بنا۔ اس نے زور زور سے خواتین چیتنا شروع کر دیا اور خود اس نے اپنے کپڑے بھی۔ اس نے اپنا  
 یہ حال خود سے کیا تو۔۔۔ میں بالکل بھی نہیں سمجھ سکا کہ یہ اس طرح مجھے تڑپ کرنا چاہتی ہے شی از سو کنگ۔“  
 سینی کا وضاحتیں دیتے دیتے اب سانس بھولنے لگا تھا۔

مثال نے بہت آہستگی کے ساتھ۔۔۔ کانپتے ہاتھوں سے۔ اپنے پاؤں کے پاس پڑا آدھا بیڈ سے لٹکا کبل  
 بمشکل کھینچ کر اپنی گرون تک خود کو اس میں چھپا لیا۔

”یابا! آپ نہیں۔۔۔ مجھے تو غلط نہیں سمجھ رہے جبکہ میں نے لیا کچھ نہیں کیا۔۔۔ میں اس لڑکی کو پسند کرتا ہوں۔  
 یونہی مجھے۔۔۔ کبھی باجھی نہیں تھی۔“

وہ اب کے باپ کے بالکل سامنے دو قدم کے فاصلے پر کھڑا ہو گیا تھا۔ باپ کی مسلسل خاموشی نے اسے کچھ  
 کنفیوز کر دیا تھا مگر پھر بھی وہ سنبھل سا گیا تھا۔

احسن کلل نے ذرا سی گرون تر بھی کر کے پیچھے ہمسہ کی طرح ساکت کھڑی بشری کو دکھا۔  
 وہ آہستگی سے ایک قدم آگے بڑھ کر مثال کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس کی نظریں مثال کے جھکے چہرے پہ تھیں۔

”تمہیں۔۔۔ ایسا کرتے ہوئے ایک بل کو بھی خیال نہیں آیا کہ اس گھر کے تم۔۔۔ کیا کیا احسانات ہیں۔۔۔ بغیر  
 کسی احسان ہتائے میں نے ہمیشہ تمہیں اپنی سگی اولاد کے برابر گھڑا لیا۔ ہر وہ چیز لے کر دی جسے میں نے اپنے بچوں  
 کے لیے پسند کیا ان کی ہر خوشی اور پسند میں تمہیں بھی شافی کیا۔ تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھا۔ اور تم نے یہ  
 صلہ دیا ہمیں؟“

تمہیں شاید ہماری عزت اور احسان کلاں نہیں تھا۔ تم نے اپنی ماں کی عزت کا بھی خیال نہیں کیا لڑکی!۔  
 پورے سارا معاملہ صاف ہو گیا۔

پیسے گریبان اور مجھوں حالت کے باوجود سارا جرم مثال کے سر تھوپ دیا گیا تھا۔ وہی غلط تھی اور غلط وار بھی!

بشری۔۔۔ یہ وہ سراسر ہاؤس ٹوٹ گیا۔ تڑپ کر رہ گئی۔  
 پہلے خوفناک منظر نے اگر اسے پھر کا کر دیا تھا تو احسن کلل کے اس الزام نے جیسے اسے ہلا کر رکھ دیا۔  
 ”احسن! یہ تم کیا کہہ رہے ہو تم جانتے ہو۔۔۔ تمہیں نظر آ رہا ہے۔ مثال ایسا کیونکر کر سکتی ہے۔۔۔ میری بشری  
 ہے۔۔۔ اس طرح کی گھنیا حرکت کبھی نہیں کر سکتی۔۔۔ یہ اس ٹائپ کی لڑکی نہیں۔۔۔ میری مثال ایسا کبھی  
 نہیں کر سکتی۔“ وہ جیسے پھٹ بڑی۔

”اور یہ سینی۔۔۔ میں جانتی ہوں۔۔۔ یہ بہت دنوں سے مثال۔۔۔ بری نظر رکھے ہوئے تھا اور لب اپنے اس  
 گھناؤنے جرم کو چھپانے کے لیے میری بشری۔ لیا گھنیا الزام لگا رہا ہے۔“

بہت دنوں بہت سالوں بعد لڑکی بشری کو محسوس ہوا تھا کہ اس کی مثال کو اس وقت جتنی اپنی ماں کی ضرورت  
 ہے زندگی میں کبھی نہیں رہی ہوگی۔

اسے اپنی باتوں میں دل میں چھپا کر اس دنیا کی گندگی سے دور لے جاتا چاہیے۔  
 وہ بے اختیار آگے بڑھی اور مثال کو اپنے سینے میں چھپا کر اپنے ساتھ کھینچنے لگی۔



مثال کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

”پوپچیس اس سے۔ اس نے یہ گھنیا حرکت کرنے کی جرات کیسے کی۔ میری بیٹی کوئی لاوارث بابے سارا نہیں۔ چشم نہیں یا راد میں پرالاث کا کوئی بل نہیں جس پر اس نے ایسی بے خوفی سے ہاتھ ڈالا۔“ وہ فیسے میں بغیر سوچے سمجھے بولے چلے جا رہی تھی۔

”تمہیں ہے چشم تو اس کے بے شرم باپ سے کہو اسے لے جائے۔ میں نے کیا اس لڑکی کی بدکھولوں کا ٹھیکہ اٹھا رکھا ہے عمر بھر کے لیے لوہہ بھری۔ تم۔ تمہیں ہوش ہے کہ تم کیا لگو اس کر رہی ہو۔ کس پر اس لوہے بھری سے الزام رکھ رہی ہو؟ تمہاری بیٹی ایسی پاک بازا اور پاجیا ہے تو میرا بیٹا بھی ایسا نہیں۔ میں اس کے گروار کی قسم اٹھانے کو تیار ہوں۔ میرا خون ایسا گندہ اور گھنیا نہیں ہو سکتا۔ یہ شرعیہ فساد صرف تمہاری بیٹی کا پھیلا یا ہوا ہے۔ سبیل کو اس نے دھوکے سے کل کر کے اپنے کمرے میں رات کے اس پر گندی نیت سے بلایا ہے۔“

احسن کمال بیٹے کو بچانے کی خاطر بشری کو نیچا دکھانے کے خیال سے باپ پر مثال سے بچھا چھڑانے کے اس شہری مروج سے فائدہ اٹھانے کے لیے سامنے نظر آتی تنگی سچائی سے یوں نظریں چڑائے گا۔ لہو بھر کو بشری شدید رہی رہ گئی۔

”تم۔ کہہ رہے ہو کہ۔ یہ سب کچھ مثال نے خود کیا ہے۔ اپنی عزت خوب۔ نہیں! تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہو۔ تم نے میری بیٹی کو اتنا لگا اتنا گرا ہوا سمجھا ہے۔ یہ ایسا بھی نہیں کر سکتی۔ یہ مر تو سکتی ہے مگر۔ ایسا۔ کبھی نہیں۔ میں نہیں مان سکتی۔ بہ بشری! مثال کو اپنے ساتھ چھانے باب کے مضبوط اور بے لگ لہجے میں بول رہی تھی۔

”تم مجھے جھٹاؤ گی۔ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ یہ میرے بیٹے نے کیا؟ تم یہ کہہ رہی ہو۔“ وہ جیسے غصے میں بے قابو ہو رہا تھا۔

سیٹی کے چہرے پر لب اطمینان اور سکون تھا۔ اس نے اپنے کھٹے گریبان کو بند کرنے کی کوشش بھی ترک کر دی تھی۔

وہ بشری اور مثال کو بہت تمسخر بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”یانا! یہ بہت دنوں سے ایسا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مجھے اکسانے کی، میری توجہ حاصل کرنے کی۔“ وہ جیسے جلتی۔ اور بھی تیل چھڑک کر مزے لینے کو بولا۔

”تم۔ تم ایسی گھنیا سوچ رکھتے ہو سیٹی! مجھے معلوم نہیں تھا۔ میں نے تمہیں اپنی سگی بیٹی سے بڑھ کر توجہ دی۔ پار دیا تھا۔ بھول گئی کہ تم کسی دوسری پرانی عورت کے بیٹے ہو۔ اور تم نے یہ صلہ دیا ہے۔ میری بے لوث محبت کا میری سگی۔“ موصوم بیٹی پہ ہاتھ ڈالا۔ اسے رسوا کرتے ہوئے تم نے یہ کیوں نہیں سوچا اصل میں تم نے میری عزت پہ ہاتھ ڈالا ہے۔ تم نے مجھے رسوا اور ذلیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔“

بشری کی تو از غم اصدے لوہے سے پھٹ رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کی دنیا ہی ختم ہو گئی ہو۔ اس کا اتنے ساتوں کی ریاضت محنت سب ان چند لمحوں میں ہرانا ہو کر رہ گئی ہو۔

آئینہ جلے کب ان سب کے پیچھے آسکتی سے آکر کھڑی ہو گئی تھی اور منظر کے سیاق و سباق۔ کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”تم نے کوئی احسان نہیں کیا اگر میرے بیٹے کو پار اور توجہ دی اور نہ تم جیسی طلاق یافتہ ایک بیٹی کی منا کو کیا ہجھ جیسا صاحب حیثیت شخص ایسی فراخ دلی سے نبھی اپناتا۔ تمہیں اپنے عالی شان گھر میں کسی ملکہ کی طرح پیش و

کراہے ہو کھا جبکہ تم اس قابل نہیں تھیں۔  
 وہ احسن کمال ایک بالکل بدلا ہوا اجنبی شخص بشری کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ دست سماں پہلے جس نے مگنی کے  
 بعد مشرور دیکھ اپنا ہاتھ بالکل وہی احسن کمال۔

بشری بے یقین سی پیش پیشی آنکھیں لیے اسے دیکھتی جا رہی تھی۔  
 ”میں۔۔۔ یہ میں تھا جس نے تمہاری اس بے آسرا بیٹی کو جس کا یہ گاپا بھی اسے چند دن سے زیادہ  
 برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے اپنے گھر میں بندھی۔ اس کی ہر ضرورت ہر خواہش پوری کی اور  
 بدلے میں آج تم میرے سامنے کھڑے ہو کر میرے بیٹے کو پروان چڑھانے کا احسان جتلا رہی ہو۔“ وہ غصے میں  
 جیسے دوجا ہور چکا تھا۔

لہو بھر کر بشری کو لگا اس گھر میں وہ اور مثل اجنبی ہیں اور ان کی حیثیت اس گھر کے ملازموں کے برابر شاید ان  
 سے بھی بدتر ہے۔ فوراً گھر کے مالکان پر برس رہے ہیں۔ سنا سم کر رہ گئی۔  
 بہت سماں پہلے والا منظر جزئیات کے ساتھ اس کی نظروں کے سامنے آ گیا۔  
 جب ایک پہلے موٹے اپنے گئے خون کی خاطر اسے اور اس کی بیٹی کو دھتکار دیا تھا۔ انہیں انانے کی ٹھوکروں  
 میں ڈال دیا تھا۔

اور بھی چند لمحوں بعد بھڑکی نظروں ہرایا جائے گا۔ وہ ابھی ذرا دیر میں اس غصیلے جنابی احسن کمال کی نلرت کے  
 ہاتھوں اپنے اس دوسرے گھر سے بھی بے دخل کر دی جائے گی۔

لیکن اس وقت میں اور اس میں بہت فرق ہے۔ تب مثال چند سال کی کمسن بچی تھی۔  
 اور بشری کے پیچھے اس کی مضبوطی اور بھائی کا سارا موجود تھا اور آج۔۔۔ تو پیچھے کچھ بھی نہیں تھا۔ اگر وہ  
 یہاں سے نکال دی جاتی تو اس بھر پور جوانی اور قیامت خیز حسن کی مالگ بیٹی کو نلرتے کی گندی نظروں سے چھپا کر  
 کہاں لے جائے گی۔ وہ چلا رہا تھا۔

”تمہاری بیٹی لوہر تمہے اصل میں تو ان سب آسائشوں کی حق دار تھیں ہی نہیں لوہر غلطی سرا سر میری ہے  
 ایک پرانے موٹے اولاد کو اس گھر میں جگہ دینے دی اور آج میرے ہی بیٹے کو مجرم ٹھہرایا جا رہا ہے۔“  
 تو احسن کہاں لپکتا کر چکا تھا۔ وہ شاکزد سی تھی۔

کون مجرم ہے اور کون بے قصور!  
 ”تو نمیک ہے۔ اگر یہ سب کچھ کیا دھرا میرے بیٹے کا ہے تو بشری بیگم! تم اپنی اس پاک سباز بیٹی کو اپنے ساتھ لوہر  
 اس کے باپ کے گھریا جہاں تمہیں جگہ ملے پہلی جاؤ۔ کیونکہ میں تو ایسے احسان فراموش لوگوں کو اپنے گھر میں  
 ایک لمحے کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ جو عمر بھر بیٹھے چائے کے بعد مجھ ہی یہ ایسا الزام لگائیں۔ چلو سینی  
 بیٹا! ہمیں اب لوہر کوئی بات نہیں کرنی۔“ کہہ کر اس نے یوں سینی کو بازو سے تھام کر ساتھ لگا کر باہر کامرچ کیا جیسے  
 بشری اور مثل نے اس کے ساتھ بہت ہرا کر لیا ہو۔

”یہاں! کیا ہوا ہے؟“ آئینہ کو شش کے باوجود پورے معانے کو کھل طور پر سمجھ نہیں سکی تھی۔  
 کچھ سے ہوئے انداز میں باپ کے اجنبی تیور دیکھتے ہوئے آہستگی سے پوچھنے لگی۔  
 ”کچھ نہیں جان! تم چلو اپنے روم میں چل کر آرام کرو۔ ہم صبح بات کریں گے۔“ وہ اس پیار اور استحقاق سے  
 اسے دوسرے پہلو میں ساتھ لگائے لے جانے لگا۔

آئینہ نے پیچھے مڑ کر ابھی نظروں سے ہل اور مثال کون کہا۔ مثال سے اسے کوئی اہمیت تھی نہ لگاؤ اور اب وہ  
 جو اس برے حال میں نظر آ رہی تھی تو بھی آئینہ کو اس سے کچھ خاص بہرہ دی محسوس نہیں ہوئی تھی۔



مگر اس کا باپ جس طرح اس کی ماں سے چیخ کر بات کر رہا تھا وہ سب اسے بالکل بھی سمجھا نہیں سکا تھا۔  
 ”پاپا! مائے کچھ غلط کیا ہے کیا؟ آپ دونوں میں جھگڑا کیوں ہوا ہے اور سیٹی بھائی کی شرٹ کیسے پھٹ گئی؟“  
 تین بیٹاوی سوال۔ جن کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی احسن کمال میں۔ اسی لیے تو وہ پریشانی سے لڑنے کے لیے بشری کو خوفزدہ کرنے کے لیے چیخ کر بات کرتا رہا تھا۔  
 ”کچھ نہیں جان۔ تم بلاوجہ پریشان نہیں ہو۔ جا کر اچھی نیند لو اپنے روم میں۔ صبح ہوگی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اور کے۔“ وہ اسے ساتھ لگائے باہر نکل گیا۔  
 کمرے میں تیسرے خاموشی تھی۔ مثل تو اس سارے اُرداے کے دوران ایک لفظ بھی نہیں بولی تھی۔ بشری احسن کمال کے مدبے پہ پھر سے پتھر کی بن کر رہ گئی تھی۔



”پاپا! کیا حرج ہے پلیز! ان جانیں ہیں!“ پریشے۔ عدیل کے گلے میں باغیسی ڈالتے ہوئے لاڈ سے بول۔  
 عدیل کے چہرے پہ گہری سنجیدگی تھی۔  
 عنقت نے کچھ ناگواری سے شوہر کی طرف دیکھا۔ لاکھ محبت و لپٹاؤ کے باوجود کبھی کبھی عنقت کو لگتا جیسے عدیل بچہ میں کہیں صدیوں کے فاصلے جا کھڑا ہوتا ہے کہ وہ خود بھی چاہتے ہوئے اس تک پہنچ نہیں پاتی۔  
 ”پریشان نہ ہو، اس کا دل ہے تو آپ ان جانیں میں۔“ کمال الٹی بیٹی کے منہ سے سونے پر عنقت کے دل کو کچھ ہوا تو نہ نہ سکی۔

”عنقت! میں اس بار مثل کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا۔ پھیل یار بھی۔“ وہ بولتے ہوئے ہونٹ بھیج کر رہ گیا۔  
 ”چار پانچ سال ہو گئے اس پھیل یار کو بھی جسے آپ بھلائے نہیں بھول رہے۔ جب ہمارے اچانک پنڈی جانے کی وجہ سے اسے اپنی ماں کے گھر جا کر چند دن رہنا پڑ گیا تھا۔ کئی غلطی نہیں اس کی۔ کوئی غیر نہیں تھیں وہ۔ اگر مثل چلی بھی گئی تھی اور اب تو۔“ عنقت سخت لوقت بھرے لہجے میں بولتی گئی۔  
 ”اور اب تو اس کی ماں بھی زندہ نہیں۔ یوں بھی مجھے ایک بٹنے کی چھٹی نہیں مل سکتی آفس سے۔ میں کسے لے کر جا سکتا ہوں تم لوگوں کو تارودن یا ریا۔“ پاپا نہیں کچھ ولوں سے جی عجب تھا تھا کا سارے لگا تھا۔ عدیل کو کچھ بھی سمجھا نہیں لگا رہا تھا۔ بل چاٹ ساتھ۔  
 نسیم بیگم کا وہ سال پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ اس کے بعد سے عدیل کچھ ایسے ہی اکثر اکثر رہنے لگا تھا۔  
 عنقت کو کچھ اور کم بے لگتی۔

”پھیل بیٹی کے ساتھ تو میں نے سنا ہے تب کو تین چھٹیاں بھی ملتی تھیں تو تب انہیں سیر کے لیے لے جاتے تھے۔ پرانی نے تو پھیل یار ضد کی ہے۔ میری صاحبہ پریشی نے چھٹیاں بیٹھ گھر میں گزاریں۔ کبھی ضد نہیں کی۔ اس بار۔۔۔ پریشی! رہنے دو کوئی ضرورت نہیں بیٹا کی نہیں کرنے کی۔ ایک ڈیڑھ ماہ کی چھٹیاں ہیں تمہاری۔ کوئی شادیت کو رس کر لو۔ گزار جائیں گی مصروفیت میں۔“ عنقت کو سخت برا لگا تھا عدیل کا یوں پریشی کو چھٹیوں میں گھمانے کے لیے لے جانے سے منع کرنا۔  
 عدیل بیوی کو کچھ کر رہ گیا۔

وہ تو گئے زمانوں کی بھولی سری بات تھی جب عدیل اور بشری کی چھٹیاں اکثر سیر پالنے میں گزارتی تھیں۔ نسیم اور فوزیہ کی سخت مخالفت کے باوجود!  
 اور آج اتنے سارے سالوں بعد جون ہوتی بیٹی کے سامنے عنقت نے یہ کیا طعنہ مارا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

طعنہ ناقابل برداشت تھا یا اس زیادگی چوٹ۔ عدیل نے تڑپ کر عفت کی طرف دیکھا اور کچھ کہنے لہیر تیزی سے وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔  
 پریشے نے بڑا سامنہ بنا کر باپ کو جانتے دیکھا۔  
 ”کیا ضرورت تھی آپ کو یہ سب کہنے کی۔ پاپا کا موڈ تک ہو گیا حالانکہ وہ جان جاتے ہیں وہ ایک بار پور کھتی تو۔“  
 وہ آف سوائے کے ساتھ بولی۔  
 ”تو جاؤ جا کر پاپاؤں پکڑ لو اپنے پاپے کے اگر لے کر جاتا ہے تو۔“ عفت غصے میں کہہ کر اٹھ کر چلی گئی۔



مثال دیوار کی طرف کروٹ لیے دیوار کو ایک ٹک دیکھتے ہوئے بے آواز آنسوؤں کے ساتھ روئے جا رہی تھی۔  
 رات کا کمرہ مظہر بار بار اس کے بل کو سمائے جا رہا تھا۔  
 سیفی کسی عفت کی طرح جس طرح اندھیرے میں اس پر چھینا تھا وہ شاید جا رہی ہو جاتی۔ اگر وہ پوری قوت لگا کر اس کی مزاحمت کو روکتے ہوئے زور سے چیختی نہیں تو؟  
 لیکن جو کچھ احسن کمال نے کہا وہ سیفی کی حرکت سے بھی زیاں تکلیف تھا۔  
 ان کے جانے کے بعد وہ بشری کے سینے میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی اور بہت دیر تک روئے رہتا چاہتی تھی مگر اسے لگا۔ بشری پتھر کی بننے بننے جیسے سردیوں میں ڈھل گئی ہے اس کا جسم سرد ہو گیا تھا۔  
 اس نے ذرا بھی مثال کو اپنی ساتھ نہیں لگایا تھا نہ اس کا ہاتھ پکارتا تھا۔ نہ اسے کوئی تسلی دی تھی نہ کوئی دلاسا۔ نہ کوئی پیار بھری ہمدردی کا کوئی بول۔  
 وہ کچھ بھی تو نہیں بولی تھی۔ بالکل خاموش ساکت اور بے حس تھی۔ جس طرح وہ احسن کے سامنے بولی تھی۔ وہ ساری ہمدردی کہیں سو گئی تھی۔ مثال بہت دیر تک ہنگاموں سے روئی رہی پھر بشری کی خاموشی پر وہ خود ہی کچھ دیر میں خاموش ہو گئی۔  
 اس نے آہستگی سے خود کو بشری سے الگ کیا۔ بشری بالکل بے دھیان سی کم صدم پٹھی تھی۔ کمرے میں تعبیر چپ تھی۔ مثال کی سسکیں بھی خاموش ہو چکی تھیں۔  
 صرف سہرا کی رات کے آخری پہرے کی تعبیر چپ میں تک کر کے گزرتی گھڑی کی سوئیوں کی چاپ تھی۔  
 بے آواز قدموں کے ساتھ دھیرے دھیرے گزر تہذیب جیسے ست کچھ اپنے ساتھ بنا کر لے جا رہا تھا۔  
 سوائے بشری کی بے چارگی بے بسی اور ذلت کے اسباب اسباب وہی تھے صرف ذلت دینے والا شخص بدلہ تھا۔

عدیل کی جگہ احسن کمال!

ورنہ اب بھی اس کی حیثیت اتنے سالوں کی گھر مستی کے بعد وہی تھی۔ صرف تین بولوں سے اس کے وجود کی عمارت کھڑی تھی۔ تین بولوں کا جھنکا پ اور اس کا وجود ہنر و حذا آتا ہے ہی بندوں پر گر جاتا۔  
 ”ہاں! میں نے سیفی کو کال نہیں کی تھی۔ آپ چاہیں تو میرا نمونہ چیک کر لیں۔ میں تو گھڑی تیرہ سو رہی تھی اور میں تو کمر لاک کر کے سوتی ہوں۔ کمر لاک تھا۔“  
 مجھے نہیں معلوم اس نے لاک کسے کھولا اور اندھیرے میں ماما۔ میں بہت ڈر گئی تھی۔ اور میں سیفی کو کیوں بلاؤں گی ماما۔ آپ جانتی ہیں نا ایسا نہیں ہے۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔“  
 مثال کو ماں کی خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ لگ رہی تھی۔ وہ رک رک کر صفائی چیش کرنے والے



اندر میں بول۔ بشری نے اس سارے کے دوران پہلی بار مست کھلی نظروں سے اسے دیکھا۔  
 ”تم یہ ساری بیکو اس اس شخص کے سامنے نہیں کر سکتی تھیں، جو بیٹے کی پار سائی میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہا تھا۔ اس وقت تو گوئی بی بی بیٹھی تھیں۔ منہ میں کھٹکھٹیاں ڈالنے بالکل خاموش تھیں تم۔ صرف مجھے نچا دکھانا تھا۔ مجھے جھوٹا ڈرانا تھا۔ تمہاری چیخ۔ تمہاری خاموشی کی وجہ سے وہ دلوں شیر ہوئے۔ اس وقت تو تم بولیں سر جھکائے بیٹھی تھیں جیسے واقعی تم نے اس نصیحت کو اپنے کمرے میں بلایا ہو۔“ تو مجھے ڈپٹ کر بول۔  
 ”ابا! مثال کے سر پر جیسے کوئی ہماری پتھر آکر گر اہو۔ وہ تکلیف سے ہلکا اٹھی تھی۔  
 احسن کمال کے لفظوں کے تازیانے نے زم پرانے لگے تھے بشری کے طعنے کے آگے۔ وہ بس آنکھیں پھاڑے ماں کو دیکھتی رہ گئی۔

”ایک بار پھر۔ ایک بار پھر جانے میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ چا نہیں۔ میں نے کسی کا کیا باگاڑا ہے کہ ہزار کوششوں اور اتنی قربانیوں کے بعد بھی ہر بار دولت کے اس گڑھے میں جھپکی کیوں ہو چکا رہا جاتا ہے۔“  
 بشری خود اذیتی سے منہ میں رو پڑتے ہوئے بول رہی تھی۔ مثال تا ابھی سال کی طرف دیکھتی جا رہی تھی۔  
 ”اب میرے ساتھ کون ہے۔ نہ کوئی گھر نہ کوئی آسرا۔ اگر یہ احسن کمال۔ جانتی ہوں میں اس کو کتنا ہے وید لو رہے لحاظ شخص ہے۔ ابھی تین بول کے لو رہے اپنے گھر سے چٹا کر دے تو میں کہیں جاؤں گی۔ تمہیں ساتھ لے کر۔ کون پناہ دے گا مجھے۔ اور یہ منہوس دن بھی مجھے تمہارے باپ کی وجہ سے دیکھنا پڑ رہا ہے جس نے تمہیں اور مجھے اس حال تک پہنچایا۔ اللہ کرے ساری زندگی وہ خوشیوں کا منہ دیکھنے کو ترستے جس کی وجہ سے میں نے یہ شدت دکھ جھیلے۔“

ہمت برانے زخموں پہ جما کر نڈ کسی نے زور سے کھرا تھا۔ بشری کے منہ سے تکلیف کے ساتھ گونسنے اور بدعائیں نکل رہی تھیں۔

مثال بیٹھی بیٹھی آنکھوں سے صرف ماں کو دیکھے جا رہی تھی۔  
 اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ بشری اس کے ساتھ ہونے والے سارے پر رنجیدہ ہے یا احسن کمال کی وہ مہنگی نے اسے سخت خوف زدہ کر دیا ہے کہ اسے اپنا اور مثال کا بند و بست کیوں اور کرنا پڑے گا۔  
 ”چا نہیں کیا ہو گا۔ بالکل بالائی کھوپڑی کا آدمی ہے یہ۔ اور تمہیں چاہیے تھا۔ کمرے کا اک لگانے کے علاوہ یہ چھٹی بھی تو ہے اس دروازے کی۔ اسے بند کر کے نہیں سو سکتی تھیں تم۔ جوان ہو سمجھ دار ہو۔ ان معاملات کی نزاکت کو سمجھ سکتی ہو کہ تمہیں اپنی حفاظت لب خود کرنی ہے۔ اپنا خیال رکھنا ہے۔ لیکن نہیں! سارے عذاب ساری مصیبتیں تو خدا نے میری قسمت میں لکھ رکھی ہیں۔“ وہ سخت پریشان تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا بولے جا رہی ہے۔

”اٹھو اور چینیج کرو۔ اپنا حلیہ ٹھیک کرو اور کمرے کا دروازہ اور کنڈی دونوں اچھی طرح لٹاک کرو۔ میں آتی ہوں کچھ دیر میں۔“ وہ پریشان سی کہہ کر باہر نکل گئی۔ مثال سکت سی بیٹھی رہ گئی۔



سب کچھ اتنی جلدی جلدی لور اچانک ہو رہا تھا کہ عاصمہ اور واٹن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سب کیسے ہو گا۔

اگرچہ ہاشم اور اس کی بیوی نے تفتی سے منع کیا تھا کہ انہیں چیز کے نام پہ کچھ بھی نہیں چاہیے۔ یوں بھی دس بارہ دن کے اندر چیز کے نام پہ کوئی تیاری تو ہو بھی نہیں سکتی تھی لیکن عاصمہ کو لگ رہا تھا۔

بٹیوں کے لیے ماؤں کلویا ہوا اجیز تھوڑا ہوا یا زیادہ محبت قیمتی اور انمول ہوتا ہے۔  
ہاسم کے علاوہ اربہ اور اریشہ بھی ماں کو منع کر رہی تھیں مگر پھر بھی۔ دن میں کم از کم بازار کے دو چکر تو  
ضروری لگاتی تھیں۔

دونوں بٹیوں کے لیے بہت نایاب اور قیمتی مگر استعمال ہونے والی چیزیں بہت مل سے خریدی تھیں۔  
تھوڑے سے کپڑے، تھوڑی سی جیولری، تھوڑے سے مگر بہت خوب کھانا برتن، بچوں کے لیے کچھ اور کچھ دوسرا ضرورت  
کا سامان اس نے تھوڑا تھوڑا کر کے ان دس بارہ دنوں میں اکٹھا کر ہی لیا تھا۔

والین ماں کے خیال سے واقف بھی تھا اور حشوق بھی!  
وہ بھی لگی چاہتا تھا اس کی دونوں بھینس بہت بھر کر نہ سنی مگر حسب توفیق اپنے حصے کا کچھ نہ کچھ سامان لے کر  
جائیں۔

”مما! بس کر دیں تا آپ تھک جائیں گی جو کام باقی رہ گئے ہیں میں اور اریشہ کر دیں گے۔ آپ ہم پر بھی دھوسا  
کریں ہم بھی یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔“

خاصہ دونوں کے کپڑے پیک کر رہی تھی جب اربہ نے محبت سے ماں کے ہاتھ تھام کر انہیں چومتے ہوئے  
کہا۔

”میری جین! بھروسہ مجھے تم دونوں پہ خود سے زیادہ ہے کہ تم دونوں کبھی بھی زندگی کے کسی سوڑ پر میری تربیت پہ  
حرف نہیں آئے گی۔ زندگی کے نئے مراحل اللہ نہ کرے تمہاری زندگی میں کبھی بھی آئیں لیکن تم ان سے کچھ  
سے زیادہ بہتر طریقے سے بہرہ آندا ہو سکتی ہو لیکن ابھی یہ کام میرا ہے اسے نبھایا کر لے۔“

وہ بچی کو ساتھ لگا کر بیٹھے کچے میں بولی۔

”تم دونوں کے چھوٹے چھوٹے کام جس طرح آج تک مجھے اپنے ہاتھ سے کرنے پہ جو خوشی ملتی تھی یہ سکون  
میرے ساتھ آخری سانسوں تک رہے گا کہ میں نے اپنی بیٹیوں کے سارے کام خود کیے ہیں۔ تم اس بات کو  
نہیں سمجھو گی جب تک خود میں نہیں ہو گی۔“ وہ اس کی ٹانگ کھینچ کر اسے پرے ہٹاتے ہوئے بولی۔

”مما۔ کیا ہے بس کریں نا۔ مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ چھوڑیں یہ سب اور میرے ساتھ باتیں  
کریں۔“ وہ لڑکھائے سے ساری چیزیں ایک طرف ہٹا کر ماں کو ساتھ لپٹاتے ہوئے بولی۔

خاصہ کچھ سخت بولتے ہوئے رک گئی۔

اس نے ہاتھ سے سب پرے ہٹا دیا اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر اربہ کا سراپا لگا کر دیکھ کر سکون بھرے  
انداز میں بیٹھ گئی۔

”ہاں اب بولو۔ کیا باتیں کرنی ہیں تم نے مجھ سے؟“ وہ اس کے ہاں سہلاتے ہوئے پیار سے بولی۔

”مما۔ اگر بابا ہوتے تو کیا وہ بھی اسی طرح ہم دونوں کی شادی ایک ساتھ طے کر دیتے۔“ وہ اسکی سے بولی۔

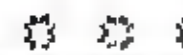
”ارہ۔ اتم خوش نہیں ہو جیٹا؟“ وہ چونک کر بولی۔

”آپ کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی بس۔“ وہ اس کی گود میں منہ چھپا کر سکی، خاصہ افسردگی سے بچی کو دیکھ کر وہ  
گئی۔

اس درد کو تو وہ خود اپنے دونوں سے دل میں چھپائے پھر ہی تھی کہ خوشی کے ان لمحوں میں یہ سکی لہوں تک آکر

خدا انوارت کوئی بد شگونی نہ ہو جائے۔

وہ اربہ کو بولے ہوئے کچھ سوچنے لگی۔





"یہ کیا کہہ رہے ہو احسن تم؟" بشری احسن کی بات پر دم بخود سی رہ گئی۔ احسن کے چہرے پر وہی اجنبیت اور بے چارگی تھی جو گزری رات کے آخری پہر میں بشری نے اس کے چہرے پر دیکھ کر بہت دور تک بہت کچھ سوچ لیا تھا۔

"اس کے علاوہ تمہارے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ میرا بیٹا سخت ہرٹ ہوا ہے تمہاری اور تمہاری بیٹی کی اس گھنیا حرکت سے۔ وہ وہاں کے لیے گھر آیا تھا اور اب وہ کل واپس جا رہا ہے صرف تمہاروں میں بیٹی کی وجہ سے" وہ سخت طعن بیاڑ عورت کی طرح حقارت سے بول رہا تھا۔

اور بشری سے تو کچھ بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔  
"کلن کھول کر سن لو بشری! یہ گھر میرا بعد میں پہلے یہ سب کچھ سینیٹی کا ہے۔ میرا ایک بیٹا ہے اور مجھے اپنی ہر چیز سے پیارا ہے۔ میرے بعد میری ہر چیز کا وارث ہے وہ اس کو ناراض کرنے کا مطلب تم سمجھ سکتی ہو۔" وہ مت جتا رہتا تھا۔

"اور یہاں سے ناراض ہو کر جا رہا ہے اور وہ اتنی بری طرح سے ڈسٹرب ہے کہ اس نے مجھے صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ وہ اب شاید ہی کبھی واپس آئے گا۔ مت پوچھو اس وقت سے میرے دل کا کیا حال ہے۔ میرا سینیٹی اتنے مہینوں بعد گھر آیا اور اب یوں ناراض ہو کر جا رہا ہے۔ اس بات سے میں سخت پریشان ہوں۔" وہ بے کل سے لہجے میں ادھر ادھر مٹھکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تم اور تمہاری بیٹی اس سے معذرت کرو۔ اسے روکنے کی کوشش کرو اور جب تک سینیٹی یہاں ہے اور جب بھی وہ یہاں آیا کرے گا۔ تمہاری بیٹی یہاں نہیں رہے گی۔ وہ اپنے آپ کے گھر جا کر رہا کرے گی۔ میں اسے یہاں سے نکال نہیں رہا مگر وہ تب ہی اس گھر میں رہ سکتی ہے جب وہ سینیٹی سے اٹکسکیوڈ کرے گی اور اس کی موجودگی میں یہاں نہیں رہے گی۔" وہ بے چارے لہجے میں کہتا ہوا ایک غیر اجنبی مرد لگ رہا تھا جسے بشری آج سے پہلے بالکل بھی نہیں جانتی تھی۔

"احسن! یہ ایک بالکل ناقص بات ہے۔ مشکل کا اس میں بالکل تصور نہیں ہے اور۔" بشری نے تھوک دھل کر کہنا شروع کیا۔

"تم ابھی بھی اپنی بیٹی کی لیور کر دگی جبکہ میرا بیٹا۔ میرا اکلوتا بیٹا ناراض ہو کر گھر چھوڑ کر جا رہا ہے۔ میرے ہاتھوں سے نکل جا رہا ہے اور تم ابھی بھی اس پر لائے توڑی کی بیٹی کی لیور میں مری جا رہی ہو۔ اتنی محبت تھی اس سے اس کی بلونڈ سے تو کبھی چھوڑ آئیں اس کے بچوں پکڑ لینے تھے اس کی زندگی میں وہ بارہ شامل ہونے کے لیے مطالبہ کر رہا تھا۔ جو تم سے جن پر مار کر لیتیں اگر اتنی الفت تھی تمہیں اس کے خون سے۔" وہ جاہلوں کی طرح حلق کے مل چوٹا تھا۔

بشری اٹھ شہری رہ گئی۔

"بس۔ تمہیں صاف لفظوں میں بتا چکا ہوں۔ اگر تم نے اس گھر میں رہنا ہے تو تمہیں سینیٹی سے معافی مانگنا ہوگی۔ اسے جانے سے روکنا ہو گا ورنہ اپنی بیٹی کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔ تمہیں کوئی نہیں روکے گا اور یہ تمہارے لیے کوئی نئی بات نہیں ہوگی بشری! یکم اداوی ہو تم اور تمہاری بیٹی گھر بدلنے کی۔" وہ چلاتا ہوا کہہ رہا تھا۔

"اگر وہ سینیٹی سے معافی بھی مانگ لیتی ہے اسے یہاں سے جانے سے روک بھی لیتی ہے۔ مثال کو عدل کے گھر بھی چھوڑ آتی ہے تو کیا وہ اس احسن کمال جیسے خود غرض اے بس شخص کے ساتھ باقی کی زندگی پہلے کی طرح گزار سکے گی؟ جس کی نظروں میں اس کی وقعت و کوڑی کی بھی نہیں۔" بشری نے کھڑے کھڑے حساب کتاب

کیا تو مجھے اسے خود ہی سے گھرنے آئے گی۔  
 وہ اگر اس کے بعد یہاں رہی بھی تو خود سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہے گی۔  
 اسے خوب بے تماشا ترس آئے گا۔

پورے سیٹی کے اتنے دن یہاں رہنے تک وہ مثل کو کہاں چھوڑ کر آئے اور اتنے نفسانگ طریقے سے کہ سیٹی  
 کے آنے پر اسے یہاں سے جانا پڑے۔

اور یہی کچھ باہر کھڑی مثل بھی سوچ رہی تھی۔  
 اس نے جو کچھ دن پہلے بشری اور احسن کمال کے گھر پر نہ ہونے پر جالب کرنے کا سوچا تھا اسے اپنا فیصلہ بالکل  
 درست لگ رہا تھا مگر ابھی اسے بشری کے فیصلے کا انتظار کرنا تھا۔ وہ آہستگی سے واپس مڑ گئی۔  
 بشری تو وہیں بڑھ چلی تھی۔ سو نے پریشانی سے احسن کمال اسے حکم سنا کر جا چکا تھا۔  
 اور وہ بہت کچھ سوچتے ہوئے بھی کچھ سوچ نہیں پا رہی تھی۔



دونوں پر اب نہیں بنی کسی اور دہس کی شہزادیاں لگ رہی تھیں۔  
 عاصمہ تو انہیں نظر بھر کر نہیں دیکھ رہی تھی۔  
 دیکھتی بھی کیسے ایک عمر کا خواب تھا۔ لگتا تھا اسے تعبیر بننے میں اس کی ایک اور عمر کام آجائے گی مگر اللہ یوں  
 بھی مجھڑے دکھاتا ہے۔ وہ بار بار خود کو ہلور کر رہی تھی۔  
 اریبہ اور ارشد کی شادی یوں اتنی جلدی اتنی آسانی سے اور اتنی اچھی اچھی جگہ ہو جانا اس کے نزدیک اس صدی  
 کے بہت بڑے مجھڑے سے کم نہیں تھا۔  
 گزری رات میں دونوں کو مندی ملانے کے بعد جب ایک خوشگوار رات جگمگے کے بعد گھر بھر کے مہمان اور  
 اس کے بچے چلوں پہ انکی نیند کے جھوسے میں ذرا کی ذرا ہنڈولے لینے لگے تو عاصمہ کی آنکھ پل بھر کو بھی نہیں لگی  
 تھی۔

وہ تو بس گزریے ساہلوں کی سیار اتوں اور تاریک دونوں کو شمار کرتی رہی اور روتی رہی۔ وہ شیطان صفت زیر جس  
 لے اس کا اور اس کے خیم بچوں کا سرمایہ حیات ہی نہیں چھینا تھا اس کے عزت کی چہلور بھی تار تار کی تھی۔ اس  
 کی زندگی کا وہ سیاہ ترین پہلو جس سے وہ خود بھی عمر بھر آنکھ جرائی آئی تھی۔  
 اور اکثر وہ اریبہ کے اچانک کچھ پوچھنے پہ ڈر سی جاتی تھیں اریبہ کو وہ اندھیری رات یاد تو نہیں آتی۔ کہیں وہ  
 اس کے بارے میں تو سوال پوچھنے نہیں جا رہی۔  
 اریبہ کی سوچی تو اوپر اس کا دل پل بھر کو قلم کرو جاتا تھا پر صد شکر کہ اس کا ذہن بچپن کی اس تاریک شام کو  
 بھلا چکا تھا۔

اور پھر اس کے بعد ایک کے بعد ایک تکلیف دینے والا مرحلہ۔ جب وہ بچوں کی گزراؤ وقت کے لیے کسے  
 لو کہی کی خاطر روکنے کھاتی پھرتی تھی۔ یوں حالات کے ہاتھوں روندھی ہوئی ٹھوکریں کھا رہی تھی کہ کوئی بھی زندگی  
 سے رستہ ملنے کی نشاندہی کرتا تو اس کے پیچھے چل پڑتی۔

رب نے وہ سارے سیاہ دن اور کللی راہیں کسے کٹھنوں کے پتے بھی نہیں چٹائے۔ اس کا وعدہ یقیناً سچا ہے کہ  
 میں تمہارے سچ کے دنوں کو یوں مٹا دوں گا جیسے وہ کبھی آئے ہی نہیں تھے۔  
 وہ آنکھوں میں لڈتے آنسوؤں کو پوچھ رہی تھی جب واقف آہستگی سے اس کے قدموں کے پاس آکر بیٹھ گیا۔



”کیا یہ بہتر نہیں تھا ہی! کہ آپ مجھے دنوں کو یاد کر کے یوں رونے کے بجائے ایسے خوش بخت لہوں کا شکر ادا کرتیں کہ اللہ نے کس طرح جن مانگے ہماری جھولی میں اتنی ساری خوشیاں بھری ہیں؟“ وہ انگلیوں کی نرم پوروں سے ماں کی آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولا۔

”بے شک اس نے مجھے ہمیں ہماری بساط ہماری لمبائت سے بہت زیادہ دیا ہے کہ شکرانے کے لیے میں پورا وجود بھی آنسوؤں میں بہاؤں تو کم ہے۔ واقعہ یہ ہے شکر کے آسواں جو میری آنکھوں سے رونے کے باوجود رک نہیں رہے تو سوچا اس کیلئے کہنے میں چہ نہ کر اس کو یاد بھی کر لوں اور اس کا شکر بھی ادا کر لوں۔“ وہ بیٹے کو ساتھ لگا کر آنکھیں صاف کرتی کبھی ہستی کبھی روٹی و لائق کو بہت معصوم کسی بچی کی طرح سانا اور بے دیا لگیں۔ صاف کے ہاتھ چوم کر انہیں آنکھوں پر رکھ کر یونہی پرسکون ہو کر لیٹ گیا۔



سینٹی نے اس کے ہاتھ ایک بار نہیں کئی بار جھٹک کر عقارت سے برے کیے۔ وہ بار بار اس کے سوٹ کیس سے کپڑے نکال کر اسے جانے سے منع کرتے ہوئے کچھ محبت بھری دھولیں جما کر کچھ محبت جتاتے ہوئے روکتی اور وہ بہت طنز پر عقارت بھری نظروں سے اسے دیکھ کر پھر سے سوٹ کیس بھرنے لگتا۔

بشری نے اپنی عمر کے کسی حصے میں خود کو اتنا بٹکا اتنا کٹر اور ذلیل محسوس نہیں کیا تھا جتنا وہ اس لمحے محسوس کر رہی تھی کہ اس شخص نے جس نے اس کی کم سن بیٹی کی زندگی برباد کرنے کی کوشش کی تھی اسے اس کی منتیں اور خوشامدیں کر کے روکنا پڑا تھا۔

وہ بس بدی تھی مگر اندر سے بددی تھی۔ اس کے لہجے میں ٹوٹے ہوئے کالج کی کرچیاں تھیں۔ ”میری جان! کیا اپنی ماما سے خفا ہو کر جاؤ گے تو جاؤ پھر ماما کو چین کیسے طے گا جانے تو ہو تمہاری ماما کو کتنے مہینوں سے تمہارا انتظار تھا۔ اب ہوں چلے جاؤ گے تو میرا دل کتنا برا ہو گا۔ اب بس کرواؤ ناراضی۔“ وہ تھک کر نڈھال سی ہو کر اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

”آپ نے تو ایک بار بھی اپنی لادالی کو اس حرکت پر نہیں جھٹلایا جو اس نے میرے ساتھ کی۔ آپ۔“ وہ کدورت بھرے لہجے میں بولا۔

”سینٹی اس بات کو۔۔۔ اب ظہم کرو۔۔۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔ مجھے لگتا ہے میری سانسیں گھٹ رہی ہیں۔ میں۔۔۔ میں نے یہ سب کبھی بھی نہیں سوچا تھا۔“

اس کا بھرا ہوا دل بہت زیادہ بہت پرواشت کے باوجود بھی آنکھوں سے جیسے تھک رہا۔ ”تو آپ کو اس بات پر تعجب نہیں کہ آپ کی بیٹی نے کچھ غلط کیا ہے؟“ وہ خند کی باپ کا خند کی جیسا اسی کینگی اور ہنسنے سے اپنی ضد پر جما کر اٹھا۔

بشری کو منہ کے بل گرا دیکھنے کے شوق میں اس نشتر کو ہاتھ میں لیے بار بار اس کے زخموں کو او میڑے جا رہا تھا۔ بشری کی آنکھوں میں مرہیں سی لگ رہی تھیں۔

اس نے اپنے سر سے آنکھوں میں سینٹی کا ہاتھ ڈرا سالیلا اور حلق میں پھنسنے کو لے کر پورے ہو گیا۔ ”وہ یہاں نہیں رہے گی۔ چلی جائے گی۔ اب اس کو بھول جاؤ تم۔“ وہ کہہ کر جیسے ضبط کھو کر تیزی سے باہر نکل گئی۔ سینٹی کے ہونٹوں پر فالتانہ مسکراہٹ تھی۔



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

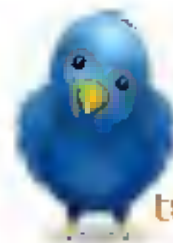
# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety1](https://twitter.com/paksociety1)



عدیل ہاشتا کرنے کے بعد یوحنا ڈاؤننگ ٹھیل پر بیٹھا تھا۔ ایک طرف ڈاؤننگ بھی وہ کافی تفصیل سے۔ پڑھ چکا تھا۔ سارا گرم چائے منگوا کر لی چکا تھا۔ عفت اس کے یوں بیٹھے رہنے پر کچھ حیران تھی۔ مگر اس سے عقل کی وجہ سے کچھ پوچھ نہیں رہی تھی۔ پریشانی بھی عدیل سے تھا تھی کہ اس نے جیشیوں پر کیس بھی لے جانے کی اس کی ضد پوری نہیں کی تھی۔

”ہاں نہیں آج مثال کو پورے کیوں ہو گئی اور نہ اس وقت تک تو وہ آجایا کرتی تھی اور آج جانے کیوں دل عجیب سا ہو رہا ہے کہ ایک بار ایک نظر سے دیکھ کر آفس جاؤں۔“ وہ خود سے باتیں کر رہا تھا۔

آج سولہ تاریخ تھی اور مثال کو اوجھڑا تھا۔ تین چار دن سے عدیل کا دھیان مثال کی طرف لگا تھا۔ اس نے ایک بار نمبر بھی ملایا پھر رک گیا۔ کیس مثال اس کے یوں فون کرنے پر فوراً ”آئے گا نہ کہہ دے اور گھر میں عفت بنانے بنانے سے اس باتیں سنائے۔“

وہ چار دن بعد اس نے آج جانا ہے۔ وہ یہی سوچ کر رک گیا تھا۔ اور اب جانے کیوں بے چینی ہی ہو رہی تھی۔ ”آج آفس جانے کا پروگرام نہیں؟“ عفت دنہ سکی تو اس سے گزرتے ہوئے سرسری مگر طنز لہجے میں کہتی۔

”ہوں۔ کسی نے کتا قتلے کے لیے اسی کا انتظار کر رہا ہوں۔ پری ہاشمی نہیں ابھی سو کہ۔“

”نہیں۔ یوں بھی اس نے دن بھر کرنا کیا ہوتا ہے۔ اٹھ بھی جائے تو لی وی دیکھتی ہے یا نیٹ پر پیشی رہتی ہے۔“ وہ جلتے جلتے لہجے میں بولی۔

”میں نے پشیمی کے لیے اپلائی کیا ہوا ہے۔ اس سے کو تو پاری کرے اگلے ہفتے ہم جائیں گے۔“ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

”واقعی جائیں گے۔ کاغذ لے کر جائیں گے۔ ری کو بہت شوق ہو رہا ہے۔ اس کی ساری فریڈز تو ملک سے باہر جاتی ہیں جنہیں گزارنے کوئی ملائے گا کوئی نہ گا۔ کوئی سٹا پور۔ ر مشاؤ لندن گئی ہے اپنے ماموں کے پاس یہاں ہماری بیٹی نے صرف اپنے ملک میں ہی گھومنے کی تو فرمائش کی ہے۔ چلیں اچھا ہے خوش ہو جائے گی پری اور دل کو بہت خوشی ہوگی۔“

عدیل اس کی پوری بات سننے سے پہلے ہی کمرے سے باہر جا چکا تھا۔ عفت نے مڑ کر خالی کمرے کو دکھا اور کوفت سے پردے ہاتھ ہونے باہر نکل گئی۔



مثال سیل فون ہاتھ میں لے کر کسی گرمی سوچ میں گم پیشی اسے دیکھتی جا رہی تھی۔

”میں پاپا کو کل کرنے کے کتنی ہوں مدد مجھے آکر لے جائیں۔ یوں بھی آج سولہ تاریخ تو ہے۔“ وہ مجھے انکار تو نہیں کریں گے۔ ہاں نہیں، اما کیا سوچ رہی ہیں۔ وہ میرے پاس بھی نہیں آتیں۔ تین دن سے میں کمرے میں بند ہوں۔ میں تین راتوں سے سوئی نہیں اور ملا صرف میرا کھانا کمرے میں بھیج کر ہر فرض سے آزاد ہو جاتی ہیں۔ انہیں ایک بار بھی میرا خیال نہیں آیا کہ وہ مجھ سے پوچھیں آکر کہ میں کس حال میں ہوں۔ میں کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

”یہ میری دعا ہیں، جہاں کے گھر میں صرف میری خاطر واہ سے پھپھو سے لڑ پڑتی تھیں اور آج۔ اس سینٹی نے۔ ممانے اسے کچھ بھی نہیں کہا ہو گا۔ ماما کو یہ لوگ مجھ سے زیادہ پیارے ہیں۔ کوئی بھی تو تین دنوں میں میرے پاس نہیں آیا۔ میں کہتا جاؤں۔ اگر خوراپا کے پاس چلی جاؤں۔ آنسوؤں سے وہ پوچھیں اور میں لے ہاتا

دیا۔ نہیں نہیں پھر عفت ماما کہیں گی میں خراب ہوں۔ میں نے اس لڑکے کو ایسا کرنے کے لیے کہا ہو گا۔ وہ تو پہلے ہی مجھے ہر وقت سب کے سامنے برا کہتی ہیں۔ کوئی بھی تو مجھے نہیں سمجھتا۔ کسی کو بھی مجھ سے پیار نہیں۔ کسی کو میری ضرورت نہیں۔ وہ دانا نہیں چاہتی تھی۔ ندر سے آنکھیں رگڑ کر اس نے دوسری طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

”تم یہاں کیوں بیٹھی ہو میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ اب جتنے دن اوھر ہو تم نے کمرے سے باہر نہیں نکلنا۔“ بشری اعلیت بھرے انداز میں تکی لگی اسے کمرے کے باہر نہیں پھیندو کیے کر خطاب لہجے میں بولی۔

”آج تو جلدی سے۔ تم نے ناشتا بھی نہیں کیا۔ اس طرح سب کچھ پڑا ہے جائے تو لٹنڈی بھی ہو گئی۔ کیوں تنگ کر رہی ہو تم مجھے مثل لیتا۔“ وہ عجیب جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ جس میں نہ فکر تھی نہ پریشانی صرف کوفت بیزارگی اور جھلاہٹ۔ مثال دو آڑے کے فریم میں جڑی ماں کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتی رہ گئی۔

”لوہر عیب نہیں کم ہیں میری زندگی میں کہ تم بھی مجھے پریشان رکھنے کی ٹھکان لو۔ کم سے کم ناشتا کرو لو ناں اور یہ ڈرائیور منحوس خدا جانے کہاں مر گیا ہے۔ میں نے اسے کہا بھی تھا کہ تو مجھے گھنٹے کے اندر آجائے پھر اسے مثل کو چھوڑنے جاتا ہے۔ تو اب ناشتا بعد میں کر لینا پہلے میرے ساتھ اپنا سامان بیگ کراؤ۔“

وہ خود ہی بولتی تیزی سے اس کی انہاری کے لوہر خالوں سے بے موسمی کپڑوں کے پھیلے اور شاپرڈ بھی کھینچ کر نیچے اتارنے لگی۔ مثل پریشان سی ماں کو دیکھتی رہی۔



”شکر ہے خدا کا ماما! وہ تک چڑھی مثل آپنی ہمارے ساتھ نہیں جا رہی۔ عجب گو تم پر وہ جیسا مزاج ہے ان کا۔ نہ کچھ منہ سے بولتی ہیں نہ کسی بات میں حصہ لیتی ہیں۔ وہ ساتھ ہوں تو عجیب الجھن ہونے لگتی ہے مجھے۔“

پری تو ماں کی زبانی باپ کی رضامندی جان کر ہی اچھل پڑی تھی۔

”ہاں تو وہ کوئی انہاری تھیلی کا حصہ ہے جو ہمارے ساتھ جائے گی۔ اس کی ماں سے بنا۔ وہ رکھے اسے اپنے پاس۔ اتنی دولت اتنا پیسہ چاہے تو بیٹی کو وہی لندن امریکہ کہیں بھی سیر پانے کے لیے بھیجا سکتی ہے۔ اس کے لیے یہ ناروین امریکا کیا چیز ہیں۔ مثال کھنی اپنی ماں اور سوتیلے باپ کے ساتھ سیر پانے کرتی رہتی ہے۔ ایک تمہارا باپ ہے سارے زمانے کا تجوس پیسے کو دانستوں سے کھینچ کر خرچ کرنے والا۔ یہ تو میری ہمت ہے جو اس کی اتنی کم تنخواہ میں اس خوش اسلوبی سے کھر چلا رہی ہوں۔ لوگ دن بدن ترقی کرتے ہیں۔ ماں کی آمدنی بڑھتی ہے۔ تمہارے باپ کا لانا حساب ہے ہر مہینے پیسے گھنا کر ہی گھن دیتا ہے۔ پوچھ لو تو لڑائی۔“

عفت ماں اسباب بولے جا رہی تھی۔ کئی مہینوں سے عدیل اسے پہلے کی نسبت کم پیسے دینے لگا تھا۔ مت بارہ لڑائی بھی کر چکی تھی گمروہ جواب میں خاموش ہی رہتا۔

”افو ماما! مانے یہ تو پوچھنا تھا جانا کب سے۔ ظاہر پینک میں بھی تو نام لگے گا۔“

پری خود کو مختلف زاویوں سے تہینے میں دیکھتے ہوئے ماں کی باتیں ان سنی کرتے ہوئے بولی۔ اسے آج کل یوں بھی ہمد وقت خود کو دیکھتے اور دیکھتے رہنے کی عادت ہو چکی تھی۔ اس میں شک نہیں تھا اس کی انجان غضب کی تھی اس کا چاند سلاہکتا چوہاں کی صراحتی دار گردن پر سجا عجیب شان سے دو سوں کو اپنی طرف حوجہ کرتا تھا۔

پندرہ سولہ سال کی عمر میں ہی اسے اپنی اس بے تمنا خوب صورتی کا بہت شدت سے احساس ہونے لگا تھا۔ مثال کمزور صحت اور عام سی رنگت جیسے نقوش اور نارمل قد کے ساتھ اس کے سامنے کچھ وہب سی جاتی۔



اکثر تو اسے مثل سے بڑی سمن کہنے لگتے تھے اس کا تہ اور جسم دونوں ہی بہت لمبیاں ہونے والے تھے۔  
 "میں سوچ رہی ہوں اما! میں اپنا ہنوا سائل پہنچ کر والوں پر م کروالوں۔" وہ آگے پیچھے سے خود کو دیکھتی اپنے  
 بالوں پہ تنقیدی نظروں آتے ہوئے بولی۔

باہر گاڑی کا مخصوص باہر بننے اور گاڑی کے دروازے کھلنے بند ہونے کی آواز نے ایک لخت دو لوں کو لہشہکا  
 دیا۔

عفت کچھ بولتے بولتے رک سی گئی۔  
 پری نے برٹن نظروں سے اس کی طرف دیکھا جو خود بھی ہراساں تھی۔  
 "یہ چیزیں کہاں سے آئی اما۔ کیا پاپا نے اسے اسے منع نہیں کیا تھا کیا اب ہمارے ساتھ جائے گی۔  
 نیوس۔" پری کا قصہ تیزی سے ابلا تھا۔  
 "آج سولہ تاریخ ہے تا! عفت کچھ بے بسی سے کھوئے کھوئے لہجے میں بولتی مڑی اور سامنے کھڑی مثل کو  
 دیکھ کر کچھ بول ہی نہ سکی۔



"چا نہیں کیا ابھمن ہے۔ کیا پریشانی ہے کہیں بھی جی نہیں لگ رہا۔" عدیل نے کوفت سے ناکل ایک طرف  
 ہٹا دی۔

اس کے آئس کے حالات بھی آج کل ایسے نہیں چل رہے تھے اگرچہ اس کہنی کا پرائیڈ لازم تھا مگر کہنی دن  
 بدن خسارے میں جا رہی تھی۔ کہنی کے مالکان سنجیدگی سے ڈاکوئن سائزنگ کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ عدیل  
 کی جانب کو خطرہ تو بظاہر کوئی نہیں تھا لیکن اس کی تپش جس مسلسل اسے الارم کر رہی تھی کہ خدا نخواستہ ایسا کچھ  
 ہو بھی سکتا ہے۔ وہ احتیاطی لازم کے طرز پر ابھی سے کچھ میچوں کی سکری تو جسے زیادہ پہچا رہا تھا جس کی وجہ سے  
 اسے ہر مینڈ عفت کی بگ بگ سننا پڑ رہی تھی۔

اس نے بخت سے ایک پلاٹ لے رکھا تھا۔ بینک میں بھی تینوں بچوں کے نام۔ کچھ نہ کچھ جمع کر رکھا تھا مگر  
 ایک بریکنگ شخص تھا۔ جانا تھا مگر گلی کا عفریت اس کی ان تمام احتیاطی تدابیر کو با آسانی گل سکتا ہے۔  
 وہ آج کل سنجیدگی سے کسی با بھی جگہ اپنا کچھ پیرا الوسٹ کرنے کے لیے سوچ رہا تھا مگر ابھی تک اسے خاطر  
 خواہ کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

"مجھے اب مثل کی شادی کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ وہ بڑی ہو گئی ہے رشتہ ڈھونڈنے میں بھی کچھ وقت  
 لگے گا پھر پری تو ابھی سے اتنی بڑی لگتی تھی ہے۔" عدیل کو پڑھنے کے لیے باہر بھیجوں گا اور۔" اس کی سوچ کی  
 ایک نقطے پر مرکوز نہیں ہو پار ہی گئی۔

وہ ایسی عجیب باتیں سوچے جا رہا تھا جن کو وہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ جیسے ابھی وہ عدیل کی پرسوں کی کو سوچتے  
 ہوئے کچھ اور سوچنے لگا۔

"مجھے ایسا کہیں لگتا ہے کہ مثل کے ساتھ میں نے اور شری نے بہت زیادتی کی ہے۔ اسے وہ سب کچھ نہیں ما  
 جس کی وہ حق دار تھی۔"

وہ پریشانی سننے لگا۔ دوسرے لمحے آئس کا دروازہ کھلا اور عدیل آنے والے کو دیکھ کر ششدر سا رہ گیا۔

(بلی آنندہ شارے میں ان شاہ لکھتے)

رضیہ مہدی

سچی زندگی اور سچے دوست

دروازہ پینے کی آواز پر وہ گھبرا کر اٹھا اور کھاسا سانسے وہی برابری میں رہنے والا دوست کھڑا ہے۔  
 ”اب کیا ہوا؟“ اس نے غصے سے کہا۔  
 ”دوسرے بھتیجے کھڑے دوست نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

”خدا کے لیے اب دوسرا جو پناہ بھینک بھی دو میں ساری رات اس کے انتظار میں کات چکا سرد رو سے پناہ جا رہا ہے۔

”قربانی نیا پاکستان بننے کی جہاں میں ہم آزمائے ہوؤں کو آزمائے چلے اب پہلا جو نایابیت کی صورت میں پھینکا جا چکا اور دوسرے کا انتظار ہے کہ رمضان بھانگا چلا آ رہا ہے۔“

”ارے اماں! آپ تو اینکو زبیر و نگارویں اور کالم نگاروں کو ملت دے رہی ہیں کیا زبردست تجزیہ اور تبصرہ ہے۔“ زبیر کو مزے آ رہے تھے۔  
 ”تو آپ ہمارے لاکھوں کی سیاسی ہسیرت کو کیا سمجھتی ہیں۔“ جو اپنے غصے کو سر سے کھتا۔

”اے بیٹو تم لوگ مزے لے رہے ہو لیکن غریبوں کا سوچو کہ جو رمضان میں کسی طرح کے اہتمام کا کیا سوچیں گے سحر اور انظار کا مسئلہ ہی حل نہیں ہو پاتا ظاہر ہے بچے بڑے سب روز گزار ہوں تو کچھ نہ کچھ تو کرتا ہی ہو گا۔“

”داؤد! رمضان میں شیطان توفیق کر لیا جاتا ہے؟“  
 ملکہ نے محسوسیت سے پوچھا۔

”ہاں بیٹی یہ ضرور توفیق ہو جاتا ہے لیکن اپنے جیوں کو اچھی طرح سمجھا بھجا جاتا ہے کہ میرے کام کو زور آگے بڑھاؤ“ بھی تو منہ خوروں ذخیرو اندوزوں اور

”بی بی تم نے وہ کمالی تو سنی ہی ہو گی جس میں دو دوست ایسے کمرہوں میں رہتے تھے کہ جن کی دیوار ملی ہوئی تھی پورے کمرے کی آواز دوسرے کمرے میں صاف جاتی تھی ایک دوست کو عیادت تھی رات گئے آتا اور اپنا دروازا ایک ایک کر کے زور سے کھینچتا تھا جو مشترکہ دیوار پر اس زور لگتا کہ دوسرے کمرے والا دوست نیند سے بڑبڑا کر اٹھ بیٹھتا۔ روز ہی بھنگا ہوتا پھر اس بات پر دونوں اپنے اپنے کمرے میں جاتے کہ اب اعتماد ہوگی پورے دن آرام سے اٹار کر رکھا جائے گا کمرہ ہوتا لیا تھا کہ پہلا دوست بس تھک کر آتا جس خاوتا۔“ جو زور سے اٹار کر کھینچ بیٹھتا۔ یوں کچھ باہر ہم لوگوں کی طرح کے ملاقاتیں ایک صلوات منگنی دوسری آئی طرہ عدت و عید کے پلچور جو پناہ برسانے کا نکل ویسے ہی جاری و ساری ہے۔“

”داؤد! پہلے کمالی سنائیں ”آپ فوراً“ ہی ملکی سیاست پر تبصرہ شروع کر دیتی ہیں۔“ زبیر نے ٹھنکی وہ بڑی تھی اور لب لہجہ جس کا طالبہ تھی۔

”ارے وہی تو کمرہ ہی ہوں چہل پہل کر سہو۔“ وہی تو میں کیا بتا رہی تھی کہ اس کی غلط تھی ایک ایک کر کے جو مشترکہ دیوار پر اچھا لگتا تھا وہ زور وار آواز سے جا کر لگتے تھے اور غریب سوتا ہوا دوست بھنگا کرنے دروازے پر آجاتا تھا پھر ایک دن کیا ہوا؟“

”کیا ہوا اور؟“ ملکہ کی بھی پوری توجہ تھی کمالی پر۔

”ایک دن جب اس نے اپنا جو اٹار کر پھینکا تو یکایک اسے خیال آ گیا اور اس نے بڑی احتیاط سے وہ سہا جو اٹار اور رکھ کر سو گیا۔ سوتے میں کسی کے



چیزوں سے نظریں نہیں تو پھر اس ڈیل پر نظر جائے جو  
بروردگار عالم نے اس مہینے کے لیے سب کے لیے  
یکساں کھولی ہوئی ہے بارے کے بعد کی ڈیل بہشت

کے دروازے کھلنے کے ڈیل صبح سحری ڈیل اور پھر  
اظہار کی ڈیل جس میں مشکل ہے کہ رحمت عالم کی اسوہ  
حسنی پر عمل ہو تو ان کے غلاموں بنی کے بارے کچھ سنا  
جائے کچھ پڑھا جائے کہ کیا وہ بھی روزے رکھتے تھے تو  
اپنے قلب و جگر کو ایمان کی حرارت سے گرم رکھنا  
پہناتے تھے کہ تمیں ان کی سوچ عبادتوں کے گرد  
گھومتی تھی وہ روزوں کی روح کو سمجھتے تھے۔  
”آج تو اہل بڑے جہل میں ہیں۔“ جو اپنے

ملاوٹ کرنے والوں کی عید سے پہلے رمضان کا چاند کچھ  
گرہی عید ہو جاتی ہے اور لوگ امان امان پکارتے  
لگتے ہیں ان سے کون پوچھے کہ رمضان کا مہینہ  
عبادتوں کا۔ ریاضتوں کا خود کو غلامتوں سے پاک و  
صاف کرنے کا ایک اور موقع ہے تو اسے غمگینوں  
کے تڑپوں کے اس مہینے کو کھانے پینے اور کھانے پینے  
کے بارے میں سوچتے رہنے کا مہینہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ  
مواظب رہو کھو یہ ڈیل وہ ڈیل یہ اظہار کی ڈیل تو وہ سحری  
ڈیل یعنی کچھ وقت کے لیے ذرا کھانے پینے پر پابندی لگا  
کر باقی وقت کچھ شہ کچھ منہ میں جاتا رہے بارے کے  
پہلے کی ڈیل اور پھر بارے کے بعد کی ڈیل سامنے کی



آہستہ سے مسرت سے پوچھا۔ ”کیا کوئی خاص بات ہے؟“

”نہیں خاص بات کیا ہوئی ہے، ماشاء اللہ! بڑی کے تمام ٹاک شووز دیکھتی ہیں، اخبار کا باریک بینی سے مطالعہ کرتی ہیں پھر آپ جانتے ہیں سیاسیات پر دعائیہ تبصیریں کالج میں تو ان کی گفتگو میں زمانے کو دیکھتے ہوئے تلخ رنگ تو چمکیں گے ہی۔“

”آج کل اسکولوں کی تھیں تھیں بچوں بچیاں دادوں کے ساتھ ساتھ رہتی تھیں اور وہ ان کو کبھی کہانی کے لیے میں کبھی روایات و حکایات کے انداز میں کچھ نہ کچھ سکھاتی ہی رہتی تھیں۔ اگر کبھی خاندان کا تذکرہ چمڑ جاتا تو رشتے داروں سمجھانا شروع کر دیتیں ساتھ ہی سلائی کڑھائی کا بھی سلسلہ جاری رہتا۔ پوتیوں کو بھر مند دیکھنا چاہتی ہیں۔ کبھی کبھی کچن میں ہی دلدی اور پوتیاں لگ کر کوئی ڈش تیار کر لیتیں، کبھی وادی دیکھتیں کہ مسرت نے بہت سے کام پھیلانے ہیں تو فوراً پوتیوں کو ڈانٹتیں جاؤ ماں کا ہاتھ بناؤ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ماں اکیلے لگی رہے۔“

مسرت کو اپنی سانس بھی سانس نہیں لگیں حالانکہ مزاج کی تیز تھیں مگر سہولیات بے بات پوچھنے لے لیا یا ہر بات پر تنقید کرنا اور صرف اپنی منوانے کی دھولیں زبردستی کرنا یہ سب ان کا شیوہ نہیں تھا کچھ غلط لگا تو کہا بھی مگر سو کو بچی سمجھا اور کیونکہ وہ ہی وہاں تھیں گھر میں تو اسی کو تھیلی اور دوست بھی جاتا۔ ہونے کے سیکے والے جب آئے بہت اجزہ بہت محبت سے پیش آئیں مسرت کو ان سے کوئی شکایت نہیں تھی وہ بھی ان سے کیونکہ خوف کا رشتہ تھا نہیں اور میان میں تو ہر بات پوچھتی تھی۔



”اماں رمضان بس شروع ہی ہونے والے ہیں میرا ارادہ تھا کہ دینے والے کے سارے کپڑے وغیرہ خرید لوں تاکہ رمضان سکون سے گزرے مگر توبہ گری گئی

بڑی رہی ہے اہمیت ہی نہیں ہوئی کہ بازار کا پنر لگاوں۔“

”نہیں! یہ کیا بات ہوئی اسے گری کے سینے میں گری تو بڑے کی ہمیشہ بڑی ہے اور ہمیشہ بڑے کی سہل یہ بات ہے کہ جوں جوں سہولیات میں اضافہ ہو رہا ہے بڑے ہوئی بہت بڑھ گئی ہے۔“

”اماں اب پہلے سے زیادہ گری ہوئی ہے اور پھر اس لوڈ شیڈنگ نے تو بس مذہب ہی بنا دی ہے زندگی لگا گئے چلی جاتی ہے بجلی اور اماں لاہور میں تو منہ زہ (اس کی چھوٹی بہن) بنا رہی تھی ہر گھنٹے بعد گھنٹے کے لیے جاتی ہے چاہے دن ہو چاہے رات۔ اب دیکھئے پو بی لیس لکھوایا تو ہے مگر کام ہی نہیں کیا رہا ہے اور ہنر نثر لول تو چلائے کون گور ہو چلی جائے تو اس کی آواز مسلسل سردور رہنے لگا ہے۔“

”بی بی یہ ساری سببیں ہماری اپنی پھیلائی ہوئی ہیں کیسے کیسے انسان اپنی جوں بدلتا جا رہا ہے پھر رونا بٹنے وائے بھی جاری ہے ہمیں تو کیا خبر مگر ہم سے پوچھو ہم نے دیکھی ہیں وہ بہاریں وہ سارے نانے سیدھے سادھے بناوٹ سے پاک لوگ ذرا سی بات پر خوش اور کسی کے بھی دکھ پر افسردہ ہو جانے والے لوگ ہائے جب ان بند بند گھروں کا کہاں رواج تھا جس میں نہ روشنی آئے نہ ہوا کا گزر ہو کھلے کھلے مہن ہوتے تھے تبھی شاید کھلے کھلے دل دماغ بھی ہوتے تھے۔“

”گور کیا ہوتا تھا دلہو؟“ ملکہ کہہ کھلی کی شو قین فوراً ”وہاں آئی۔“

”اٹنے شام ہوئی اور لالٹینوں کی چنیاں صاف اونا شروع ہو جاتیں۔ ہر گھر میں کچھ جگہ ضرور پھول پھلواڑی کے لیے موزوں۔۔۔ ہوتی پھر آنگن میں چاہ پائیاں۔ کسی کسائی چاہ پائیاں جن پر پیتھ صاف سفید چلوڑیں پڑی ہوتیں۔۔۔ گرمیوں کا بھی مزہ تھا کہ صراحیوں اور صاف تھرے گھڑوں کے گلے شہم میں موٹھی کے ہاروں سے بٹے ہوتے اور جو آنگن کچا ہوتا تو پھر کاؤ کے بعد موٹی کی سوندھی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM



جانا تھا مگر اب جو وقت بے وقت کچھ نا کچھ آتا رہتا ہے  
 تو سمجھو بس سب کاموں سے گئے۔  
 "رانا آپ بھی تو دیکھتی ہیں اسی وی۔" ملک کے لے  
 کما کر چلے آگھوں ہی آگھوں میں منع کرتی رہی۔  
 "اٹھے تو میں کون سی انگ اہوں سب سے بس چٹا  
 فرق اتنا سا ہے کہ اچھالی کو اچھالی اور برائی کو برائی کہتی  
 ہی نہیں سمجھتی بھی ہوں۔"



"دوسرے دن خواہنے لگا" "پلیس اماں آج عید کی  
 شاپنگ کر آئیں۔"  
 "میں چلوں؟" "وہ حیرت سے بولیں۔  
 "ہاں تو کیا حرج ہے تھوڑی دیر باہر کی اور ابھی تو گئے  
 کی ہر وقت گھر میں بند رہتی ہیں آپ۔"  
 "اے مجھے یہ بتاؤ بالکل پتہ نہیں مجھ میں دم  
 ہے تم لوگ جاؤ۔"  
 "پلیس اماں بچوں کی بھی خواہش ہے۔" مسرت  
 نے بھی اصرار کیا۔  
 "نہیں تم لوگ جاؤ۔"  
 "اچھا یہ تو بتائیں آپ کے لیے کیسے کپڑے لاؤں؟"

"اگر میری ماں تو یہی میرے لیے کچھ نہ لاؤ۔ کہتے ہی  
 کپڑے تو ابھی چھوٹے پتھر بڑے ہیں نہ کہیں آٹھ نہ جانا  
 تو میری مٹی میرے لیے کچھ نہ لانا۔ اپنے لاؤ بچوں کے  
 لاؤ جو اہل کے لیے خرید لیری کرو عید انعام ہے اس  
 کو طے سے منانا اچھا ہے اچھا لگتا ہے۔"  
 "مگر اماں۔"

"اچھا سنو اگر بہت ضروری ہے میرے لیے کچھ لینا  
 تو یوں کرو کچھ سستے لان کے سوٹ لے آؤ۔"  
 "سستے سوٹ۔" مسرت حیران تھی۔  
 "ہاں میرے لیے کوئی براٹھڈ منٹا سوٹ لینے کے  
 بجائے کچھ سستے سوٹ لے آؤ رمضان میں کتنی ہی  
 عورتیں ہمارے دروازے پر آتی ہیں پرانے کپڑے ہی

سوٹ ہی خوشبو موٹھے کی بھینکی بھینکی منگ اور اس پر  
 ہونے پر سارے کا کام کر لی جو رات کی رہائی کہیں  
 کیاری میں لگی ہوئی۔ قدرت کی چلائی ہوئی ٹھنڈی  
 ہوا خوشبوؤں میں بسا ہوا آگن اور اب۔" وہ سانس  
 لینے لگی کہیں۔

"اب تم سب ہر وقت اسے ہی کی ٹھنڈی زور فضا میں  
 رہنا چاہتی ہو اور جو وہ نہ چلے تو تڑپتی ہو کہ نہیں  
 لب ہم نے خود اپنے ہاتھ پاؤں کٹوا کر حکومت کے  
 آگے ڈال دیے ہیں اور برابر بھیک کی طرح اپنے حق  
 کے لیے گڑگڑا رہے ہیں مگر کسی پالی حکومت نے  
 شنوائی کی تھی جو لب کھلنے سے گالچ تو یہ ہے جو خود  
 مشکلوں کے کھڑے ہوں کسی کو کیا دیں گے۔"

"اماں مگر اب تو بجلی کے بغیر گزرا بہت مشکل ہے  
 چلے اسے ہی کی بات چھوڑنے مگر فریج کھل ہی دیکھتے  
 اس آئی جاتی بجلی کی وجہ سے سائن کیسا خراب ہوا۔  
 اماں جب بجلی نہیں تھی تو کھالے پھل اور گوشت  
 وغیرہ کو کیسے رکھتے تھے؟" مسرت نے پوچھا۔  
 "ہاں براہ۔ ٹھنڈا پانی کیسے پتے تھے؟"

"چپ رہو ابھی بتایا تو تھا اماں نے صراحتی طور  
 گھڑے سے۔" مسرت نے مٹی کو ہست سے سمجھایا۔  
 "اے اتنی ہوس نہیں مٹی ضرورت کے مطابق  
 چپس خریدنے کا دراج تھا لائے اور استعمال کر لیا۔ یہ  
 نہیں کہ اگلے پل سانس کا پتا نہیں اور سالن سو برس  
 کا۔ جمع کیے جاؤ بیعت بیعت کر رہو سب مجھے مل  
 جائے اور ابھی مل جائے جیسی سوچ نہیں تھی نا؟"

"اور داد جب لائٹ نہیں آئی تھی تو کیسے پڑ کیسے  
 چلتا تھا کیا ہی وی بھی نہیں ہو تھا۔"

"ٹی وی کہاں تھا چٹا اور یہ کیسے ٹریہ تو آیا ہی ابھی  
 کچھ سال پہلے ہی ہے جو بیگ کپڑوں تو ٹی وی کے آنے  
 سے وقت بھاگ گیا ہے ہمارا وقت اب ہمارا کہاں رہا  
 ہے ٹی وی کا ہو کر رہ گیا ہے۔ پہلے وقت تھا تو ایک  
 دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک کے لیے بھی آیا جلیا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

دے دیں کی درخواست لے کر تھی چاہتا ہے انہیں نئے کپڑے بھی دیے جائیں تو وہ کتنی خوش ہوں گی۔  
"اے! ہم کچھ جوڑے تو ضرور دیتے ہیں رمضان میں جو ہم سے ممکن ہوتا ہے۔"  
"چلو کچھ اور سہی بس مجھے خوش کرنا ہے تو یہی کرنا ہو گا۔"

سرت نے جو لو کی طرف دیکھا۔ "چلو جو لوں کی مرضی۔"  
سرت بازار سے آئیں تو حسب عادت سب چیزیں ماس کے ماسٹروں پر گزریں۔  
"اے! آپ کا سوٹ ہے دیکھیں کتنا اچھا لائٹ سا کٹر ہے اور کپڑا دیکھیں کیسا ملائم سا اور ٹھنڈا ہے جو اس نے اپنی پسند سے لیا ہے۔ آپ کو اچھا نہیں لگا؟"  
"ہاں اچھا ہے مگر تمہیں میں نے منع کیا تھا اور کچھ اور کہا تھا۔"

"اے! جی وہ کچھ اور بھی ساتھ ہی ہے ابھی دکھاتی ہوں میں بھولی تھوڑی تھی۔"  
"مگر بیٹی میں تم لوگوں پر کوئی بار نہیں ڈالنا چاہتی تھی یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔"  
"اے! نہیں ہار کی کیا بات ہے آپ جانتی ہیں دینے والے سے میں بھی خوش محسوس کرتی ہوں اور آپ کا نہ لیتے تو میں گھر بھر کی خریداری نہ کرتی۔"  
"ہاں مجھے معلوم ہے میری بیٹی ایسی ہی ہے مسکورو رہتی ہوں میں ہر وقت اپنے مالک کی جس نے اتنے اچھے بچوں سے مجھے نوازا ہے۔"

"اصل میں میں چاہتی تھی کہ تم مجھ بوڑھی پر جو کہ کہیں آئے نہ جائے یوں ہزاروں خرچ کر دیتی ہو اس میں اگر ہزار روپیہ اوسط کے بھی جوڑوں تو چار سوٹ تو کم از کم تھیلے یوں جیب پر بھی کوئی بار نہ ہوتا ٹھیک تھا تاخیر تمہاری مرضی خوش رہو سہاگن رہو اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھو۔" وہ دعائیں دیتے گئیں۔  
"سنا ہے اے! بیٹی یہ عورتیں کپڑے بیچ بھی دیتی ہیں۔ پرانے کپڑے بھی خواہی حالت میں ہوں یہ بیچ کر پھر

سے وہی پرانے پہن لیتی ہیں۔"  
"اتنے برے سب طرح کے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں بعض وہ جو جمہولی کمائیاں بنا کر بے وقوف بنا کر چلتے بٹتے ہیں اور بعض وہ جو اپنی سفید پوشی اور عزت آہد کی خاطر کسی سے کچھ نہیں کہتے اپنا بھرم رکھتے ہیں۔ بس بیٹی ہمیں مستحق لوگوں کی پہچان ہونی چاہیے انہیں دھونڈنا چاہیے تاکہ حق با حق اور رسید کیا جا سکے۔ بس یہ جو خواتین برسوں سے اپنے گھر آئی ہیں تو میری نظریں دھوکہ نہیں کھا سکتیں مجھے معلوم ہے کون سچا ہے کون جھوٹا۔"

یہ بات تو سرت اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کی ساس ایک جمنا دیدہ اور سمجھ دار خاتون ہیں اور لوگوں کی پرکھ بہت اچھی طرح کرتی ہیں۔  
وہ سرت کے دل سے ہی سچ سچ یہ حال آگئیں۔  
سعدیہ خالہ لانا کے ساتھ ہی کالج میں پڑھائی تھیں لہذا وہ بھی پڑھاؤ ہو گئی تھیں۔ وہ اپنے بڑے بیٹے اور بیوہ کے ساتھ رہتی تھیں ان کا چھوٹا بیٹا کینڈا چلا گیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ماں کو بھی بلا لے مگر سعدیہ خالہ یہاں سے جلتا نہیں چاہتی تھیں اگرچہ ان کی بیوہ کا رویہ ان کے ساتھ زیادہ اچھا نہیں تھا اور وہ اپنے کانٹوں کے لیے ایک ملازمہ پر انحصار کے رہتی تھیں ان کا بڑا بیٹا بشیر ایک ہائی اسکول میں باپ کی پوسٹ پر تھا مگر بتا نہیں کیا بات تھی کہ اس کی بیوی علی شہباز صاحبہ بھی ملتی اپنی ماں کی مشکلات کا ذکر ہی کرتی رہتی لہذا ہر ایسی کوئی بات اس کے رہنے سنے پسنے لوڑھنے میں نظر نہیں آتی مگر وہ اپنی کتنی ہی ایسی خواہشوں کا ذکر کرتی رہتی جو حسرت میں بدل چکی تھیں۔

سرت کو سعدیہ خالہ بہت اچھی لگتی تھیں نرم نرم لہجے میں پر مہربان باتیں کرنے والی سرت ان کا احترام ہی نہیں کرتی تھی ان کی خاطر بھی بہت جی جان سے کرتی تھی۔ بھلا اصرار انہیں کھلنے چائے پر روکتی تھی وہ بھی اس کی بڑی تعریفیں کرتی تھیں۔  
آج بھی سرت نے چائے اور کچھ لوازمات ڈرائی



عزیزاویں ہیں وہ ان کے جینے کا سارا ہے وہ کیسے اسے سچ  
سکتی ہیں۔  
"علی شہبہ نے سعدیہ خالہ سے الٹا ٹکٹ کما ہے۔"

"نہیں بس گھر کی فضا خراب کر رہی ہے یہاں پر  
چینی ہے۔ بچوں پر غصہ کرتی ہے۔ سعدیہ سے تو بات  
چیتا کی ہند کر رہی ہے۔ رورہی تھی بھاری۔"  
سرت کو حیرت تھی کیسے کیسے لوگ ہیں وہاں میں یہ  
تو بوڑھی ساس کو پریشان کرنے والی بات ہوئی۔ دیور  
پر دس میں سہل ہے وہ ایسی کا کوئی ارادہ نہیں تو بس  
وہی تو ہے گھر میں ساس ایک کرا تک محدود ہیں اپنے  
سب کام محدود کرانی کے کرواتی ہیں۔ وہ کس سے  
علی شہبہ کی بلوہ کیوں۔



رہنما سے کچھ روز پہلے فون پر زنی کی ایک تیز لہر  
ملک میں روڑ گئی۔ لوہان کو سٹہ ایک باہر پھر خون میں  
تھلا دیا گیا۔ ساتھ ہی خیبر پختون خلو میں بھی الٹراج  
پاکستان کو نشانہ بنایا گیا جو اس کی بیوی اور اس کی لہاں  
سب انسانیت پر ایمان رکھنے والے لوگ تھے اور اتنے  
لوگوں کی شہادت ان کے اعداد کو بھی ایک مرتبہ پھر  
بھجھوڑ گئی۔ اہل ان لوگوں میں سے تھیں جنہیں  
(Pera Senselive) پیرا سنسیٹیو کہا جاتا ہے وہ  
تو ہمیشہ سے بہت کمزور ہیں جسے جب چھوئی تھیں لوہ  
کبھی کسی لوہی جگہ یا درخت سے کوئی چیز کا پیر کر جاتا  
تو وہ کھانا نہیں کھا پاتیں بلکہ ان کے چھوئے بچوں کو چکار  
چکار کر مار دیا جاتا ہے۔

"یہ بریت یہ انسانیت سوز مظالم گھر اجازت کی  
سازشیں کرنے والوں کی کہیں کوئی پکڑ ہے آخر کوئی  
انہیں سزا کیوں نہیں دے پارہا؟" وہ چٹا چلا کر رونے  
لگیں۔  
"اہ آپ بی وی بالکل نہیں دیکھیں گی۔" جو لو  
ہن کا پڑھا ہوا بلڈ بریڈ شو کیہ کر پریشان ہو گیا۔

میں سہائے لوہ رہاں لے کر آگئی جہاں سعدیہ خالہ  
ظاہر معمول بہت دلی دلی آواز میں اپار سے کچھ کہ  
رہی تھیں۔ سرت کو بہت رنجیدہ ہی لگیں۔  
"کیا بات ہے خالہ! طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی؟"

"ہاں بیٹی زندہ ہیں۔" انہوں نے ایک سرو آہ بھری۔

ان کے جانے کے بعد جب لہاں کافی دور تک یونہی  
چپ چاپ بیٹھی رہیں تو سرت کو تشویش ہوئی۔  
"کیا بات ہے خیریت تو تھی سعدیہ خالہ آج کچھ  
انسرود ہی لگ رہی تھیں۔"  
"ہاں پریشان تھی بھاری وہ اصل اس عمر میں بولڈ  
کے منہ سے نکلے ہوئی کوئی کڑوی بات بھی کوئی کی طرح  
زخمی کر دیتی ہے اندر باہر سارا لوہو ہو جاتا ہے۔"  
"کیا ہوا؟" سرت کا استہجاب پڑھا انہاں بھلا ایسی  
باہمی کہیں کرتی تھیں۔

"عجیب سی بات ہے سعدیہ او اس تھی وہ اصل  
اس کی ہو ہے نا علی شہبہ کہہ رہی ہے کہ اس کا حصہ  
الگ کر دیا جائے۔"  
"حصہ کس چیز کا حصہ؟" سرت کی سمجھ میں کچھ  
نہیں آیا۔

"ہاں بڑی لمبی چوڑی جائیداد ہے نا سعدیہ کی  
ارے غریب نے پالی پالی چوڑ جاڑ کر ایک یہ چھوٹا سا  
مکان بنایا ہے اب ہو رالی جاہتی ہیں کہ اس کے  
قدموں سے زمین اور سر سے آسمان چھین لیں۔ کتنی  
ہیں بڑی بل بال جوائے بیٹھی ہیں ہم ترس رہے ہیں۔"  
"لہاں ان کے میاں تو ٹھیک ٹھاک کھاتے ہیں۔"

"ہاں بیٹی! اگر چلوں گا خیال تو رکھنا ہر ایک کو پڑتا ہے  
اب بھند ہیں یا تو مکان چھین یا اپنا انڈیا نہیں دے دیں  
نا کہ وہ بھی باہمی طرح رہ سکیں۔"  
"ہائے بھاری سعدیہ خالہ گھر لگا دیں گی تو پھر وہیں  
گی کہیں۔"

"صرف رہنے کی بات نہیں ہے بیٹا! ان گھر ان کی  
مخت سے بیٹیا ہوا جہاں ان کے شوہر کی بچوں کی کتنی

"بیٹا آنکھ بند کر لینے سے یا کہو ترکی طرح اپنی گردن  
دبا کر بیٹھ جانے سے منظر بدل تو نہیں سکتا۔"

"ہم کیا کر سکتے ہیں اہل حق۔"

"مگر تو سکتے ہیں مگر کر نہیں رہے۔"

"اہل تپ سمجھ رہی ہیں کہ اس میں عام آدمی کا  
بھی کوئی کردار ہے یا وہ کوئی کردار ادا کر سکتا ہے۔" جو لو  
کو حیرت لگی۔

"نہیں میں یہ نہیں سمجھ رہی کہ عام آدمی کا اس  
میں کردار ہے مگر میں یہ ضرور سمجھ رہی ہوں کہ یہ خود  
کش حملے اور ان کے پیچھے مقاصد یہ تصور کوئی ایک ملان  
میں اچانک سے نہیں ظہور پذیر ہو رہا ہے اس میں کئی  
پوشیدہ لور کئی سامنے کے ہاتھ ہیں۔ رہا عام آدمی تو وہ  
اہل رہا ہے اور اپنے اندر سمٹ رہا ہے پر سکون زندگی کا  
مٹلاشی ہے بھوک اور خوف کے عذاب نے اس کو ہلا  
کر رکھ دیا ہے یقین جانو بہت زیادہ پر مستحیج ننگے کی  
ایسے لوگوں کی جن کے اعصاب شکستہ ہیں جو دائمی  
امراض کی دہلیز پار کر چکے ہیں جو خود کو پبلک محسوس  
نہیں کر پار رہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب  
کیوں جب تک۔"

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک  
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک  
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک  
کچھ بڑی بات گئی ہونے جو مسلمان بھی ایک  
قرنہ بندی ہے کہیں لور کہیں ذاتیں ہیں  
کیا زمانے میں پنچے کی یہی باتیں ہیں  
"لہذا عام انسان بزار ہیں اس نفرت کے قہیل  
سے۔" جو اگلے کہل۔

"یوں کہو کثیر کو قہیل نے بر غمال بنا رکھا ہے مہیا  
اس کا سبب وہ نہیں جو علامہ اقبال فرما گئے ہیں میں تو  
حیران ہوں بڑا آدمی یوں ہی بڑا نہیں کہلاتا ان کی سوچ  
دیکھ کر ایسا نہیں معلوم ہوتا جیسے کہ آج کی بات کر  
رہے ہوں۔"

کون ہے تارک آمین رسول مٹا  
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار

کس کی آنکھوں میں سلیا ہے شعار اظہار  
ہو گئی کس کی نگاہ طرز سلف سے بزار  
قلب میں سوز نہیں دھج میں احساس نہیں  
کچھ بھی پیغام نعت کا نہیں پاس نہیں  
"اس کا حل نہیں آوے گا تو اسی بگڑا ہوا ہے۔"  
"تو تپ کا کیا خیال ہے کیا کرنا چاہیے۔" مسرت  
نے پوچھا۔

"سب سے پہلے تو علامتوں سے سب اپنا اپنا رخ موڑ  
لیں لور علامہ حقیقی سے درخواست کریں کہ وہ برنٹ  
میڈیا نیٹ لور نی وی سب سے ہر وقت ہر لمحہ لوگوں کو  
سچ لور حق کی تعلیم دھقی اور سچے دین کے بارے میں  
واضح طور پر بار بار بتائیں کہ ایک انسان کا نفس پوری  
انسانیت کا گنجل ہے۔ گم کو تو خیر کس بھی ملک سے ہو  
بھائی بھائی ہے کسی کافر کو بھی بے سبب بے وجہ مارنا  
عذاب کی دعوت نہ بنا ہے اس کے علاوہ پوری تو مہاتم  
میں ہاتھ ڈال کر کھڑی ہو جائے بھر پور احتجاج کرے۔"  
"اہل احتجاج لا مسرت جینی۔"

"گاڑیاں جانا پھراؤ کر لور تو اور فائرنگ کرنا یہ ہے  
طریقہ احتجاج کا اس میں تو خسار ہی خسار ہے۔"

"نہیں میری جان بائیک اور طریقہ سے احتجاج کا  
اخبارات اٹھا کر دیکھو بھلا ساہم تھا اس شخص کا جو  
استنبول میں تعلیم اسکو لٹر میں اس وقت آکر خاموش  
کھڑا ہو گیا جب مجمع بے قابو ہو چکا تھا لور تشدد پر تلنا  
تھا تب ہی ایک شخص نے اپنی خاموشی سے جیسے سب  
کی توجہ کے بعد دیکھے اپنی طرف کھینچ لیا۔"

خاموشی کی زبان بیٹا بڑی پڑا تھی ہولی ہا لورچہ وہ  
میں لوگ نوٹس لے پاتے ہیں یہی طریقہ سے احتجاج کا  
یہ لحاظ بہ دولت بہ لحاظ مسکد عقائد جو انسانیت پر  
یقین رکھتے ہوں وہ ہاتھ میں ہاتھ بکڑ کرنا قتل تسخیر و تخریر  
بنا کر کھڑے ہو جائیں۔ خاموش اور ساکت کیونکہ یہ  
ظلم ہوتا ہوا رہا ہے عذاب کو گوازیں دے رہا ہے اور جو  
عذاب آجاتا ہے تو پھر کوئی بھی نہیں بچتا ظلم کرنے  
والے ان کا ساتھ دینے والے ظلم پر خاموش رہنے  
والے سب ہی۔



میری جان  
 آج بھی ہو جو ایراہم کا ایسا بیدا  
 آج کر سکتی ہے انداز گلستان بیدا  
 ورنہ یوں ایک دوسرے کے خون کو مباح قرار دینے  
 والے یوں نگڑیوں میں خود کو تقسیم و تقسیم کر لیتے  
 والوں کا انجام بھی ہو گا کہ وہ ترلوالہ میں جائیں گے اغیار  
 کے لیے جو پہلے ہی ہندو ہی ہندو اپنی جڑیں مضبوط کیے  
 اور ہم پر دانت تیز کیے بیٹھے ہیں۔  
 مسرت سوئے گی واقعی اماں ٹھیک تو کہہ رہی ہیں  
 سنجیدہ کو ششیں کہاں ہو رہی ہیں۔  
 دو چار دن بعد سعدیہ خالہ پھر آئیں رمضان شروع  
 ہو چکے تھے مسرت نے اماں سے کہہ کر بعد اصرار  
 انہیں انتظار پر روک لیا۔  
 وہ بتانے لگیں کہ آج اپنے فٹو میں سے کچھ رقم  
 نکلا کر لائی ہوں تاکہ اپنی بہو کو دے سکوں شاید وہ عید  
 کے خرچوں سے پریشان ہے اس لیے زیادہ غصہ دکھا  
 رہی ہے۔ سب کچھ اسی کا تو ہے بعد میں لے لے یا  
 میں بھلے دے دوں۔  
 "اچھا کیا گھر کی خوشیاں زیادہ اہم ہیں رشتے پیسوں  
 سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔" اماں کی بات مسرت کو  
 اچھی لگی۔  
 انتظار کے بعد جب وہ جانے لگیں تو مسرت سے  
 بولیں۔ "بہی میں تم سے ایک ریکونسل کرنا چاہتی  
 ہوں مگر تم نہیں بالی خود میں کیسے کہوں۔"  
 "ارے خالہ ایسی کیا بات ہے آپ حکم کریں میں  
 بھی تو تب کی بیٹی ہوں۔"  
 "ہو لگیوں نہیں تم تو بہت پیاری بیٹی ہو۔" وہ ہلکے  
 سے مسکرائیں۔  
 مسرت سوئے گی سعدیہ خالہ کتنے عرصے بعد یوں  
 مسکرائی ہیں حالانکہ پہلے تو۔  
 "ورد اصل میں چاہتی ہوں اپنی دونوں بیٹیوں کو بھی  
 عیدی دلاں۔ میکے سے کچھ بھی آنا بیٹیوں کے لیے مان  
 سلان لور خوشی کا باعث ہوتا ہے مگر اتفاق سے میری  
 دونوں بچیاں اس سلسلے میں میری مدد نہیں کر سکتیں۔"

میشو کی ساس بہت علیل ہیں وہ انہیں چھوڑ کر نہیں  
 نکل سکتی گھر سے لور لڑیہ کا ماشاء اللہ یہ آخری مہینہ  
 چل رہا ہے آج کل میں اسپتال جانے والی ہے ایسے  
 میں کس سے کہوں نہیں علشہ تو وہ ان باتوں کو کہاں  
 اہمیت دیتی ہیں۔  
 "کوئی بات نہیں خالہ میں لادیتی ہوں۔"  
 "جیسی رہو بیٹی! میرا گھنٹا ہی جو لب دے چکا ہے وہ  
 قدم نہیں چل پاتی۔"  
 انہوں نے اس کے ہاتھ میں پیسے لیے "بس اسی  
 میں سوچ کچھ کر لانا۔"  
 "بہا تو وہ سعدیہ کیا کیا سکھاتا ہے۔" اماں نے کہا۔  
 "ہاں رکھو یہ تو بہتا ہی بھول گئی۔" پھر وہ تفصیل  
 بتانے لگیں۔ سعدیہ خالہ وہاں میں دیتی چلی گئیں ان  
 کے جانے کے بعد مسرت نے ساس سے کہا۔  
 "میں نے اچھا کیا کیا؟"  
 "ہاں اچھا کیا مگر تم تو اتنی مصروف ہو پھر رمضان اور  
 اس پر سوا کری۔"  
 "اماں آپ بھی تو سمجھاتی رہتی ہیں کہ ہے زندگی کا  
 مقصد اور وہیں کے کام آتا۔"  
 "خوش رہو تمہاری یہی باتیں تو سب کو خوش کرتی  
 ہیں۔"  
 وہ سلمان لے آئی تو سعدیہ خالہ کو فون کیا ان کی  
 پڑھو روئی روئی سی آواز لے اسے بھی لہو اس کر دیا۔  
 "دوسرے دن وہ آئیں تو سلمان دیکھ کر خوش  
 ہو گئیں۔  
 "تم اتنی غمزہ سی کیوں ہو سعدیہ! تمہاری ہوسو بیگم تم  
 سے شاپنگ کے لیے رقم لے کر بھی خوش نہیں  
 ہو گئیں۔"  
 "کیسے بلکہ بولیں کہ اچھا آپ نے تو مجھے بالکل  
 حیدر (کام کرنے والی لڑکی) بنا دیا اسے بھی تو آپ نے  
 جوڑے کے لیے پیسے لیے ہیں۔"  
 "کیسی پاگل عورت ہے۔" مسرت کے منہ سے  
 بے اختیار نکلا۔  
 "سب تمہاری طرح تھوڑی ہیں۔ خوش قسمت

ابھی لفظ لڑ کر کے قانع ہوئی تھیں کہ سعدیہ خالہ کا فون آگیا۔ مسرت نے سانس کو فون تھمایا۔  
سعدیہ نے اپنی دولت سے کہا "میں آج بہت خوش ہوں۔"

"خیریت کہا ہوا۔" امیں کی آواز خوشی سے لہریز تھی مسرت پاس آکر کھڑی ہو گئی۔  
"آج میں نے اپنے بیٹے کے ایک جملے سے خود میں ایک اسٹریٹھ (Strength) محسوس کی۔ میری تو عید آج ہی ہو گئی۔"  
"اچھا کیا نسل۔"

"علیحدہ میرے بیٹے سے بچھ کر رہی تھی میں مگر چہ قریب تھی مگر میں نہیں پالی تکرود زود سے بولا۔  
"مسئلہ کیا ہے تمہارا کیوں ہر وقت میرے دل کو میری ماں کی طرف سے بدگمان کرنا چاہتی ہو میں کبھی کبھو کتابوں تمہارے ماں باپ کو صاف صاف من لو عزت و اور عزت اور۔"

وہ غصے میں باہر نکل گیا اور میں سوچنے لگی ہا نہیں آج کیا ہو گا قلن ہو اگیا تو ایک لمحے کو نہیں۔  
"کیا ہوا بتاؤ بھئی؟" ماں اب پریشان ہو گئی تھیں۔  
"کچھ بھی نہیں شام کی افطار سے پہلے سو بیگم آئیں اور بولیں اسی آج افطار اور ذرا ہمارے ساتھ بچتے حیدر سے کچھ منہ بوائے۔"

"اب میں ابھی وہاں افطار کر کے آئی ہوں کیا بتاؤں بہت دن بعد اپنے بیٹے اس کے بچوں اور ہوس کے ساتھ کھانا کھانے نامزای اور تھا۔"  
مسرت نور امیں دونوں سانس ہونے ایک دو سرے کی طرف دیکھا اور مسکراتے لگیں۔

تب ہی باہر شور مچ گیا عید کا چاند ہو گیا۔ عید کا چاند ہو گیا۔  
سانس بیگم نے بڑھ کر ہوس کو گلے لگایا اور ہمدونوں چاند دیکھ کر دعائے تلکے اللہ میں نکل آئیں۔  
اپنے ملک و قوم کی بہتری اور ملک کے سکون کے لیے اپنے گھر میں خوشیوں بھرتیوں اور سامانوں کی رعاب کے لیے۔

ہیں تمہاری سانس۔"  
"نہیں خالہ میں خوش قسمت ہوں بچوں کی جیسی سانس ملیں نہیں کریں زندگی گزارنے کے سارے ہی چلن ان ہی سے تو سیکھے ہیں۔"

"کیسا اچھا گھر لگتا ہے تمہارا محبت بھرا چمکتا مہکتا میرا تو دل بیس لگتا ہے اور دھڑوڑ کر آئی ہوں۔"  
سعدیہ خالہ جب جملے لگیں تو امیں نے ایک خوب صورت سا شہر ان کے ہاتھ میں تھمایا۔ "سعدیہ یہ مسرت تمہارے لیے لگائی ہے۔"  
"ایں میرے لیے اب تمہو بڑھی کی کیا عید اور عید کا جوڑا۔"

"اسی کیا بات ہے پروردگار نے زندگی جیسی نعمت دے رکھی ہے اور بھئی خود کو بوزحامت کہو ورنہ مجھے بھی خود کو بوزحما بھتا ہو گئے۔"  
مسرت نے دیکھا یہ وہ سوٹ تھا جو وہ اپنی سانس کے لیے لگائی تھی۔

سعدیہ خالہ نے اسے گلے لگایا "مسرت تم نے تو بیٹی حد کرائی۔ بہت شکر یہ تمہاری محبت کل۔"  
"یہ حد سے زیادہ ہے۔" انہوں نے امیں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیا حد سے زیادہ ہے۔" امیں نے غلطی سے دیکھی۔

"مسرت کو معلوم ہے سعدیہ ماں باپ کے احباب کو بھی عزت و ریمان سے محبت کرنا یہ بھی ایک مذہبی فریضہ ہے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔"  
انہوں نے جیسے ہوس کو بھی جواب سمجھا دیا۔

"وہ پہلی نہیں تو مسرت نے سانس سے کہا۔" امیں آپ بچتے یاد میں تو ہیں۔"  
"کوئی بات نہیں میری جان اچھے کسی کو خوش دیکھنا تھا۔ سعدیہ کو اب کوئی تحفہ نہیں دیتا۔ کوئی بھی نہیں تمہنے کیا اس کے چہرے پر کسی چمک سی آگئی تھی اور مجھے کئی خوشی مل گئی۔"

دوسرے دن چاند رات تھی وہ سانس ہوس سے مصروف نہیں۔



اسیہ مذاقی

# نایاب ناول

سے بھی ڈر لگتا ہے۔ چھوٹا سا ڈر ناگور جاؤ جا کر چائے بناؤ۔

اباں معاف کر لے والی نہ تھیں۔ عظمیٰ میں انکار کی جڑت نہ تھی۔ ہائے آج تو وہی کہلوت پوری ہو گئی کہ آندھی آئے یا طوفان۔ چائے بنے گی چار بجے۔ ابا کو چائے کا انتظار بند نہ تھا۔ وقت کی مست پابند تھیں۔ عظمیٰ اٹھ گئی۔ کوئی چار نہ تھا۔ بارش کا نور بھی نہٹ گیا تھا۔ شاید کہیں بجلی گرا نا ہی اس طوفان کا سبب بنا ہائے جو، پچھلے راتے میں تھے نہ جانے کس طرح اپنے گھر پہنچے ہوں گے۔ اس کا انحصار کمزور دل بے چین ہو گیا۔ اسد بھائی بھی نہیں آئے۔ چلو وہ تو صوبہ ہیں آئی جا میں گے انہیں تو چائے کی زیادہ ہی طلب ہوئی ہے۔ خیر آجا میں خیر سے تو۔ فائنٹ بناؤں گی۔ دو ٹک چائے سے لباب بھرے۔ تمکین بسکٹ

بڑے اور کی بارش تھی۔ شام کا وقت تھا۔ لیکن کالی کھانے پر مت اندھیرا پھیلا دیا تھا اور آبشار کی مانند برستی بارش۔ پھر وہ پابل کرائے کر جے "ٹکے" دھماکا ہوا نہ جانے کس بد نصیب پر بجلی گری ہو۔ چھینا ڈنل سٹیں۔ عظمیٰ کی جو تکیے میں سر کھسائے چوہ پھپھائے۔ منہ اونڈھائے چھینا بار رہی تھی۔ کانوں میں انگلیاں ڈالے ابا نے عظمیٰ کو ڈانڈا۔

"کیوں بد شکلی کر رہی ہے لڑکی! استغفار پڑھ تو بہ کر لہذا محفوظ رکھے نہ جانے یہ بجلی کہاں گری ہے۔ اچھا اب انہو عظمیٰ چائے بنا کر لاؤ۔ الٹی خیر کیا خوفناک دھماکا تھا۔ دو ٹکے کھڑے ہو گئے میرے۔ تو بہ تو بہ۔"

"اباں لی! طوفان آ رہا ہے۔ ڈر لگتا ہے مجھے بجلی سے افرہ کیا چلتی ہے؟"

"ہاں نور جب گھر کی بجلی چلی جائے تو اندھیرے

## مکمل ناول





WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM





WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

جواب لور گھر میں میرے لیے لوکر کا خطاب بائے بائے  
 میں کہاں چلا جاؤں۔" ہائے ایک گھونٹ میں ٹھہری۔  
 اماں بھی چپ کھیں۔  
 "یہ ہائے ہائے چھوڑو اور شادی کی تیاری کر۔ کہ  
 دیا ہے میں نے۔"  
 "شادی۔ عظمیٰ کی؟ کوئی رشتہ ہے کیا؟ میں بھی  
 تلاش کر رہا تھا۔ چلو اچھا ہے خودی آگیا۔"

"عظمیٰ کی لکومت کرو۔ میں تمہاری شادی کی بات  
 کر رہی ہوں۔"  
 "میری یعنی کہ میری شادی۔" ہا ہا ہا اچھا لطیفہ  
 ہے۔ عظمیٰ ایک جالی چائے اور۔"  
 عظمیٰ خورا "جا کر چائے لے آئی۔ کپے کپے پانی کی  
 بردا کیے بغیر۔ آخر اندر اس قدر اہم اور سستی خیر  
 بڑا کرات ہو رہے تھے ان بڑا کرات میں عظمیٰ کا عقل  
 نہ تھا۔ گھرازم تھا سنا۔"

"بس کہہ دیا ہے میں نے تیار ہو جاؤ لور تم خود کسی  
 لطفے سے کم ہو کیا؟ نماز پڑھنے جا رہی ہوں۔ سو اب اس اگر  
 جواب لوں گی لور یہ جوئے۔ کچھ بھر کر اندر لے آئے۔  
 اسد تک سدھو گے۔ لوگوں کے سامنے میری تاک  
 کٹاؤ گے۔ غضب خدا کا اتنے بڑے بڑے جوتے  
 سڑک کی ساری کچھ بھر کر میرے چمکتے فرش پر اندر  
 دی۔ کیا بدل مارچ کرتے دھل سے گزر کر آئے ہو۔  
 اب خدا تجھے۔"

"اماں خدا سب سمجھتا لور دیکھتا بھی ہے۔ آپ  
 جائیں نماز کی تیاری کریں۔ جس میں آپ کو گھنڈ لگ  
 جاتا ہے۔ ہاں بھی عظمیٰ پاپا اگلنے کی کیا خبر ہے۔ آج  
 کون سی بد مزہ دوش نئے نام سے ہمارے سامنے پیش کی  
 پائے گی۔ لذت کام روہن کی خاطر۔" وہ عظمیٰ سے  
 مخاطب ہوا۔  
 عظمیٰ کھلکھلا کر ہنسی۔ "آج کی ڈش کا نام ہے  
 آگو گوشت۔ لوکی کا روایت اور شہاب کے کہاب۔"  
 "سبحان اللہ۔ اماں بی! زندگی بھر۔ ان کے ذہن رسا کی  
 تعریف نہ کرنا یاد آتی ہوگی۔ اشاء اللہ آگو گوشت لوکی کا

ڑے میں رکھ کر کمرے میں لے آئی۔  
 "اری لڑکی پانی پکا بھی تھا کہ کپے پانی میں ہتی گھول  
 کر لے تکی۔ اتنی جلدی تو پانی گرم بھی نہیں ہوا ہو  
 گا۔" اماں لی کبھی کبھی اسے یوں مخاطب کرتیں جیسے وہ  
 اٹاڑی ہو۔ کترو ہو پھوپھو ہو۔  
 "لہن! یہاں لکڑی یا کوئلے یا مٹی کے تیل کا چولہا

نہیں ہے۔ ہمیں ہے اللہ کے فضل سے منٹ بھر میں  
 پانی پک جاتا ہے۔" وہ بھلا چپ رہنے والی کب تھی۔  
 ایک سی اختیار اس کے پاس تھا۔ لہن۔  
 "پھر بھی پچھانی کرو کھتی ہوں۔ اگر پانی کچا ہو تو  
 عظمیٰ بندی۔ آج تیرا خیر نہیں۔"  
 عظمیٰ کو پتہ اسانگا۔ کھانس کر یوں۔ "اماں بی کیا سزا  
 دیں گی۔ تیل کروں گی؟"  
 "تو یہ ہے لڑکی کی زبان کے آگے خندق ہے۔  
 بے کچے فضول بولتی ہے۔ دیکھ لہن کر۔ یہ اسد کہاں  
 رہ گیا۔"

عظمیٰ لہن کرنے لگی۔ شکر ہے چائے پر تھوٹہ  
 ہوا اسد دوست کے پاس رک گیا تھا۔ وہاں سے چل  
 براتھا۔ چند منٹ بعد پہنچ گیا۔ عظمیٰ اس کی چائے لینے  
 چلی گئی۔

"اسد! میں تمہاری بے ترتیب زندگی سے محبت  
 تنگ ہوں۔ آئے کا وقت نہ جانے کا۔ جب تک تم آ  
 نہیں جاتے۔ میرا دل پکڑو کھڑکرتا رہتا ہے۔ آج کا  
 طوفان اور تمہارا انتظار۔ بیٹا وقت کی قدر کرنا سیکھو  
 آخر اتنی دیر تک کیا کرتے ہو پاہر۔ گھر کا راستہ کھوجانا  
 ہے یا تم۔"

"ایک سو ایک سوال کر دیے۔ کس کس کا جواب  
 دل۔ اچھا نہ چائے۔" عظمیٰ چائے لے آئی۔ اللہ بی  
 لے پھر سوالات شروع کر دیے۔  
 "اللہ رکھے اب تم نوکری دالے ہو گئے ہو۔ اب تو  
 سنجیدہ ہو جاؤ۔"  
 "نوکری؟" وہ چلا اٹھا۔ "لہن! آپ نے مجھے لوکر کا  
 دیا ہائے یہ قدر ہے میری اتنی اعلیٰ درجے کی میری

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

”بیٹا! ہر روز تو کوئی حجاج کا کھانا نہیں کھاتا۔ نہ برائیاں ہی برم ہو سکتی ہیں۔ پھر کیا کھائے بندہ۔“  
 ”ہاں! اسی لیے میں دوستوں کی آڑ نہیں ٹھکرا تا کہ کہیں نہ کہیں چکن مل ہی جاتا ہے۔“  
 ”تو یہ کرو۔ تو یہ۔ شکر کر کے جو کچھ کھا لینا چاہیے۔ اللہ ناراض ہوتا ہے کہ میں تو رزق دے رہا ہوں۔ بندہ منہ بنا رہا ہے کہ یہ کھانا ہے۔ وہ نہیں کھاتا۔“  
 ”میں منہ نہیں بنا رہا۔ کہہ رہا ہوں۔ سب کچھ کھاؤں گا۔ لوکی کا راستہ۔ لوکی کی بھجیا۔ لوکی کے پکوڑے۔ مگر۔ کبھی کبھی مختلف ڈالنے کو بھی دل چاہتا ہے۔ منہ کا مزہ لسنے کے لیے۔“

**ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے  
 بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز**

300/-	ساری بھول ہماری تھی	راحت جہیں
300/-	اوپر پروا جن	راحت جہیں
350/-	ایک میں اور ایک تم	عزیزہ ریاض
350/-	یہ وہ آدمی	نہیم سمر قریشی
300/-	دیکھ زور محبت	صائمہ اکرم چوہدری
350/-	کسی راستے کی تلاش میں	میونہ ٹور شید علی
300/-	ہستی کا آہنگ	فرہ نگاری
300/-	دل مہم کا دیا	سائرہ رضا
300/-	ساواچے یا ناچنا	نصیبہ سعید
500/-	ستارہ شام	آمنہ ریاض
300/-	صوف	نور الد
750/-	دست کوڑہ گر	نوزہ یا مبین
300/-	محبت من مہم	سیرا جمید

بذریعہ ایک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ  
 37، اولاد بازار، کراچی

راستہ اور شایم کے کہاب۔ وہ بھی ہماری عظمتی کے ہاتھ کے بنے ہوئے؟ کیا قدر مشترک ہے۔ ایمان سے طبیعت صاف ہو گئی۔“  
 اسد نے صوفے سے ٹیک لگا لیا۔ ساہوس صورت۔  
 ”اسی لیے ماں کو آپ کی شادی کانٹور و نیا ب خیاں سوچ کر کیا۔ آنے والی کھانا تو مزید اور بنائے گی۔ کچھ سیکھ کر ہی آئے گی۔“  
 ”لوگ اگر وہ بھی تمہاری شاگرد ہوئی۔ تو۔۔۔ چلو خیر میں کھانا جیسا ہوں۔ کھاؤں گا۔“

اماں بھی نماز پڑھ کر آئیں۔ تو دونوں بہن بھائی کوئی وی میں کھول کر کھانا ہونے لگیں۔  
 ”مگر لوگ کبھی اللہ کا نام بھی لے لیا کرو۔ یہ شیطان چرخہ تو جب چاہوں۔ ٹہن ویلہ حاضر خدمت۔ عظمتی انٹرو جا کر نماز پڑھوں۔ اس کے بعد کھانا لاؤ ورنہ تمہارا یہ توارہ گرد بھائی چلا جائے گا اپنے دوستوں کی خدمت کرنے۔ کبھی ہارے۔ سب کے سب انہی کے تعلق ہیں۔“

”ہائے“ آہ الہ السوس۔ اماں بی رہم۔ کس نہیں جا رہا میں تسلی کر لیں۔ آپ کی خدمت میں ہی حاضر رہوں گا۔ دوستوں کو نہ کوئیں۔ بنے چارے محصوم۔ ان کا کوئی تصور نہیں۔ میں ہی بد بخت گھر سے بھاگتا ہوں اچھا۔ آپ آئیں۔ ہاتھ کرتے ہیں مزے مزے کی۔ عظمتی جاؤ۔ اچھے بچوں کی طرح نماز پڑھو۔ پھر کھانا لاؤ۔ میں سب کھاؤں گا۔ شایم کا اچار۔ شایم کے کوفتے۔ شایم کے کہاب۔ شایم کی گلاب جاسن۔ شایم کا من سلی اور شایم کا تھین۔ چامیری پیاری بہن۔ شاہاش۔“

وہ بھول رہا تھا اور عظمتی ہنسی سے بے تاب تھی۔ اماں بی ٹھوڑی پر شہادت کی انگلی رکھے اولی اولی کر رہی تھیں۔ ہر بار شایم کی تکرار پر۔  
 ”اولی اولی کا کیا مطلب ہے اماں بی۔ یہی سب تو کھلاتی ہیں آپ بہانے بہانے۔ شایم کی ضرورت۔ ہنسی کی بات۔ سو تھامن کے نام۔“



اس کے جانے کے بعد عظمیٰ کی شامت آئی۔  
 اہل نے خوب اسے ڈانٹا پھنکارا کہ اس کی فضول  
 اجرتان حرکت کی وجہ سے کن کا بچہ بھوکا پیاسا پھر رہا  
 ہے۔ آفس کی محنت الگ۔  
 "لو جی۔ بھائی اور بھوکے؟" اہل نے آفس میں اور کھانا  
 ہوٹل زندہ ہار۔ ان کے تو مزے ہو گئے۔ جو چاہتے  
 تھے۔ میں بے چاری تو گیہوں کے ساتھ پسنوالا کیرا  
 ہوں۔ کل سی بھوکی تھی ہوں۔"  
 اہل نے تو قریب سے نکال کر گرم کر کے کچھ نہ  
 کچھ کھانا کھا کر عظمیٰ پر ضد سوار تھی۔ نہ پکایا۔ نہ  
 کھایا۔ یہ انگ بات کہ وہ اب بے بسکت کے اور نمکو کے  
 بکٹ چھپا کر اپنے گھرے میں لے گئی۔ ان ہی سے  
 گزارا ہو رہا تھا بے چاری کا۔ اہل بی کو اس پر ترس آ  
 گیا۔ ہائے بے چاری بنگلہ دن بھر محنت کرتی ہے اور  
 نخرے باز بھائی کو کچھ پسند نہیں آتا۔ گھر میں کوئی نوکر  
 تک نہیں کہہ دو کرے۔



بھائی نے تیسری بار ثوبیہ کو نکارا۔ وہ اس سے مس نہ  
 ہوئی تو تک دے مارا پھر بھی کچھ سنوائی نہیں ہوئی تو  
 ہاتھ برسھا کر بھجھوڑا۔  
 "بچی اٹھ جا۔ مجھ بوڑھی پر ترس کھالے۔ میری  
 پٹیوں میں دم نہیں رہا کہ خود کچھ ہشتہ بناؤں۔ کب  
 سے جگا رہی ہوں۔ لونج گئے۔ پانچ بجے سے ٹلٹے کا  
 انتظار کر کر کے آتیں بھی سوکھ گئی ہیں۔"  
 ثوبیہ نے اگرتلی کے لیے ہاتھ اونچے کیے۔ پھر نیچے  
 کر لے۔ بھائی کے فرمودات (جو ان بچیوں کو انگریزی  
 نہیں لینی چاہیے۔ شرم و حیا کے خلاف ہے) نیشل  
 آنکھوں سے نالی گور کھتا۔  
 "کب بوڑھی ہوئیں آپ؟ رات تک تو بھلی  
 چلی۔ اسی کنی جاتق چونہ سانس پانچھی نہیں۔"  
 "مذائق نہ کر۔ اٹھ جا میری چاندلی۔ کب سے چکا  
 رہی ہوں۔ پہلے فجر کے لیے چگایا۔ میں اٹھی۔ صبح

"اسی لیے شادی کا کہہ رہی ہوں۔ زندگی کا مزہ  
 بدلے گا۔ گھر کا رنگ اور منہ کا مزہ بھی۔ تم کچھ کہو تو  
 لہد نے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔ لہد کو نگاہ بن آیا  
 تھا۔ اہل بی نے مسکراہٹ چھپانے کے لیے گردن  
 موڑا اور تکیج تھماتے لگیں۔

عظمیٰ جانے لگی یا پھر۔ اہل بی نے اشارے سے  
 پوچھا کہ ہر؟  
 "اوی کی کا حلوہ بنانے۔" وہ کھلکھلائی۔ فی وی کی  
 تو از بہت ہلکی تھی۔ مگر تصویروں میں چمک زیادہ تھی۔  
 اہل بی کو وہ رنگ برنگی چمک بھی گوارا نہ تھی۔ لہذا  
 لہدی بند۔

دون اسد نے کو نگاہیں کر گزار دیے۔ اشاروں کی  
 زبان میں عظمیٰ سے ہی باتیں کرتا رہتا۔ وہ کچھ سمجھے بغیر  
 ہتے جاتی۔

آخر تیسرے دن زبان کھولی۔ "اسے کسی کو کنگ  
 سینٹر میں داخل کریں تاکہ کچھ۔ کھانا پکانا آجائے۔  
 ورنہ کل کو سرسٹل جا کر آپ کو ہی بدنام کرے گی کہ  
 ماں نے کچھ سکھایا نہیں۔ کم از کم نوڈلز ہی ابا لٹا سیکھ  
 لے۔"

"بھائی۔ نوڈلز ابا لٹا تو مشکل نہیں۔ مجھے آتا ہے۔"  
 وہ احتجاجاً بھائی۔ "نوڈلز ابا لٹا ہی ہوں میں۔"  
 "ہں۔ مگر کھانا بھول جاتی ہو۔ کچا میدہ۔ میرے  
 مدد سے کوجاہ کر سکتا ہے۔ اللہ میرا پیٹہ۔"

"اہل بی! میں ہمیں اب آپ فوراً بھائی کی شادی  
 کریں۔ میرا بنایا ڈانوا نہیں کچھ پسند نہیں آتا۔"  
 "میں تو تمہاری ہمدردی میں کہہ رہا ہوں۔ کل  
 جب سرسٹل جاؤ گی۔ طعنے ہمیں سننے پر میں گے۔"

عظمیٰ پیر پٹنسی باہر نکل گئی۔ احتجاجاً اس نے ہشتہ  
 بنایا۔ نہ کھانا۔ اسد آفس سے آکر گھرے میں گھس  
 گیا۔ رات کو بن ٹھن کر باہر نکلا اور دوست کے گھر  
 محفل موسیقی میں شریک ہونے کا کہہ کر چلا گیا۔

"صبح وہیں سے آفس چلا جاؤں گا۔ پھر رات میں  
 کھانا کھا کر آؤں گا۔" جانتے جانتے اس نے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"بانی۔ دعا بھی تو دیں کہ نصیب اچھا ہو۔ سسرال قدر دہاں ہو۔"

"ٹوبہ۔" انہوں نے تنبیہاً کہا "پل میں گزارو مٹی ایک کر دیتی ہے۔ لڑکی ذلت ایسی بے دھڑک؟ شرم نہیں آتی۔ دل سے دعا کریں نکلتی ہیں کہ نصیب اچھا ہوتا۔"

"اور۔۔۔ یہ بھی کہ لا دھوں نہائے پوتوں بھلے۔ دو لہا خوب صورت ہو بڑی بڑی آنکھوں والے کالے کھنکے بالوں والا۔ نہ بہت گورا نہ بہت کالا میرے اوپر عاشق ہو جائے۔"

بانی نے سسرالے رکھی چھری اٹھائی اور اس کی پیٹھ پر جھلکی اچھل پڑی "کیا گروا اب؟"

"بے حیا۔۔۔ مجھے ہی بدنام کرے گی۔ لوگ الا پنا دیں گے کہ لاڈوں میں لڑکی خراب کر دی۔ حیا شرم نہیں نکھائی۔ ایسی باتیں کون سکھاتا ہے بھلا۔ کہاں سے لاکر تھوڑی شرم آسے۔"

"لو سکھانے سے بھلا۔ کیا آتا ہے یہ تو دل کی گواہ ہے۔ بانی۔ بے حیا لئی کہاں سے آئی؟"

"اچھا اچھا۔ اب ہر کسی کے سامنے یہ ذکر نہ کرنا۔ سرو کی شکل کون دیکھتا ہے۔ بس کہا ہو۔"

"ہمیں تو ساری عمر شکل دیکھنا ہے۔ بد صورت ہوا تو کمالی جائے بھانڈیں۔"

بڑی راتی کو کراچی باہر نکل گئی جائے کے برتن لے کر، نالی سر تھام کر رہ گئیں۔ اٹنی میری عزت رکھنا یہ لڑکی مجھے کہیں کا نہ چھوڑے گی۔ جانے کیسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا۔ کل کو۔ اپنی حرکتوں کی وجہ سے کیسے واپس لوہری نہ آجائے۔ کون بدواشت کرے گا اس کی حرکتیں۔ پریشانی سے ان کے سر میں درد ہو گیا۔

ٹوبہ بڈر تھی۔ بے دھڑک۔ ڈر کا لفظ اس کی لغت میں نہ تھا۔ مقابلہ کرنا۔ لڑنا۔ زبان چلاتا اس کی عادت تھی۔ منہ زور لہو رہے پاک۔ بچپن میں ماں سے محروم ہو گئی۔ باپ نے دو سری شادی کر لی۔ ٹوبہ کی دیکھ بھل کے لیے۔ (یہ باپ کی محبت کی ایتھا تھی) اس دو سری

جائے کے لیے پکارا نہیں جاگی۔ لب کیا بھوکا مارنے کا ڈر لہا ہے۔ بے بے۔ کہاں چلی جاؤں۔ کس سے کہوں۔ کوئی میرے پر بھالے کی بلانج رکھ لے۔"

ٹوبہ ہنر بڑا کر اٹھی۔ "بس کریں بانی یہ فریاد ماہوں لوگوں کے لیے رہنے دیں۔ میں جو ہوں۔ آپ کا برا بھلا سننے کے لیے سناٹی ہوں بھر پور بھشت۔"

"یہ بھر پور بھشت کیا ہوتا ہے؟"

"جو رات۔ بلکہ صبح فجر کے بعد سے نو بجے تک کی بھوکی آنتوں کی وارد سی کر سکے۔"

چھلانگ لگا کر نالی کے اوپر سے نیچے کودی اور کسی چھٹاؤے کی مانند کمرے سے باہر۔ نالی کی چیخ سنی نہیں جو اپنے کھنی وجود کی خیر مناتے ہوئے بے ساختہ ہی چیخ اٹھی تھیں۔

"لوٹنا بیگ! کوئی لڑکیوں والی نزاکت نہیں۔ منہ ہاتھ دھوئے بغیر ہاسی ہاتھوں سے بھشت بنائے گی۔"

بچتی دیر پڑھا نہیں۔ اتنی دیر میں بھشت تیار تھا۔ وہ بغور معائنہ کرنے لگیں۔ اس میں تو خشک نہیں۔ جیسی وہ چھٹاؤا تھی۔ ویسا ہی ہر کام تیز رفتاری سے کرتی بچت اسکیم پر بھی عمل کرتی۔ گرم تازہ شاہی کباب کچھپ کے ساتھ بن میں رکھ کر رہا لائی تھی۔ گرم گرم چائے۔

"اتنی جلدی کیسے بنا لے۔ ٹوبہ۔ تو مجھے حیران کر دیتی ہے اور یہ کباب کون سے ہیں۔ کہاں سے آئے؟"

"حیران نہ ہوں۔ کباب میں نے بنائے ہیں۔ بذات خود بدست خود پھینک کر میں انورہ بھی اکل آپ کے لیے جو۔ کھنی بنائی تھی اس کی ہونیاں برسوں کی پختے کی دل خشک کر کے۔۔۔ ملا کر پیس لیں۔ اینڈے میں مطلب اینڈا پھینٹ کر اس میں کباب ڈبو کر تل لیے۔ کھن کے ساتھ کچھپ اور کباب۔ بن موجود۔ برگر تیار کیسے لگے۔" پر امید نظموں سے نالی کو دیکھا۔

"ہوں ہوں اچھے ہیں۔ میری کار گزار بیٹی ہے شایاں۔"



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سارے جہان میں لوہ اور پھرا کرتی تھی۔ ایک دن خبر لائی۔ پھلی گلی میں جو خان صاحب ہیں۔ وہ اپنا پرانا سامان فروخت کر رہے ہیں۔ اور ان بھی جو تھالی قیمت پر مل رہا ہے۔ مگر اتنے پیسے بھی نہیں۔

"نالی۔ ماموں لوگ آپ کو اتنے کم پیسے کیوں دیتے ہیں۔ خود تو پیش کر رہے ہیں۔ آپ نے بھی ان پر لاکھوں لٹا دیے اور ہاں ان سے کہیے لو اس آئی ہے۔ اس کا خرچہ بھی بھیجیں۔"

نالی نہیں دین۔ سچ تو ہے۔ تین بیٹوں پر لاکھوں کروڑوں نہیں۔ سب کچھ لٹا دیا۔ جسمو جوں کی ساری طاقت خرچ کر دی۔ جب کسی قابل ہو گئے۔ شلوہاں کر کے ایک کینڈا ایک سعودی عرب چلا گیا۔ تیسرے نے شاہی نہیں کی مگر کبھی امریکہ بھی انگلینڈ کبھی جاپان اور اب تو پاکستان میں ہی تھا۔ مگر گھر کا راستہ بھول چکا تھا۔ پتا نہیں اولاد کی یادداشت اتنی کمزور کیوں ہوئی ہے۔ ماں باپ یاد رہتے ہیں نہ گھر نہ گھر کا وہ سکون۔ جو ماں باپ ان کے لیے عیا کرتے ہیں۔ اور نالی کا تو یہ حال تھا کہ آگ ول کے گلے ہزار ہوئے۔ کوئی نہیں گرا کوئی وہاں گرا۔ سب کہتے ہیں کہ یہ بھی تقیست جانو کہ ماں کے لیے اپنی کمالی سے رقم تو بھیج رہے ہیں اور نہ وہ بیٹھی تھامیں کس کے سامنے ہاتھ پھیلاتی۔

جھوٹا پتا اکثر فون کرتا۔ نالی تو فون پر بات کرتے ہوئے روٹی رہتیں۔ ٹوپیاں ان کے درد کی ترجمانی اپنے بے وحش انداز میں کرتی۔ اس نے ہی ماموں سے اپنے لیے خرچ بڑھنے کے دیکھنے رو کر رقم بچھانے کا قاضا کیا۔

ماموں نے فوراً اس کے لیے منی آرڈر بھیجا۔ ضرور کے سر پر اور ان کو کہ کر لے آئی۔ اسی ضرور سے اور ان فٹ کروا لیا۔ بلکہ اسی سے کچن خوب رکھوا کر دھو لیا۔ سلیب بھی چھکوا لیا۔ اور ضروری میں پرانا چولہا اس کے حوالے کر دیا۔

نالی حق دتی اس کی کارروائی نہ بھکتی رہیں۔ جو چاہتی کر لیتی۔ نڈراتی کہ رات میں کسی چیز کی ضرورت

ماں نے ٹوپیا کو سنبھالا اپنی تمام علاتیں بھی اس کے تا پختہ ذہن میں انڈیل دیں۔ وہ جس طرح اپنی منڈوں سے لڑتی۔ انہیں دھتکارتی۔ ٹوپیا کھیل کھیل میں خوب لٹل کرتی ماں اس نہیں کر بے حال ہو جاتی۔ وہ تو مردوں سے بھی نہان چلاتی۔ بلکہ ہاتھ پائی کو بھی برانہ بھکتی۔ ایک بار تو اس نے اپنے منڈوں کو انڈا مار کر زخمی بھی کر دیا۔ کہا کہ یہ بد نظر ہے۔ عورتوں پر اور سے ڈالتا ہے۔ اور اس کا گھر میں داخلہ بند۔

ٹوپیا نے بھی دیکھا۔ یہی سیکھا۔ ٹوپیا کے چھوٹے بھائی بہن بھی ماں سے تربیت لے رہے تھے پھر اس کے اپنے ٹوپیا کو اس کی نالی کے پاس تربیت کے لیے بھیج دیا۔ کہا تو یہ کہ آپ کی خدمت کرے گی۔ مگر وہ اس سے ڈر گئے تھے۔ نالی نے دیکھا۔

جنگل مور تیز نہ تہذیب۔ بے مہابا کھاتی۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ کھاتی۔ بات یوں کرتی جیسے لٹھ مار رہی ہو۔ خوب صحت مند گوری چچی موٹی ہوتی۔ ہر آئے گئے کو اپنی سبز آنکھوں سے گھورا کرتی۔

تین سال میں نالی نے ڈانٹ ڈپٹ کر بیاہرت سے مار پیٹ کر سمجھا بھجا کر کچھ نہ کچھ انسان بنانے کی کوشش کی۔ قرآن شریف پڑھایا۔ نماز سکھائی۔ پکانے کا اسے خود بھی شوق تھا (کھانے کا بھی) ماں سے یہی سیکھا تھا۔ پہلے پہلے نالی کے بڑوسیوں میں لڑکوں سے دوستی کی۔ کرکٹ کھلی ڈنڈا تلپاتی کھلی گلوچ کو برا نہ بھکتی۔ پھر لڑکیوں سے بھی رولو ریم بڑھی۔ لب تو بہت انسانیت کے جہن میں تھی۔ نالی چاہتی تھیں کسی طرح انسان بن جائے اور انسان وہ بن گئی تھی۔

لی دی کے کوکگ شو سے مختلف ملکوں کے کھانے بھی سیکھے تھے اور سب نالی نے کھا۔

"کھنگ پٹا آئی گیا ہے۔ تو کبھی پتا کر کھلاؤ کبھی۔"

"کھنگ اور ان میں جتا ہے وہ ہمارے ہاں نہیں ہے اور ان کے گڑوں میں روز نایا کر لیں گی۔"

"لو میرے پاس اتنے پیسے بچتے ہی کب ہیں۔ کیشی ڈال لوں گی۔ اگلے سال اور ان آجائے گا۔"

"پیٹ بھریا جائے تو چاری کھول جائے گی۔" عظمیٰ پر اسرار لہجہ اختیار کر چکی تھی۔ اسد نے مزے سے ناشتہ کیا۔ کئی دن کے بعد بہت لطف آیا۔ پھر کرسی پر بڑے تولیے سے ہاتھ صاف کیے۔ منہ رگڑا اور مزرگ لہلی کی جانب رخ کیا۔ "جی تو پھر ماں لی چاری کھول جائے۔" اسد اذفا خزانہ لور شاہانہ تھے۔ گویا کہ رہا ہو۔ کسو فریادی۔ ہم ہمہ تن گوش ہیں۔

لہلی نے اس سے بھی زیادہ شہانہ انداز اختیار کیا۔ آخر میں تمہیں۔ وہ ان کی چھٹی لے لو۔ کل ہمیں شاہ تیار جانا ہے۔ تم اور میں۔  
"شاہ تیار؟ کیوں؟ وہاں کون ہے؟" کتے کتے یار آیا۔ خالسل۔

"میرا کون سا بھول گئے؟ ہاں رشتے دار کب یا رہتے ہیں نہیں۔ لہلی تمہارے کسی دوست کے پٹا لوگا کا نام لیا ہوتا۔ فوراً چک کر کھڑے ہو جاتے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے کہ جی حاضر ساجیں۔ خیر میں کیا سے ملنے جا رہی ہوں۔ ثوبہ کو بھی دیکھ لوں گی۔" حتمی اشارہ۔

"کیا ثوبہ؟ وہ؟ سہل بھسلو۔ اہاں بی اس میں دیکھنے والی کیا بات ہے۔ ہر طرف سے نظر آتی ہے۔ بلکہ نظر آتی ہی رہتی ہے۔ لاکھ آنکھیں چرتو۔ پھر لہلی۔"

"بپ۔۔۔ تم نے بپ دیکھا تھا وہ بچہ تھی۔ تیو چونہ سل گئی۔"

"لہلی بی۔ تیو چونہ سال کا پہلو ان بچہ بھی پہلو ان ہوتا ہے۔ باپ بچتا۔"

"ارے۔۔۔ تو ماں کے مرنے کے بعد بے چاری کو کوئی دیکھنے والا نہ تھا تو شتر بے سارنی ہوئی تھی۔ اب تو تین سال سے آپا کے پاس ہے۔ سب کچھ سکھا دیا ہے اسے انہوں نے۔ بس یہی دیکھنا ہے۔ سلیقہ۔ طور طریقہ مزاج۔" لہلی بی پہلی بھواری تھی۔

"ہاں ماں بی۔ اچھی کے تو بات ملے کر بن آئیں!" عظمیٰ نے پٹی کی گر کھول۔

ہوئی۔ ایک ڈنڈا لے کر گلی کے ٹکڑے سے سو والے آبل ٹالی کے متع کرنے روڈ انڈر سے زمین پر بارنی۔

"کوئی بیڑھی آنکھ سے دیکھے تو آنکھیں نکال دلا کی۔ کمرہ ڈنڈا رسید کروں گی تو لہلیا ہو جائے گا۔" راستہ چلتے ہوئے ڈنڈے کو لہرائی چلتی تھی۔ رست میں اچانک اٹھ کر بیٹھ کر سے کس کر ڈنڈا پکڑ کر باہر جانے لگتی۔ ٹالی پر چھتیس "گھاہ چلی۔"  
"ٹالی! صحن میں کوئی چور ہے۔ خبر لیتی ہوں جا کر۔"

ٹالی غصا ہوئی۔  
"کوئی چور نہیں ہے۔ کھانا موٹا بلا ہے۔ دیوار سے کھاتا ہے۔ روز آتا ہے کھانے کی تلاش میں۔" لیکن اسے کسی چور کو ڈنڈا مار کر فرش چٹانے کا بہت شوق تھا۔



کھڑکی کے پیشوں سے سورج کی کرنوں نے اندر بھانکا۔ روشنی تیز رہی۔ کمرہ یک دم جگمگا گیا۔ اسد نے مزرگ کھڑکی کی جانب دیکھا۔ سورج پوری تو آئی کے ساتھ تاہندگی پھیلا رہا تھا۔ کمرہ بڑھ کر اٹھ لکڑی لیتا تھا۔ چھٹی کا دن۔ کئی دن سے گھر میں خاما سکون تھا۔ عظمیٰ کے ساتھ لڑائی ہوئی نہ ماں بی سے بحث۔

چھٹی کے دن ناشتہ خوب کھا ہوا تھا۔ یہ اللہ بی کی مہلت تھی۔ تیار ہو کر کھانے کے کمرے میں آیا۔

حسب توقع زبردست قسم کا ناشتہ میز پر رکھا تھا عظمیٰ ابھی کچن میں تھی۔ لہلی خراں خراں ناشتہ کے لیے آ رہی تھی۔ اسد نے سلام کیا اور اپنی کرسی پراٹ گیا۔ سرخاسخ خیر آلیٹ۔ سٹکے ہوئے ٹوس اور زندہ پلو پر اٹھا۔ خوب صورت سی لی کوڑی کے اندر چھٹی کی چائے والی میں خوشبو دار گرم چائے۔ کچن سے خوشبو میں آ رہی تھی۔ ابھی وہ زندہ پلو پر اٹھے آلیٹ سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ عظمیٰ بیسن کا حلوہ لے کر آ گئی۔

"آہ۔۔۔ تج یہ عظیم الشان دعوتی ناشتہ۔ کس سلیے کی کڑی ہے۔ یہ ممکنہ ہوا حلوہ۔ زندہ پلو پر اٹھا۔"



”کوئی ہاں یہاں نہیں ہے۔ اگلا در کھٹکھٹاؤ۔“ اندر سے کھٹکھٹائی کی آواز آئی۔  
 ”اندرو بیگم صاحب سے کہو مسلمان آئے ہیں۔“  
 ”بڑے آئے کہیں کے مسلمان۔ دیکھیں جی ہمارے ہاں لاہور سے مسلمان آنے والے ہیں رشتے دار۔ اس لیے ہم کسی سے نہیں ملیں گے آپ۔۔۔ کل آجائے۔ ہم رشتے داروں کا انتظار کر رہے ہیں۔“  
 ”ہم بھی رشتے دار ہیں لاہور سے آئے ہیں۔“  
 کھٹاک سے دروازہ کھلا۔ لور لے یہ کیا جیسے روشنی کا خوارہ ابل رہا ہو۔ چمکتا چاند چہو۔ بھورے ہلوں کے ہلے میں مدین چرائے آنکھیں سبز رنگ بدلتی آنکھوں کی جگہ کالی ہو۔  
 ”کیا بد تمیزی ہے۔ کل آجائیں لے کر۔ سچ ہمیں بہت کام ہے۔“  
 ”ہو۔ اندر آنا ہے۔“

”ارے واہ۔ کہا ہے تاکہ کل آجائے۔ کون ہو کہاں سے آئے ہو۔ شناخت بھی ہے کوئی۔ ہم توج کسی ایرے غیرے متوخیرے سے نہیں مل سکتے۔“  
 ”ہم بھی لاہور سے آئے ہیں۔ رشتے دار۔“  
 ”ہیں؟ جھوٹے کہاں ہیں چھوٹی نلی۔ اٹھا دیکھ رہے ہو۔ سر بھاڑوں کی مانند نہیں آئے وہیں گی۔“  
 اہل بی ایچی پھیٹی پھیٹی پر تھیں۔ دلوار کا سارا لے کر لوہر آ رہی تھیں۔ اس نے کھوے کے جیسے گردن باہر نکال۔ پھر حٹانک لگا کر نیچے کوئی۔ اہل بی کا ہاتھ پکڑ کر اندر اوپر لائے گئی۔ اوپر آکر غصے سے اسد کو کھورا۔

اماں بی دعاؤں کی تفصیل بیان کر رہی تھیں۔ آخر اندر آئے کا لٹن ملا۔ حسب توقع خالہ اماں اور اماں بی آنسوؤں کے تاروں کے ساتھ گلے مل رہی تھیں۔  
 سلام دعا پارسا۔ وہ تینوں کمرے میں بیٹھ گئے۔ چند منٹ بعد وہ چھلاوہ صفت لڑکی ٹرے میں چائے لے آئی۔ کیک فروٹ چائے۔ وہی بھٹے۔ ونو۔ وہ تو بقول غصے ٹوٹ رہا۔ بھوک کا بہانہ بھی تھا۔ چائے کے بعد ”تم آرام کر لو“ کا اشارہ پاتے ہی وہ بیوان پر ہی

”کیا؟ اسد کرسی سے اچھلا۔“ یہ طور طریقہ مزاج بات طے گیا منصوبہ بندی ہے کس لیے؟“  
 ”تمہارے لیے۔“ اماں بی نے پیاری کھولی۔  
 ”لہاں بی۔“ وہ دروازے پر انداز میں مخاطب ہوا۔  
 (فریادی) وہ بے ڈھنگی زبان اور باز جھنگلی لڑکی۔ برے اہیب پھوٹے۔ کیا میں اتنا گیا گزرا ہوں؟“ کراہنے لگا۔  
 ”افسوس۔ سچ نہیں ہوں کہ خواہ مخواہ تمہیں مصیبت میں ڈالوں دیکھ کر پرکھ کر فیصلہ کروں گی۔“  
 ”تم رتم میرے آقا۔ وہ پھوٹا۔ بد اخلاق۔ کھلاو پیر۔ بکر بکر مولیٰ کا جرجائے جاتی تھی۔ کس کو پسند آ سکتی ہے۔ آنکھیں دیکھی ہیں۔ اب میرے اللہ۔ طوطے کی آنکھ جیسی۔ رنگ بدلتی ہوئی۔“  
 ”جب رہو اور پٹنے کی تیاری کرو۔“ فریادی کی بائیک نہ سنی تھی۔

”عظمتی کو بھی لے چلیں۔“ تبعداری بدرجہ مجبوری۔ شاید عظمتی کو وہ شاہکار پسند نہ آئے۔  
 ”کوئی ضرورت نہیں قائلہ لے کر جانے کی۔“ حکم حاکم مرگ مناجات پھٹی ضائع ہو گئی۔ چلتے بھنتے رہنا تھا ان بھر۔  
 ”اسے بھی بھابھی پسند کرنے کا حق ہے۔“ (شاید کس سے پسند نہ آئے پھر۔)

نور۔ موٹی پوزیشن۔ ننگے پاؤں محمد محمد رادھر سے اوھر روڑی پھرتی۔ جیسے بیروں میں وہیے گئے ہوں۔ کون پسند کر سکتا ہے؟ لہاں بی کا فرمان۔ وہ تاجدار۔ اگلے دن ہی شاہ آباد کے اس بڑے گیٹ کے سامنے کھڑا تیل بھاریا تھا۔ اماں بی کیسی سے اتر کر ڈرائیور سے بیٹ رہی تھیں کہ ٹیکسی کو تیار رہنا کرایا تھا۔ اندر کھٹکی کے ساتھ بد تمیزی آواز (حسب توقع)  
 ”کون ہے۔ بے قرار روح بے صبر سا۔ نام نہاد۔“  
 اس نے تیل پر انگلی جمادی لور چلایا۔  
 ”دروازہ کھولو اسی بد تمیزی۔“ ڈانٹ پیسے تھے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

لیٹ گیا وہ کئی اور کس پھرتی سے اس نے چائے کے برتن سمیٹے اور یہ جا رہا جا۔ پھر آئی پھر گئی۔ طوفان میل اوھر سے اوھر چمکتی چمکتی نہ جانے کیا کام کر رہی تھی۔ یقیناً بیروں میں بھی بے منت تھے۔

”خالہ اماں! کیا آپ کے گھر میں رشتے داروں کے علاوہ لوگوں کا راضیہ بند ہے۔“

”نہیں تو۔۔۔ میرے تو سب پرہوسی میرا خیال کرتے ہیں۔ آنا جانا کرتا ہے سب کا۔ ورنہ میں بس ان کی پیسے رہتی۔“

”لیکن آپ کی ماسی نے تو روزانہ کھولنے سے انکار کر دیا تھا کہ ہمیں ایرے غیرے نھو خیروں سے آج نہیں ملنا۔ رشتہ دار آئے والے ہیں۔“

”ارے بس۔ اس کے دل غم میں فزور ہے۔ میں جو بات کہہ دوں ایک بار۔ وہ اس کے لیے پھرنی تکیہ ہوئی ہے۔“ خالہ ہنس کر کہنے لگیں۔ ”میں نے ہی کہا تھا کہ آج کسی کے لیے روزانہ نہ کھولنا۔ اصل میں بچوں وائیاں آجاتی ہیں۔ گھر میں شور مچانا ہو جاتا ہے میں نے سوچا۔ فلوہم آنے والی ہے۔ دوسروں سے بچنے کا یہی طریقہ ہے۔“ خالہ بتا رہی تھیں۔ اماں اب بھی سن رہی تھیں۔ (ماسی پر غور نہیں کیا)

”تو میں کیا بچنے والی لگتا ہوں؟“ وہ براہمان گیا۔ ”ارے اب کیا بتاؤں۔ جو صاحب میں سما جائے وہی کرتی ہے۔ اب تو بہت سنبھل گئی ہے۔ پکے والی نہیں رہی۔ ارے اس کے باپ نے تو ایک لکڑی کا کندا میرے حوالے کیا تھا۔ اسے میں نے پھیل چھال کر کٹ پیٹ کر سمجھ لو ایسا کر دیا کہ چار بندوں کے بیچ میں بیٹھے تو بند ہی گئے۔ بند نہیں۔“

اسے ہنسی آئی۔ پھر وہ نوں۔ نہیں نہ جانے کن کن رشتے داروں کا ذکر کرنے لگیں۔ وہ کچھ دیر بعد اٹھ کر باہر نکلا۔ مگن میں تو سیلاب آیا ہوا تھا۔ گھر سے دپٹہ پاندھے پانچے چھانچے پانچ کی سی پانی کی دھار اور پانچ میں جھاڑو لیے۔ سیلاب کو اوھر سے اوھر کر رہی تھی۔ ساتھ ہی ٹنگتا وہی تھی بنگہ باقلمہ گا رہی تھی۔ زحومڑھو کے ہمیں ملکوں ملکوں۔

ملنے کے نہیں تاپا ہے ہم۔  
عابدہ بروین نہ ہو تو۔ کلابی بیویوں پر پانی پڑتا۔ اور اس پاس نکلے بنے پھرتے۔

ملنے کے نہیں تاپا ہے ہم۔۔۔ اسد نے کھنکار کر اپنی آمد کا اعلان کیا۔ وہ جوگلی۔ پانچ پھیٹک جلدی سے دپٹہ کھول کر وجود کو ڈھانچا لیا۔ پانچے نیچے کیے۔

”میں ذرا باہر جانا چاہ رہا تھا۔ یہ فرش میرے حوتوں سے پھر گند اہو جائے گا۔ اس لیے۔۔۔“

اسے جواب میں کہنا چاہیے تھا۔ ”آپ چلے جائیں میں فرش دھو رہی ہوں۔ صاف ہو جائے گا۔“

اس نے کہا۔ ”بچپن نہیں ہے تب کو۔ ذرا ٹھہر کر چلے جاتے۔ آئے کھایا پیا اور سیرکی سو گئی۔ واہتی۔“ اسے غصہ آ گیا۔ ”بچپن نہیں بھی نہیں ہے۔ فرش صاف ستھرا تھا۔ کیا ضرورت تھی پانی ضائع کرنے کی۔“

وہ جواباً ”تم لائی۔“ اچھا جی گھر میرا ہے کہ آپ کا۔ روز دو حوتی ہوں اس لیے صاف رہتا ہے۔

”میں سوچ رہا تھا۔ تم سے پانی مانگ کر پانی لوں۔ تھوڑا گی۔ یا خود تلاش کروں۔“

”ذرا صبر کریں۔ کچل چلی گئی ہے۔ پانی ٹھنڈا نہیں ہے۔“ نکاسا جواب شاید ایسا ہی ہوا ہو۔ ”تم ہر طرف نہیں جھانٹیں۔“

”جھانٹی ہوں۔ اہم ضرورت۔ یعنی آڑے وقتوں کے لیے بچا کر رکھتی ہوں۔“ عجیب منطوق تھی۔ ”آڑے وقتوں سے کیا مراد ہے؟“

”مسوری۔ وہ اصل میں کسی خاص مہمان کے لیے جو اچانک آجائے اور شہرت پلانا پڑے تو۔“

”عجیب ہو۔ میں خود ہی تلاش کرتا ہوں۔“ اس نے قدم رکھا۔ ”بچپن میں پانی ملے گا؟“

”صبر کریں۔ ملا رہتی ہوں۔ بچپن میں مردوں کا واخلہ بند ہے۔ گڑ بڑ کو دیتے ہیں۔“

”یہاں کون موبے جو بچپن گڑ بڑ کرتا ہے۔“



جواب دے رہی ہے۔ ایک لڑکے کی تصویر تھی۔ اچھا خاندان تھا۔ عمر زائیاں تھیں۔ دیکھ کر بول۔ منہ نہ تھا جن پہاڑوں تھا۔ پل میں بے چارے کو جن پہاڑوں۔ ایک دلہہ ایک خاتون آئیں بیٹے کو بھی ساتھ لے آئیں۔ ان سے پوچھنے لگی۔ آپ کے گھر میں کتنے کمرے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ "تین کمرے ہیں۔ ایک میں بیٹا بیٹا ہو۔ ایک میں ہم میاں بیوی۔ بیڑا اس پھولے بیٹے کا ہے۔" تو کہنے لگی۔ پھر بیٹی کہاں رہیں گی۔ انہوں نے کہا کون؟ بولی یہ نالی کیا میں انہیں انکی چھوڑ دوں۔ جہاں میں جاؤں گی وہیں یہ بھی رہیں گی۔ تو بولا۔ وہ تو اٹھ۔ یہ جاؤ جاؤ ان کے جانے کے بعد میں نے لکڑی سے اس کی ٹھکانی کی۔ بھلا ہاتھ۔ میں اس کے ساتھ کیوں رہوں گی۔ بھی کہتی ہے اس لڑکے کی ٹانگیں چھوٹی۔ دھڑ بڑا ہے۔ اس کی اماں بھی پاموز مرگ جیسی ہیں۔ کسی کو سانس کسی کو بچ گمہ کر۔ کروتی ہے۔ ہاتھ کہاں سے لائیں اس کی پسند کارشنہ۔ سب سے بڑی شرط تو یہ ہے کہ۔۔۔ سانس منہ اچھے مزاج کی ہوں۔ جس کو خوش خلق۔ یہ ہستی رہے۔ اوسنو ذرا۔

"ہاموں۔ اسراہوں آتے ہیں تو۔ کبھی چائے بنا رہے ہیں تو کبھی کبھی کچھ۔ سب کچھ گڑ بڑ کر دیتے ہیں۔ اس لیے۔۔۔ میں نے داخلہ بند کیا ہوا ہے۔" اندر جا کر پانی لے تلی۔ لہد پانی لیا کر گھر سے باہر آ گیا۔ شاہ آباد چھوٹا سا قصبہ تھا۔ صاف ستھری سڑکیں اور پوپاد کے درختوں کی قطاریں۔ شام ہو گئی تھی۔ ہوا ٹھنڈی تھی۔ خوشگوار موسم تھا۔ چٹل قدمی میں لطف آ رہا تھا۔ چند اور لوگ بھی جو رنگ کے لیے نکلے ہوئے تھے۔ ایک اسنوور بھی تھے قریب میں۔ اسنوور سے غلطی کے لیے چھوٹی چھوٹی چیزیں خریدیں اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔ ڈوبتے سونج کی سرخی آسمان سے زمین تک برس رہی تھی۔ فضا میں پھولوں کی مسک سی تھی اور سرخی لے ہر چیز کو رنگین بنا رہا تھا۔ آسمان پر انار کا بادلوں کے کلوے تیرتے پھر رہے تھے وہ بھی گلابی ہو گئے۔ طبیعت میں چونچل سی پیدا ہو گئی۔ غلطی بھی آجاتی۔ خوش ہوتی۔ گھر گیا۔ گیٹ بند ہٹل بجالی۔ اندر سے آواز آئی "کون ہے؟"

خالہ اماں کے چہرے پر مایوسی تھی۔ اماں بی بی نے میں منہ دیا ہے جس رہتی تھیں۔ "تپا اس سے پوچھتی ہی کیوں ہو۔ جو مناسب لگے رشتہ کرنا۔" آخر اسی روک کر مشورہ دیا۔ "یہ دھمکی بھی دے چکی ہوں۔ کہتی ہے۔ پھر میں اپا کے گھر بھاگ جاؤں گی۔ ذرا ہی رہتی ہوں کہ کہیں چلی نہ جائے۔ اب اس کی عادت ہو گئی ہے۔ سسرال جا کر جو گل کھائے گی وہ الگ ڈالتے ہیں۔" اسد کو نیند آ گئی۔ ہاتھوں میں دلچسپی جو نہ تھی۔ احمقانہ حرکتیں۔ فضول باتیں۔ لڑکی بلکہ کب تک سنتا (اس نام) نہ جانے کتنی دیر سوچا۔ اماں بی بی نے جگایا۔ رات ہو گئی تھی۔ "کھانا کھاؤ۔ پھر ساتھ والے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔" کھانا میز پر تھا۔ یہ تو علم نہ ہوا کہ کیا کیا تھا۔ مگر جو کچھ تھا۔ لذیذ شوق سے کھایا اور پھر نیند کے لیے

"سہان۔" اس نے جواب دیا اور مسکرایا۔ "سہان تو اگلے کمرے پہلے سے آئے ہوئے ہیں۔ اپنا نام پتہ۔" "اٹو۔ کیا ہر بار شام ختی پریڈ کر دالی پڑے گی۔ میں ہوں اسد۔" دروازہ کھٹ سے کھلا۔ "شائستہ تو ضروری ہے۔ سب کو بتا ہے یہاں کوئی مو نہیں ہے۔ کوئی بھی چور سہان کے روپ میں آ سکتا ہے۔" اسد منہ بنا تا اندر آیا۔ کچن میں جا کھی۔ اماں بی بی ہنس رہی تھیں۔ اسد نے دیوان پر لیٹتے ہوئے کہا۔ "اماں بی بی! لگا ہے خالہ اماں نے لطیفہ سنایا ہے۔" خالہ بھی ہنس پڑیں۔ "سنوور اپنے بیٹے کی باتیں۔ لطیفے سنانے کی عمر ہے میری۔" اماں بی بی نے پر شوق لہجے میں کہا۔ "چھا پھر اور بھی تو رشتہ آیا ہوگا۔ اتنی خوب صورت ہے۔" "تے ہیں۔ اس کو کب پسند آتے ہیں۔ صاف

صحن میں آگیا۔

سوچ رہا تھا اماں بی کو تو یہ پسند نہیں آتی۔ تب ہی مشورہ دے رہی تھیں کہ اس سے پوچھ لے بغیر رشتہ کرو۔ اسکو بھی اس لڑکی میں مماثلت کے جراثیم زیادہ نظر آئے۔ پسندیدہ تو کچھ نہ تھا۔ آخر وہ ہر رشتہ ریجیکٹ کر دیں کر رہی ہے۔ شاید اسے کوئی اور پسند ہو۔ غلام! اہل ہماری کچھ نہ پائی ہوں۔ لیکن میں کھنڈ پڑیں کر اس نے جھانکا۔ وہ برتن دھو رہی تھی۔

”سنو اسے لڑکی کیا نام۔“

”توبیہ ہے میرا نام۔ ہاں اب کو کیا بات ہے۔ سامنے والے کمرے میں سو جانا۔ پانی بھر کر جگ رکھ دیا ہے۔ چائے چاہیے کیا؟“

”نہیں بھئی۔ میں رات کو چائے نہیں پیتا۔ نیند بھاگ جاتی ہے۔“

”اسی لیے میں تو جیتی ہوں۔ نیند بھگانے کے لیے“

(مجھب پاگل لڑکی ہے)

”کیوں رات میں تمہیں کشیدہ کاری کرنی ہوتی ہے یا یونیورسٹی کا کوئی اسائنمنٹ بنانا ہوتا ہے۔ نیند کیوں بھاگتی ہو؟“

”چوروں کو بھگانے کے لیے جانتی ہوں اگر کوئی چور آجائے۔ حوا تو کوئی ہے نہیں۔“

”تم سب چوروں کے لیے کیوں جانتی ہو۔“

”اس کا سر بھاٹوں گی اور کیا کروں گی۔ دیکھا ہے ڈنڈا۔ کیلیں لگوائی ہیں اس پر۔“ سامنے ڈنڈا لٹکا ہوا تھا۔ مہلک ہتھیار۔

چائے بن گئی تھی۔ اب کپ میں چھان کر چینی بھول رہی تھی۔

اسکو کمرے میں آگیا۔ اماں بی اور خالہ اماں کی باتیں ختم ہی نہیں ہو رہی تھیں۔ رات بھر سلسلہ چلے گا۔

کمیوں اماں بی ہارے ہر وہی کے رشتہ دے نہ دیں۔

کہتا تو تھا کہ نیند آگئی تو اسکو سے پوچھ کہ رات بول کی۔ رات بھر خواب میں چور آتے رہے۔ جن کے وہ خود ایک کیوں چڑے ڈنڈے سے سر بھاڑا رہا۔

صبح آگے کھلی تو تھی آگئی واہ بھئی۔ کس قدر مہلکہ خیز

نواب تھا۔

طبع سہانی تھی۔ ملا جانہ ہیرا۔ بگلی سی روشنی سہانا موسم نماز پڑھ کر صحن میں آگیا۔ ٹھنڈے آفرش ٹھنڈی ہوا۔ دو اونٹوں کھیل کر وہ اندر آئی بائیں۔ اتنے سویرے وہ کچن میں جا کھسی۔ وہ بھی کھنڈ کے مارے بچ گیا ”سنو! کیا تمہارا ہر پہرہ رہتی رہیں۔ گیت پر۔“

”نہیں تو۔ میں تو کچن کی سائڈ میں کٹی سے ٹمڈ اور پورے تو ڈکرائی ہوں۔ ہری مرچ بھی۔“ وہ آہٹ سے نماز اور پورے سب پر دکھ رہی تھی۔

”سنو! اسے تم شادی کیوں نہیں کرتیں؟ میرا مطلب ہے۔ نانا۔ اماں بہت فکر مند ہیں۔“

”میں نہیں فکر کرنے کی عادت ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔“ جواب لہولہ۔

”تم کسی سے اگر۔۔۔ مطلب کسی کو پسند کرتی ہو۔“

توتھ۔ خالہ کی ٹھٹھ۔

”ہاں کی ٹھٹھ۔ کسی ختم نہیں ہو تیں میری شادی کی فکر۔ افسر۔ وہاں کی شادی کی فکر۔ شادیار ہو بھی جائیں تو وہ ساری ٹھٹھیں پائیں گی۔ بہت محبت ہے انہیں ٹھٹھوں سے۔“ ڈنڈے نکالے۔

”تم۔۔۔ تم کسی سے محبت کرتی ہو؟“

”ہاں۔۔۔“ ٹھٹھیں لہولہ۔ ”نابا سے محبت۔ تلی سے اور چھوٹے بھائی تڑو سے۔ اور۔“

”نہیں یہ والی بہت نہیں۔ یعنی کسی لڑکی سے۔ یا لڑکا تمہیں چاہتا ہوتا۔“

”تے تو ڈنڈا سامنے۔ دکھا کر تھو پرا سہلہوں گی۔“

لڑکا ہنسا۔ تھو کر کے تھو کا۔ ”کسی کی مجال ہے۔ میری طرف۔“

سب ہنستے ہیں رات۔ نور میرے ڈنڈے کو۔

”ٹھٹھ۔ میں تو تمہیں دیکھ رہا ہوں۔“ ہکا کپا۔

”آپ تو۔۔۔“ ٹھٹھیں ہیں۔ اپنے ہیں۔ ”منہ نیڑھا کر کے مسکرائی۔ اب انڈے پھینٹ رہی تھی۔

وہ ہاؤس ہو ار اماں کے پاس آگیا۔ وہ اوگ صبح کی چائے پی چکی تھیں۔ خالہ تک آگئی وہیں رکھے تھے۔

”ٹھٹھ! آج نہیں۔ کل آفس بھی جانا ہے۔“



"اے لو۔ ابھی سے۔" خالد اماں پان ہٹا رہی تھیں۔ "ابھی تو ہماری باتیں ختم نہیں ہوئیں۔"

"تیا ابھی کو چھوڑ کر آئی ہوں۔ میں پھر آجاتوں گی۔ لب تو راستہ دیکھ لیا ہے۔" اماں بی بسن کا ہاتھ پکڑ کر لجاہت سے بولیں۔

خالد اماں تہدیدہ ہو گئیں۔ "ہاں بوا سب کے مسئلے مسائل ہیں۔ اکیلی رہتی ہوں۔ کوئی اپنا آجاتے تو دل خوش ہو جاتا ہے۔ کس سے دل کی بات کروں۔ اللہ ہی سنتا ہے۔"

"تیا ایسا کر۔ افسر سے کہو میں جاؤں۔ کروا لے یا تم ان کے پاس چلی جاؤ۔ جوان بچی کا ساتھ ہے۔ اسے تمہاری تمنا کی کا بھی خیال نہیں کیسی اولاد ہے توج کل کی۔"

اماں بی بھی اپنے نام کی ایک تھیں۔ انہوں نے خالد سے نمبر لے کر افسر کو فون کیا۔ خوب شرمندہ کیا۔ ماں کی تمنا۔ پوچھا اولاد کے فرائض۔ دونوں بہنوں نے بات کی۔ دن نہ جانے کیا کہہ رہا ہو گا۔ پھر فون بند کر کے اس کا تذکرہ ہوتا رہا۔ جتنی دیر بات ہوئی۔ ٹوبہ کمر پر ہاتھ رکھے منتہری کی طرح تعینات رہی۔ پھر خالد اماں نے ڈانٹا۔ ہاتھ یاد دلایا۔ تو وہاں سے نکلے۔

"دکھتا منع کرتی ہوں۔ بھلاں کی باتیں نہ سنا کرے۔ مگر مجال سے ذرا سا اثر ہو۔ اب کریدے گی۔ ماہوں نے کیا کہا۔ کب آئیں گے۔ میرے لیے کیا لائیں گے۔"

ہاتھ آ گیا۔ روغنی رہی۔ اٹلیٹ اور دوڑتی کی جائے۔ اٹلیٹ بہت لذیذ تھا۔ اماں بی کو بہت مڑا آیا۔ ٹوبہ کی تعریف کی وہ شربانے لگی (ایکٹنگ) "یہ لوگ آج جا رہے ہیں۔ کھانے کا بند بہت کر لے یا بھوکے جائیں گے۔"

"نانی۔ کسی کو بھوکا جانے دیا ہے کبھی۔ پکا رہتی ہوں شمشیر کی ہیرسہ۔ چھوٹی نانی۔ لب آپ کب آئیں گی۔ بہت سارے دن کے لیے آئیں۔ پھر تو مڑا بھی آئے۔ ابھی آئیں۔ ابھی چل دیں۔"

ہیں۔ جو تمہیں مڑا آئے گا۔ میں غلطی آجاتی تو تمہیں تھیلی مل جاتی۔ وہی کار اسمبلی لینا اور پوسٹل کی پستی۔ سلاوا اچھا؟"

"تیا ابھی تو ہاتھ ہی کیا ہے۔ مجھے تو نہیں لگتا کہ جلدی پھنم ہو گا ہم کھانے سے پہلے ہی نکل جاتے تو اچھا تھا۔ بچی کو کھانے کا ترور نہ کرنا پڑتا۔" اماں بی کو اس چھلا دے کے ہمدردی ہو رہی تھی۔

اسد کو خطرہ ہوا۔ کوئی بات تو اماں بی نے۔ خالد سے۔ انور ٹوبہ اپنی حرکتوں کی بوجھ سے ذرا بھی پسند نہ آئی۔ کوئی پوچھ لیتا۔ کونسی حرکتیں۔ تو جانہ پانا۔ بیوی ذرا معتدل ہو۔ تمیز دار بااخلاق اور کم از کم پر اسرار آنکھوں والی نہ ہو۔ بڑی بڑی گھورتی آنکھیں۔ وہ خالد اماں سے ان کے بیٹوں کے متعلق پوچھنے لگا۔ خالد اماں بہت شوق سے اپنے پردے کی بیٹوں کے بارے میں بتاتی رہیں۔ پونے پونوں کی تصویریں دکھائیں۔ افسر نے ابھی شادی نہیں کی تھی۔ مگر خالد اماں کی خواہش تھی کہ ٹوبہ کے سسرال جانے سے پہلے افسر کی دلہن بھی آجائے۔ مگر۔ ماہوں بھانجی دونوں کے مانع عرش بعلی پر تھے۔ وقت پر لگا کر اڑ گیا۔

کھانا آ گیا۔ اب وہ ہر سہ تھا یا تلف چیزوں کو ملخوب جو بھی تھا۔ بے حد لذیذ۔ اس کے ساتھ رائیج۔ چٹنی کھیرے نماڑکی سلاوا بہت لطف آیا۔ اماں بی کا تو بس نہ تھا کہ ٹوبہ کی تعریف کے ساتھ اس کی لالچیاں بھی چبائیں۔ آخر پرس سے ہزار کاٹوٹ نکال کر اس کو دیا۔ انعام۔ وہ بہت شرمیلی۔ گلابی رنگ کمراسخ ہو گیا۔ بڑی آنکھیں بھوری ہو گئیں۔ اماں بی سے لپٹ گئی۔ انہوں نے چار کیا دعا میں دیں۔ خوش لہجہ کی دعا کی۔ سرائھا کر بولی۔

"چھوٹی نانی۔ دو دھوں نماؤ پوتوں پھلو وال دعا بھی تو دیں۔ مجھے اچھی لگتی ہے۔"

اماں بی کی آنکھیں پھوٹ گئی۔ خالد اماں نے لکڑی کمر پر رسید کی۔ "بے شرم۔ احمق۔" بس میں انہیں الگ الگ سیٹ ملی۔ وہ بوجھ نہ سکا۔ مگر خطروں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ گھرا

کر بھی بات نہیں۔ کچھ بولیں نہیں۔



عظمیٰ کو فون کر دیا۔ وہ آئی۔ اس نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ اگر۔۔۔ ایسا ہوا۔ وہ احتجاج کرے گا۔ رات گزری۔ صبح ناشتہ کر کے آفس چلا گیا۔ شام کو آیا تو گھر میں بسب طرح کا شور مچا رہا۔ لڑکیاں۔ رنگ برنگی لڑکیاں ڈھونڈ گائے۔ بے سری آوازیں۔ اب اللہ۔ شور تھا کہ بھرتا جا رہا تھا۔ اس نے جھلا کر اماں بی سے پوچھا۔

”کیا ہو رہا ہے؟“

وہ فون پر کسی سے بات کر رہی تھیں۔ ہنسی سے بے تاب۔ پھر منہ پر ہاتھ رکھ کر فون رکھ دیا۔ ”روشن دکا دی لڑکیوں نے۔“ محبت بھرے لہجے میں بولیں۔

”ارے کسی سے کو چائے تو بنا لے۔ تو ب۔۔۔ عظمیٰ کو ہوش ہی نہیں نھسو۔ میں خود جاتی ہوں۔“ کتے ہوئے باہر نکل گئیں۔ وہ بھٹنا کر اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔ رات تک ڈھونڈ ڈھونڈتی رہی۔ لڑکیاں بے سری آوازوں سے لڑکتی رہیں۔ وہ تکیہ منہ کلن پر رکھ کر لیٹ گیا۔ نیند آئی۔ جانے کون سلوٹ تھا۔ عظمیٰ نے آکر دیکھا۔

”بھائی انھو کھانا کھا لو۔ بھلا یہ کوئی وقت بھی ہے سونے کا۔“

”اور تم جو ہم فیصلہ جمع کر کے حلق پھاڑ رہی تھیں۔“ تھا کوئی وقت یا موقع۔ ”کھڑا ہو گیا۔“ تھا۔ آپ کی شادی کاموں۔ ”وہ دم سے بستر پر گرا۔

”کیا مذاق ہے۔ کیا موقع۔“

”ہاں تو اور کیا۔ ہسپاگل تو نہیں کہ۔۔۔ یونسی حلق پھاڑیں گے۔“

”سیدھی طرح بتو۔ کس کی شادی۔ کیسی شادی۔ کس سے شادی؟“

عظمیٰ سوچنے لگی۔ (لو دکھاری) ”کسی کا تو پتا نہیں

جب ہوگی تب پتا چلے گا کس کی شادی کا جواب ہے۔ آپ کی کس سے؟ اماں بی سے پوچھیں۔“ آنکھیں کھسار رہی تھیں۔ چال کو۔

چیل چیلوں میں اڑس کر رہا ہوا تھا۔ ”اماں بی اماں۔ عظمیٰ کیا کہہ رہی ہے؟“

اماں بی بھول پن سے بولیں۔ ”اولیٰ مجھے کیا خبر۔ تم کو خبر ہوگی۔“ مگر دن موڑ کر نہ جانے کیا دیکھنے لگیں۔

”کھانا کھانا کہاں ہے؟“ بھوک سے مر رہا ہوا تھا۔ وہ چٹکھارا اور کرسی کو ٹھوکر ماری۔ جب کچھ بتانا نہ چاہیں۔ یونسی گردن موڑ کر بیٹھ جاتی تھیں۔

”تو بے بھائی۔ کھانے کے لیے ہی بنگایا تھا۔ چپختے کی کیا ضرورت ہے۔“

”تال کیوں نہیں۔ کھان سب کو جمع کر کے۔ اور ہم چھاپا۔“

”تالا تو صا اماں بی نے کہا دو تون لکھو۔ میں نے نکال۔“ کوئی کچھ بتانے کے سوا میں نہ تھا۔ خوش غیبتو غضب میں کچھ زبان کھلایا۔ پھر جھٹایا۔

”انھو۔ کتلیہ منہ کھانا پانی ہو تو ب۔“

”بد منہ تو بھلا تو تین دنوں کھا گئے۔“ وہ حیران ہوئی۔

”ہر کتے پر امید کے ساتھ کہ شاید اب کچھ مزا آئے۔“

”کھانا مزے کے لیے نہیں۔ ضرورت کے لیے کھاتے ہیں بھائی۔ انسان کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔“

انھو یہ عظمیٰ کس قدر بولتی ہے۔ اور وہ ٹویہ کتنے مزے کا کھانا پاتی تھی۔ عظمیٰ کو چاہیے۔ وہ ٹویہ سے نیکو لے مگر کتے۔

”میں نے آپ کو۔ تمہارا رشتہ دیا تھا تو یہ کہ لیے انہوں نے اقرار کر لیا ہے۔“

اماں بی نے اس قدر محبت سے کہا کہ وہ جب کا جب رہ گیا۔ خواہ اس عتاب ٹویہ۔ وہ نیم پانگل راتوں کو جاگ کر سو رہے دلی ہنسا ابرو ارج کیدار۔ کیا جوڑ ہے بھلا۔

”ہاں۔ لوگ تو سنا ہے کہ۔۔۔ اس نے بھی اماں



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ٹوٹ گیا ہینٹل۔ اندر کی مشینری کا ہے کوہنجی ہوگی؟  
"اے ایں گاٹی۔" وہ بھنا کر چلوں اٹھا کر کمرے  
میں جانے لگا۔

"ہاں۔ ٹی ملازمہ آجائے گی۔ ٹی استری آجائے گی  
تیاچو لھا آئے گا لور خاص اٹھس دسٹن آجائے گی۔  
گھر گھر پر اٹھی رہے گا۔ وہ تو یہاں رہنا پسند نہیں کریں  
گی۔ خاص لڑکی کو خاص گھر چاہیے۔"  
وہ چل قدمی کے لیے باہر نکل گیا۔ زیادہ کھا لیا تھا۔  
تن لہن کرنا قدم کھٹا ہوا۔



صبح بغیر تاشیہ کے آفس چلا گیا۔ اماں بی لے صور  
پھونکا۔ "عید کے چاند شادی ملے کر دی ہے۔" دھم  
دھم قدموں کی توڑ پھوڑ تک اماں بی کے کانوں میں  
گونجتی رہی۔ اسے غصہ بہت آتا تھا۔ بے بسی  
کے عالم میں بچپن میں تو جب بس نہ چلتا۔ رونے لگتا  
تھا۔ مگر اب اسے غصہ آنے لگا تھا۔ پہلے ایں سمجھا لیا  
کرئی تھیں۔

"بیٹا! جو چیز ہلے لیے اچھی نہیں۔ وہ اللہ خود  
نہیں دیتا۔ اللہ تو اچھی سے اچھی چیز بنا چھتا ہے۔  
ہمیں اس چیز کا انتظار کرنا چاہیے۔ اچھے سے اچھے کی  
امید رکھنا چاہیے۔ اس انتظار کو صبر کہتے ہیں۔ صبر  
کرنے والے کو اللہ سب کچھ دیتا ہے۔"

بچپن میں وہ ان کی بات مان لیتا تھا۔ اب اسے  
منوانے کے لیے دلیلیں دینا پڑتی تھیں۔ مگر وہ طبعاً  
فہم بردار تھا۔ اسے اچھی طرح علم تھا کہ اس کی ماں  
سب سے بڑھ کر اس کی خیر خواہ ہے۔ دنیا میں ان سے  
زیادہ محبت کرنے والا کوئی نہیں۔ عظمیٰ کو فکر ہو گئی۔

اماں بی! بھالی بہت فہمے میں ہیں آپ نے ان سے  
پوچھنے بغیر رشتہ کر دیا۔ پتا نہیں ہے چاری بھابھی کا کیا  
خوش کریں گے۔"

"کچھ نہیں ہو گا یہ لستہ دیکھ لو۔ رمضان کے لیے  
لور کیا چاہیے۔ جو کی مٹی ہو۔ وہ دہن ہا۔"

بی کے انداز میں شہرے ہوئے لہجے میں کہا۔  
"لڑکیوں کی تلاش میں جو تیاں گھسارتے ہیں۔  
تب مطلب کی بھولتی ہے۔ آپ نے ایک گھر جا کر  
رشتہ دے دیا۔ مجھے تو کوئی خاص نہیں لگی اور کوئی  
دیکھیں۔" (آخر کار وہی ہول۔ جس کا اندیشہ تھا)

اماں بی مگر نکلا سے دیکھ رہی تھیں۔ ٹھوڑی پر  
انگل رکھ کر گویا ہوئیں۔ یہ خاص سے کیا مراد ہے؟  
جیسے ہم ہیں۔ عام۔ بسکی ہی میری پسند ہے۔ خاص  
لڑکی ایڈوٹ ہوگی۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی ہوگی۔ نخرے  
والی ہوگی۔ خود کو برتر خاص ہمیں عام سمجھے گی۔ عظمیٰ  
کے جانے کے بعد گھر کو سنبھالنے کے لیے۔ عظمیٰ  
جیسی ہی لڑکی ہونی چاہیے۔ "اماں کی منطق نرالی  
تھی۔

"عظمیٰ کہاں جا رہی ہے؟ کمال ہے اسے کسی لے  
بتایا تک نہیں۔"

"وہ سسرال چلے گی۔ اس کی شادی کے بعد گھر  
کون سنبھالے گا۔ خاص لڑکی تو ہرگز نہیں کر سکے  
گی۔"

"تو ہمیں ملازمہ مل جائے گی۔" فاپنی ہینٹل استری  
کر رہا تھا۔ لور زور سے۔

"میں کیا ملازمہ ہوں بھئی۔" عظمیٰ مگن سے  
احتجاجاً چلائی۔ "کہ میری جگہ لادھری ملازمہ آجائے  
گی۔"

"اوہو! میں تو۔۔۔ اس موبار کا بڑا بردار لڑکی سے  
بچنے کے لیے کہ رہا ہوں۔" کبھی لہجہ جوش آیا کہ  
استری زمین پر جا گری۔

"شہاوش۔ توڑی دی استری۔ کوئی کام تم سے ہونا  
نہیں۔ توڑی میری استری۔" معاف نہ کر رہی تھیں۔  
"تو میں کوئی ورتی دھول ہوں۔ عظمیٰ سے گھر کی"

"اب مجھے ورتن دھوین ہونا۔ بھالی میں تو روز  
کرئی ہوں تب کے کپڑوں پر استری۔  
"وہ خاص اٹھس تو ہرگز کسی کام کو ہاتھ نہیں لگائے  
گی۔" عظمیٰ مقابلہ کرنے لگا بد کھڑی ہو گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کی۔ "عظمیٰ چٹکیاں بجانے لگی۔" ہائے کتنا مڑا آئے گا جب وہ میری بھابھی کے روپ میں میرے سامنے ہوں گی۔"

"میرا نہ سوچنا۔" بھنا گیا "مجھے ایک بات بھی پسند نہیں۔ مگر اماں بی کو پسند ہے۔ تو بس پسند ہے۔ وہ دس کی میری قریبی۔ بسنے خاندان کے لیے۔" اماں بی کی غیر موجودگی میں کلن گرول رہا تھا سختی سے۔

"بھائی!" عظمیٰ متحیر ہو کر اسد کو دیکھنے لگی۔ "لوگ تو بس ایک چیز ہی جانتے ہیں۔ خوب صورتی حسن و جمال آپ کو بے ماتھے بنا کر دو سب کچھ مل رہا ہے۔ پھر بھی تاک چھا رہے ہیں۔ اماں کو بتا دیں کون سی لڑکی آپ نے پسند کی ہوئی ہے۔ آفس کی یا کالج کی۔"

"پائل تو نہیں ہو گئیں۔ میں کیا لڑکیاں آتا پھرتا ہوں۔"

"تو پھر۔۔۔ مان میں کہ بزرگوں کے تجربے غلط نہیں ہوتے۔ اماں بی کے سارے فیصلے ہمارے حق میں بہتر ہی ہوتے ہیں۔ اماں بی آپ کے لیے غلط کیوں کریں گی۔ بیش اسوں نے آپ کو ترجیح دی۔"

اسد مسکرایا۔ سوچا۔ اماں بی غلط نہیں کر سکتیں۔ وہ لڑکی تو سب کچھ کر سکتی ہے۔ غلطی سب سے بڑی ہے۔ ہمارے خاندان کے لوگ۔۔۔ اس کی حرکتوں کا مشہورہ اڑا میں گے۔ جہاں چنڈو کہیں گے۔ طرح طرح کے نام رکھیں گے۔ اماں بی تو جواب نہیں دیں گی۔ ان لوگوں کے اعتراضات کا سامنا مجھے کرنا پڑے گا۔ میں کیا کہوں گا۔ یہی کہ ہاں اس کی باوث پناہگ حرکتیں۔ فضول احمقانہ باتیں مجھے پسند آئیں۔ ڈنڈا اٹھا کر کھلی میں لٹکارتے ہوئے جانا۔ بے دھڑک وکلن سے سوڈا خرید کر لانا۔ کوئی چھینٹنے کی کوشش کرے تو اس پر ڈنڈے کا وار کر کے سر بھاڑوں۔ ہاں جی بھی بہاوردی مجھے متاثر کر گئی۔ اور میں اس پر عاشق ہو گیا۔ سوچا ان سے۔ کہنا تو بڑے کجا۔ اماں بی کب چاہیں گی کہ میں ذرا ساکتہ اعتراض اٹھاؤں۔

لورہ تلکی جان۔ جن کو ہر بات اماں بی کی غلط نکتی ہے۔ ان کے ہر قدم پر اعتراض نکتہ چینی اور ان کو جو

عظمیٰ ان کی بنائی لسٹ دیکھنے لگی۔ "بھجوریں۔۔۔ کم ہیں چاٹ مسلا میں خود بیٹوں کی گھر میں۔ میں بڑھاویں۔ تیل اچھا ہاں ماشن کی رال برصاویں۔ پتے سفید اور کالے۔ رال چٹا۔ اہلی بھی کم ہے۔ ڈھیر ساری چٹنی بہا کر رکھ لوں گی اور یہ کیا لکھا ہے۔ جا نقل جو تری ان کا کیا ہو گا۔ اتنا مزگا ہے۔ کیا کریں گی ان کا۔"

"تو رے پلاؤ کے لیے۔"

"کیا؟ تو رے پلاؤ۔۔۔ اماں! افطاری کے ساتھ کھانا نہیں بناؤں گی۔ سارے محلے میں آپ افطاری بھیجتی ہیں۔ اس کے بعد پھر کھانا۔ جی نہیں میں اتنی فالتو نہیں ہوں۔ جس دن کھانا بنانا ہو گا۔ افطاری کی چٹنی۔ آنے دیں اپنی بہو کو۔ بنائے گی آپ کے شوق کا سلان۔ جی یہ لسٹ دیکھ کر اتوں کی کھنولٹی لے کر پڑ جائے گی۔"

"وہ سب کچھ بغیر کسے بنائے گی۔ بہت کاد گزار ہے اس کے ہاتھ میں اتنا مڑا ہے کہ جی چاہتا ہے۔ لائیکیاں چلت لو۔" اماں پر شوق انداز میں بولیں۔

"لائیکیاں کس کی۔ اس کی یا اپنی۔" بھٹائی آئی۔

اس دن اس نے بہت دل لگا کر چکن پلاؤ بنایا۔ اسید بھری نظروں سے بھائی کو دیکھا۔ وہ کھا رہا تھا۔ شرمندہ سوچا ہوا تھا۔ ناگواری۔

"بھائی کیا بات ہے۔ پانچ پسند نہیں آیا ہے کچھ کہ نہیں رہے۔ اچھا لگا کہ نہیں؟" وہ تعریف سننے کے لیے بے تاب تھی۔ مگر اوہر ایک خاموشی۔

"ہاں بھئی۔ اب تو بھابھی کے ہاتھ کے کھانے کھا کر تعریف کریں گے۔ سنا جان کے ہاتھ میں اتنا مڑا ہے لائیکیاں چائے کو دل چاہتا ہے۔"

"یہ تم کو ہر وقت کھانے کی تعریف میں کیا ملتا ہے۔ کھانا تو لیتا ہوں جو بھی ہو جیسا ہو۔" پڑ گیا تھا۔

"اس لیے کہ۔۔۔ سنا ہے بھابھی بہت مزیدار کھانا بناتی ہیں۔"

"ہاں۔ اور بھی بہت کچھ بناتی ہیں۔ مثلاً" بے وقوف اس حق ڈنڈے سے سر بھاڑنا۔ زبان چلانا۔"

"تو آپ نے مان لیا۔ کہ تو یہ ہی میری بھابھی نہیں



اس دن اسد نے آفس سے آکر کھلے عظمیٰ کے ہاتھ میں کانڈ لور پین ہے۔ لالہ بل کچھ بولتی تھیں وہ لکھتی جا رہی تھی۔ شاید رمضان سے متعلق چیریں۔ کندھے سے بیگ اتار کر وہاں کی نماز کی جو کی پراسے گیا تھکن اتارنے کی کوشش۔

"ہاں لکھو افروز اور اس کی بیٹی۔ یہ ہوئے وہ لوگ۔ خاصہ اس کا شوہر یہ ہوئے وہ لوگ اور تمہارے بچا کے جتنے لوگ ہیں۔ اچھا لکھ لے۔"

"یہ کس سلسلے میں نام لکھے جا رہے ہیں۔" وہ چونکا ہوا۔

"بھائی مہمانوں کی لسٹ ہے۔ اندازہ کرنا ہے کتنے لوگ ہوں گے ولہجے میں اور لالہ بل؟"

"اچھا! عظمیٰ آگے چائے بنا لاؤ۔ پھر جب یاد آئے تو لکھو اون کی۔" ماں بلی صبر سے بھری رہی تھیں۔

"بھائی! انہوں نے تیاری کر لی ہے۔ عین وقت پر رشتہ داروں کو بلا میں تو وہ برائے ہیں۔"

"کون سے رشتہ دار۔ کیسا بلاؤ۔" وہ بیٹھ گیا۔

"ارے عظمیٰ چپ کرو۔ جا کر چائے بناؤ۔ تب تک میں عصر پڑھ لوں۔"

وہ چمکی کی طرف آئیں اسد کو اشارے سے اٹھنے کا کہل۔ عظمیٰ جا چکی تھی۔ وہاں کے بیڈ پر لیٹ گیا۔ نماز سے فارغ ہو میں نو سٹیج سنبھال لی۔ وہ دل میں اٹھتے سوالات کے بیگولوں سے نہرو آتا تھا۔ عظمیٰ چائے لے آئی۔

"چلو بھی لوگو۔ آج اس کترین ٹاپیر کے ہاتھ کا بنا ہوا ایک کما کے بتائیں۔ کیسا بنا ہے۔"

اسد نے کہل۔ "اتنا سخی بیک۔"

"ابھی تجراتی پوزیشن میں ہے۔ سوچا بھائی کے آنے سے پہلے سیکھ لوں۔ آخر مقابلہ کرتا ہے۔ کیسا ہے؟"

"بیک کم بسکٹ لڑاؤ۔ ٹوان دن بٹھا ہے۔"

چائے پیتے ہوئے اس نے سرگوشی میں کہا۔

"یہ لسٹ کس سلسلے کی کڑی ہے؟"

"آپ جناب کے ولہجے کی۔" عظمیٰ مطمئن تھی۔

اپنی ایک کھنڈ لڑکیوں پر غور ہے۔ ہر آئے گئے کے سامنے بیٹیوں کی شہانہ عداوت کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے۔ خوبیوں سے لہریزاں کی بیٹیاں۔ فیشن جن کا اور ہنسا پچھوٹا ہے۔ وہ قابل جانہ لیس کی تو میں کہیں کھڑا ہوں گا؟ نظریوں نظریوں سے پوچھیں گی۔ ارے یہ اتنی رہ گئی تھی جاہل کم عقل۔ اپنی لوٹاقت بھی کوئی۔ ماں کی تو صفائیاں ہوتی رہیں گی۔ تم۔ وہ کس کس کو بتائے گا۔ بے ماں کی ہے۔ ماں کی گود نصیب ہوئی نہ تربیت باپ نے وہ سری شادی کر کے اسے تنہا کر دیا۔ پھو پھو پچا کوئی تھا نہیں۔ کنبے میں رہنے کا سلیقہ نہیں آیا۔ خود رو بودے کی طرح بڑھتی گئی۔ مائی کے پاس بھی بڑے ہونے پر تکی۔ یہ سب کہل بل بل بل کی ذہنی سنا رہتا تھا۔ مگر یہ کہانی سنانے کے قابل نہ تھی۔ لوروہ پچھو کی بیٹی مہربن۔ عظمیٰ کانڈ اق اڑاتی تھی۔ وہ تو کسی کو بھی کچھ بھی کہہ رہی۔ کسی کی بول نہ تھی اسے منع کرے۔ اب وہ جنگلی لڑکی کو تو پھر خوب ہی سنائے گی۔ لالہ بل کی کو یقین تھا۔ وہ اسے بہت تکالیس کی اپنے مطابق اور جسے اسد جنگلی پین کرتا ہے۔ وہ اس کی سادگی اور سچائی ہے۔ اس نے دنیا دیکھی ہی نہیں۔ بے حد معصوم اور مصفا زہن ہے۔

"اس کی معصومیت اور سادگی دیکھو۔" لالہ بل عظمیٰ کو خالہ ماں کے فون سننے کے بعد بتا رہی تھیں۔

"جب میں وہاں سے گئی۔ تو آپا تے پوچھے گئی۔ چھوٹی مائی آکر چلی گئیں۔ رشتہ نہیں دیا۔ آپا نے اسے بتایا نہ تھا۔ انسر سے لور اس کے باپ سے مشورہ کر کے جواب دینے کا کہا تھا مجھ سے۔ تو آپا نے ہوتی کہ اگر وہ تمہیں پین کرتیں۔ تو رشتہ آتیں۔ تو بولی۔ مجھے تو وہ بہت پسند آتی ہیں۔ جب بھی باجمن ہو تو دینا خود بخود اچھا لگتا ہے۔ ہاں! آپ نے بھی نہیں بتایا کہ میں ایسا کیا کروں جو وہ مجھے پسند کر لیں۔ یہ تو اس کے دل کی سچائی ہے۔ آپا نے بعد میں بتایا ہو گا۔"



عظمیٰ کو السوس تھا۔ وہ بھی چلی جاتی۔ مگر خیر

» گواہ گئے ہی چیک سے تو دیا تھا قرض کیا۔ ۲۰۰

اس لیے کہ میں اور اللہ بی کراچی جا رہے ہیں ہاسوں کے گھر۔۔۔ جہاز کے ٹکٹ کے لیے رقم نہیں ہے۔ وہاں پہنچ کر پھر۔۔۔ بھولوں گی آپ کی رقم۔۔۔

» کراچی۔ خیریت۔ کیا ہوا ہے وہاں اور کیا وہاں نوٹ تقسیم ہو رہے ہیں کہ بھولوں گی۔  
» اگر آپ نہیں دے سکتے تو اللہ بی رحمن اللہ سے لے لیں گی۔ انہوں نے کہا کہ غیر کا احسن لینا زیاں اچھا ہوتا ہے۔

» اللہ بی نے یہ کہا اللہ بی یہ کریں گی۔ تم بھی کچھ بولو مسئلہ حل کرو۔ میں پٹلے ہی اٹھا ہوا ہوں۔ تم پریشان کرنے آگئیں۔ کیوں جانا ہے۔ کتنے دن کے لیے جانا ہے۔

عظمیٰ منہ پھلائے بیٹھی تھی۔  
» میں کیا بولوں اللہ بی نے کہا۔ ان کا خیال ہے کہ آپ اللہ بی اور میرے وجود سے جگ آگئے ہیں۔ بس لیے ہاسوں جان کے پاس چلے جانا چاہیے۔ آپ کو ہم دونوں کا وجود کھٹکنے لگا ہے۔ اس لیے آپ کی وجہ سے جانا چاہتی ہیں۔

وہ ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔ میری وجہ سے مجھے کیوں وجود کھٹکنے لگا۔ کیا یعنی کہ کیا معنی۔

» اللہ بی بہت شرمندہ ہیں۔ آپ سے بھی کہ۔ تب کی عرضی کے بغیر رشتہ دے دیا۔ اپنی بہن سے بھی کہ۔۔۔ بس ان کو کیسے انکار کریں۔ اللہ بی نے کہا ہمارے جانے کے بعد خالہ اماں کا فون آئے۔ تو آپ ہی خود ان سے انکار کریں تاکہ۔۔۔ اللہ بی شرمندگی سے بچ جائیں۔ ہم نے پیکیج کر لیا ہے۔ بس اب ٹکٹوں کے لیے۔

» ولو۔ مجھے اکیلا چھوڑ کر میں نے کب کچھ کہا۔ کبھی کہا؟ گواہ مجھے گناہ گار۔ انہو چلو۔  
» پیسے دیں گے تبھی تو ہم جائیں گے۔ انہو کتنی مصحوم بن رہی ہے۔ جھٹلا گیا۔

اسد نے بیگ اٹھایا اور کمرے کے باہر۔

باہر سے آئی کہا۔ "ولیمہ تو شادی کے بعد ہوتا ہے۔ ابھی تو ولیمہ راضی شدہ نہیں حاضر ہوا۔ بھئی ہوا۔"

» عظمیٰ۔ اسد کو بتا دو۔ دو لہا کو راضی کرنا ہماری ذمے داری ہے اور ولیمہ بھی حاضر ہے۔ "اللہ بی اسد سے پکارا نہیں ہو نہیں تو عظمیٰ کو ذرا یاد دلائی نہیں گفتگو کا۔"

» عظمیٰ۔ دو لہا کو راضی کر لو اور ولیمہ کی لسٹ میں میرا نام بھی لکھ ہی لو۔ پلور مہمان شریک ہو جائیں گا۔ اگر موجود ہو اتو۔ ورنہ پھر۔ معذرت۔ عید کے بعد مجھے ماٹیا جانا ہے۔ تقریباً دو ہفتے کے لیے۔

» بھائی ابھی کچھ عرصہ ملے ملا تیا گئے تھے۔ اپنے لیے ولیمہ وہیں تو پسند نہیں کر لائی چینی پہلی رحمت ولیمہ چھوٹے قدم کی؟

» ہاں کر لی۔ کہہ کر اپنے کمرے میں گھس گیا۔  
» عظمیٰ پر ناراضی ہونے لگیں۔

» بری بات ہے عظمیٰ۔ کسی کی شکل صورت پر اعتراض کرنا تو یہ ہے۔ اللہ نے سب کو بنایا ہے۔ ہر ملک کے مطابق رنگ روپ دیا ہے۔

» اماں! میں نے نصی میں کہا تھا۔ بھائی سیدھا جو لب کیوں نہیں دیتے۔ تو یہ میری توجہ۔

» نصی میں بھی خلاق خدا پر نام رکھنا منع ہے۔ سلا تیا میں بھی کوئی ملکہ حسن ہو گی ان کے معیار کے مطابق ہمارے ہاں گوارا رنگ معیار حسن بنا لیا ہے۔ انگریزوں کو سالوار رنگ پسند ہے۔ خود کو سالوار کرنے کے لیے ساحل سمندر پر دھوپ میں جھٹھے رہتے ہیں۔ "اماں بی کی معلومات وسیع تھیں۔ لیکن وہ اگلے دو دن حنکر بھی رہیں۔ اسد کے رویے نے انہیں خاصا پریشان کر دیا تھا۔ رات کو باہر سے آنا۔ بغیر کھانا کئے کمرے میں گھس جانا۔ صبح ناشتہ خاموشی سے کر کے آٹس چلا جاتا۔

» وہ دن اسی طرح گزر گئے۔ عظمیٰ شام کو اسد کے کمرے میں آئی۔

» بھائی میں منہ نہیں ہزار روپے دے دیں۔ اماں بی نے کہا ہے قرض ہے۔ لوٹا دیں گی۔ "وہ سٹپٹا گیا۔



اس کا پورا وجود اس بوسے کی سچائی کا گواہ بن کر وہک اٹھا۔

”کم از کم ہانچ لاکھ روپے میں شادی ہوگی۔ عطلوں کی شادی کے لیے میں نے کچھ رقم جمع کر لی تھی۔ مگر تمہاری شادی کے لیے۔ تمہیں اپنا بوجھ خود اٹھانا ہو گا۔ دو گے؟“

”وسے دوں گا۔ اگر آپ کہیں گی۔ تو جان بھی حاضر ہے۔“

”مجھے تمہاری سنا متھی چاہیے اور یاد رکھو۔ فریض بردار اولاد پر اللہ اپنی برکتیں نازل کرتا ہے۔ ماں کی اطاعت کے جھٹے میں تمہیں بہت بڑا انعام بھی دے سکتا ہے اور ہو سکتا ہے وہ انعام شوہر کی شکل میں ہی مل رہا ہو۔“ اماں بی خوش تھیں۔ مطمئن اور پرسکون۔



عطلوں کو تو حیرت تھی۔ اسد نے کبھی بھی ماں کے حکم سے انحراف نہ کیا تھا۔ پھر اب اس معاملے میں ماں کی خواہش پر اختلاف کیوں کیا۔ خاندان میں اسد کی فرماں برداری ضرب انٹل بن گئی تھی۔ پھر وہ شادی کے معاملے میں کیوں متفق نہ ہوا۔ اماں بی بغیر کسی وجہ کے اپنی رائے ٹھونسنا نہیں چاہتی تھیں۔ وہ ضدی تو بالکل نہ تھیں۔

پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ اسد نے ان کی رائے سے اختلاف کیا اور یہ بھی پہلی بار دکھا کہ اماں بی اسد کے احتجاج کی روانہ کرتے ہوئے خود بھی احتجاجاً ”کراچی کا سفر اختیار کرنے پر مجبور ہو گئیں۔ اپنے بچوں کے خوشی کا تمہیں بہت خیال رہتا تھا۔ بہت وقار تو وہ بچوں کی دماغی میں ان کی خوشی کا سامان پیدا کرتی تھیں۔ انہیں باپ سے عمودی کا احساس نہیں ہونے دیتی تھیں۔ ہمیشہ ان دونوں کی خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ اسد نے سب معمول حسب توقع ان کی خواہش کے سامنے سر جھکا دیا اور اماں بی لب کپڑوں کی تیاری میں ہماری طرح مشغول ہو گئیں۔ اسد کے تلیا کی تین برشیاں تھیں۔ تلیا بھی اسد پر

”میں نے پانچ چھ سالن ہانچ کر فریض میں رکھ دیے ہیں۔ دس ہارون تو آپ کے گزری جا میں گے۔ اس کے بعد۔“ چپ ہو گئی۔ پراسرار انداز تھا۔

”اس کے بعد کیا۔؟“

”اس کے بعد۔۔۔ آپ صبرائیے۔۔۔ لہذا نیشیا ملا کشیا ویسٹ انڈیز کہیں سے بھی شادی کر کے آئیں۔ جہاں کا حسن آپ کو پسند آئے۔ آپ کو یہاں کی حسین لڑکی تو پسند ہے نہیں۔“

وہ اٹھ کر جانے لگی۔ اس سے پہلے اسد اسے دھکا دیا ہوا ہانچ نکلا۔ اماں بی کمرے میں للاری سے کچھ نکال رہی تھیں۔ داسوت کیس تیار رکھے تھے۔ اس نے وہیں ان کو بوجھ لیا۔ وہ جھپٹیں۔

”تھوڑا۔ ارے تھوڑا میں گر جاؤں گی۔“ اسد نے اسی طرح پکڑے پکڑے انہیں پلنگ پر لانا بٹھلایا۔ ان سے لپٹ گیا۔

”مجھے تھوڑا کر جا رہی ہیں؟ بہت برا ہوں میں نا فریض اولاد۔ تھوڑا کر جانے کے بجائے۔۔۔ مجھے سزا دیتیں تو زیادہ اچھا تھا۔ میں اکیلا رہ سکتا ہوں بھلا؟ آپ کے بغیر۔ بس لب آپ جس کتوں میں مجھے پھینکیں گی۔ میں گور جاؤں گا۔ سچ اماں بی۔“

اماں بی کے ہاتھوں میں کرم جوشی تھی۔ ان کی آغوش میں ماسٹا کاٹھا نہیں مارتا سندھ تھا۔ سکون۔ طہارت اور تحفظ۔ ان کی انگلیاں اس کے ہاتھوں کو سنوارنے لگیں۔ نرم نرم انگلیوں کے پور پور میں زندگی و حرکت رہی تھی۔ خون کی روانی تیز ہو گئی۔

”میں آپ کو تھا کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا اماں۔ ایسا آپ نے سوچا بھی کیوں؟“ بھرائی ہوئی آواز میں اسد نے کہا تھا۔

”اور میں کبھی بھی تمہاری بھلائی کے سوا کچھ اور سوچ بھی کیسے سکتی ہوں۔“ اس نے سر اٹھا کر ماں کا چہرہ دیکھا۔ عین چہرے پر معصوم تبسم۔ آنکھوں میں محبت کی چمک۔ کس ناز سے ماں کی طرح سر اٹھائے۔ بیٹے کی فرماں برداری پر یقین کی سرنگانے وہ اس کے ہاتھ پر جھک گئیں۔ پر شفیق کرم بوسہ اور

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کر آئے۔ رات کے کھانے سے پہلے وہیں چلا جائے۔ اسی لیے وقت بے وقت آنے والے مہمانوں کا تو وہ سامنا بھی نہیں کرتی تھی۔

تیسری اور چوتھی نغمہ غیند کی متوالی تھی۔ رات بھر ٹی وی پر فلمیں دیکھنے والی۔ دن سو کر گزارتی۔ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے اسے جاگنا ہی پڑ جاتا تو جمائیاں لیتا رہتی۔ کسی نے پہلیا۔

”اسد کو اس کے تایا بہت پسند کرتے ہیں۔ چھوٹی بیٹی کے لیے رشتہ چاہتے ہیں۔“ اماں بی ٹھہرا نہیں۔ اسی لیے اسد کی شادی کی انہیں فکر ہو گئی۔ یہ انہیں یقین تھا کہ اسد کی قابلیت نیک نالی اور شرافت کے باعث وہ جس لڑکی کا نام لیں گی۔ انکار نہیں ہو گا۔ اگر کوئی لڑکی اسد کے جوڑکی۔ اس کے مزاج اور طبیعت کے مطابق ہوتی۔ وہ رشتہ کرنے میں دیر نہ کرتی۔

تھنر جانتی تھی۔ اسد جس عداوت کا ہے۔ اسے برداشت کرنا کم از کم تایا کی بیٹیوں یا چھوٹی بیٹی کے بس کا نہیں۔ ان لڑکیوں کی تربیت میں کوئی خالی نہ تھی۔ لیکن نئے دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے لیے انہیں خاصی مہارت تھی۔ وہ گھر میں رہنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ شہر کے تمام ہونٹوں کے نام۔ مار کھٹوں کی فہرست۔ کس اسٹور پر کیا چیز مل سکتی ہے۔ کس ہونٹ کی کوئی ڈش لاجواب ہے۔ انہیں فیشن کے ہر ٹیکیزین سے سیکھنے کے لیے کیا کچھ درکار ہے۔

یہ سب ان کی عداوت میں رنج بس گیا تھا اور یہ لڑکیاں اکثر عظمیٰ کی لائسنس کا مذاق اڑایا کرتی تھیں۔ نیت پڑھتے اور گھر کے کام کے سوا دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ دنیا کس چیز رتیاری سے بدل رہی ہے۔ کسی معاملے سے آگہی نہ تھی۔ عظمیٰ بھی ان لوگوں کی باتوں سے گھبراتی تھی۔ بس کسی خاص موقع پر ہی ان کے گھر جاتی تھی۔ اسی لیے اماں بی نے جب کہل۔

”چلو۔ آج تمہارے تایا گھر چھو بھی کے گھر بھی جا کر انہیں بتا آؤ۔ اسد کی شادی گاہ۔“  
وہ پریشان ہو گئی۔ ”میرا جانا ضروری ہے کیا؟“ وہ

مہمان تھے۔ لیکن نہ تو اسد نے ہی کسی کو پسند کرنے کا اظہار کیا تھا۔ نہ وہ اماں بی کو اپنے گھر کے لیے مناسب لگیں۔ پھپھو کی بیٹی مہرین بے حد حسین بھی تھی۔ مشہور بھی۔ اسے اپنے باپ کی پہلی پوزیشن پر ہی ٹھہرنے تھا۔ اپنے حسن اور تعلیم پر بھی غور تھا۔ مگر وہ اسد کو پسند کرتی تھی۔ اس کی ایک وجہ اس کے والد کا اس کے ساتھ التفات تھا۔ جو کہتے تھے لڑکا بہت ذہین اور تامل ہے۔ بہت ترقی کرے گا۔ اسد کی پرکشش جانب اور شاندار مستقبل کو دیکھتے ہوئے مائی جو پہلے بھی گروا ختی نہ تھیں۔ اب اس پر بہت مہربان ہو گئیں۔ ماں کے اکسانے پر بیٹیاں بھی اس سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرنے لگیں۔

اسد عظمیٰ کے بچپن میں تو کوئی رشتے دار انہیں گھاس نہ ڈالے۔ اس کے باپ کا وفات پا جانا۔ گھر کے حالات کا ایک تخت پلٹا کھانا۔ اماں بی نے اپنے سلیقے صبر اور ہمت سے بچوں کو سمیٹا۔ نہ صرف بچے بلکہ ان کی ساس بھی انہی کے ساتھ تھیں۔ ان کی خدمت دیکھ بھل۔ ان کے غم کا دلوا۔ سب اماں بی نے دل و جان سے ساتھ دیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مسرال کی پسندیدہ بہو بن گئیں۔ ان کی جھٹلی کو ان کی ہرول عزیزی پسند نہ تھی۔ مگر چونکہ خود ہیٹ مسرال والوں سے لائسنس رہیں۔ تو انہیں کوئی پسند نہ کرتا تھا۔ یوں بھی ان کے بچوں میں کٹلی آگرا تھی۔ تو نوجوان نسل بھی ان سے دور بھی البتہ اسد کے خاندان میں کٹلی دوست بن گئے۔

تایا کی بڑی بیٹی حسنہ کے لیے مشہور تھا کہ وہ بچپن سے الرکب تھی۔ بچپن جانا پڑ جائے تو ات کھاسی چھینکیں آنے لگتی تھیں۔ تین بھائیوں کے بعد بہن تھی۔ بہت لادلی بھائیوں نے بھی ہتھیلی کا چھلا بنا کر رکھا ہوا تھا۔

دوسری سلمہ مہمانوں سے گھبراتی تھی۔ اول تو کسی کو آنے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی آتا ہے تو تو صبح کے وقت ناشتہ کر کے آئے۔ مل ملا کر دوپہر سے پہلے چلا جائے۔ یا دوپہر کو تو ہر گز نہیں البتہ شام کی چائے پی



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس لیے گھر میں لانا جان کی بیماری ہو یا بچوں کے مسائل یا خاندان میں خوشی تھی۔ ہر مرحلے سے ان کی بیگم ہی نمٹ لیتیں۔ ان کی صلاحیت سے وہ واقف بھی تھے متصرف بھی۔ وہ خود بھی اماں جان کو تھما چھوڑنا پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن خدا کی مرضی۔ عین جوانی میں جوان بیوی اور چھوٹے دو بچوں کو دنیا کے رحم و کرم پر چھوڑ کر ملک عدم سدھارے۔ ہارٹ اٹیک نے اٹکا سانس لینے نہ دیا۔

بوڑھی ماں کے آنسو پیکوں میں جم کر رہ گئے۔ لیکن وہ بہت حوصلہ مند خاتون تھیں۔ انہوں نے بیٹے کے بعد سولور پوتے پوتی کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ پہلے ہو سانس کی ویلہ بھلا کر لی تھیں۔ بیٹے کی جوانمردی کے بعد انہوں نے سولور بچوں کو تحفظ میں لے لیا۔ اپنا مکان ہو کے نام کر دیا۔ وہ جب تک زندہ رہیں۔ سہری رہیں۔ سو کے لیے سانس کا وجود ایک محافظ کی طرح تھا۔ فمد کی پٹیشن سے گزارا نہ ہوا تو سانس نے اجازت دے دی کہ وہ کسی اسکول میں لوکری کر لیں۔ اسکول سے بھی اتنا نہ ہٹا کہ بچوں کی خواہشات یا ضروریات پوری ہوں۔ تو لوکری چھوڑ کر گھر کا ایک حصہ کرائے پر دے دیا۔

بچوں نے دیکھا تھا ان کی ماں نے بہت سخت زندگی گزارا ہے۔ سانس کی خدمت اطاعت۔ بچوں کی دیکھ بھل۔ گھر کو سنوارنا۔ رشتے داروں سے تعلقات بھانا۔ بچوں نے اپنی ماں کو ولاری کی خدمت کرتے ان کے ہر اشارے پر عمل کرتے دیکھا تھا۔ جو ماں کو کرتا دیکھتے۔ وہی خود بھی کرتے۔ واری کے لڈالے اور پیارے۔

واری کے بعد ماں کی فریادیں اور خدمت اسی طرح لازمی تھی۔ کچھ لوگ اس کی تہجداری کا مذاق بھی اڑاتے تھے۔ عظمیٰ ماں کے ساتھ تیار کے ہاں تکی۔ وہ کلنی عرصے بعد آئی تھی۔ ماں نے حنا لے کر اسکا شلوی کا بنایا۔ انہوں نے میاں کو پکارا۔

”ستے ہیں آپ۔ فمد کی بیوی اسد کی شادی کی خبر لگتی ہیں۔“

جانتی تھی۔ کون ہے کیا ہے۔ کسی ہے کے جواب سے ہی رونا ہوں گے اور پھر مشککہ اڑانے کا سلسلہ اسے برداشت کرنا ہے۔ مگر ماں بی اسے لے کر ہی نہیں۔ تباہت خوش ہوئے۔ اسے پیار کیا۔ اندر گھرے میں تابی نے بھی مست تباہ کا مظاہرہ کیا۔ منہ کو تو اڑے کر کولڈ ڈرنک لانے کا کہا۔ ماں بی نے کہا۔

”بھابھی۔ میرا تو دن ہے۔“  
”دن ہے یا کلف۔“

”ارے نہیں۔ کلف کیسا۔ میں تو ہمیشہ سے شعبان کے روزے رکھتی ہوں۔ اللہ بخشے ہماری سانس بھی پابند تھیں۔ مجھے بھی دن کے ساتھ ہی علوت ہو گئی۔“

”ہاں۔ تم تو مستقل ان کے ساتھ ہی رہیں۔ میں تو شادی کے بعد بعد ہی جو الگ ہوئی تو آخر تک الگ ہی رہی۔ کچھ تمہارے جیشہ کے بدلے۔“

ماں بی خوب جانتی تھیں۔ سانس بیماری کی خواہش تھی کہ بڑی ہو کچھ عرصہ تو ان کے ساتھ رہے۔ مگر وہ کبھی بیٹے کے چھوٹا ہونے کبھی کسی بیٹے کی بیماری۔ طرح طرح کے بدلے کر کے رسیاں بڑائی تھیں۔ عید بقر عید پر ہی لاٹن کے لیے آتی تھیں۔ پھر سیکے کی راہ لیتیں۔ ماں نے سانس کو بچوں کے لیے تڑپے دیکھا تھا۔ بڑے بیٹے کی اولاد سے انہیں پیار بھی بہت تھا۔ مگر وہ کم کم ہی آتے۔ اسی لیے ماں بی نے سانس کا دامن تھامے رکھا۔ وہ اپنے بچوں کو ان سے الگ کرنے کی بہت نہیں کر سکتی تھیں۔ حالانکہ ان کے میاں بھی تہلوں کے سلسلے میں دوسرے شہری رہتے تھے۔

مگر ماں بی نے سانس کا ٹھنڈا پکڑ لیا۔ کبھی کبھار میاں کے تھانوں پر بطور نفرین ان کے پاس جاتیں۔ تو سانس ہیرا ہوتیں۔ مگر ماں جان کو بیٹے کی خانہ بدوشی پسند نہ تھی۔ کبھی اس شہر کبھی اس شہر۔ اٹھاؤ چو لھا یہ کوئی زندگی ہے۔ اپنا شہر اپنا ٹھکانہ۔ اپنی زندگی میں ہی سکھ ہے۔ مگر بے چارے فمد میاں بھی کیا کرتے۔ روز ماڈر چینی لے کر آ نہیں سکتے تھے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں بھی سارے کام خود کرتی ہوں اور اپنے گھر کو  
 بنانے سوار لے میں اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں کوئی  
 ذلت محسوس نہیں کی۔ انہی ہی باتوں کی ہمارے گھر کو  
 ضرورت تھی۔ شکر ہے کہ مل بھی گئی۔  
 تینوں بہنیں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائیں۔  
 "ہاں اچھا۔ اسد لے کیسے پسند کر لیا۔ اس کی  
 پوزیشن کے لیے تو... کچھ اور ہی خیال تھا ہم لوگوں کا  
 ... کہ..."

"بھائی جانتے ہیں۔ گھر کو امن و سکون کی بارگاہی  
 پسند کیا ہے۔"  
 "اچھا گویا ہو بہو امنی بھی لاتی ہے۔ ہمارے گھر میں  
 تو پھر تین تین بد اقیانیاں آئیں گی۔ چلو سلسلہ یہ متورہ لکھ  
 لو۔ آئندہ کام آئے گا۔" حسد کو زیادہ ڈال تھا۔  
 "تو پھر۔ ہم لوگ امن کی آتشا کہاں سے لائیں  
 گے۔" سلسلہ مستحکم ڈار رہی تھی۔ عظمیٰ وہاں سے اٹھ  
 کر آئی۔ سارے کمان۔ "چلیے اہل بی۔ پھو کے گھر  
 بھی جانتے پھر بھائی کے آلے کا وقت ہو جائے گا۔"  
 اہل بی کھڑی ہو گئیں۔ سب کو بات اور دلچسپی  
 کی دعوت دیتی ہوئی باہر آئیں۔



پھولے انہیں اپنے شاندار وسیع ڈرائنگ روم  
 میں بٹھایا۔ مہربان بھی آئی۔ ملازمہ لاگلاس جس کے  
 لے آئی۔ جو عظمیٰ اور مہربان نے اٹھا لیے۔  
 "بھابھی نے بھی اہل جان کی روایت قائم رکھنے  
 میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔" پھو مہربان کو بتانے لگیں۔  
 "اہل! شعبان کے مہینے کے روزے کبھی نہیں  
 چھوڑتی تھیں۔ بھابھی ان کا ساتھ دیتی تھیں۔ میں ان  
 دلوں وہاں ہوتی تو ہمیشہ ناراض ہوتی کہ آپ دلوں مجھے  
 گنہگار کر رہی ہیں۔ بھابھی مجھے بسلا دیتی تھیں۔ یہ کہہ  
 کر کہ وہ بھی پہلے شعبان کے روزوں کی پابند نہ تھیں۔  
 اہل جان کا ساتھ دینے کے لیے رکھتی ہوں۔ تو اب  
 کا تو اب۔ بھابھی اہل جان کے رنگ میں رنگی ہوئی  
 تھیں۔"

نایا فوراً "ہاں آگے۔" ہائیں مگر کہاں؟  
 انہیں بتایا گیا۔ مزید ناراض ہوئے۔ "ہائیں مگر  
 خاندان میں فزیکل کی کیا کمی تھی جو تم۔ میرا  
 مطلب ہے۔ یہاں تو خودی۔ ارے بھی تکم میری  
 چھٹری کہاں رکھ دی آپ نے۔"  
 "نایا جان! یہ لوگ بھی غیر نہیں ہیں۔" عظمیٰ نے  
 ان کی لفظ نفسی اور کرنا چاہی "ہمارے تخیلی رشتے دار  
 ہیں۔ بہت تر ہیں۔"

"ہاں بھی... ترقی تو ہوں گے تخیلی جو  
 ہوئے۔" نالی کو تو یہ خبر بھگم نہیں ہو رہی تھی۔  
 حسد کو لڈ ڈرنک لاتی گی۔ وہ عظمیٰ کو اپنے کمرے  
 میں لے گئی۔ سلسلہ کو بھی یہ (اندوہناک) خبر سنائی۔ اس  
 بے چاری کو تو سکتہ ہو گیا۔ سلیٹنگ ہونے لگے  
 سونے کے دوران خبریں ملنا سچل کر بیٹھ گئی۔  
 "اسد لے۔ ہاں کر دی۔" سلسلہ کا سکتہ ٹوٹا۔ "یہا  
 بہت خوب صورت ہے؟ آیا اعلیٰ تعلیم یافتہ۔"

"ہاں بھی۔ اسد کے ساتھ عام معمولی لڑکی کم  
 پڑھی لکھی تو بچے کی نہیں۔ یقیناً "لندن سے پڑھ کر  
 آئی ہوگی۔"

"نہیں خیر۔ ایسا تو نہیں۔ بس ٹھیک ہے۔ میری  
 جیسی ہی ہے۔ مطلب جیسی ہمارے گھر کے لیے ہوتی  
 چاہیے۔"

عظمیٰ نے تو غلط نہیں رفع کرنے کے لیے کہہ دیا۔ وہ  
 حسب عادت مذاق اڑانے لگیں۔ "اچھا گھر سے یعنی  
 گھر کی بھی ضروریات ہوتی ہیں۔" حسد نے ہنس کر  
 کہا۔

"تو تمہارے گھر کی کیا ضروریات ہیں؟" مندی  
 مندی آنکھوں میں خیر کا شمار ہائی تھا۔  
 "میری جیسی۔ یعنی گھر سنبھالنے والی۔ کھانا پکانا۔  
 کپڑے خودی ملتی ہیں اور۔" عظمیٰ گھبرا گئی۔

"اچھا اچھا۔ اسد کو باور جن دوران دھوین ٹائپ  
 لڑکی چاہیے تھی۔" حسد نے بہنوں کو بتایا۔ عظمیٰ کا  
 چہرہ مسخ ہو گیا۔  
 "اگر آپ مجھے یہ لقب دینا چاہتی ہیں۔ تو ٹھیک ہے



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

لو کر نہ رہا۔ اب بھی ہم بغیر کسی نوکر کے گزارا کر رہے ہیں۔ اللہ نے اس قاتل میرے بیٹے کو گروا ہے کہ وہ کوئی ملازم بھی رکھ سکتا ہے۔ لیکن بی بالکل تو کچھ عرصہ۔۔۔ امکان نہیں ہے۔ عظمیٰ کے جانے کے بعد سو کو گھر سنبھالنا بڑے گا اور میرے گھر کے ماحول کے مطابق تو بی بی کو بھی مشکل ہوگی۔ اس لیے میں نے خود ایسی لڑکی منتخب کی جو میرے گھر میں آسانی سے جگہ بنا لے۔ بے مل کی بچی۔ اسٹا کی تری ہوئی ہے۔ میں اسے استا ہوں گی۔ اسد محبت اور عظمیٰ رازدار دست اور وہ اسی طرح گھر کو چلائے گی جیسے آپا کے گھر میں سب کچھ کرتی ہے۔ اسے یہاں اہمیت نہیں ہوگی۔ شاہین برابری کی بنیاد پر شادی کرنی چاہیے۔ میں اپنی حیثیت سے بڑھ کر۔ کوئی کام نہیں کرنی بہت سوچ سمجھ کر اس لڑکی کا انتخاب کیا ہے میں نے۔ دعا کرو۔۔۔ میری توقعات برابری اتھے۔

نہیں تم مضمون پیشی تھی۔ آہستہ سے ہوئی۔ ”موالیٰ! لڑکیاں۔ خود کو بدل بھی سکتی ہیں۔ اسی سانچے میں خود کو ڈھال لیتی ہیں۔ جو شوہر اور سسرال والے اس کے لیے تیار رکھتے ہیں۔“

”ہاں بٹلہ گریہ تو جبر ہوا۔ جبر بھی ظلم کا دوسرا چہرہ ہے۔ ہمیں کوئی حق نہیں کہ کسی پر جبر کریں۔ ہم اپنی جیسی آئے معیار کے مطابق کیوں نہ لے آئیں۔ بے جوڈرشتے کا سہا ب نہیں ہوتے۔“

”بھابھی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ رشتے برابری کا جوڑ دیکھ کر کرنا چاہیے۔ خاندان میں اگر ہو تو نفرت اور تفرقہ پیدا ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔ بھابھی آپ کا فیصلہ درست ہے۔“

”شاہین! سچ تو یہ ہے کہ میں اور میرے بچے۔۔۔ تم لوگوں کے رتبے کی برابری نہیں کر سکتے۔ برسوں سے میں یہی سنتی آرہی ہوں۔“ وہ کہہ کر ابھی ہو گئیں۔ پچھو بھی رنجیدہ ہو گئیں۔



گھر آکر امانی بچی کو شکر نہیں۔ اسد آیا عظمیٰ نے

”یعنی تمہارا خیال ہے کہ بھابھی امان جان کی بچی تھیں۔ پچھو جان نے تشکوک میں داخل ہوا۔ سب کچھ لگے۔ پچھو میاں پر ناراض ہوئیں۔ تو ہے۔ آپ بھی ہمیشہ مجھے ہی برا بتا دیتے ہیں۔“

پچھو نے اپنی بھابھی کو گلے لگا لیا۔ میں بھلا اتنی پیاری بھابھی کے ہارے میں ایسا سوچ بھی سکتی ہوں اسد کی شادی کی بات سن کر وہ لوگ کچھ حیران ہو گئے۔

پچھو نے اعتراض کیا۔ ”سب کچھ ملے کرنے کے بعد ہمارا خیال کیا۔ اب بھی نہ بتائیں۔ سسرالوں کی طرح ہم بھی شریک ہو جاتے۔“

پچھو نے سوالات کر کے بات ٹالی۔ ”کون سے کس کی بیٹی ہے سو غیو“ سب کچھ سن کر میاں سے بولیں۔

”یہاں بھی بھابھی نے امان جان کی وصیت کا خیال رکھا۔ امان جان کہتی تھیں نفسہ تم اپنے بچوں کی شادیاں اپنے خاندان میں کرنا۔ اپنی جیسی ہو لانا۔“

”شاہین! تمہیں یاد ہے؟“ امانی نے حیرت سے پوچھا۔

”بھولنے والی بات نہیں ہے۔ میری امان جان سے بحث بھی ہوئی۔ مگر انہوں نے کہا۔ یہ میری وصیت سمجھو۔ اللہ سے دعا ہے کہ یہ لڑکی سب کے لیے خوشیوں کا سچا مائے اللہ اسد کو بھی بہت خوشیاں دے اور زندگی میں کامیابیاں عطا کرے۔ آمین۔“

پچھو آبدیدہ ہو گئیں۔

”خاندان میں تو۔ اور بھی کئی لڑکیاں ہیں۔ پچھو نے کھٹار کر کہا۔ انہیں یہ بات مضمون نہیں ہو رہی تھی۔“

”درنگن بخور چمن اور دھوئیں کے بہت فائدے ہیں۔ اپنی سہولت بھی اور کسی کا حسان بھی نہیں۔“  
 ”ہمارے ہاں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر اتنی اظہاری بنانے کو کہا جائے تو تو کرسی چھوڑ کر بھاگ جائے۔“  
 ”بازار میں اظہاری کی سب چیزیں مل جاتی ہیں۔  
 خواہ مخواہ انرجی ضائع کرنے کا فائدہ؟“ نغمہ نے کہا  
 ”دیکھ سنا تڑ ہو جاتی ہے اور مرضی کی چیزیں بلا شک و شبہ۔“

”بلا شک شبہ کیا مطلب؟“

”بھئی دو کانوں پر لٹنے والی چیزوں کا اعتبار نہیں ہوتا۔ ملاوٹ کے علاوہ۔ کیرے گھوڑے بھی شامل ہوتے ہیں۔ مری بلیرینج کیے استعمال کرتے ہیں۔ بقول مشتاق احمد یوسفی گرم پانی کے حوض میں بے چاریوں کو غسل میت دے کر سوپ بنا لیا جاتا ہے۔ لاپرواہی اور سستی یعنی وقت کی کمی اور جب گاہک بڑے رہتے ہوں تو کون سفالی کی ہلت پالے۔“

”اور یہ مشتاق احمد یوسفی کون ہیں۔ یقیناً تمہارے نانا نانا ہیں۔“ نغمہ کا ذہن رسا۔

”ہم کون سا بازاروں دکاؤں سے چیر لیتے ہیں۔ بڑے بڑے ہوئے موجود ہیں۔“

عظمیٰ چپ ہو گئی۔ کہہ نہ سکی۔ مشتاق یوسفی نے بڑے ہونٹوں کے راز ہی کھولے ہیں اور شکل مشہور ہے۔ اونچی دوکلن۔ پھیکا پکوان۔ مگر بحث کے چکر میں کام ست ہو رہا تھا۔ تیزی سے سموسے کے لیے بیٹیاں تیار رہی تھیں۔

”تم تو بہت کار گزار ہو۔ چچی بہت تعریف کرتی ہوں گی تمہاری۔“ حسنہ قائل ہو گئی تھی۔

”تعریف؟ اوہ نو۔ کبھی آپ نے ان کے منہ سے میری تعریف سنی؟ ہاں نکتہ چینی اور اعتراض وانفر۔

بھائی سب سے بڑے باقہ ہیں۔ اماں بی سے اکثر فرمائش ہوتی ہے کہ عظمیٰ کو کچھ سکھا دیں۔ ورنہ سسرال سے طعنے سننے پڑیں گے کہ میں نے کچھ سکھا کر نہیں بھیجا۔“

لڑکیوں کا ہنسی سے برا حال ہو گیا۔ اب بے چاری

پوری رپورٹ دی۔ وہ خاموش ہو گیا۔ اسے علم تھا۔ قائدین والے اس رشتے کو ہرگز پسند نہیں کریں گے۔ سب اس سے امید لگائے بیٹھے تھے اور وہ۔ اماں بی کی خوشی کے لیے۔ ماں کی توقعات پر پورا اترنے کے لیے۔ دماغ میں اترنے سے ہچکچانے کے بجائے۔ بخوشی تیار تھا اور کوئی راستہ بھی تو نہ تھا۔ نہ ہی کوئی شکر شریک حیات کے طور پر پسند آئی۔ تو پھر۔ ماں کی خواہش ہی کیوں نہ پوری کر دی جائے۔ ماں جس کی زندگی پوری عمر بچوں کے لیے ایثار کرتے قربانیاں دیتے لڑی تھی۔ وہ عظیم ماں جس نے اپنی تمام خواہشات بچوں کو ران کی دلوئی کی خدمت اور دلجوئی کی خاطر پس پشت ڈال دیں اور کبھی شکوہ نہ کیا۔ ساری مائیں عظیم ہوتی ہیں۔ لیکن شاید ہر ماں نفسہ، عظیم جیسی بے نفس۔ صابر، مخلص اور اللہ کی شکر گزار نہیں ہوتی۔



رمضان شریف شروع ہو گیا۔ عظمیٰ کی مصروفیت۔ ماں بی کی عیالوت۔ ساتھ ہی شادی کی تیاری بڑھتی گئی۔ حسنہ سلمہ نغمہ آجاتیں۔ عظمیٰ کو کپڑوں میں اجما دیکھتیں۔ اونٹے پر ستارے لگاتے۔ تیسوں کے گلے پر رنگ برنگ کے ٹک لگاتے۔ کڑھائی کرتے دیکھ کر پریشان ہو جاتیں۔

شام سے پہلے اظہاری کے لیے کچن میں جا تھستی۔ روزے سے ہوتی اور محلے پھر میں اظہاری بھیجنے کے لیے ڈھیر لگاتی رہتی۔ اماں بی سب کے حصے لگائیں اور اسد سب کے گھروں میں پہنچاتا۔ ان کی عقل قبول کرنے سے قاصر تھی۔ یہ تو بالکل عجیب اور نیا ماحول تھا اس کے باوجود گھر میں کوئی بد نظمی نہ تھی۔ تو کرایا ملازمہ نہ تھی۔

عظمیٰ المہربا کی مدد کے ساتھ سب کچھ کر لیتی۔ اس نے کباب اور ماش کے پشوے بھی فریز کے تھے۔ جب ختم ہونے لگتے۔ مزید بنا کر رکھ لیتی۔ ان کی حیرانی پر عظمیٰ نے کہا۔



ماہی سمجھے گا ہر کام میں ایک پیرٹ۔  
 ”اور ہو بھی چھوٹے گھر کی ملازمتی ہیں۔ بے چاری  
 بے مال کی۔ چلو جیسی وہ ہیں۔ اس سے آگے سوچ  
 نہیں سکتیں۔“

”ہاں تو جیسی سو آئے گی۔ ویسا ہی واپس ملے گا۔“  
 وہ دل کے پھسولے پھوڑ رہی تھیں۔ اسد کی اتنی  
 معمولی حیثیت کی لڑکی سے شادی انہیں ہضم نہیں ہو  
 رہی تھی۔ آخر اسد نے دیکھا کیا۔ چچا کی اس قدر تک  
 سب سے درست فیضن اہلین حسین و جمیل لڑکیوں  
 پھوچھی کی حسین اور دولت مند بنی۔ چیزیں کو بھی کار  
 نوکر۔ کو بھی فریشت۔ اپنی حیثیت پوزیشن تو دیکھ کر  
 شریک حیات منتخب کرتے ہیں۔ یہ کیا؟ بے مال کی  
 لڑکی۔

گھر میں بھی ماں باپ کے سامنے کیا گفتگو ہوتی  
 رہی۔ والدین کو بھی یہ رشتہ پسند نہیں آیا تھا۔ دل میں  
 ان کے بھی شکوک تھے۔ لیکن کبھی ان بچوں کے سر پر ہاتھ  
 رکھنا نہ تھا۔ کبھی انہیں اپنی شفقت پوری کا احساس دلا  
 کر تعلق کا ایک لفظ بھی نہ بولا۔ اہل جان سے بھی  
 شکایت تھی۔ انہوں نے اپنا حق استعمال کرتے ہوئے  
 اپنا مکان ہو کے نام کر دیا۔ بیٹے بیٹی کی حق تلفی۔ لاکھ  
 چاہتے یہ رجسٹر دل سے نکلتی نہ تھی۔ پھر بھلا کس حق  
 کے تحت بیٹے کو واپس لانے کی خواہش کرتے۔

اب کچھ عرصے سے اسد سے دوپہی ہو گئی تھی۔  
 بغیر کسی کی مدد کے اس نے اپنا مستقبل روشن کر لیا  
 تھا۔ معزز لوگوں میں سر اٹھا کر بیٹھنے کے لائق ہو گیا تھا۔  
 اب تو سب کی آنکھوں کا تار بھو گیا تھا۔  
 لڑکیوں کی باتیں سن کر ماں کی والدہ کے ذہن میں  
 گزرے دونوں کے خاص خاص واقعات گردش کرنے  
 لگے۔ اپنی کوتاہیوں یاد آئیں۔ لفظ کے صبر و تحمل۔  
 ضبط برداشت۔ بچوں کی پرورش۔ ماں کی خدمت  
 نگہداشت۔ کبھی کسی سے مدد نہ لی۔ تمام سادگی سے  
 ہر مشکل کا مقابلہ کیا۔

وہ بہت غور کرتی رہیں۔ بسنے نقصان کا انداز بھی  
 ہوا۔ اتنا خوب صورت و جیہہ قابل لائق لڑکا اپنا خون

کے ساتھ اس قدر زیادتی پھر اس ساری محنت کا فائدہ  
 کیا۔ واپسی میں نقد سر پکڑ کر کراہنے لگی۔ ”ہائے  
 میں تو عظمیٰ کو لوہر سے لوہر ملتے پھرتے دیکھ کر چکرا  
 گئی۔ جی چاہتا تھا۔ اسے پکڑ کر لٹا دوں کہ بس اب تم  
 سو جاؤ۔ چتا نہیں بے چاری کو آرام ملتا بھی ہے کہ  
 نہیں۔“

”تم نے اس کا لٹکرو دیکھا ہے؟ کتنی اسہارت ہے۔  
 اس کے چہرے پر کتنی تازگی ہے۔ اور تم سو سو کر اپنا  
 گوشت پڑھا رہی ہو۔ دس سال بڑی لگتی ہو اس  
 سے۔ تھوڑے دن میں گوشت کا پھاڑ بن جاؤ گی۔“  
 حسد کو ہمیشہ نغمہ کے دن بھر سوتے رہنے پر اعتراض  
 ہوتا تھا۔

”نور سو کر اٹھتے ہی کھانا پینا کبھی ہسکت۔ کبھی چیس  
 ٹک شیک کوک لالبا۔“

”اچے باپ کا دیا کھاتی ہوں۔ تمہیں کیا پریشانی  
 ہے۔ تم بھی ہو ٹلوں کی سیر کرتی ہو۔ میں نے کبھی کچھ  
 کرا۔“

”ہم اکیلے تو نہیں جاتے تم بھی ساتھ ہوتی ہو۔  
 وہاں بھی سب سے زیادہ تم ہی کھاتی ہو۔“ سلمہ سے  
 بحث جاری تھی۔

حسد نے دونوں کو چپ کر لیا۔ ”دوسروں سے  
 مقابلہ کرنے کا فائدہ نہیں ہر ایک اپنے طور زندگی  
 گزارتا ہے۔ چچی کے حالات ہمیشہ سے۔ خراب  
 رہے۔ اب اسد کچھ گھر کے لیے کرے تو ٹھیک ہے۔  
 لیکن شادی ایسی جگہ ہو رہی ہے جہاں سے کچھ ملنے کی  
 توقع نہیں خیر چچی جس طرز زندگی کی عادی ہیں۔ اس  
 میں روپوں کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں ترو  
 کرنے کی ضرورت نہیں۔ گھر کو سمجھتی ہیں کہ عظمیٰ کو  
 ہر کام سکھا کر اس کے لیے کوئی اپنی اور بے کار شہہ بھی  
 ڈھونڈ لیں گی۔ اس میں مجھے شک ہے۔“

”چچی بھاری گھر کے اندر رہنے والی۔ انہیں علم  
 نہیں آج کل لوگ لڑکیوں کو نہیں۔ ان کے باپ بھائی  
 کی حیثیت دیکھ کر رشتہ کرتے ہیں۔ کوئی خوش حال  
 تعلیم یافتہ لڑکا ان کے گھر کیا کرنے آئے گا۔ عظمیٰ کو

جان کا دل کہیں لگتا نہ تھا۔ فلہذا بھابھی ماس کی خاطر اسی گھر میں رہتی رہیں۔ زندگی میں نوکر تھے خوشحالی تھی۔ ان کے بعد۔ خوشحالی رہی نہ سولی مددگار۔ کم سے کم آمدنی میں۔ زندگی فیشن میں گزارا کر رہی تھیں۔

پھر بچے بڑے ہوئے۔ اخراجات بڑھ گئے۔ تو اسکول میں جا ب کر لی۔ گھر کے کام۔ بچوں کی دیکھ بھال اماں جان کی خدمت۔ میں تو کبھی اماں جان کے ساتھ رہی نہیں جہاں تمہارے ابا جاتے میں بھی وہیں چلی جاتی۔ ریشم منٹ کے بعد یہاں آئے گھر خریدیا۔ مگر فلہذا نے کبھی ہم سے مدد نہ لی۔ اماں جان کا دوا علاج بھی خود ہی کرتی تھیں۔ وہ ایک مثل بن گئیں۔ لیکن۔ اس وقت کسی نے ان کی قدر نہ کی۔ ہمیشہ کمتر سمجھا۔ کیونکہ خاندان میں وہ سب سے کم حیثیت تھیں اور جب اماں جان نے گھر فلہذا کے نام کر دیا۔ تو میں ہی سب سے زیادہ ناراض تھی۔ اس وقت مجھے اندازہ ہی نہ تھا کہ مجھے اس سے بہتر زندگی ملی ہے۔ میں بیٹے شوہر۔ بہتر دن رہن سن۔ لیکن میں مقابلہ کرتی رہی۔ اماں جان کی یکطرفہ کارروائی۔ حلالک۔ اس گھر نے بیوہ لور۔ ہم بچوں کو جینے کا آسرا دیا تھا۔ مگر ان دلوں مجھے احساس برتری کا غور نہ تھا۔ لیکن خیر۔ اب میں قائل ہو گئی ہوں۔ اور مجھے ان سے شکوہ بھی نہیں۔ سب کو اپنی خوشی اور مرضی کے فیصلے کرنے کا اختیار ہے۔ ہم زبردستی تو نہیں کر سکتے ہاں اگر پہلے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہوتا بھابھی بدی ہوتی۔ ان کا بوجھ اٹھایا ہوتا۔ تو مشورہ دینے کی حد تک اپنا نیت کا مظاہرہ کر سکتے تھے۔ شاید اپنی مہرائیوں کے صلے میں۔ کچھ مالک بھی لیتے۔“

ماں کی صاف بے لاگ گفتگو سن کر حسرت حیران۔ سلمہ ناخن دانتوں سے کترنے لگی۔ نغمہ کرے میں جا کر دھڑ سے بہتر گری۔ اسے روکا آ رہا تھا۔ مگر اب اس کے سونے کا وقت تھا۔ اس لیے لا سو گئی۔ رمضان پورے طمطراق سے گزار رہے تھے اپنی برکتیں بچھتے ہوئے۔ رحتوں کا سینہ اب تیسرے ہفتے

کیسے ہاتھ سے نکل گیا۔ لڑکیوں کے رشتے آ تو رہے تھے۔ مگر اتنا اچھا کوئی نہ تھا۔ حسرت کا رشتہ تو تقریباً ۱۸۰ فٹ تھا۔ نغمہ کے لیے۔ جو ابھی سے تو پیدن گئی تھی۔ مٹھلا پد سے بڑھنے سے پہلے اس کا کہیں رشتہ ہو جاتا۔ تو۔ لیکن۔ اب تو ممکن نہیں۔ میاں ہو ہی دونوں کی نظریں لہند کی طرف تھیں۔ حسرت کی شادی کے موقع پر اسد کے لیے بھابھی سے درخواست کرنے کا ارادہ تھا۔ یہ یقین تھا کہ اسے انکار نہیں ہو گا۔ بھابھی کو اس سے بہتر ہو بھلا کہاں مل سکتی ہے۔ اپنے خاندان کی۔ پڑھی لکھی فیشن ایبل۔ قیمتی چیز والی۔ مگر۔ سب کچھ اندازوں کے خلاف ہو گیا۔ اب کچھ ہو نہیں سکتا۔

رات گزار دی۔ صبح ہوئی۔ ناشتے پر سلمہ اور نغمہ نے گزری شام کے واقعات از سر نو تازہ کرنا چاہے۔ لیکن کے گھر میں رمضان شریف کی آمد کبھی کبھی ہوتی تھی۔ بوڑھانے کے باعث والد۔ گزری کی وجہ سے والد۔ لڑکے سگریٹ منہ چھوڑ سکتے کے باعث۔ لڑکیاں۔ کبھی کبھی حسرت کو جوش تہجاتا۔ تو اہتمام سے سحری کر کے روزہ رکھتی اور دن بھر احسان جتالی۔ سلمہ کو بھوک کی ہواشت تھی نہ پیاس کی۔ نغمہ کے سونے جانے کے اوقات سحری افطاری سے متصاوم ہوتے۔

آج کس کا روزہ نہ تھا۔ سب ناشتے کا لطف بے رہے تھے۔ لڑکیاں چچی کا مذاق اڑانے کے موڈ میں تھیں۔ تب ان کی ماں نے انہیں جھڑک دیا۔ ”فضول اعتراض کرنے کا فائدہ کیا ہے؟ کچھ غسل بھی استعنا کر۔ بھابھی نے بہت ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔ اپنے گھر کے لیے۔ اپنے ماحول کے مطابق ہو پسند کر لی۔ تم لوگ ان کی پسند نہیں ہو سکتیں۔ کیا تم ان کے گھر کا کھانا کھا سکتی ہو؟ کیا ان کی ہر بات مانو گی خدمت کرو گی اسد کا سفر ہو جائے۔ تو اس کے ساتھ جانے کے بجائے گھر میں ماس کے ساتھ رہنا پسند کرو گی؟ مسلمانوں کی خاطر کرو گی؟ صبح سویرے اٹھ کر ناشتہ بیٹو گی؟ بھابھی نے اسی طرح عمر گزار دی ہے۔ زندگی زندگی میں۔ وہ کبھی ان کے ساتھ نہیں گئیں۔ اماں



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

یہے شائنگ اتھر کے لیلر سے یا مہرن کے ٹیلر سے  
جھگڑنے کی سوچ یا پھر پھوپھوں سے بحث جو گاڑی  
ڈرائیو کرتے ہیں باہر تھانے کی فرمت نہ ملتی ہوگی یا  
سڑک پر موٹر سائیکل والے ٹیڈل چلنے والے کیڑے  
کوڑے ہی لگتے ہوں گے۔ کون غور کرتا ہے۔

"شلو آپو آگیا۔" بس رک گئی۔ اماں بی چو کتا اور  
پر جوش نظر آئیں۔ بڑی ٹیکسی میں وہ چاندوں بیٹھ کر  
شلو مقصود پر چپیں۔ عظمیٰ بے تالی سے انز کر گیت  
پر پانچ گئی۔ عظمیٰ کے ہن پر ہاتھ رکھ کر ہٹا ہوا ہوا گئی۔  
پھر اندر سے کسی پھانی تو آواز آنے پر انگلی ہٹائی۔ تو غور  
کیا اندر تو خاصی گرا گری تھی۔

"ارے ارے بھئی کون ہے یہ بے قرار ہستی۔ مہر  
نہ ہو تو ہندو عقل سے کام لیتا ہے۔ لگتا ہے۔ کھولتی  
ہوں بابا۔ مگر ہو کون ہوتو۔"

"ہم۔ لاہور سے آئے ہیں۔"  
"لاہور سے آئے والے کیا ہوا کے گھوڑے پر سوار  
ہو کر آتے ہیں۔ دیکھو جی ہم نے تورا۔ چولھے پر  
چڑھایا ہوا ہے۔ چکن بھونے والا ہے۔ جل جلا گیا۔  
تھمرا کیا بگڑے گ۔ روزے میں تالی میری شامت  
ہلائیں گی۔ نام ہتا۔ سور نہ آگے جاؤ۔"

"تورا۔ ارے نکھی تم اظہاری نہیں ہتا تمہا  
کیا۔ خلی تورا سے پر تالی کوڑ خالی ہو۔" عظمیٰ کہہ نہ تھی۔

"تو ہو۔ بڑی لچر ہو تم۔ کھولتی ہوں۔" اندر سے  
ایک نور لکارتی آواز بھی آ رہی تھی۔ "ارے یہ  
دروازے پر کس سے باتیں ملانے گئی۔ اس لڑکی سے  
تو۔ ارے میری ناک نہ کٹاؤ۔"

گٹ کھلا۔ ایک چاند طلوع ہوا۔ سورج کی روشنی  
ہلکی پڑ گئی۔ پھر وہ چاند گراہر کوڈ کر تکی "چھوٹی تالی۔"  
الہی سے لپٹ گئی۔

لانا بی نے سرزنش کے طور پر چکے سے کہا۔ "یہ  
معاذین تو ہٹاؤ۔" ایک کپڑا نیچے پھینک کے قدموں میں  
گرا۔ عظمیٰ نے جھٹ پٹ اٹھا لیا۔ سب اندر جا رہے  
تھے عظمیٰ سوٹ کیس اٹھائے پیچھے پیچھے۔

میں داخل ہو گیا تھا۔ روزہ دار برکتیں سمیٹ رہے  
تھے۔ جن کے نصیب میں رحمتوں کا حصول نہ تھا۔ وہ  
بھی اظہار کی ہوتوں سے بھر پور انصاف کر رہے تھے۔  
اماں بی کو اپنی بہو کے عید کے جوڑے کی فکر تھی۔  
ہارے ہن کی مرضی اور پسند کا جوڑا تیار ہو گیا۔ تو انہوں  
نے شلو آباد کے لیے قصد کیا۔ جھٹلی اور سند کو جلا یا۔  
دولوں آگئیں اور لالہ بی عظمیٰ اور ان دونوں کے ساتھ  
عازم شلو آپو روانہ۔

پھپھو نے تو اپنی گاڑی کی پیش کش کی۔ مگر گاڑی تو  
لسد کو بھی مل گئی تھی۔ مسئلہ ڈرائیو کا تھا۔ پھپھو اپنی  
گاڑی خود ڈرائیو کرتے تھے۔ یا ان کا بیٹا۔ مگر اماں بی  
کسی موڈ کو لے جانے کے حق میں نہ تھیں۔ راستہ  
و پچسپ تھا۔ اماں بی اور تالی ایک ساتھ۔ عظمیٰ اور پھپھو  
ایک ساتھ بیٹھی تھیں۔ بس کے سفر سے نا آشنا پھپھو  
کو گھڑکی سے جھانکنے اور باہر کے نظاروں سے دلچسپی ہو  
رہی تھی۔ سڑک کے کنارے گئے درختوں کے پتے  
ہوا کی تیزی سے جھوم رہے تھے۔ تھلیاں بھاری  
تھے۔ پھپھو بہت جذباتی ہو رہی تھیں۔ وہ باہر پار عظمیٰ  
کی توجہ سڑک کی طرف مبذول کرتیں۔

"دیکھو دیکھو ان درختوں کی کوئٹلیں کس قدر  
سرخ اور حنائی ہیں اور کوئی فالس۔"

عظمیٰ سوچیں۔ پھپھو نے اپنی کوئٹلی کے گلان پر بھی  
توجہ نہیں دی کیا وہاں بھی کوئٹلیں ایسی ہی ہوتی ہوں  
گی۔ ہمار وہاں بھی آتی ہوگی۔ لیکن یہ انسانی فطرت  
ہے۔ اپنے اختیار میں جو ہے اس کی طرف نظر ڈالنے  
کی فرمت نہیں ہوتی۔ کبھی عظمیٰ کا ہاتھ ہلا کر گھڑکی  
کے باہر متوجہ کر تھیں۔

"ارے ارے وہ گھوڑا یہ موٹر سائیکل والا۔ چار  
پہلوں ایک بیوی کے ساتھ کس مزے سے جا رہا ہے۔  
مزے کا میں ہے نا۔"

ہا کیا کہتی۔ ہمارے شہر میں آئے دن ایسے مناظر ملا  
کرتے ہیں۔ پھپھو کو یہ سین بیا کیوں لگ رہا ہے۔ جب  
یہ کہیں جاتی ہیں۔ کیا باہر نہیں دیکھتیں۔ مگر اس  
وقت اپنے مسائل میں گھری ہوئی ہیں۔ مہرن کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

پھپھو کو کیسی لگے گی؟ لیکن آکر اطمینان ہوا۔  
گھر صاف ستھرا گو کہ برائے زمانے کا تھا۔ ثوبیہ تو  
کسی حلیے میں ہوتی۔ اچھی ہی لگتی روشن آنکھیں۔  
چھانکا چھو جسے چاندنی چکن ہوتی ہو۔ مسکرائی تو جیسے  
کر نہیں پھر گئیں۔

ظہر کی نماز بڑھ کر ان لوگوں کی واپسی ہوئی۔ واپسی  
کے سفر میں بس کی کھڑکی سے بھانٹنے کی کسی کو فرصت  
نہ ملی۔ نہ باہر کے نظاروں سے دلچسپی ہوئی۔ پھپھو پور  
پائل مسلسل ثوبیہ کی تھڑستی اس کے پکائے کھانے کی  
تعریف میں ہی مصروف تھیں۔

”تورم۔ کس قدر خوشبودار اور لذیذ تھا۔ راستہ کتنا  
نقیں تھا۔ مزا آگیا اور جب میں نے کہا۔ کوئی سبزی بنا  
لیتیں تو اچھا تھا۔ پھپھو بھی کھالیتے۔“ مائی نے کہا۔  
”تو فوراً ایک ڈش اور لے آؤں۔ میں تو ڈر گئی کہ پتا  
نہیں کیسے گولے ہیں۔“ پھپھو کہہ رہی تھیں۔ ”اس  
نے پھر تھایا۔ پالک کے کولتے ہیں۔ پالک کو پالک کی سبزی  
اچھی نہیں لگتی۔ تو میں پالک پھیر کے کولتے بنا لیتی  
ہوں۔“

”اور بھی ڈالتے وار بھی تھے۔ مزا آگیا۔ ترکیب  
بھی بتا دی۔ اب میں اپنے خاندان سے پکاؤں گی۔“  
پائل کو تو بہت مزا آ رہا تھا۔ پھپھو بھی ہاں میں ہاں ملا رہی  
تھیں۔

”لڑکی میں مہنوز بھی ہیں۔ فوراً ہی جو س لے  
آئی۔ سمجھ گئی کہ ہم بے روزگار ہیں۔“  
دونوں مسلسل تعریفیں کر رہی تھیں۔ عظمیٰ حیران  
تھی۔ کیا یہ بتاؤں یا تم سے توئی لگاوت ہے۔ خصوصاً  
پائل نے تو ہمیشہ لاشلی کو حقارت کی نظر سے دیکھا۔ اپنی  
پرتری کا مظاہرہ کیا۔ اسد اور عظمیٰ کو تو کبھی کسی قابل  
سمجھایا نہیں۔

وہ لگے مند ہو گئی۔ اب شادی کے دوران پائل کی  
جانب سے کوئی نیا شو شائن نہ ہو جا جائے کہ ان لوگوں کی  
خوشیاں۔ عم و لگے پور افسوس کی نذر ہو جائیں لیکن  
عظمیٰ نہیں جانتی تھی۔ انسان کی زندگی میں کوئی خوش  
نصیب لمحہ ایسا بھی آتا ہے جب تاریکی میں سورج کی

اندھ ایک لور دلپسپ نکلا۔ چار خواتین ایک  
دوسرے سے لپٹی نہیں رہی تھیں کہ رو رہی تھیں۔  
اس دوران ثوبیہ عظمیٰ کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے  
آئی۔ وہ چاروں بھی اندر آ گئیں۔ ثوبیہ کا تعارف کرایا  
کیا۔

”سرا حاکم کر سلام کرو ثوبیہ۔ سسرال والے ہیں۔“  
وہ فوراً ”سرور دلپسپ ڈال کر ان کے آگے جھک گئی۔  
”فلیسہ بغیر اطلاع ہی آ گئیں۔ بتا دیتیں تو میں  
کچھ تیاری تو کرتی۔“ خالد لاش تاراض ہوئیں۔  
”بس تبا ثوبیہ کا عید کا جوڑا لانا تھا۔ اس لیے جلدی  
میں یاد نہیں رہا۔“

اس عرصے میں ثوبیہ چھلادے کی طرح باہر نکل  
مگنی۔ منٹوں میں دو گلاسوں میں جوس لے آئی۔ پھپھو  
لور آئی کے سامنے رکھ دیا۔ خالد لاش ”ہائیں  
ہائیں۔ روزے کا تو۔“ کتنی رو گئیں انہوں نے  
گلاس ہونٹوں سے نکالیے۔

”تبا! ہمارا روزہ نہیں ہے۔ سفر کرنا تھا۔ سو چالند  
نے اجازت بھی دی ہے تو۔ فائدہ اٹھالیں۔ شاکہ تو  
شوگر کی وجہ سے۔“ مائی معذرت کر رہی تھیں  
ساتھ ہی ثوبیہ کی تعریف بھی کہ اس نے پہچان لیا۔ وہ  
منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔ عظمیٰ کے کان کے قریب ہو کر۔

”روزہ دار تو شکل سے پہچان لیا جاتا ہے۔ جیسے تم  
اور چھوٹی مائی۔“

پائل نے ثوبیہ کی طرف رخ کر کے کہا۔ ”لور ہاں  
بھئی۔ او تمہارا چکن تورم اگر تیار ہے تو دو نم کھا کر ہی  
جائیں گے۔ ثوبیہ دانت جڑکانے لگی۔

خالد لاش نے ثوبیہ سے کہا۔ ”جو حلیہ درست کر  
کے لو۔ یہ تمہارا عید کا جوڑا لائے ہیں۔“

”عید کا جوڑا؟ پائل کہاں ہے دکھائیں میں بھی تو  
دیکھوں“ ثوبیہ بے قرار ہو گئی۔ آگے بڑھی۔

خالد لاش نے گھورا تو چلی گئی۔ عظمیٰ سوچ رہی  
تھی۔ بغیر اطلاع ہم جا رہے ہیں۔ نہ جانے گھر کس  
حال میں ہو گا اور ثوبیہ کس حلیے میں ملے گی۔ پائل اور



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریٹریوم ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety1](https://twitter.com/paksociety1)

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM



انگلا دن بہت ہی حیران کن تھا۔ صبح عظمیٰ گھر کی صفائی سے فارغ ہوئی تھی۔ نماز پڑھنے پر کھڑے ہو کر لہاں لی کے پاس پہنچ گئی۔ پشٹی کا دن تھا۔ اسد سو رہا تھا۔ دروازے پر ٹپل ہوئی۔ عظمیٰ نے دروازہ کھولا۔ حیرانی سامنے خالہ اماں اور ثوبہ کھڑی تھیں۔ اور ان کے پیچھے خالہ اماں کے بیٹے افسر علی کھڑے تھے۔ پیچھے سیاہ بڑی سی گاڑی تھی۔ ڈرائیور نیچے کھڑا تھا۔

اندرونی اہل کی خوشی دیدلی تھی۔ ثوبہ برآمدے میں ہی بیٹھ کر لوہو لوہو نظر میں کھمانے لگی۔ پھر کچن کی سیر کو چلی گئی۔ عظمیٰ نے اسد کو جگایا۔ "بھائی انھیں خالہ اماں آئی ہیں۔ افسر بھائی بھی ساتھ آئے ہیں۔ آپ بھی آجائیں۔"

"ہاں۔ اسی کا بدلہ لیا ہے انہوں نے۔ بغیر اطلاع صبح صبح آگئیں۔"

اسد نے اٹھ کر بال برابر کئے۔ گھڑی پہنی۔ "اچھا۔ خالہ اماں باجی اٹھ مارنوا سی کو بھی لے آئیں۔"

"وہ بھی آئی ہیں۔" عظمیٰ نے ہم پھوڑا۔ اسد ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگا۔

وہ برآمدے میں مل گئی۔ شریا کر سلام کیا۔ "تم اپنا ڈنڈا نہیں لائیں؟" اسد نے طنز کیا۔

"ضرورت نہیں تھی۔ افسر ماموں ساتھ آئے ہیں۔"

اندرونی اہل کسی الجھن میں تھیں۔ مگر خوشی من کے چہرے سے ظاہر تھی۔ اسد افسر بھائی سے ملا۔

"اسد بیٹا! تم ایسا کرو۔ فون کر کے اپنے لیا جان کو بلاؤ۔" اماں بی بی سنجیدہ تھیں۔

"آپ آج خاص بات کرنے آئی ہیں۔" اماں بی بی نے پراسرار انداز میں بتایا۔

"تھو میں خود بتائی ہوں۔" خالہ اماں نے انہیں روک دیا۔ "میں آج اپنے بیٹے افسر کے لیے عظمیٰ کا رشتہ مانگنے آئی ہوں۔ تم بڑے بھائی ہو عظمیٰ کے۔"

شعاع بن کر وجود کو روشن کر رہا ہے۔ ماضی کی غلط فہمیوں اور خود ساختہ منہی خیال آرائیوں پر حاوی ہو کر حرف غلط کی طرح مٹا رہتا ہے۔ شاید تلی کو بھی اس شعاع نے روشنی پہنچا دی تھی۔ وہ خود بخود انصاف پسند ہو گئی تھیں۔

تلی اور پھیر دونوں کا اصرار تھا کہ ہمارے ساتھ چلو۔ روزہ ہمارے پاس کھول لیٹک مگر اماں بی کو اسد کے روزے کی بھی فکر تھی۔ پھیر اور تلیا کے گھر کوئی روزہ دار نہ تھا۔ اور کسی ایک کے گھر جانے کی صورت میں دوسرے کو شکایت کا موقع دینا بھی مناسب نہ تھا۔

اس لیے وہ اپنے گھر ہی آگئیں۔ آتے ہی عظمیٰ نے افطاری کی تیاری شروع کر دی۔ اسد کے آنے تک سب تیار تھا۔ اس لیے عظمیٰ اسد کو اپنے شاہ آباد کے دورے کی بات بتانے لگی۔ اسے تو ثوبہ بے حد پسند آئی تھی۔ اس کی دلیری فہم و فراست بے تکلفی سے بے ریا بے اوٹ ثابت کر رہے تھے۔

"ہاں ہے۔ دروازہ کھولنے آئی۔ تب بھی ڈنڈا اس کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرے ہاتھ میں جھاڑن تھا۔ ڈنڈا کچن کے دروازے سے لگا رہتا ہے کب موقع ملے اور وہ کسی کے سر پر رسید کرے۔ خالہ اماں کہہ رہی تھیں۔ پر سوں لودھ والے کا ہاتھ ثوبہ کے ہاتھ سے ڈرا سا مس ہو گیا۔ بس جناب مروا گئی کا جو ہر دکھانے کا موقع مل گیا۔" وہ کابر تن گرا۔ لودھ گرا۔ وہ ڈنڈا اٹھا کر ہاتھ پکڑ کر ناپنے لگا۔ تب ہٹا کر نے معافی مانگنے لگا۔

"خوش ہو رہی ہو؟" خیر مذاق اپنے بھائی کی۔ پتا نہیں کس بات پر مجھ غریب پر مروا گئی کے جو ہر دکھانے کا موقع مل جائے۔"

اسد ج کر اسے اس دلیری کا تاریک پہلو دکھا رہا تھا۔ عظمیٰ ڈر گئی۔ اوہرا دھر جو بھی لکڑی۔ یا اس سے ملتی جلتی کوئی چیز نظر آئی اٹھا کر تلی میں پھینک آئی۔ ہاں بھئی وقت کا کیا بھروسا اور اگر خاندان والوں میں ان کے اس جوہر کی شہرت ہو گئی تو لوگ کیا کہیں گے؟ ہمارا مذاق اڑایا جائے گا۔ اف کہیں وہ ڈنڈا چیز میں نہ لے آئے؟ ہمارے گھر۔



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

تمہیں اقتدار ہے۔"

اسد نے تلیا کو فون کروا۔ پھیر کو بھی بلا لیا۔ تلیا اپنے بیٹے کے ساتھ فوراً آگئے۔ اسر سے چند سوالات کیے۔ خوب صورت وجہ دے بلند ہوا۔ تلیا کہنے لگے کہ تمہیں اسے عطا کر دو۔ اس نے تلیا کو دیکھ کر قہقہہ کر لیا تھا۔ مگر اسر رات کو آیا۔ تو میں نے اس کی مرضی معلوم کی۔ اس نے تو عظمیٰ کو یہ سولہ سے نہیں دیکھا تھا۔ مگر میرے کہنے کی وجہ سے یہ فوراً راضی ہو گیا۔ میری خوشی اسی میں تھی۔ اور اسر میری خاطر رضامند ہو گیا۔ اب تباہیوں کا جو یہ عمل ہو۔"

پر ہاتھ رکھتا ہے۔"

"ہاں بھائی! اور میں بھی اماں جان کی وصیت پوری ہوئی نظر آ رہی ہے۔" پھر تلیا اور پھیر مل جل کر چلے گئے۔ اسد بہت خوش تھا۔ اسر سے مل کر باتیں کر کے بہت اطمینان ہوا تھا۔ اس نے بھی شکرانے کے لٹل پڑھے۔ عظمیٰ حسد کا فون سن کر حواس باختہ آئی۔

"بھائی! ارشد بھائی جب سے یہاں سے گئے ہیں۔ تلیا سے لڑ رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں۔ اسد کی بیوی اتنی حسین ہے اور آپ نے میرے لیے وہ عظمیٰ چھوٹی آنکھوں والی پسند کی ہے۔ انہیں بہت خاصہ آ رہا ہے اور انہوں نے مطالبہ حسد کے کہا کہ عظمیٰ یہ تو وہ سہ ہے۔ خالہ اماں کے گھر میں دلوں کا رشتہ۔"

وہ اگلی بات چھا گئی۔ "حسد نے کہا بھائی کہ رہے ہیں عظمیٰ تب کو نظر نہیں آئی۔ کیا خزاں ہے اس میں آپ نے دیکھا اس کا رشتہ کتنے اعلیٰ اسر کے ساتھ ہو رہا ہے۔ آپ ان لوگوں کو کتنی سمجھتی رہیں۔"

انہل میں تو حسد خود بھی اسر کی وجاہت اس کی شہادت اور جاہ۔ مرسلین گاڑی کا سن کر حسد میں جھلا ہوا گئی تھی۔ حسد کے لائق تھا یہ رشتہ۔ نہ کہ اس باسی عظمیٰ کے۔ اسد کو اچانک خیال آیا۔ وہ ہڑبوا گیا۔

"تلیا بی! اماں بی! یہ تو وہ سہ ہے۔ مجھے یہ وہ سہ بالکل منظور نہیں۔ تب میری مکھی توڑ دیں بالکل توڑ دیں۔"

"اب یہ کون سا سودا سا گیا ہلک میں۔ مکھی تو میں نے کی تھی تمہیں۔ کیا توڑوں؟" اماں بی انہوں بن گئیں۔

"اب یہ بھی کوئی بات ہے۔ عظمیٰ۔ میری مولیٰ ماں بن جائے گی۔ توپ کے رشتے تھے۔ اسی رشتے سے میں عظمیٰ کا والد۔ انہوں میں میرا رشتہ ختم کریں۔ لوگ مذاق اڑائیں گے۔"

"کوئی کسی کا مذاق نہیں اڑاتا۔ خاندان میں کوئی اس قسم کے رشتے ہو چکے ہیں۔ میرا بی! بسن کے ساتھ ایک چا معالجہ ہوا ہے۔ میں سے رشتہ توڑ سکتے ہو۔ تو

انکار کی گنجائش نہ تھی۔ تلیا ان کے بیٹے اور پھیر کو بھی اسر سے تلیا پھیر کے بیٹے انہوں کے ساتھ اپنے کمرے میں باتوں میں لگ گئی۔ جب اسے بلایا گیا تو وہ کسی خوشی جہاں چلی گئی۔ اور پھر حیران کارنگ۔ حیا کے رنگ کے ساتھ چہرے کو گلہا بنا رہا تھا۔ خالہ اماں نے اسے نکلن پہنایا اور عید کا جوڑا بھی دیا۔ خالہ اماں نے کہا۔

"بھئی رمضان شریف کا سہ ہے۔ کسی کام بھی بیٹھا نہیں کر سکتی۔ ملھائی شام کو کھا لیتا۔" تلیا نے عظمیٰ کو گلے لگا کر کہا۔ "میرا منہ بیٹھا کر دیں۔ میرا روزہ نہیں ہے۔ اللہ معاف کرے۔" پھیر کو شوکر تھی۔ مگر انہوں نے جو تصویریں بنا رہے تھے۔ ملھائی سے پرہیز کیوں کرتے۔ تو یہ نے چپکے سے کہا۔

"میں نے تلیا کو یہ تجربہ دی تھی۔ کہو کسی رہی۔" پھر وہ سب چلے گئے۔ انہیں رخصت کرنے سب دروازے تک آئے۔ جہاں ڈرائیور گاڑی کے دروازے کھولے کھڑا تھا۔ اندر آکر سب نے از سر نو اماں بی اور اسد کو مبارکباد دی۔ شادی اس کے دلچسپے دانے روز طے ہوئی تھی۔ لی اماں بہت متاثر تھیں۔

"مجھے تو خیال تک نہ تھا کہ اس طرح آنا۔" خالہ مگر بیٹھے عظمیٰ کی گھر سے آزاد ہو جانے کی اللہ کا بڑا احسان ہے۔ شاہین! تم نے دیکھا اللہ کس طرح چہیوں کے سر

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

# سونہی ہیرائل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے گرتے بالوں کو بچا دے
- بے بالی بنا دے
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بنا دے
- مردوں اور بچوں اور بچوں کے لئے
- یکساں ملتا ہے
- ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے



قیمت = 100 روپے

**سونہی ہیرائل** 72 لیٹروں کا مرکب ہے اس کی چھوٹی کے مرال بہت مشکل ہیں بلکہ یہ تواری مٹھا دینا تیار ہے یہ انسانی داکٹر اورے شرمیں و حجاب نہیں، گراہی میں ذہنی ٹریٹمنٹ کا ہے، ایک لیٹر کا قیمت صرف = 100 روپے ہے، دوسرے فروڈسے شہر آ رہیجی کر، جڑا پوریل سے منگوانیں، ۱۱۱۱۱۱ سے منگوانے والے لیٹروں میں صاب سے بھرا نہیں۔

2 لیٹروں کے لئے ..... 250 روپے

3 لیٹروں کے لئے ..... 350 روپے

نوٹ: اس میں ایک لیٹرا اور بیکل ہر ۱۰۰ شامل ہیں۔

میں آثار بھجنے کے لئے ہمارا پتہ:

پوٹا بکس، 53 اور گز سہ سہ کیت، یکینڈ فور، ماہی سے پتھر، کراچی

دستی خوردہ والی حضرات سونہی ہیرائل ان جگہوں

میں حاصل کریں

پوٹا بکس، 53، صدر ٹریڈ، ڈاکٹ، ایکینڈ فور، ماہی سے پتھر، کراچی

کتبہ محمد انوار ٹرسٹ، 37، ایروڈ، کراچی۔

فون نمبر: 32735071

یہ معاہدہ بھی ٹوٹ سکتا ہے۔"  
 اللہ کی کی ہلک میٹنگ کام آگئی۔ اسد جھلا گیا مگر کیا پورتا، مٹھی مٹھی مٹھی۔ بھائی کی بیزارگی۔ والدہ مگر بے فکری ظاہر کر رہی تھیں۔ نکاح کے دو بولوں میں بڑی خلقت ہوتی ہے۔ انسان کے سارے مٹھی جذبیت پسپا ہو جاتے ہیں۔ لہذا رسول کی گواہی میں بندھن پابند ہوجاتا ہے۔ انسان کی کیا حیثیت کہ اس کی گواہی کو رد کرے اور اسد جیسا شریف۔ نخرے کر رہا ہے۔ کرنے۔"

"اللہ تو یہ جو شایاں ناکام ہوتی ہیں اور طلاق ہوتی ہے یہ جواب نہیں ہوتے۔"

"ہوتے ہیں۔ جواب تو دینا ہو گا۔ اللہ انصاف کرنے والا ہے۔ بعض اوقات۔ بعض مخصوص حالات میں طلاق کی اجازت بھی ہے۔ لیکن اسے کمرہ فعل کہا گیا ہے۔ ناپسندیدہ انسان کا رب سے جو تعلق ہے اسے رب ہی بھتر جاتا ہے۔ ہم تو اس کے احکام کی پابندی ہی کرنا چاہتے ہیں۔"

"تو پھر یہ بھی لیکن ہے کہ ناپسندیدگی کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنا۔ طلاق نہ ہو۔ لیں مگر۔ آپ بھائی کی مرضی تو مطوم کر لیں۔ وہ خوش نظر نہیں آتے۔ شادی کے بعد بھی خوش نہ رہے۔"

"مرضی تو میں نے تم سے بھی نہیں پوچھی۔ سہاں بی کے پاس جواب موجود تھا۔ ہمیں یہ جانی ہوں سہاں باپ کی اطاعت گزار لولہ کو اس کا اجر ملتا ہے۔ لہاں پروردگار لولہ کبھی خسارے میں نہیں رہتی۔"

انہی کے یقین کو بھٹکانے کا حوصلہ اس میں نہ تھا۔ ان کا ہر عمل۔ ہر قدم لولہ کی بہتری کے لیے ہوتا تھا۔ انہوں نے بچوں کی پرورش اور تربیت میں بہت محنت کی تھی۔ ہوش مندی اور جرات سے ہر مشکل کا مقابلہ کیا تھا۔ ان کی عقل و خرد۔ موسم شناسی کا تو اسد بھی قائل تھا۔ وہاں کی قربانیوں کا گواہ تھا۔ اسی لیے ان کے اشارے کو حکم سمجھ کر قبیل بھی کرتا تھا۔





دوسری دنیا کی مخلوق لگ رہی تھی۔ دیکھنے والے  
اعتراف کے بغیر نہ رہے۔ اہل بل بیٹے سو پر آتیں پڑھ  
پڑھ کر چھوٹتی رہیں۔

ایک لمحے کو تو اسد بھی لڑکھڑا کر  
رخصتی دیر رات میں ہوئی۔ عظمیٰ نے سپینوں کی  
مدد سے اسد کا جملہ عروسی بہت فحاشت اور سادگی سے  
سجایا تھا۔

اسد کی سنجیدگی نے اسباباں بی کو فکر مند کر دیا۔ وہ  
ایسا تو نہ تھا۔ خوش ہونا تو خوب ہنستا۔ دوسروں کو ہنسانا  
آج اس خوشی کے دن اور اس کے چہرے پر ہنس کی  
جلک لیکر بھی نہیں۔ کیا واقعی وہ اس شاہوی سے خوش  
نہیں تھی۔ اسے پسند نہیں۔ گھمستہ کیوں گھرتے ہی  
وولھا دلہن کے ساتھ بہن بھائیوں رشتے داروں نے  
تصویریں بنوائیں۔ سب خوش تھے۔ وہ بھی جیسے  
زبردستی کی مسکراہٹ سے سب کی تسلی کر رہا تھا۔ چچا  
کے بیٹے بیٹیاں پیش پیش تھے۔ آخر سب مہمان  
رخصت ہوئے۔ دلہن کو پہلے ہی کمرے میں پہنچا دیا گیا  
تھا۔

دولہا آخری مہمان کو رخصت کر کے کمرے میں  
بٹھے۔ اندر کا سین آگ بگول کرنے کے لیے کھلی تھا۔  
دلہن بیگم لباس تبدیل کر کے سو چکی تھیں۔ ان کا  
عروسی لباس کرسی پر تہ کیا رکھا تھا۔ زیورات ڈبے میں  
بند۔ واہ بھی سلیقہ۔ تن کون کرتے تھے روم میں تھے۔  
لباس تبدیل کیا کمرے میں آکر بے وردی سے ہنپھوڑ  
کر دکھایا۔

”کیا ہوا کون آیا۔ کیا ہے؟“ کچی نیند سے ہڑبڑا کر  
اٹھی شعلہ جوالہ۔ کچی نیند کے باعث سبز آنکھوں میں  
گلابیوں گھلی ہوئی تھیں۔ چہرے پر تمارت۔ میک اپ  
سے عاری چہرہ گلابی ہونٹوں کے درمیان سفید موتی  
دک رہے تھے۔ تنہا کی ایسی کہ۔۔۔ جیسے زمین آسمان  
نور میں نما گئے۔ زبان دہکن منور۔ دولہا نے بھی ایسا  
نظارہ کہاں دیکھا تھا۔ پھولوں سے بھرا کمرہ گھوم گیا۔ وہ  
پکرا گئے۔ یہ پری۔ کیا یہ میری ہے۔ ملکیت کا تصور  
ہی بڑا خواب ناگ تھا۔ مفزور ہو گئے۔

عید اس بار کچھ زیادہ ہی لمطراق کے ساتھ آئی تھی  
عظمیٰ کو اندازہ ہو گیا تھا۔ اس نے شیر خرما۔ دوسری بڑے  
فروت چٹا اور کھوپنے کی چٹا زیادہ بنائی۔ چٹا  
سالہ وہ لہر میں ہی بنا کر رکھتی تھی۔

بہت مہمان آئے۔ اسد کی شاہوی کا من کر مبارکباد  
اور کچھ جیتو کے شوق میں۔ عظمیٰ کی سپیلیوں نے اس  
کی شاہوی کا من کر خوب بانگ لگا کیا۔

چند دن بعد دونوں بھائی بہن کی ہایوں کی رسم بھی کی  
لیکن اسد کسی طرح سامنے نہ آیا۔ نہ جانے کہاں  
غائب ہوا۔ رشتے دار آئے۔ عظمیٰ کی رسم آواکی۔ کہاں  
کر سدھارے۔ لڑکیاں وہ کٹھن گلے بھانے کے  
لیے۔

اہل بیا نے کئی بار اسد سے کہا کہ وہ اپنے دوستوں کو  
بارت لور ولہجے کی دعوت دے دے۔ مگر اسد نے  
عظمیٰ کو بتایا کہ اگر میرے کسی دوست نے ثوبہ صلاح  
کو کچھ کہہ دیا۔ تو ان کا ڈنڈا اور میرے دوست کی گھریا  
سر۔ نہیں بھیجی میں یہ رسک نہیں لے سکتا۔ اب صحیح  
وجہ تو یہ معلوم کیا گئی۔ بھی دلہن ڈنڈا جینز میں تولالے  
سے رہی۔ اس کے ہاتھ میں تو پرس ہو گیا۔

لیکن بارات کی روانگی کے وقت اسد کی حیرت دیدنی  
تھی۔ اس کے تمام دوست بصد شوق موجود تھے۔ اہل  
بی کے انتظام معمولی نہ تھے۔ فہرہ مرحوم کے بیٹے کی  
شادی میں سب رشتے داروں نے شرکت کی۔ بارات  
شلو تیار تھی۔ تو وہاں بے حد تیاک سے استقبال ہوا۔  
شلوی بل کو بہت نوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔ افسر  
نے اپنی پوزیشن کے مطابق بہت اعلیٰ انتظام کیا تھا۔ ہر  
سمت پھولوں کی لڑیاں۔ روشنی کی چکاچوند۔

لڑکی والوں کی طرف سے اعلیٰ طبقے کی لہجہوں کی  
شرکت۔ افسر کے تمام احباب۔ کٹشز ڈوٹی کٹشز۔  
بٹکوں کے اعلیٰ عمدے دار سب لہجہ کے ساتھ  
موجود تھے۔ ثوبہ کے والد نے بھی اپنا فرض نبھایا اور کیا  
تھا۔ بہت اچھا جینزیا۔ دلہن اور دولہا کو کتر کھنے والوں  
کو علم ہو گیا کہ کوئی کم حیثیت ہوتا ہے نہ کتر۔ خود کو  
پرتر کھنے والوں کی عقل کا تصور ہوتا ہے۔ دلہن تو کسی

www.paksociety.com

www.paksociety.com

تھی۔ جو اسد کے دل میں اس ہنگی کے لیے ٹیک چڑھ  
بیدار ہو جائے۔ اسے کوئی بھی بلوا بھا جائے زندگی میں  
خوشیوں کا راج ہو جائے کرے سے اپنی ہنسی کی ملی  
جلی جھنکار۔ ساعت میں شہنائی من کر دیا کی مقبولیت کا  
شرورہ ستانے لگی۔ انہوں نے آسمان کی جانب نظر ڈالی  
خیلے آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ ستارے بھی  
انہیں مبارکباد دے رہے تھے۔

انہوں نے شکرانے کی نفل کی نیت کر لی۔ اس دن  
کا برسوں سے انتظار تھا۔ کس سولت سے وہ دونوں  
کے قرائض سے سبکدوش ہوئی تھیں۔ ساری  
محرومیوں کا ازالہ ہو گیا تھا۔ وہ سرخ رو ہو گئی تھیں۔  
ہمت دکھ اٹھائے۔ صبرِ حیرت۔ لوگوں کی زبان کی  
تندی۔ تلوار جیسی چھینتی زخم کر دیتی نظروں کی  
حقارت برداشت کی۔ پاموئی سے مصائب کا مقابلہ  
کیا تب جاگ۔ سر اٹھانے کے قابل ہوئیں۔

ماس کا تعاون مہمیت اور محبت نے ہمت پر بحالی  
لور دیکھتے دیکھتے۔ دکھ کی گھاٹیں مسٹ گئیں۔ مطلع  
صاف ہو گیا۔ پھر۔ دای زخم کر پیدل نظروں کے  
زائسے بدل گئے۔ لور دن میں مہربانی اور خوشامد نظر  
آئے لگی۔ اب وقت بدل گیا تھا۔

ہمت موصول خاموشی نفل اور برداشت ایسے بے  
ضرر ہتھیاروں سے مقابلہ کیا تھا۔ جن کا توڑ نہ تھا۔  
کسی کو جواب دیا نہ شکایت کی اور منزل مراد حاصل کر  
لی۔ لب و لہجہ اللہ کے آگے جھکی ہوئی شکر لوار کر دی  
تھیں۔ ان کی خاموش فریاد اور بے آواز آنسو اللہ کی  
بارگاہ میں قبول ہوئے۔ ہمیشہ اللہ سے ہی مدد مانگی تھی  
لور اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ مانگے والے کو وہ نامید  
نہیں کرتا۔ اسی یقین اور امید نے انہیں فتح سے  
ہمکنار کر دیا تھا۔

نجر کی لڑان ہو رہی تھی۔ ان کی آنکھوں میں  
ستارے چمک رہے تھے خوشی کے آنسو ستارے بن  
کر جھلسا رہے تھے اور بارگاہ رب العزت میں شکرانے  
کے موتیوں کا ہدیہ پہنچا رہے تھے۔

”اے گھر میں تو رات بھر جا کا کرتی تھیں۔ یہاں  
آئے ہی سو گئیں۔“ شکوہ کرنا حق تھا۔

”یہاں چلے کب ملی۔“ ترنت جواب ملا۔  
کیوں جگا دیا۔ نیند آ رہی تھی۔ ”اوہر بھی ناز بھرا شکوہ  
تھا۔“

”میں بس۔ منہ دکھائی لایا تھا۔ سوچا جاگا کر دے ہی  
دل۔ ورنہ رخ لالہ ملی سے شکایت کر دگی۔“

”منہ دکھائی؟ ہیں؟ ارے اچھا۔ دکھاؤ ذرا۔“ شوق  
کا عالم دینا تھا۔ آنکھوں میں ستارے دوک رہے تھے  
چہرے پر جگر گاہٹ سی۔ مسکراہٹ تھی کہ الاماں۔  
”یہ دکھاؤ کیا ہوتا ہے۔ تیز سے بات کرو۔“

شوہر نے رعب خود بخود طاری ہو گیا۔  
”میں حضور۔ دکھائے حضور۔ اب صبح ہے؟“ بے  
تکلفی۔

”ہاں لور کھو۔“ اسد ایک دو فٹ کا موٹی ستارے  
نگ لگا رہیں ڈنڈا دونوں ہاتھوں میں یوں لیے کھڑا تھا  
جیسے کسی بہادر کو شمشیر حیدر پیش کی جاتی ہے۔

”لججے۔ اب کی خدمت میں۔ ایک حسین شخص۔“  
اوہر مسکراہٹ یک لخت تھمتے میں تبدیل ہو گئی۔

اب وہ نفس رہی تھی۔ منہ دبا کر۔ پیٹ دبا کر۔ اس کے  
لوٹ بوٹ۔ اس کی ہنسی بے ریا۔ مصفا ہنسی سے کوا  
جہنم جانا گیا۔ اس نے لیک کر ڈنڈا اسد کے ہاتھ سے  
اچک لیا۔ کندھے پر رکھ کر اسٹائل بنایا۔

”اب ٹھیک ہے؟ ہائے کتنا پیارا ہے۔“ انگلیوں  
سے چمکار رہی تھی۔ ڈنڈے کو سادے سے مہوت ہو  
کر دیکھ رہا تھا۔ پاکیزہ آوا۔ معصوم ظلم۔ کبھی کبھی کو  
ایسا ہو شرا حسن و کیا تھا۔ سادگی اور پر کاری۔

”نصرو۔ میں تصویر لے لوں۔“ میز سے کیمرہ اٹھا  
لیا۔

وہ نئے نئے بوز بناتی تھی۔ اسد کی رکی ہوئی ہنسی  
پھلتی چلی گئی۔ کئی دنوں کا مصنوعی خول اتر گیا۔ اب  
دونوں کی ہنسی ایک دوسرے میں مدغم ہو کر کمرے کی  
حدود سے باہر کھن میں پھرانے لگی۔

پریشان منظر ہاں۔ نماز کے بعد وظیفہ پڑھ رہی



شہزادہ نجاری

پہلے سیرت

ٹریا پچھو کو بتایا تو پرانے اسٹور میں بند کر دی گئی۔ پھر وہاں جو بھڑا بھڑا جتا ہے وہ کھا جائے گا تمہیں۔ شیطان کے یہ پرکالے اگر کسی سے ڈرتے تھے تو وہ خوش نصیب بھلاؤ بلا ہی تھا۔ ورنہ بڑے سے بڑا ان کے سامنے پانی بھرنا دکھائی دیتا تھا اور اب داوی ان ہی ذیلوں کے ہل جانے کا درد گراہنا ہے ٹیٹھی نہیں۔ بچہ اور گندو اچھل اچھل کر "جائیں گے" بھیجی جائیں گے ہم سب جائیں گے۔ نگار تھے زاوی پورا اور گندو کی آٹھ اور دس سالہ گندو کی پھلی اور ان کا گانا بن کر مسکرا رہی تھیں۔

مہربو! تم جاننے کی تیاری کرو۔

"اماں! آپ شاید بھول رہی ہیں۔ اس گھر کے سربراہ آپ کے فرزند میرے مجازی خدا ہیں۔ کیسے آنے جانے کے لیے ان کی اجازت لے لی جائے تو وہ آپ پر کئی قبضوں سے بچا جاسکتا ہے۔"

"میرے اس کی فکر کیوں کرتی ہو فاطمہ! اس سے تو میں آپ بات کر لوں گی تم بس جانے کی تیاری مواد اور رعنا کو ذرا اٹھکے کے پڑے سلوادو۔ ٹریا کی سسرال بہت بڑی ہے۔ اس کے ہاں ہر وقت تاتا جانا لگا رہتا ہے۔"

اور یہ پہلی بات تھی جو رعنا کو پسند آئی۔ موڈ کچھ خوش گوار ہو گیا۔ شام کو لاپا آئے اس میں پروگرام سے اگلا کیا گیا۔ سن کر حیران بھی ہوئے اور پریشان بھی۔ "رمضان کا مہینہ ہے، مجھے روزے کون رکھوائے گا۔"

جون کا اخیر۔ پنجاب کی رعنا کا خیز گری اور اس پر مستزاد داوی کا ہنسناک اعلان۔

"اس مرتبہ عید ٹریا کے ہل کی جائے گی۔"

گندو اور بیو نے سنتے ہی خوشی میں دھل ڈالی "امی حیران پریشان تمہیں ساس کے دماغ کو گری تو نہیں لگ گئی۔ مٹھے کے گھر گھر کے چکر لگانے سے باز بھی تو نہیں آئیں۔ اب تو نکلے کے بد تمیز لونڈوں نے ان کا نام بھی پھر کی داوی رکھ چھوڑا ہے۔ لیکن داوی کو پروا ہی کہاں ہے، کھتی ہیں یہ تو فلی کے کتے ہیں۔ آپ سی بھونک بھونک کے خاموش ہو جائیں گے۔"

"اماں! ٹریا کے ہل جانے کا آخر کیا ہوا ہے۔"

امی نے ساس کی ہانسی مالت بھانپنے کے لیے پوچھا تھا۔ جواب میں کہنے کا کراہتا ہوا عین پر آیا بولیں۔

"بٹی کے ہل جانے کے لیے بھی بھلا کسی مطلب یا مقصد کی ضرورت ہوتی ہے۔ بس یہ تو آری سے اس کی۔ اس کلورہ بڑا بڑا ہوا اور کان کن میں لگے آم اور جامن کے درخت اب تو بچھل اپنے جون پر ہو گا ہم جائیں گے اور سب جائیں گے۔"

"داوی سترجھے راس نہیں آتے۔ رعنا نے بودا سا اعتراض کیا۔ وہ سفر سے بہت گھبرائی تھی اور یہ تو ایک نہ لا پورے سات گھنٹے کا سفر تھا اور پھر مشیل کیا تھی۔ ٹریا پچھو کا گھر جن کے پانچ بد تمیز بچوں سے وہ ہمیشہ خار کھاتی تھی۔ چٹھیوں میں جب بھی پچھو ان کے ہاں آئی تھی۔ یہ بچے بلا مبالغہ رعنا سے دن میں تین سے چار بار پختے تھے۔ مسکی یہ دی جاتی تھی اگر تم نے



”ہم تک رہتے ہیں، چاہیں آپ لوگوں کے آنے تک بالکل تیار ہو جائیں گے۔ بچے ان لوگوں کی آمد کا سن کر بے حد خوش ہیں اور عید۔“

ٹرین کا سفر تھا۔ امی آج کل کے حالات اور خاص کر ٹرینوں کے چلن سے کچھ پریشان تھیں۔ آئے روز

نیو وی پر نہیں چلتی تھیں۔ فلاں ٹرین کا انجن فلاں اسٹیشن پر ٹیل ہو گیا۔ مسافروں نے رات ریلوے کو کہتے ہوئے کل۔ کبھی کبھی تو ٹرین سیاری سیاری رات کسی جھگڑے میں کھڑی رہتی تھی۔ امی کے خیالات سے تو پوچھ گٹھو لوور کبھی روٹنا کا سہارا لے کر ہینڈ سے اترنے والی دلووی نے سیدھ بھونک کر فرمایا۔

”فکر کیوں کر لی ہو، فخر ہے۔ آخر میں تمہارے ساتھ ہوں۔“

”بھئی ہم کون سا ابھی کے ابھی جا رہے ہیں۔ عید سے چار روز پہلے جائیں گے۔ فخر تمہارے لیے کھری اور انٹاری رہا کر فریڈ کو سے لی اور ہیں سنو چاند رات کو تم بھی ملتان آ جاؤ۔ مل کر عید کریں گے۔ ٹریا کئی سالوں سے اصرار کر رہی ہے۔ نوٹس ہو جائے گی۔“

کچھ بحث کے بعد آخری ایسے بھی اقرار میں گھروں بنا وی ٹریا پھپھو کو فون پر اطلاع دے وی گئی اور اس کے بعد شاپنگ کا آغاز ہوا۔ دلووی نے عمدہ لان کے جوڑے کچھ چکن کے کرتے سلوائے۔ رعنائی جدید ٹریا کے کپڑے اور امی نے بھی کچھ کڑھائی والے پیرے سلوا ڈالے۔ رمضان کے مہینے میں یہی موضوع رہا۔ ٹریا پھپھو کے فون بھی آتے رہے۔



ہوئے ہیں تو دیکھنا ہمیں خلیل ہاتھ دیکھ کر ہر بندہ رونہ کھلوانے کو پوچھنا ہے گا۔ "شیل مسکرایا تھا۔  
 "پاکستانی عظیم اور عجیب و غریب قوم ہے۔" جوادی جذباتی ہوا تھا۔

"بابا جی زندہ ہلو۔" میلے کچیلے واڑھی والے پلہاجی کے آس پاس کھڑے لوگوں نے تعجب کیا۔

"ارے یہ تو کوئی خاص بندہ ہے۔ لگتا ہے مشن بھی خاص ہی ہے۔ یقیناً سعیدیاں یا کنسی کرنے نکلا ہے۔" جوادی نے یقین سے کہا تھا۔

"عمر دیکھو جس عمر میں نوگ صرف سعیدیاں پانٹتے ہیں یہ وصول کر رہا ہے۔ یار میں نے فیصلہ کر لیا ہے میں بھی بڑا ہو کر ایسا ہی زبردست بابا بنوں گا۔" جوادی کے ارادے مضبوط تھے۔ ابھی بائیس اور ہی تھیں۔ ایک فیملی تلی اور ان کے برابر سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ایک عمر رسیدہ مگر عقاب کی آنکھوں والی خاتون ایک ان کی سعادت مند ہو ایک تک چڑھی پوتی اور شرارتی کم عمر پوتے اور ڈھیروں کھلا۔

"خدا یا! ہمیں ایک ہی کپار ٹمنٹ عطا فرما۔" دونوں نے دعا مانگی۔

"واڈی پانی دین' بیاس لگی ہے۔" کولر کو دونوں ہاتھوں میں دوپٹے واڈی ہتا نہیں خیالوں ہی خیالوں میں کس واڈی کی سیر کو لگائی ہوئی تھیں۔ سچے سچے تین بار منٹ کی۔ چوٹھی یار واڈی بھڑکی۔

"خبردار! خبردار اس کو لڑکی طرف دیکھنا ہی نہیں سفر بڑا لمبا ہے اور میں ہوں شوگر اور بلڈ پریشر کی مرہض۔" پانی ختم ہو گیا تو میرا کیا ہے گا۔  
 "کیا یہ پھیلی ہیں؟" شیل نے پلکیں جھپک جھپک کر انہیں دیکھا اور جوادی سے سوال کیا۔

"ہاں نہیں سانپ کے بارے میں تو سنا ہے سو سال کا ہو کے تو ہی کاروبار دھار لیتا ہے۔ پھیلی کے بارے میں نہیں تھا۔ تیار وہ سو سال کی ہونے پر واڈی کا ہر بھر لیتی ہے یا واڈی اگر سو سال کی عمر کو پلے تو وہ چھٹی پننے کے مزے لوٹ سکتی ہیں۔"

"واڈی ساڈی شیرا سے۔ باقی ہیر پھیرا۔"  
 گندو اور پوچت تک لنگ لنگ کر گاتے رہے۔  
 جب تک کہ اسی نے طمانچوں سے ان کی خاطر نہیں کر دی۔



"اسٹیشن پر انتظار۔ اب لگتا ہے سارا شہر عید منانے دوسرے شہروں کو جا رہا ہے۔" جوادی اور شیل بڑی بے فکری سے کندھے پر ایک ایک سڑی بیگ لٹکائے جھومتے گاتے اسٹیشن پر آئے تھے۔ لیکن صورت حال خاصی گھبرائی تھی۔

"یار لگتا ہے اتنا لمبا سفر اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر کرنا پڑے گا۔" جوادی افسردہ تھا۔

"نچل۔ اسی زمانے ہم اپنے پیروں پر کھڑے تو ہوں گے۔ واڈی سنیں گی تو کتنی خوش ہوں گی۔"

"اگر ہم نے سفر اپنے ہی پیروں پر کرنا ہے تو پھر اتنا کرایہ بھرنے لگتا ہے۔"

"سوالی خور طلب ہے۔" شیل نے سر ہلایا۔  
 "یار۔ یار۔ ذرا لوہرو کھنا۔" جوادی نے توجہ بائیں جانب مبذول کروائی۔

"کیا ہے سوائے چند مکار عیار چوہوں کے اور اس خزانہ بائے کے۔"

"لوہرو بائیں طرف دیکھو ہمارے ہمارے خاص کر وہ گلانی سوٹ والی ہمارا کشا ہکار ہے۔"

"لوئے میں وہی خزانہ پایا ہی تو دکھا رہا ہوں۔" یار اس کی واڑھی مجھے اصلی نہیں لگ رہی۔" جوادی کی پوری توجہ پلہاجی کی جانب تھی۔

"تیری انٹرنل ریسرچ میں لڑکیوں کا وہ ٹولا پتا نہیں کہہ کر نکل گیا ہے۔"

"چھوڑ لڑکیوں کو۔ یہ ہمارا راستہ میں انتظار کی کے لیے کچھ رکھا ہے۔"

"کیا ضرورت ہے فلائو پوچھ انجانے کی یہ دیکھ بتانے بھی لوگ ہیں انتظار کی کے لیے ڈھیروں سامان اٹھائے

”شکر کر ہماری وادی اس وقت یہاں نہیں ملتا  
میں نہیں ہیں اور وہ ہمارے نکاتیں کہ ہم یہاں بن چل کی  
پھل کی طرح تڑپ رہے ہوتے۔“

”اس بھائی۔“ پونے حیرت سے پلہا۔ شبل  
جوادی نے اس کے اشارے کے تعاقب میں ریکول  
ایک مشعل صورت نودوان کھڑا مسکرا رہا تھا۔ جبکہ  
رعنا کے چہرے پر حیرت تھی۔

”ایسا بھائی ہمارے۔“ رعنا نے بڑھ کر بھائی  
کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کے سوال کا گٹا گھونٹا پالور  
تھہر کر وادی کی طرف دیکھا، لیکن صد شکر وہ پانی کے  
کو لہر پر سرور کے خیالوں ہی خیالوں میں اس کے بے  
پہنچی ہوئی تھیں۔ یہ شبل کا خیال تھا۔

”چپ چپ۔“ رعنا نے بھئی کی گدی پر ہاتھ  
تھاپا۔

”کیا یہ اس بھائی نہیں ہیں؟“ دوسرے برادر کی  
رگ معلومات بھڑکی۔

دونوں نے اس کی طرف دیکھا اسے خواہ مخواہ  
مسکراتا کر یہ بھی مسکرانے لگے۔ مصافحہ کیا گیا۔ ایک  
دوسرے کے مل جانے پر خوشی کا اظہار ہوا اور پانچ  
منٹ کے بعد وہ جدید جدید معلومات حاصل کرنے میں  
کامیاب ہو چکے تھے۔ موصوف کا خرمہ بیگم کے دور کے  
بھانجے لیکن دل سے قریب تھے اور رعنا کے دل سے  
تو بہت ہی قریب تھے۔ لیکن وادی نے عہد کیا ہوا تھا کہ  
وہ اپنی زندگی میں یہ شادی نہیں ہونے دیں گی۔ اس  
نے بڑے دکھ سے بتایا تھا اور ان کی خوشی کا کوئی لمحہ ان  
بھی نہیں ہے۔ جس شوگر اور بلڈ پریشر کا اعلان وہ ہر  
وقت کرتی رہتی ہیں، وہ صرف زبانی گٹھی دعوے ہیں  
ورنہ شوگر اور بلڈ پریشر کی کیا مجال ہے جو ان کے پاس  
اگر آپ اپنی شامت کو تو اڑوے۔

”میں نے جیسے ہی سنا یہ ملتا جا رہے ہیں دل کے  
تھوڑے مجبور ہو کے میں بھی چلا آیا ہوں۔ اب تک تو  
میرے دل کی نظر مجھ پر نہیں پڑی، لیکن اگر انہوں نے مجھے  
بیا تو اپنا ملتا جانے کا ارادہ تبدیل کر دیں گی یا

مجھے واپس گھر بھوکے دم لیں گی۔“

”تسلی رکھو صحبت میں گدھے ہوئے مولانا ان وہ  
تہیں نہیں دیکھ پائیں گی۔“ جوادی نے تسلی دی۔

”کیسے نہیں دیکھ پائیں گی، ان کی عینک سو فیصد  
ٹھیک رزلٹ دے رہی ہے۔“

”مگر ہانس نہ رہے تو ہنسری کیسے بچے گی۔“ لڑکا  
ذہین تھا۔ جوادی کی بات پر چونکا۔

”یعنی عینک تو زدی جائے گی۔“

”اول ہوں اتنی بھی تخریب کاری اچھی نہیں۔  
عینک صرف ان کی خوب صورت آنکھوں سے وقتی  
طور پر جدا کی جائے گی۔“

”مجھے منظور ہے۔“ اس چلایا۔ شبل جوادی نے  
وادی کی طرف دیکھا۔ وہ اس وقت لمبوں پر تھبے کا مڑا  
لے رہی تھیں۔ سمندر کی موجیں اس وقت شاید  
بہت ہی موج میں تھیں۔ جوادی شبل بظاہر کہیں اور  
دیکھتے وادی کے قریب سے گزرتے ہوئے شبل ان  
سے ٹکرایا۔ عینک گری۔ جوادی نے پھرتی سے اپنی  
جیب میں رکھ لی۔

”وے کون ہے وہ۔“ وادی غرائیں استخ میں  
ٹرن کے پلیٹ فارم پر آنے کا اعلان ہوا۔ ہر طرف  
بھگدڑ مچ گئی۔

”ہائے وہ مجھے تو بڑا وحند لک۔ وحند لک کھائی دے  
رہا ہے۔“

”ہمارے برابر کی سیٹ پر ہائیوں سعید نے تو بیٹھنا  
نہیں ہے وادی، وحند لک کہہ رہا ہے تو اس میں پریشانی کن  
کیا بات ہے۔“ پونے انہیں سمجھایا تھا پھر جلدی  
سے سامان ہاتھ لے لگا تھا۔ شبل نے اشارہ کیا اس نے  
بڑھ کے وادی کا ہاتھ تھام لیا۔

”وے کون ہے تو کا خرمہ تو نہیں ہے۔“ شبل اور  
جوادی نے ایک نظر اس کو دیکھا۔ بمشکل ہنسی مدکی۔

”یہ ایک ٹیکسٹ لو جو ان سے وادی جو اکثر بوزھی  
عورتوں کو سڑک پار کروا تا ہے۔“ گندو نے انہیں بتایا۔

اب وہ اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے مطمئن تھیں۔



”بے ادبیا مت کرو لڑکے جل کر خاک ہو جاؤ  
میں۔“

”اسے غصہ نہ دلاؤ غصہ آگیا اتنی بے ادبیا کرے گا  
کہ پھر حضرت غصے کی آگ میں جل کر فنا ہو جائیں  
گے۔“ شبلی نے ڈر لیا۔

”گستاخ بچے گا نہیں۔“ پیر نے پیش گوئی کر دی۔  
مسافروں کے چہرے خوف سے پیلے پڑ گئے۔ کچھ نے  
ترجم سے جوادی کو دکھا ہانٹے کیسا چاند سا چمکا چہرہ  
پر۔

”پیر صاحب کبھی لٹا بھی لیا کریں اگر پانی سے ڈر  
لگتا ہے تو ڈر لیں کلین عن کروالیں۔“ جوادی کے  
مشورے جاری تھے۔

”ارے احمق۔ خاموش۔ پیر صاحب جلال میں  
ہیں۔“

”خالصا فنی سافیس بنایا ہوا ہے۔ جلال سے زیادہ  
پرانی خاموش ظہور کے کلمیڈین لگ رہے ہیں۔“  
اب کے شبلی نے تبصرہ فرمایا تھا۔

پیر صاحب کا بس نہیں چل رہا تھا۔ دونوں کو چلتی  
زمین سے نیچے دکھا دے دیں۔ لہجہ ایک کسی مسافر کا بچہ  
روئے لگا۔

”بچہ کیوں روتا ہے لال دین؟“ پیر صاحب نے ہنر  
آنکھوں کے ساتھ لوہرا دھروا دیا اور فرمایا۔ لال دین  
نے بچے کی ہاں کو اشارہ کیا۔ بچے کو لے کر پیر صاحب  
کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بچے نے جو ایسا خوف  
ناک چہرہ دکھا مارے دوشت کے دروازے پر گیا اور پورا  
ڈبا پیر صاحب کی اس کراہت پر جموم گیا۔ لوگ ایک  
دوسرے کو دھکے دیتے جگہ بناتے پیر صاحب تک اتنا  
چارہ ہے تھے۔ لال دین نے فرمایا۔

”ابھی نہیں دس منٹ بعد سب لوگ قطار میں  
اور پھر آئیں۔ اس وقت شاہ جنات کی اپنی بیوی سے  
لڑائی ہوگئی ہے۔ بیوی مدٹھ کر کچے چلی گئی ہے۔ شاہ

جنات مشورہ لینے آئے ہوئے ہیں۔ دس منٹ تک  
جائیں گے پھر اب لوگوں کی باری آئے گی۔“

زمین آئی الگ لٹا کرش۔ یار کاش زمین کی ہمت نہ  
ہوتی ہم کوشے اندر چلے جاتے۔“ شبلی کے لہجے میں  
حسرت تھی۔

”کبھی تو۔۔۔ میں نے نیچے اترنا ہے، تم دھکے دے  
دے کر پھر اوپر چڑھادیتے ہو۔“ ایک عجم تحیم خاتون  
چلا رہی تھی۔ گھوڑوں کو نہ ہاتھ لیسے میں آفرین  
ہے ہنس پر جس نے کتنے ہمارے کتھن ملائمت سے  
واوی کو زمین میں سوار کرا دیا تھا۔ جیسے تیسے باقی سب  
بھی سوار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ میلے کیلے چلیے  
والے پیر بابا بھی سیٹ گھیرے آگئیں۔ ہم واکیے  
متاثر کن یوز بنائے اپنی طرف سے اللہ والے بنے  
پہنچے تھے۔ اس نے لوہی کو ان کے برابر میں بٹھارایا۔

”چٹا کیا میرے برابر میں میٹھا بندھا ہے۔“ واوی  
نے نود کی سانس لی اور قریب قریب انداز لگایا۔  
ابھی شبلی جوادی پیش پیش بھی نہ کرنے پاسے تھے کہ  
گڈو اور پونے ہنسا شروع کر دیا۔ قاتر نے واوی کا  
ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور اپنے برابر بٹھارایا۔

”بے ادبیا میری بیٹک پلیٹ فارم پر نہ گئی ہے۔“  
”پلیٹ فارم۔ لٹا کرش ہے کہ اچھے اچھے نہیں مل  
رہے۔ فوڈر اسی بیٹک کیا چیز ہے۔“

”کہاں ہے وہ بیٹک دل لوجوان۔“ واوی کو فوجوان  
کی یاد متاکی۔ ہاتھ ٹنگن کو آری گیا لوجوان صاحب  
قریب ہی بیٹھے قاتر سے باہیں کر رہے تھے اور دیکھ  
رہنا کو رہے تھے حاضر ہو گئے۔ شبلی جوادی پیر  
صاحب کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کا چیلہ انک لٹک کر  
ان کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہا تھا۔  
”میرے پیر صاحب سخی علم کے توڑ کے ماہر ہیں۔  
ان کے نمونہ نمونوں کے نیچے سپر روشن کر دیتے  
ہیں۔“

”میں میں بھی تعویذ لوں گی۔“ رعنا چلی گئی۔ اسے  
بھی تو اس کو پانے کی شدید توند تھی۔

”میرے پیر صاحب سر لپا کراہت ہیں۔“  
”میں سمجھا قراہت ہیں۔“ جوادی بڑھوایا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کی جیب میں نذرانے و لہا ہاتھ ڈالتے ضرور تھے۔ لیکن صرف ہاتھ بعد میں یہی ہاتھ اپنی جیب میں ڈال کر نذرانہ اڑ پیاکت میں محفوظ کر لیتے تھے۔  
"داوی اماں مجھے بھی نذرانہ دینا ہے" دعا کرانی ہے۔ "رہنا چلی جا رہی تھی۔"

داوی نے اس کا ہاتھ کسی سے دلجو رکھا تھا۔ سننا نہیں ہو سکتا تھا۔ آئے ہوئے ہیں۔ کبھی کوئی عقل کا اندھا جن تیرے یہ عاشق ہو گیا تو ہاتھوں سے پکڑ کر گھسیٹا ہوا لے جائے گا۔ میں جاتی ہوں نذرانہ دے کر آتی ہوں اور دعا کرانی ہوں تیرا رشتہ تریا کے دیور سے پکا ہو جائے۔"

"وہ ہاتھ کا بچہ" میں تو ہرگز اس سے شادی نہیں کروں گی۔ "رہنا چلائی اور کئی ایک فلمیں دیکھ دیکھ کے بیٹھنے والے ٹھیٹھ قاسم گئے نوجوان قسمت آزمائی کو لے۔"

"ہمارے ہمارے میں کیا خیال ہے اماں جی۔" ایک دلچسپ ہیرو نے پوچھا۔

"تیرے ہمارے میں وہ وہ خیالات ہیں اگر اظہار کریں چلتی گاڑی سے چھلانگ لگارے گا۔ رخ ہوا اپنی جگہ پہ جا کے بیٹھ۔" نوجوان بھی آج کے دور کا بدتمیز بدمذہب بدمذہب تھا۔ یہ صورت حال دیکھ کر داوی نے چہرہ ہلکے کان میں کچھ کہہ پھر اعلان کیا۔ "اس مرد بدتمیز کو پیرا پیرا قریب آنے کا حکم دیتے ہیں۔"

نوجوان ابھی آئے یا نہ آئے کا فیصلہ ہی کر رہا تھا کہ پیرا پیرا کے تازہ تازہ مزے مزید اسے اٹھا کر پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ جو داوی نے پھر کان میں کچھ پھونکا۔ ان الفاظ میں ایسا اثر تھا پیر صاحب نے تو دیکھا نہ تو پیر سے بدبو میں بسا کھسکا آرا اور نوجوان کے سر پر تازہ تازہ کٹی ولور کر والے۔ "ہم بھی یہی شہ جنت بنا کر گئے ہیں اس کہنے کے دل میں کھسکا تھا" یہ پیر صاحب کے گل کا فیصلہ کر چکا تھا۔ "یہ سننا تھا کہ عقیدت مندوں کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔" نوجوان کی ہڈیوں کا سرمہ بنا کر خون بہا لی آنکھوں میں

مناثرین مزید مناثر ہو گئے۔ یہاں تک کہ کولر پر سر رکھے اور گھسنے والی برادری بھی ہو شیار ہو کر بیٹھ گئیں۔ رہنا کو ڈانٹ کر کہا کہ چہو چھو لو بیٹا نہ ہو شاہ جنت کا دل تم پہ تھامے اور ہمیں پیسے بٹھائے نیا سیلا پڑ جائے اور ساتھ جو سیلا (الس) بیٹھا تھا۔ اس نے زور و شور سے فن کے اس بلورہ نایاب خیال کی تائید کر دی۔

ابھی دس منٹ مکمل ہونے میں پورے پونے تین منٹ باقی تھے۔ لال دین کے پیٹ میں وہ مرغاد ہائیاں دیکھنے لگا جسے گرام گرم ٹن میں لیٹ کر اس نے اسٹیشن پر آنے سے پہلے ہڑپ کیا تھا۔ لوگوں کو پرے ہٹانا جبکہ بنا تازہ مشکل سے ہاتھ روم تک جانے میں کامیاب ہوا۔ قسمت کا ستارہ عروج پر تھا۔ ہاتھ روم خالی تھا اور نگلے میں پانی بھی تھا تھا۔

اور لال دین نے ہاتھ روم کا دروازہ کھٹاک سے بند کیا۔ لوہر چھپاک سے جو لوی کر رہتی ہے بے کے برابر پہنچا ہے۔

"جب تک لال دین تشریف نہیں لاتے میں ہی ہا جی کلوسٹراس لال دین کا قائم مقام ہوں۔"

"تم کون۔" "بابے کو انجانے خد شوں نے ستایا۔"

"آپ کا عقیدت مند آپ کا پکا پکا مرید" لال دین بھی ملاؤ جلدی جلدی نذرانے پیش کرو۔ "نذرانوں کی بات سننے ہی پیرا پیرا نے آنکھیں بند کر لیں اور پتا نہیں کیا پڑھنے لگے۔ دھیان جیب کی طرف تھا۔ جس میں جو داوی ہار ہار ہاتھ ڈال رہا تھا۔ یقیناً "نذرانے پر نذرانے چلے آ رہے تھے۔"

اب ٹرین کا منظر کچھ یوں تھا۔ لال دین صاحب ہاتھ روم کے اس دروازے کو کھولنے کی کوشش میں بے حال اور بے تحاشے جس کا جنڈل باہر سے ٹھیلے کس کے پکڑ لیا تھا۔ اب دروازہ کھلے تو کیسے لال دین لاکھ صحت مند و توانا سہی مگر شہلی کی منہ نذر جو لال کے سامنے یہ طاقت پانی بھرتی نظر آئی تھی۔ سواتنی شدید کوشش بھی بے سود تھی۔ لوہر جو لوی صاحب پیرا پیرا



اگانا چاہے تھے۔ لیکن تب تک نوجوان ہوتوں کی بدبو سے بے ہوش ہو چکا تھا ان ہوتوں میں جنات کی بو پتی ہے۔ شبلی نے اعلان کیا تھا اور پھر صاحب سوچ رہے تھے اتنا سو مند تو کبھی لال دین بھی ثابت نہیں ہوا تھا۔



ٹرین منزل کی جانب گامزن تھی۔ اب شام رات میں پلٹنے کو تھی۔ اکثر مسافر اوتھنے لگے تھے۔ جب اچانک ہی ٹرین کا یہ باروتی ڈبہ ایک طویل نسوانی چیخ سے گونج اٹھا۔ واٹن روم میں بند لال دین جو کب کا سینڈ کی آغوش میں جا چکا تھا۔ واہی کے پیروں کے قریب اپنا بستر بچھا کر سونے والی پھلانی جس کے دو گول مثل چارے بچے پیر پابا کی طرف اشارے کر کر کے بجانے اپنی زبان میں کیا کہتے اور قہقہے اگاتے تھے لب ماں کی آغوش میں دیک کر سو چکے تھے۔ مگر یہ چیخ ان کاٹوں کے پیروں پھاڑتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ جوادی جو اس رقم کا حساب کرنے میں مصروف تھا جو آج پیر صاحب کی جیب کے بجائے اس کی جیب میں چل آئی تھی چونک کر سیدھا ہوا تھا۔

"لگتا ہے شلو جنات آگئے ہیں۔" جوادی کا کہنا تھا۔  
 تھمڑے پر کچھ پٹ طاری ہوئی۔  
 "کوئی شلو جنات نہیں آئے تھی میں نے ہاری تھی" کبھو میرا بھرا ہوا کولر خالی ہو گیا ہے۔ مجھے بناؤ یہ پانی کس مرزا جو گے نے پیا ہے۔" واہی وہلی دے رہی تھیں۔

"کولر تو تب کے بازو گے بیچے تھا۔ ایسے میں کون اپنی جان کا دشمن ایسی جسارت کر سکتا ہے۔" شبلی نے جائزہ لینے کے بعد انہیں یاد دلایا تھا۔ جبکہ وہ دیکھ چکا تھا کولر کی ٹوٹی تھوڑی کھلی رہ گئی تھی۔ تمام راستے قطرہ قطرہ پانی ٹپک کر پھٹائی کے تکیے کو بھگوتا رہا تھا۔ تکیے پر چونکہ بچوں کے سر تھے اس لیے پھٹائی اس سے باوا تھ گئی۔ لگے چند گھنٹے میں آسمان کو ہتا نہیں کسی خون ریز لڑائی دیکھنی تھی۔ پھٹائی کی صحت اور واہی کی

زبان اللہ اللہ۔  
 "وے میٹوں نہیں ہتا" مینوں اپنا پانی چاہئے۔"  
 واہی کا جلال اور ضد دونوں عروج پر تھے۔

"خواتین حضرات ایک بات کفرم ہو چکی ہے۔ شاہ جنات واقعی ڈبہ میں نہیں آیا ہے۔ دیکھیے پابا کی کا بھرا کولر جس میں واہی کی جان گئی تھی وہ گھنے سے اگائے بیٹھی تھیں۔ اب پائل خالی ہے۔ مجھے لگتا ہے ڈبے میں موجود سب سے کٹلا کار بندے کی شامت شلو جنات کے ہاتھوں آئے ہی بولن ہے۔" جوادی اوپنی آواز میں اعلان کر رہا تھا اور بار بار پیر پابا کی طرف بولن دیکھ رہا تھا جیسے پچھتی تھماری تو پچھتی لگے ہی لگے کہ رہا ہو۔ پیر پابا کولر تیزی سے دھک دھک کر رہا تھا۔ ہاں بھئی اب تک جنوں کے نام وہ کئی ناپا کاریاں منسوب کر چکا تھا۔ کسی کے گھر آگ لگی ہے۔ پیر پابا نے اعلان کیا یہ انسانوں کی نہیں جنات کی کارروائی ہے۔ کسی کے ہاں ہو میں نہیں نہیں جنات کا تصور کسی کا سرلیہ ڈبہ گیا جنوں کی شرارت اور واقع شاہ جنات آگیا ہے میں تو تین جان سے مارا جاؤں گا۔ ٹرین آہستہ ہو رہی تھی کولی اسٹیشن قریب تھا پیر پابا نے آؤ دیکھنا ناؤ بھٹ بد بو دار کھسہ پہنا لورور ڈائزے کی جانب لپک۔ جیسے ہی ٹرین رکی لہندھیرے میں پیر محترم یوں غائب ہوئے ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینک۔

"یہ شاہ جنات کو میں بڑھی ہی مذاق کرنے کو ملی تھی۔ سارا ملنی لی گئے ہیں میرا۔" واہی کو یہ شرارت پسند نہیں آئی تھی۔

"دشکر کریں پابا! کیا پابا ہے خون نہیں پی گئے آپ کا۔" شبلی نے آہستہ سے کہا تھا اور وہ ہڈی زور سے اچھلی تھیں۔

"میرا خون اٹھریوں۔ میں نے کیا ان کی صبح (بھیں) کھول لی ہے۔"

واہی دیر تک اوپنی آواز میں آہیں بھر بھر کے اپنے کولر کو دیکھتی رہی۔

"اب گے اسٹیشن آئے گا تو میں بھر کے لاہوں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

گا۔ ہنس نے تسلوے کر مزید نمبر پر محال ہے۔  
 "پوری ٹرین میں ایک ہی نیک منڈا ہے باقی  
 سارے مذلیل جسمی ہیں۔" یہ رائے واوی کی تھی جس  
 سے رعنا کو پورا اتفاق تھا۔  
 ٹرین کی رفتار اچانک کم ہونا شروع ہو گئی ہے اور ہمار  
 مزید ہوئی چلی گئی ہے۔ ایک خفیف سا جھکاؤ لگا اور ٹرین  
 ویرانے میں دگ گئی۔  
 "کیا ہوا ہے؟" سب نے ایک دوسرے سے  
 پوچھا۔  
 "شاید شاہ جنات کی کارروائی ہے۔" کسی نے کاہلی  
 توڑ میں کہا۔ ماحول پر ایک دم سے خوف چھا گیا اتنے  
 میں ٹرین کے عملے نے اعلان کیا۔  
 "ہنٹن ٹیل ہو گیا ہے۔"  
 "وے ہی غرق ہو تیرا" ہنٹن ٹیل ہو گیا ہے "اوپر  
 کوئی جگہ ہے گیل ہونے کی ویرانہ ہی ویرانہ" جے ڈاکو  
 آگے مسافروں کی حفاظت تیار ہو کرے گا۔ "واوی کی  
 جھاٹ بڑھتی جا رہی تھی۔  
 "ہور جاؤ تیرا پچھو کے گھر عید منانے" رعنا  
 جھل کے بولی تھی۔  
 چپ کر جا "ایس ویٹے میرے منہ نہ لگیں" چھٹ  
 مار کے وائٹ باہر نکال دیا گیا۔  
 "کیوں بولوں آجھے بیٹے گھر بیٹھے تھے اپنا نہیں یہ  
 فضول خیال کیوں آگیا آپ کے ذہن میں۔" ذرا سی  
 جگہ پر بیٹھے بیٹھے رعنا بری طرح تھک چکی تھی۔ واوی  
 کا جلال ایسا کا شکر ہوا اور انہوں نے ہاتھ گھمایا۔  
 پر کاش نہ گھماتیں۔ بغیر ٹیک کے بے جاری معصوم  
 واوی رعنا اور رعنا میں تمیز نہیں کر سکیں۔ واوی  
 کا ہاتھ بند میں اور تھمتی پستوں میں ٹرین والوں کو گلابیاں  
 دیتی چھٹائی کے چہرے پر پڑا۔ پھر اس کے بعد چرائوں  
 میں ردھی راتی جو ہنس درمیان میں نہ آجاتا۔  
 واوی پر آنے والا ہر وار اس مو میدان نے اپنے  
 جوڑے سینے پر تھیلا اور واوی کو ان مناظر کی کٹھنی رعنا  
 نے ایک کی چہرہ لگا کے سٹائل۔ بڑی مشکل سے جو واوی  
 نے چھٹائی کو یہ کہہ کر تک کے بیٹھے پر مجبور کیا کہ یہ

بڑھی معزز لیڈی وافی مریضہ ہے۔ ایسے ہی ہواؤں  
 سے لڑتی رہتی ہے۔  
 "وافی مریضہ یعنی یاگل۔" پشمالی گھبرائی۔  
 "ہنس۔ بس یاگل یاگل یاگل یاگل عورت۔"  
 "واوی خدایا کہیں یہ بیماری میرے بچوں کو بھی نہ  
 لگ جائے۔" پشمالی ہسٹرس میٹ کر بچوں کو پکڑ کر سارا  
 سے دوسرا سرے کوٹنے میں جا بیٹھی۔  
 "قاخرا ذرا پتا تو کریہ واہر نیک شریف لڑکا ہے کون  
 آج کل ایسے ہمدرد بچے بھلا کہاں ملتے ہیں۔" قاخرا  
 نے کچھ دیر کے ذرا کرات کے بعد اعلان کیا۔  
 "ہاں جی یہ تو میرا دور پرے کا رشتے دار نکل آیا  
 ہے۔ بے چارے کی ماں ہے نہ واوی کتا ہے آج سے  
 میں نے آپ کو ماں اور ماں نورانی صورت والی بزرگ کو  
 اپنی نانی اور واوی دونوں ماں لیا ہے۔"

خواتین ڈائجسٹ  
 نونہ سے پہلے سے پہلے یہاں

دیکھ کر گھر

نوزیدہ حسین



تہت - 7501

نگارے ہاں

کتے ہران ڈائجسٹ: 37 - 100 (پاکستان) - نوزیدہ حسین: 12735021



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

”بسبب یہ ٹریا کو نہیں بچتے تو لے سونادے گل اس میں سے ایک انگوٹھی تب اٹھا لیمک۔“ شہلی نے سمجھایا۔

”ہیں، بچتے تو لے۔“ واوی کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔

جوادی نے اس کو انگوٹھی پہنائی، جواب میں اس نے گلے میں پڑی پھین جس پر آئی لو پو نکھا تھا۔ رعنا کے گلے میں ڈال دی۔ تمام ڈبہ مبارک باد کے شور سے گونج اٹھا۔ واوی کو اٹھانک خیال آیا۔

”نی فاخرہ تو کیوں بھول گئی ہے۔ تیرا ایک مجازی خدا بھی ہوتا ہے اور ایسے موقع پہ اس کی رائے بہت ضروری ہے۔“

”ان کی رائے فاخرہ آہلی خون پہ لے چکی ہیں۔“ جوادی نے سلی کرائی۔

ریلوے سٹیشن نے انہیں ٹھیک ہونے کی خوش خبری سنائی۔ اب کہ ٹرین میں رنگ ہی کچھ اور تھا۔ مسافروں میں من چلے شادی پاد کے گیت گارتے تھے، کچھ ناچ رہے تھے۔ جوادی، شہلی، دونوں کاموں میں پیش پیش تھے۔ بھارت بھارت کی بولیاں بولنے والے۔ نسل نسل کے لوگ اس وقت سب ایک تھے۔ رعنا اور اس کی خوشی جیسے لہن سب کی خوشی تھی۔ پھلانی کے بچے پشمونیت گارتے تھے۔ گندو پوارو میں راگ

الاپ رہتے تھے۔ کچھ نوگ پنچل، کچھ سرائیکی میں نغمہ سرائتھے۔ ٹرینوں ایک ہی تھے۔ محبت کے وفا کے امیدوں کے رنگ لیے۔ وہ سب ایک ہی بات کہہ رہے تھے ایک سے جذبات کا اظہار کر رہے تھے۔ عید سے پہلے عید ہوئی تھی۔



”صدقے جاؤں۔“ واوی جذبات کی رو میں بہ گئیں۔

”جواب بھی بہت اچھی ہے۔“ جوادی نے جھک کے کان میں ایک اور خوبی بتائی۔

”گوٹوں نے سنے کی کتابیں تمہوڑا ہی کھانی ہیں۔“ ”آپ نے نہیں کھالی، نہ کھاؤں، آپ کی یہ چٹوری پوتی تو کھا سکتی ہے۔“ شہلی نے رگھو گھائی۔

”ہیلن یہ تو ٹریا کے دیو ہے۔“ ”ٹریا کارپور ایک لڑکی کے پیچھے ٹریا کا سارا زیور لے کر گھر سے فرار ہو گیا ہے۔“

شہلی کو کیا پتا کون ٹریا، کون دیور بس ذہن میں کھلی ہوئی تو بول دیا۔

”بائے میری بچی، میری ٹریا، سارا زیور لے گیا وہ منحوس ٹٹ چننا۔“ واوی کو تو غش پڑنے والا تھا۔ تب جوادی نے کتوں میں دس گھون۔

”یہ تو جو ان کتنا ہے، میری لہاں اور واوی بہت سا زیور تھوڑا کر مری ہیں، اگر میرا رشتہ اس باعزت، مہرا خانہ ان میں ہو جاتا ہے تو میں سارا زیور ٹریا کو اپنے گھر لے تیار ہوں۔“ اس نے گھبرا کر نفی میں سر ہلاتا چلایا، لیکن شہلی نے پیچھے سے اس کے بال پکڑ کر یہ کوشش ناکام بنا دی۔

”فاخرہ میری تو کبھی نہ کھنکھی دفعان ہوتی ہے۔“ وہ بھی طرہ طرہ کے جلال کا واوی میں لینے کے فائن تو ہے۔

”ہاں، جی اہا، جی سو فیصد قابلیت رکھتا ہے۔ میرا خیال ہے نیک کام میں وہ نہیں کرنی چاہیے۔“ یہ کہتے ہوئے فاخرہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا جوادی نے بڑھ کر واوی کی سولی سولی انگلیوں میں سے سب سے سولی انگلی سے ایک سونے کی انگوٹھی اتاری اور اس کو پہنائی۔

”اے میری انگوٹھی۔“ واوی کو یہ بات پسند نہیں آئی۔

سیدہ عمیر

# پاک سوسائٹی

برصغیر صوبے کی لکھنؤی دھوپ دیکھ کر اس کی تمام  
 حسرتی چشم زبون میں لار ہو گئی۔ وہ روز کر ایک  
 جمہور کے سے باہر نکلتے گئی۔ سب کچھ بہت پر سکون  
 تھا۔  
 "ہیلو" ماہم نے آواز اٹھائی جو نکلا کر گونجنے لگی۔  
 وہ اپنی ہی آواز سن کر ہنس پڑی۔ اسے یوں لگا جیسے  
 پہاڑوں نے ہم نہیں ہو کر اس کی پکار کا جواب دیا ہو۔  
 "ہیلو" اس نے پہاڑوں کو دوبارہ آڑیا اور ایک بار  
 پھر ساروں نے اس کی تائید کی۔ اسی لمحے پانچ سالہ ماہم  
 نے پہاڑوں سے لڑائی کر لیا۔

خاموشی بہت عجیب شے ہے۔ جب اندھیرے  
 جنگلوں میں گونجتی ہے تو دل پہلا دیتی ہے۔ جب سبزے  
 سے لہتے پہاڑوں پر رقص کرتی ہے تو لطیف موسیقی  
 بن جاتی ہے۔ مطلب خاموشی جس روپ میں بھی آو  
 اپنی ایک منفرد آواز رکھتی ہے جس سے بیشتر دنیا تمام  
 عمر تاوانف رہتی ہے۔  
 اس روز زندگی میں پہلی بار ماہم نے خاموشی کی آواز  
 سنی تھی۔ اس آواز کا اپنا ایسا چور تھا جو اس قدر واضح  
 تھی کہ ماہم کی بیداری کا سبب بنی۔ آنکھیں ملتی وہ  
 رانداری میں آئی۔ شبنم میں رہنے خوش رنگ پہاڑوں

ضکیحہ تاول





WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM





"ماہم! منہ ہاتھ دھو کر بچن میں آ جاؤ۔" ہر پشت پر ایک پختہ زمانہ توڑنے اس کو مخاطب کیا۔

ماہم فرماں برداری سے واپس اپنے کمرے کی طرف مڑتی۔ یہ کراچی کی رات تھی اس کو ماتھلہ اس سے ملے وہ اپنے ڈورم میں رہتی تھی جہاں اس جیسی کئی شخصیں یہاں تھیں۔ ہر گھر سب اپنا سامان پاندہ کر اپنے گھروں کو جا چکی تھیں۔ اس لیے ماہم کو بھی اپنا کمرہ پھرتا ہوا۔ یہ نہایت سادہ سا کمرہ تھا جس پر ماہم کی شوخی کا ابھی اثر نہیں ہوا تھا۔

ماہم پھرتی سے لباس تبدیل کر کے بچن کی طرف لگی۔ تباہی نے اس کو دکھا تو فریالہ بچن جو لمبے پر رکھا لور انڈا تلنے لگیں۔ یہ بھی اس کے لیے نیا تجربہ تھا۔ اس سے پہلے ہاشم اننگ ہل میں لگتا تھا اور اکیلے بیٹھ کر کھانے کا کوئی تصور نہیں تھا۔

کرسی پر بیٹھ کر وہ بچن کا ہاتھ لینے لگی۔ اس نے میز سے پیٹ اٹھالی تو چمکتی ہوئی سطح پر اسے اپنا عکس نظر آیا۔ اس نے اس چمک میں دیکھتے ہوئے اپنے ہال درست کیے۔ اپنی بائیں آنکھ کے اوپر چوٹ کے نشان کو دیکھا۔ بائیں آنکھ کے اوپر چوٹ والی جگہ معمولی سی گہری تھی لور ہال جلد سے لپکتا رنگ میں قریب ہونے کے باعث یوں نظر آتی تھی جیسے تین چوں والا کوئی پھول ہو۔

تباہی نے پیٹ سیدھی کر کے اس پر گرا کر مایا رکھ دیا لور قاصدے پر کھڑے ہو کر اس کے قاصدے ہونے کا انتظار کرنے لگیں۔ اس سے قبل ماہم لور اس جیسی باقی لڑکیوں کے معمولات گھنٹی کے تابع تھے۔ آج پہلے پارکادات ماہم کے تابع ہوئے تھے۔ جس نے اسے اس احساس میں مبتلا کر دیا کہ وہ ایک شہزادی ہے جو اس پر شکوہ تلنے میں بس رہی ہے۔

آٹھتے کے بعد شہزادی صاحبہ کی شہلی سواری ملک عالیہ کے دربار کی طرف رواں ہوئی۔ دروازے کے پاس پہنچ کر تباہی نے ماہم کا فراک ہاتھ سے سنوارا۔ اگر وہ باقاعدہ پڑھنا جانتی تو اس کا شہزادی کی کمانی کا تصور

دروازے کے باہر تویراں تھی پڑھ کر ہی غائب ہو جاتا کیوں کہ اس پر چلی حراف میں لکھا تھا۔ "ہو رانگ اسکول فار گرلز مرزا"

کمرے میں داخل ہو کر اس نے گردن اٹھا کر کمرے کا جائزہ لیا۔ ہلکے سبز رنگ کی دیواریں۔ بڑی بڑی دیوٹ والی کھڑکیاں کمرے کو روشن کر رہی تھیں۔ سامنے والی دیوار پر ایک لمبی جوڑی پینٹنگ موجود تھی۔ تصویر کے عین نیچے آئینہ لگا تھا جس میں کونے کی جگہ گیس کا ہیٹر نصب کر رکھا تھا۔ اسکول نے کھیل مباحثوں اور نقلی میدان میں جو معاملات حاصل کیے تھے وہ ایک شان میں چمک رہے تھے۔ کمرے کے بیچ میں لکڑی کی میز پر پھولوں کے گلہ ان کے پاس ایک اور تھی موجود تھی۔

"سنسز گریس۔ پر لپیل۔" "شگفتہ اتم جاؤ۔" سنسز گریس نے انگریزی لہجے

والی اردو میں کہا۔ "ماہم! آپ میرے پاس آکر بیٹھو۔" وہ نہایت ہمدرد اور محبت کرنے والی ہستی تھیں۔

"آپ کو معلوم ہے آپ اس اسکول کی سب سے کم عمر اسٹوڈنٹ ہو۔" وہ جواب کی منتظر تھیں انکھماہم کے لیے یہ سوال نہیں معلومات تھی۔ "یہ تو اسکول میں اوم ورک نہیں دیا جاتا انگر

میں چاہتی ہوں آپ ان گرمیوں کی چھٹیوں میں خوب پڑھائی کریں تاکہ آپ اپنے سے بڑی لڑکیوں کے ساتھ قدم ملا کر چل سکیں۔ میں نے آپ کے لیے ہانم بھیل ترتیب دیا ہے تاکہ آپ کئی نئی چیزیں سیکھ سکیں اور آپ کا وقت بھی اچھا گزرے۔" سنسز گریس کے ہونٹوں پر خاموشی میں بھی ایک مسکراہٹ قائم رہتی تھی۔

ماہم نے بہت معصومیت سے من کی تمناہ باتیں سنیں لور آہستگی سے استفسار کیا۔

"ہاں لڑکیاں کب آئیں گی؟" سنسز گریس کی مسکراہٹ دھیمی پڑ گئی سامنوں نے



لو اس ننگہ سے اس معصوم فرشتے کو رکھا جو تھا بھی تھی اور لا علم بھی تھا اس لیے کہ اس کا کوئی گھر نہیں تھا جہاں وہ چھٹیوں میں جا سکے اور لا علم اس سہیلی سے تھی کہ درحقیقت وہ تھا۔

”وہ دست جلد واپس آجائیں گی۔“ سسز گریس نے وہاں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ وہ انہیں دیکھتی رہی۔



پورڈنگ کے ماحول میں عجب سا سکوت ہمہ وقت طاری رہتا تھا اسی سکوت سے اس کا نیا تعلق پروان چڑھنے لگا۔ فلیٹ سے اسلام آباد کا تمام شہر نظر آتا ہے۔ پورڈنگ کی لورنجی نیچی زمین پر ایک بڑا ہموار سینٹ کا فرش بچھا تھا اس کے ایک طرف سرخ ترچھی چھتوں والی عمارت تھی اور دوسری طرف گمرانی میں جاتے ہوئے پہاڑ تھے۔ اس کو سب فلیٹ کہتے

تھے۔ رات کی تاریکی میں جب دارالحکومت کی تہیں جلتیں تو لڑکیاں کچھ نہ کچھ نقشہ بنا کر شہر کی حدود سمجھ لیتیں۔ جب موسم بالکل صاف ہوتا تو فیصل مسجد اجماع نے میں کامیاب بھی ہو جاتی تھیں۔

گورام گریس پر سسز گریس بیٹھی تھیں۔ قریب ہی زمین پر ماہم کشنوں کے مٹی کی کالڈر عمارت کا منظر اندر ہی تھی۔ وہ چھوٹی سی عمر میں وہ کام کر رہی تھی جو کئی ماہر افراد نے بہت اہم اور شمار کے بعد انجام دیا تھا۔ اس کی پانچویں صلیے برواٹھ تھی۔

”یہ دیکھیں۔“ اس نے تصویر کھل کر کے سسز گریس کو دکھائی۔

”بیوی قیل۔“ انہوں نے حسب عادت مسکراتے ہوئے کہا۔

”شیریں کہتی ہے کہ اس کا گھر اس جگہ پر ہے۔“ ماہم نے سسز گریس کی نظروں کا تعاقب کر کے ولوی میں اشارہ کیا۔ اس کے ہاتھوں پر جگہ جگہ وائر ٹھکانا ہوا تھا۔ چھٹیوں میں یہ اس کا معمول بن گیا تھا۔ سسز

گریس نے ماہم کے لیے خاص مصروفیات ترتیب دی تھیں اور کبھی شگفتہ اور کبھی دوسری کسی تکیا کی نظر الی میں ماہم وہ امور انجام دیتی۔ جیسے جیسے دن گزرے وہ زیادہ تر وقت ایک ساتھ گزارنے لگیں۔

ابتداء میں ماہم سسز گریس کے لیے ایک ذمہ داری تھی جس کو وہ خوش اسلوبی سے انجام دینا چاہتی تھیں پھر ماہم نے پکی بن گئی جو ویرین رورو اور کواچی تھی اور آستی سے جان دار بنا دیتی تھی۔ جو ان کے آغا پرورد کر بنا اجازت ان کے کمرے میں گھسن آتی اور گھوم کر اپنا فراک دکھاتی اور دن کے اختتام پر وہم کام لے آتی اور ہر صبح پر شلاش ہوتی۔ سسز گریس ہمیشہ سے نرم دل تھیں۔ دیگر طالبات ایک روایتی فاصلے سے ان سے کام کرتی تھیں مگر ماہم نے فاصلے سمیٹ دیے تھے اور سسز گریس نے ایسا ہونے دیا تھا۔

”سسز! آج کاکر کہاں ہے؟“ ماہم کے سوال سے ان کے دل دہلنے میں آئی یادیں آندھیوں کی طرح چلنے لگیں مگر سالوں کا تجربہ کام آیا اور حیرت پر وہ غماز ہر نہ

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے ضروریات ماحول

**سرخ ایلادو**

تھکے تھکے



قیمت 400 روپے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

فون نمبر: 32738021

37، 44، 45، 46، 47، 48، 49، 50، 51، 52، 53، 54، 55، 56، 57، 58، 59، 60، 61، 62، 63، 64، 65، 66، 67، 68، 69، 70، 71، 72، 73، 74، 75، 76، 77، 78، 79، 80، 81، 82، 83، 84، 85، 86، 87، 88، 89، 90، 91، 92، 93، 94، 95، 96، 97، 98، 99، 100

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

پہلی میٹ پر ماہم ہند کمرنگی پہ چہرہ نکائے باہر دیکھ رہی تھی۔ ہر پانچ منٹ بعد منتظر بدل رہا تھا۔ چکرانی لڑائی سڑک صرف دیکھنے میں ہی پرکشش تھی۔ ورنہ وہ سر چکرا تاکہ معدے سے خوراک باہر آنے لگتی۔ ماہم نے برس میں ضرورت کا سامان رکھا تھا۔ پانی کی بوتلی، صیب اور کچھ جیسے جو ہر چہ ماہم بعد اس کو لیتے تھے۔ شہر شروع ہوا تو ماہم نے کمرنگی سے نظر ہٹالی اور وینڈ اسکرین سے دیکھنے لگی۔

ایاز نے ایک پوش نائے کی ہلو کیٹ میں پہنچ کر وین روک دی۔ ماہم نے گاڑی سے اتر کر نظر اٹھا کر پانڈس اوپر بیچے کی برنگوں کی قطار کو دیکھا۔

شگفتہ ایک کزن کی طرف چل دی۔ ماہم چند لمحوں کے لیے ایاز کو اٹھلے میں موزوں پتلوں کے امراز میں ہاتھ اٹھانے سالت گھڑی ہو گئی۔ یہ اس کے بے ضرر تھیلے تھے جو اس نے جمالی میں سیکھے تھے۔ شگفتہ نے چلا کر پکارا تو ماہم ورنی دو واڑو نکلیں کر اندر کی طرف دوڑی۔

"اس بچی کے ناپ کے کپڑے چاہئیں۔" شگفتہ نے سیز کر لے لیا۔

سیز کر لے کر ماہم کا گلہ پتھرا یا نور ہاتھ پکڑ کر دیک کے قریب لے گئی اور ایک منٹ بعد ایک فرآک اٹھل کر دکھانے لگی۔

ماہم فرآک لے کر اسٹور میں جاتی۔ پین کر چیک کرتی پھر وڑتے ہوئے واپس آجاتی۔ تمام شاپنگ اس نے اسی طرح اٹھاتے کودتے کر لی۔ شگفتہ ہر دوکان پر رسید سنبل گئی جو اس کو جمع کروالی تھی۔ تین گھنٹے بعد ماہم کی لسٹ سے تمام چیزیں کٹ چکی تھیں۔

"شاہ زیب اور گل رخ کے لیے بھی کچھ لیں۔ پھر واپس چلتے ہیں۔" شگفتہ نے اپنے بچوں کے نام لیے۔

"وہ تو روز باہر جاتے ہیں۔ وہ سب خوراک لے سکتے ہیں۔" ماہم نے کہا۔ مری کے زیادہ تر بچے اسکول کی چھٹیوں میں نورسٹ اسپتال پر جا کر مختلف نوعیت کی چھوٹی موٹی کامیوں کرتے تھے۔ شاہ زیب بھی پہلے بنانے والا

بول: "میرا گھر کی ہے۔" انہوں نے آہستگی سے ماہم کا گلہ چھوا۔ "میرا بھی یہی گھر ہے تو کیا آپ کا بھی کوئی رشتہ دار نہیں؟"

سسز کر لیں نے اپنے بائیں ہاتھ کی چوٹی اٹھی میں ہنسی سنہری انگوٹھی کو کھمایا۔ یہ انگوٹھی لن کو دنیا ترک کرنے کے لیے جمالی گئی تھی۔ یہ کہہ کر کہ اب ان کا واحد رشتہ یسوع مسیح سے ہے۔ وہاں زیادہ تر نین آئرلینڈ یا انڈیا سے آئی تھیں۔ دو سال بعد وہ اپنے ملک کا چکر لگاتی تھیں مگر ورنی نے لن رشتوں سے تعلق بہت کمزور کر دیا تھا۔ ماہم نے سسز کر لیں کو سوچ میں ڈھونڈ لیا تو کبھی وہ رنجیدہ ہیں۔ اس نے اپنے بچوں پر کمرنگے ہو کر ان کو گلے لگایا۔

"میں آپ کے ساتھ ہوں۔ ہم ایک دوسرے کی فیملی ہیں۔" سسز کر لیں تمام تعلقات اپنی مرضی سے قطع کر کے آتی تھیں اور اب ماہم لن کے گرد و نیراوی رشتوں کا بیل بن رہی تھی۔

"ماہم! آپ اس شہر کو قریب سے دیکھنا چاہو گی؟" انہوں نے آہستگی سے ماہم کو مانگ لیا۔

"ہاں جائز؟" ماہم نے آہستہ سے پھینکا کر تصدیق کی۔

"اسکول کھلنے سے پہلے تھے کپڑے جوئے وغیرہ لے آئے۔ شگفتہ اور ایاز آپ کو لے جائیں گے۔"

"اٹھیک ہے۔" ماہم خوشی سے اٹھنے لگی۔

"چلو ہاتھ منہ دھو اور سوچ کے بعد فرسٹ ہالینا۔" سسز کر لیں کرسی سے اٹھ کر اندر کی طرف چل دیں۔



نیلی وین چڑھائی اترتے ہوئے ہیکولے کمار ہی تھی۔ یہ گاڑی یورڈنگ کی ملکیت تھی اور ایاز اس کا آئیشل ڈرائیور اور شگفتہ کا خاوند تھا۔ ایاز گنگنا رہا تھا ساتھ شگفتہ بیٹھی پیسے گن رہی تھی جو ماہم کے کپڑوں کے لیے ملے تھے۔



بانی بیٹا تھا اور اکثر کسی سیاح کی تصویر اتار کر اور ہاتھ بھی کھینچتا۔

”گولی اور سراجی لائے تو اس کی خوشی اور ہوتی ہے۔  
 بل تحفہ دینے سے محبت کا احساس ہوتا ہے۔“ شگفتہ نے ہاتھ کو سمجھایا۔ ہاتھ نے اچھے بچوں کی طرح سر ہلایا۔

اب وہ جس بازار میں گئے وہاں رش زیادہ تھا۔ دکانوں کے دروازے تو شیشے کے ہی تھے مگر زیادہ تر کھلے ہوئے تھے۔ جن پر کپڑوں، جوتوں کی نمائش ہو رہی تھی۔ اے سی نہیں تھے۔ اکثر دکانوں میں کھڑکھڑکتے پچھے چل رہے تھے۔ سبز گرل نہیں تھی۔ بس ایک یا دو تو ہی چیزیں نکال نکال کر دکھاتے اور وہی رقم وصول کرتے۔ اس رش سے دور فاصلے پر ایک دکان تھی جہاں صرف دکان دار موجود تھا۔ اس دکان میں سکونا اور تھیلی بالکل سبز گرل کی شخصیت جیسی تھی۔

شگفتہ کسی کپڑے کی کوالٹی پر بحث کر رہی تھی کہ معیار کے مطابق قیمت بھی ہلکی کر دو۔ ہاتھ خاموشی سے اس دکان میں چلی گئی۔ وہ کاسینکس شاپ تھی جس میں رنگین اور خوشبو دار بوتلیں بھی ہوتی تھیں۔

”مجھے اپنی سبز گرل کے لیے تحفہ چاہیے۔“ ہاتھ نے دونوں ہانڈوں کو شریں رکھ کر کان دار سے کہا۔ دکان دار اپنا کام چھوڑ کر اس کے قریب آ گیا اور باری باری گئی چیزوں کے نام لیے جو ہاتھ کو پسند نہیں آئے۔ وہ گچی سے کھیل کی غرض سے نیل پالش لگا کر ٹیسٹ کرا مارا۔ جب اس کی دس انگلیوں پر دس رنگوں کی نیل پالش لگ گئی تو اس نے ہنس کر ایک اسپورڈ نیل پالش پسند کی۔

دکان دار نے قیمت بتائی تو ہاتھ نے برس سکول کر نوٹ کھنڈیر رکھ دیے۔ پرس سے نکلے نوٹ اس کے مزاج سے میل کھاتا ہے۔ تب اس لیے دکان دار نے ایمانہ لاری سے لٹھی کر کے پتھر پر قہوا پس کر دی۔

”ہاتھ تم لوہر ہو میں تو ڈر گئی تھی۔“ شگفتہ ہانپتی ہوئی آئی اور ہانڈو کھینچ کر ہاتھ کو ہاتھ پر لے گئی۔

اصل صبح ابھی سورج کی روشنی نہ عم ہی تھی۔ ہاتھ سبز گرل کے کمرے کی طرف بھاگی۔ ہاتھ چاہے جتنی جلدی بھی اٹھتی۔ سبز گرل کے پہلے سے اپنے کپڑوں میں مصروف ہو گئی۔

ہاتھ نے ہاتھ دیکھتے ہی تیزی سے سر کا دل دوہرایا پھر تحفہ بیچا کر بولی۔

”اچھا ہے نا؟“  
 ”بہت اچھا ہے۔“ سبز گرل نے بغیر ہنسنے ڈبے پر ہاتھ پھیرا۔

”اس کو ناخن پر لگاتے ہیں۔“ ہاتھ نے اپنی رنگین انگلیاں دکھائیں۔

”نیل پالش سنگھار کا حصہ ہے جو میں دنیا کے ساتھ ترک کر چکی ہوں۔“ ہاتھ کا چہرہ مرجھا گیا۔

”آپ میرے لیے تحفہ لائیں میرے لیے کافی ہے۔ میرا سب سے بڑا تحفہ تو آپ ہو جو میرے ساتھ رہتی ہو۔“



ماحول میں جیسے سحر کا سحر تھا جو آؤنی کو پر سکون کر دیا تھا۔ اکثر راتوں تک جاننے کی عادت کے باوجود صبح جلد اٹھنے کا عادی تھا۔

جرمنی میں جب وہ تنہا ہر قسم کے سہرے اور بندھن سے آزاد تھا تب بھی وہ صبح کی جانگ ضرور کرتا تھا اور اب پاکستان آکر بھی اس نے یہ عادت قائم رکھی ہوئی تھی۔ اب تک وہ اپنے گھر کے قریبی پارک میں جایا کرتا تھا مگر آج اس نے شہر کے بڑے پارک کا رخ کیا تھا جس کی وجہ شہرت ہی جلد پیدا ہونے والوں کی اور رش تھی۔ واک مین کان سے لگا کر وہ اور گرو سے بے خبر ہو کر جانگ کرنے لگا۔ ظنی ویر بعد جب وہ پینے سے شرابور ہو گیا تو سانس بحال کرنے کی غرض سے ایک بیچ پر بیٹھ گیا۔ کانوں سے واک مین نکلا تو کچھ دیر تیز میوزک کے اثر سے کان سانس سانس کرتے رہے۔ ساعت بحال ہوئی تو پہلی آواز جو اس نے سنی وہ کیرتے کے مخصوص کلک اور ٹھیس کی تھی۔ اس نے

لوگوں کی تصویر اتارنا آپ کی عادت ہے؟" لڑکی کے لہجے میں شرارت بھی تھی اور طنز بھی۔  
 "یہ کیرا بہت کام کی چیز ہے۔ انسان کو روکنا دیتا ہے جو وہ خلی آگے سے نہیں دیکھ پاتا۔ توئی کی جلد کی تھوں کے اندر تک کی حقیقت کھل کر واضح ہو جاتی ہے۔" لڑکی اب کمرے کا فریم آری کی کلائی پر ہمارے ہی تھی۔

"اس کمرے سے یہ پتا چل جاتا ہے کہ صبح سویرے اٹھ کر تڑپتے ہیں سنوار کر آتے تو لالا میر لڑکا امپورٹڈ جاگر زاور مشٹا ٹریک سوٹ پہن کر اگر جاگنگ کرنے نکلا جو تو یقیناً اپنی زندگی کے اس مرحلے سے گزر رہا ہے جب اپنی شخصیت کے اظہار کے لیے اپنی ذات سے زیادہ لباس پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔" لڑکی نے آوی کی مٹھی گھسی لی تصویر لے کر طنز اور شرارت سے کہا۔

"آوی نے سر سے پاؤں تک لڑکی کے بے ڈھنگے حلیے کی طرف دیکھا۔  
 "یہ کمرے کی آگے نے جو دیکھا اس کے سمجھنے میں دیکھنے والے کی عقل کا بہت عمل دخل ہوتا ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے۔ اس لڑکے کی شخصیت وہی اتنی نیچور کہ اپنا لباس اور سنور سے پال اس کی رو میں ہو مشسوسی تیاری نہیں۔" آوی نے فوراً جواب دیا۔

"ایسے لوگوں سے میں مل چکی ہوں۔" اس کا چند منٹ میں بے لطف ہونا خلاف توقع آوی کو برا نہیں لگا تھا۔

"طیہہ دیکھ کر لگتا نہیں شاید بہت دور کی واقفیت ہے۔" حلیے پر ہنوت کرنے کی باری اب آوی کی تھی۔

"میں بہت عقل مند ہوں۔ میرے لیے ایک ملاقات ہی شخصیت کو پڑھنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ جیسے میں نے کمرے کی آگے سے آج یہ دیکھا کہ موصوف میں امیر ہونے کے باوجود دانش مندی کی کچھ کمی ہے۔"

چونکہ کروہ کھا تو قریب ہی ایک لڑکی اپنے کمرے سے پھوٹوں کی تصویریں لے رہی تھی۔ تمنا روگرد سے لڑکھاتی ہو کر کبھی وہ لہجوں پر بیٹھتی تو کبھی بالکل زمین کے قریب آجانا اور اپنے پسندیدہ زاویے سے تصویر اتارتی۔ توئی کو اس کے حلیے پر حیرت ہوئی۔ اس کا جدید سراں کے کسی ایسے کمرے سے ہونے کا پتا دیتا تھا مگر اس کا حلیہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ لہجہ "وہ ایسی ہو کر اچھی تھی۔ اس کے اچھے پال جیسے زیروستی میری بیٹی میں جگڑے ہوئے تھے۔ سلوٹ زاوہ ڈھیلا کرتا اور پاجاما۔" یقیناً "شب خرابی کا لباس تھا۔ جس پر پھیل کر کت کاوشا اور ڈھاوا تھا جو پانی لباس سے بالکل میل نہیں کھا رہا تھا۔ البتہ جوتے اس نے اپنی ضرورت کے عین مطابق پہنے تھے مضبوط اور کھل بند۔ گویا پیرتھ سے پہلے صرف کمرے اور جوتوں پر توجہ دی گئی تھی۔

توئی نے نظر پٹا کر اپنے باؤں میں ہاتھ پھیرا جو بچے نم ہو چکے تھے۔ گلک اور فیش کی تو از پر وہ ایک بار پھر چونکا۔ وہ اب کافی نزدیک سے تھی مگر اس نے نہ کھا وہ لڑکی اب کافی نزدیک سے لہجوں کے بل بیٹھی اس کی تصویر لے رہی تھی۔ وہ اس مزاج کا نہیں تھا کہ اس کی ان حرکت پر شہادت یا خبر آتا مگر ایک پر سکون دانی کے کو خراب کرنے پر اس کو غصہ ضرور آیا تھا۔ اس لڑکی نے بغیر وقت ضائع کیے ایک اور تصویر لے لی۔ آوی نے چہرہ لٹکے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ لڑکی نے اپنے چہرے کے سامنے سے کیرا ہٹا لیا۔ اس کے چہرے پر نظر پڑنے کے بعد توئی نے اعتراض کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

"آپ کا شوق ہے یا پیشہ؟" آوی نے سچ سے ٹیکہ لگا کر پوچھا۔

"یہ میری عادت ہے۔" لڑکی نے ایک بار پھر کیرا منہ کے تگے کو لیا اور بات باری رہ گئی۔

"اب کسی شوق کو پیشہ بنانے کی ضرورت ہے اس کو عادت بنانا پڑتا ہے۔ میں بھی اسی دور سے لڑ رہی ہوں۔" وہ اب تھوڑا نزدیک آ کر کہہ رہی تھی۔

"یعنی صبح سویرے اٹھنے ایک کیرا تمام کرنا جان



"یہ تجربہ بہت جلد باز ہے اور ایسی کیا بات ہے جو آپ کو اتنا غمگند بناتی ہے جہاں نہ جا کر بھی وہ اس شخص کو ملے لگتا جا رہا تھا۔"

"مجھے میرے ذہنی غمگند بناتے ہیں۔ بچتے کہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ جاتے ہوئے جب آپ اپنی گاڑی کی چابی پا کر مجھ سے کہیں گے کہ آپ کو کہیں چھوڑوں تو میں فوراً انکار کر دوں گی۔"

"خوش قسمتی ہے۔"

"اس لیے تو آپ میں دانش مندی کی کمی ہے۔ یہ کہہ کر لڑکی مسکرائی اور وہ انگلیوں سے سیلوٹ نما اوراع کہہ کر گیٹ کی طرف پلٹ گئی۔ آوی وہیں بیٹھا حیرت سے اس کو جانا دیکھا رہا ایسا بھی نہیں ہوتا تھا کہ کوئی لڑکی آوی کو خاموش کر دے البتہ لڑکیوں کی اس کو دیکھ کر زبان ضرور لڑکھڑاتی تھی۔

توی یہ فیصلہ نہیں کر پایا تھا۔ وہ اس لڑکی سے متاثر ہوا تھا یا نہ ج۔ مگر پہلی ملاقات میں اس نے کچھ تاثر ضرور چھوڑا تھا تو آوی کے لیے نیا تجربہ تھا۔

آوی نے بھی وہی پس کی راہ لی۔ اس کی چھٹی سی اسپورٹس کار اس وقت ملک کے صرف دو افراد کے پاس ہی تھی۔ پچھ دیڑھ رات کے بعد وہ پوش خالی کے وسیع طریقہ رے پرانے طرز کے مکان میں داخل ہو رہا تھا۔ ملازم اپنے روزمرہ کے کاموں میں لگے گئے تھے۔ ڈرائیور گاڑیوں دھورے تھے۔ ایک ملازم آوی کو باندھ رہا تھا اور قریب ایک ملازمہ لان کی کرسیوں کو جھاڑ کر بیڑپوش بدل رہی تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ ٹیکم رونق جنوں ناشتا کھول فرما چکی ہیں۔ خوش گوادر موسم کے باعث ٹیکم صاحبہ ان میں ناشتا کرتی تھیں اور ان کے ناشتے سے پہلے لوراجد کر بیوں کو اچھی طرح جھاڑ پونجھ کر چوکایا جاتا تھا اور ناشتا ختم ہونے سے پہلے کسی ملازم کو وہاں آنے کی اجازت نہیں تھی۔

آوی بان سے گزرنا ہوا لگتا تھا داخل ہوا تو ایک سوڈا زانا ہی بدل گیا۔ باہر سے پرانی وضع کا مکان اندر داخل ہوتے ہی دو دروازوں سے زیادہ چھوڑا گیا تھا۔ امپورٹڈ الیکٹرانک مین کا فرنیچر جدید طرز کا روغن اور

لیٹیٹی نجابی ایشیا مارٹ کا پکڑا دیتے تھے۔

توی نے میز پر موزوں جگ سے فرش ہوں گلاس میں ڈال دی تھا۔

"آپ کو ٹیکم صاحبہ نے پایا ہے۔" تو عمر ملازمہ نے پکڑتی سے کہا۔

آوی کو معلوم تھا کہ وہ اپنی آنس لیا اسٹڈی میں ہوں گی۔ چونکہ مل میں پہلے تک اس کے ابا کی بیٹھک نہ آکر تھی۔ کمرے کے دروازے پر قفل کر آوی نے اندر بھانٹا اور حاتی انقیاز حسین کو پیشے دیکھ کر اس کو احساس ہوا کہ یہ ملاقات مل کے ساتھ نہیں بلکہ ٹیکم رونق جمن کے ساتھ ہے۔

مادامی صاحبہ ان کے ابا کی خالیت کے دوران اور وفات کے بعد بھی باقاعدگی سے کاروباری امور کا حساب ٹیکم صاحبہ کو ابا کو دکھاتے تھے۔ آوی نے لندہ قفل کر دی اور وہ ان کو منام کینا لورسی ہماہوں کے بدلے کے بعد کر رہی تھی۔

"میں پاکستان آئے ہوئے کافی وقت گزر گیا ہے مگر ہے کہ اب دفتر چانا شروع کرو۔" رونق جمن اپنے دستوں میں انداز میں بیٹھی تھیں۔ ان کی سیدھی تھی لہذا ان کے مزاج کی طرح تھی جو کتنوں کو سیدھی پریشانی کے پھونکھی کر رہی تھی۔

"میں آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں اپنا ٹیکم کاروبار کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں اس کی اجازت نہیں دواں گی کم از کم ابھی نہیں۔ پہلے چند سال خانہ دانی کاروبار میں تجربہ حاصل کرو۔" اپنی بات واضح کرنے کے لیے ان کو توار پلندہ نہیں کر پڑی تھی۔ کبھی کی ہنسی ان کی بات کو زنی کر دیتی تھی۔

"مجھے ان شرتوں جہاں آچار ہوشامدوں صافوں میں کوئی دلچسپی نہیں۔ میں اپنے مزاج کے مطابق کام کرنا چاہتا ہوں۔" توی جملہ کھل کر کے ایک سے کو ڈر سا لیا کہ کہیں اس کی بل ہر ہم نہ ہو جائیں۔

"تم جن چیزوں کا اس خالیت سے نام لے رہے ہو وہ اس ملک کی سب سے بڑی اوم پروڈکس کمپنی

ہے۔ جس کو تھماری پھلی لٹلوں نے بہت محنت سے برداں چڑھایا ہے۔ تم نے باہر بڑھنے کی خواہش ظاہر کی میں نے تمہیں نہیں روکا۔ تم نے ہر بار اپنی منوائی ہے۔ اب وقت ہے کہ تم میری خواہش کا احترام کرو۔  
 ”میں اب وقت ہے کہ تپ لبا کی خواہش کا احترام کریں۔“ آوی نے اپنا سب سے اہم صوا آگے کیا۔

رونق جہاں کے تاثرات ایک دم بدل گئے۔ وہ ہمیشہ سے بلند حوصلہ اور ٹھوس کردار کی مالک رہی تھیں۔ شوہر کی زندگی میں بھی کاروبار اور گھریلو امور میں ان کی بدشاہت مگن مگر اپنے تمام فیصلے وہ پس پشت رہ کر منوائی تھیں۔ ان کی علاقہ کے بعد رونق جہاں کو براہ راست کاروباری امور دیکھنے پڑے۔ پانچ سال قبل ان کے شوہر کی وفات کے بعد سب کا خیال تھا کہ وہ تمام امور چھوڑیں۔ بچوں کے حوالے کر کے پرسکون زندگی گزاریں گی مگر انہوں نے سب کو غلط ثابت کر دیا اور کاروبار پر اپنی گرفت مزید سخت کر لی۔ وہ آٹھس سے دور بیٹھ کر اس کو ایسے چالیں تھیں کہ کوئی پتا بھی ان کی مرضی کے بغیر نہیں بلتا تھا۔ ہر کاغذ ان کی انٹھی سے ہو کر گزرتا تھا۔

میں توئی اور ان کا اختلاف شروع ہوا تھا توئی کو الگ کاروبار کی ضد بھی اسی لیے تھی کہ وہ اپنی ماں کے محبت اور رعب گھر کے شکنجے سے آزاد ہونا چاہتا تھا۔  
 ”اپار ضامند تھے کہ میں اپنا الگ کاروبار کروں۔ پتوں ان کے“ میں نے چوہاں فرمایا ہے اس کا ایک پورا ٹیسی اور زمین کو سرشار کرے تو میں سمجھوں گا میں کامیاب ہو گیا۔“

توئی نے دلتے رک کر اپنی ماں کے تاثرات دیکھے اور جان گیا کہ وہ بات منواج کا ہے۔ اس نے اٹھ کر سام لیا اور گھرتے سے باہر نکل گیا۔  
 رونق جہاں سرخ آنکھوں سے اس کو جاتے دیکھ رہی تھیں۔ وہ اس کی ترقی سے مخالف نہیں تھیں۔ اس کے باقی وجود سے خوفزدہ تھیں۔ اس کی حالت میں

ہمیشہ ایک بغاوت اور آزادی رہی تھی۔ وہ خود کو ہر ذمہ داری سے لا تعلق سمجھتا تھا۔ اپنی شرطوں پر زندگی گزارتا تھا اور جو بات اس کی مرضی سے ہٹ کر ہوئی اس کو بدل نہیں سکتا تھا تو چھوڑ دیتا تھا۔ کوئی خواہش رشتہ یا شخص ایسا نہیں تھا جو اس کو کسی دوسرے کی خوشی کے بارے میں سوچنے پر مجبور کرے یا شاید ایسا شخص آج کا تھا مگر رونق جہاں بے خبر تھیں۔

انہی صبح توئی کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ جا لنگ نہیں کر رہا بھاگ رہا ہے۔ ان ذہنیوں سے جو کبھی محبت رشتہ یا ذمہ داری بن کر اس کے پاؤں سے بندھ جاتی ہیں۔ اس کو کبھی کسی چیز کے لیے محنت نہیں کرنی پڑی تھی۔ آسانشوں نے اس کو دوسروں کی نظر میں بے حس اور اپنی نظر میں عملی و تیار تھا۔ زندگی مختصر تھی اور وہ اسے اپنی ہی ذات کے لیے بالکل سمجھتا تھا۔ دوسروں کی خواہشوں پر ہونا گویا اس کو ضائع کرنا تھا۔ اس نے ان خیالات کو سمجھنے کے لیے میوزک مزید تیز کر لیا اور ریڈیو زمین پر مزید تیزی سے دوڑنے لگا۔

اسی طرح دوڑتے ہوئے اس کی نگاہ کیمبرے والی اس لڑکی پر پڑی۔ وہ آج دو بچوں کی تصاویر کھینچ رہی تھی۔ بچوں کے ساتھ کھیل کر بچوں کی طرح باتیں کرتے ہوئے ان کو اپنے مطلوب انداز میں بٹھانے اور تصویر اتار لیتی۔ توئی نے لمحہ بھر رفتار آہستہ کر کے اس کو دیکھا۔ آج اس نے ہلکے سیلے رنگ کی شٹوار قمیص پہن رکھی تھی جو اسٹری شدہ تھی۔ بال بھی سلجھے ہوئے تھے اور پہرہ بھی کھلا ہوا الگ رہا تھا۔ اسی نے اس لڑکی کی نگاہ اٹھی اور اس نے توئی کی نظر کا جواب مسکراتے سے دیا اور وہ بارہ بچوں کے ساتھ کھینچ رہی تھی۔

توئی کو پہلی بار احساس ہوا کہ اس لڑکی کے شخص تھکے تھے تھر تھک سا نوا تھا۔ چند لمحوں کے تجربے کے بعد توئی نے اپنی رفتار پھر بحال اور گراؤ بند کیا آخری چکر لگانے لگا۔ چکر مکمل کر کے وہ دوبارہ اس جگہ پر پہنچا تو تپے تپھے کھیل رت تھے تھوڑی توئی موجود تھی۔ توئی بھاگتے بھاگتے رک گیا اور نظر دوڑا کر



ہنسیں اپات سنیں۔ "آوی نے غیرارادی طور پر اس کو روک لیا۔

"ایش" لڑکی نے مڑ کر تو می کو دیکھا۔ "میرا نام ایش ہے۔"

"آپ نے میری تصویر لیں تو شکریہ کے طور پر میں آپ کے لیے کچھ کر سکتا ہوں۔"

"تو تو آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اگر چاہیں تو۔" ایش نے کہا۔

"آپ فرمائیں کیا چاہتی ہیں؟" تو می نے سوئب انداز میں پوچھا۔

"مجھے جیسی لڑکی آپ جیسے لڑکے سے اس وقت بھلا کیا چاہ سکتی ہے۔" ایش نے شرارت سے کہا۔ آوی نے مشکوک نظر اس پر ڈالی۔

"پاشتا۔" ایش نے منصوبیت سے کہا۔

تو می دیر بعد وہ آوی کی گاڑی میں بیٹھی تھی اور اسے راستہ سمجھا رہی تھی۔

"مجھ جب بھی موقع ملتا ہے میں وہاں بن پنے کھانے ضرور جاتی ہوں۔" ایش نے بے مقصد مشہوری کی۔

"جیتے پاشتا یا کچھ کا ہی پرند ہے۔ جو س یا سلا کس لے لیتا ہوں۔" تو می نے وضاحت کی۔

"شاید اس لیے کہوں کہ آپ نے پہلے وہاں کے بن پنے نہیں کھائے۔ غالباً شہر کے سب سے بڑے بن پنے پتے ہیں۔ روز روز نہ سنی سمیٹے میں ایک آدھ پار تو ضرور روایتی پاشتا کرنا چاہیے۔" ایش نے بے تکلف ہو کر کہا۔

"تبدیلی کو آزما لیتے ہیں۔"

"بس ادھر روک دیں۔"

تو می نے دیکھا۔ وہ شہر کی مشہور مارکیٹ تھی مگر زیادہ کانٹا نہیں لگی یہ بند ہی تھی۔ جو تصویرے بہت افراد موجود تھے ان میں زیادہ تر تعدلو چھاہوی فریوشوں کی تھی۔

"کہاں؟"

"وہ ٹھہلے والا۔" ایش نے اشارہ کیا اور گاڑی

پارک میں چاروں طرف دیکھا۔ کہیں کوئی زور دیا اس نظر نہ آیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے دل کے کسی کونے میں مایوسی کے سائے منڈلانے لگے اس نے گاڑی کی چابی نکالی اور گہری سانسیں لیتے ہوئے پارکنگ لائٹ کی طرف ہنس دیا۔ گاڑی کے پاس پہنچنے تک اس کی سانس بحال ہو چکی تھی۔

"ہیلو" وہ لڑکی اس کی گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑی تھی۔

"لوہ آپ لہائے۔" آوی کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"گھویا آج کیمرے کی آنکھ سے جانے جانے کا شرف۔ میری گاڑی کو حاصل ہوا ہے۔" تو می نے شرارت سے کہا۔

"اتنی قابل نہیں ہوں کہ بے جان چیزوں میں جان ڈال سکوں۔ میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ آپ کی ذیک امانت تھی میرے پاس۔" اس نے چند بیگ سے ایک خاکی رنگ کا ٹھکانہ نکالی کر آوی کو تھمایا۔

آوی نے ٹھکانہ کھولا تو پتے دن کی تصاویر تھیں۔

"یہ تو آپ نے مشکل میں ڈال دیا۔ میں آپ کی فونو گرامی کی تعریف کروں گا تو کہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں اپنی تعریف کر رہا ہوں۔" آوی اپنی ہی تصاویر دیکھ کر کالی متاثر ہوا تھا۔ تمام تصویروں میں بٹون سے پاک تھیں۔ چند ایک میں منہ جھٹکنے کے انداز میں کھول رکھا تھا۔ جس کے باعث ان میں حقیقت کا گہرا تاثر تھا۔

"آپ کسی کی بھی تعریف کریں میرا جواب شکریہ ہی ہو گا۔ سب جگہ کا انتخاب میں نے ہی کیا تھا۔"

"میں کوئی لڑکی نہیں کہ آپ کو تصاویر نوٹانی پڑیں۔ تب یہ رکھ سکتی ہیں۔" تو می نے تصویر دہراہہ لگانے میں ڈال دیں۔

"میرے پاس نیگیٹو نہیں۔ آپ کو اس لیے دیں کہ ان پر آپ کا بھی حق ہے۔ میں چاہتی ہوں۔" وہ لڑکی مڑ کر گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

اس کے قدموں کے ساتھ ساتھ آوی کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"تپ جاہن انکار کریں مگر انسان کا ظاہر وہی ہوتا ہے جو بس کا باطن ہو۔" آوی لطف اندوز ہو رہا تھا۔  
 "بے شک لیکن ایک مدت کے بعد ایسا ہوتا ہے۔ ایسا قابل قبول صرف تب ہوتا ہے جب باطن نے ظاہر کو تراشا ہو۔ مگر انسوس اکثر لیا نہیں ہوتا۔ انسوس گھرانے تمام تر توجہ اولاد کے ظاہر کو دینے لگتے ہیں۔ یہ پروا نہیں کرتے کہ اس کو سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنا آتی ہے کہ نہیں، پر اس کو لپٹا پس پینٹا ضرور سکھایا جاتا ہے کہ ملازموں کے ساتھ برتاؤ کرنا نہیں سکھاتے پر رپورٹ کارڈ پر پورے مار کس چاہئیں۔ اس طرح جن کو یہی درس ملتا ہے کہ باطنی زندگی کو ظاہری خوبصورتی سے چھپاؤ۔"

"ایسا ہر بار ہو ضروری تو نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے انسان کا باطن تیزوار ہو اور ظاہر بھی خوش لباس ہو۔" آوی کو دیا پیش کا ذاتی فلسفہ لگا۔  
 "ہو سکتا ہے ہانکل ہو سکتا ہے۔ مگر پھر باطن پر بھروسہ ہونا چاہیے۔ یعنی اگر کبھی پرانے کپڑے لور ہے ترتیب حلیمے میں بھی اور بناؤں تو شرمندگی نہیں ہوتی چاہیے۔" آوی اپنا آخری نوالہ کھا رہی تھی۔  
 "آف کورس۔" آوی کی پیٹ بھی تقریباً خالی ہو چکی تھی۔  
 "چلو پھر آنا لیتے ہیں۔" آوی نے آوی کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔  
 "یہ جاگرز اسپورڈ ہیں؟" آوی نے پوچھا۔  
 "ہاں جب جرمی میں پڑھ رہا تھا تب خریدے تھے۔"  
 "تو یہ جاگرز بڑے میاں کے جوتوں سے ہیں اور۔" اس نے لہلہے والے کی طرف اشارہ کیا۔  
 "باگل ہو گئی ہو کیا؟" آوی کا منہ کھٹا کا کھٹا رہ گیا۔  
 "کیوں تمہیں ڈر ہے کہ پشاوری پنل میں کوئی تمہاری عزت نہیں کرے گا؟" آوی نے چیلنج دینے کے انداز میں کہا۔  
 "ہرگز نہیں۔ مگر میں ایسی کئی فضول حرکت نہیں کر سکتا۔" آوی نے لہجہ ہونے لگا۔

سے اتر گئی۔ آوی نے کرخلی سے اسٹیرنگ واپس پر ہاتھ مارا پھر پیش کو دیکھ کر احساس ہوا کہ وہ سنجیدہ ہے تو خود بھی اتر کر اس کے پاس چلا گیا۔  
 "تو یہ ہے آپ کے پسندیدہ ناشتے کی جگہ؟" آوی نے مسخراڑایا۔  
 "تپ پھر وہی کر رہے ہیں۔ ظاہری حلیمے سے باطن کا لاندازہنگا اور ست نہیں ہے۔" آوی نے آوی کو دے کر پھر سے کیمرا سنبھال لیا۔  
 "میرا مطلب ہے اگر یہ اتنا ہی مشہور اور معروف ہے تو اب تک اس نے وکان کیوں نہ کھول لی۔ یقیناً اس کا کاروبار بہتر نہیں چل رہا۔"  
 آوی نے لہلہے والے کو ہلٹوں میں پتے سلاوا رائیڈ اور اچھڑا لیتے دیکھا۔  
 "لاٹ صاحب! آپ کو میں سمجھاؤں۔ ان کے چیکر چھولے کتے ہیں۔ ان کی خاصیت یہ ہی ہے کہ ان کو لٹنڈا کھایا جاتا ہے۔ اس لیے چولے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ رہی بات ڈالنے کی تو اس کی ایک ہی دلیل ہے۔" آوی نے پیٹ آگے بڑھائی۔  
 "یہ صاف تمہارا تو ہے نا؟" آوی کا ہنسا لہلہے والے نے سن لیا۔  
 "کیا بات کرتے ہو صاحب! میں سال سے کلام کر رہا ہوں۔" آوی نے قدرے غظب سے کہا۔  
 آوی کی بڑی شخصیت کو چیلنج کا سامنا تھا۔ اس نے ایک نوالہ منہ میں رکھا اور ساتھ ہی ٹکک اور ٹڈیش کی مخصوص آواز آئی۔  
 "یہ آپ کے پہلے نوالے کی یادگار تصویر۔" آوی نے ہنستے ہوئے کہا اور کیمرا گلے میں ڈال لیا۔  
 "انسوس ہو رہا ہے کہ اس کی دکان میں ورن میں سال بعد یہ تصویر فریم کر کے لگا تاکہ مشہور زمانہ بزنس مین یہاں سے من پنے کھاتے تھے۔" آوی خود بھی کھانے لگی۔  
 آوی کی بھی تنگی دو نوالوں کے بعد دور ہو گئی۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے لذیذ ناشتا تو نہیں مگر مفید ضرور تھا۔



www.paksociety.com

www.paksociety.com

اتر گئی۔ پھر گاڑی کی کھڑکی سے منہ ڈال کر بولی۔  
"شکر ہے۔ تلختے کا بھی اور میرا دعا و آغا کرانے کا بھی۔"

تھی۔  
"کوئی مسئلہ نہیں۔ ویسے بھی یہ جاگرتے تھے۔ شکر ہے تمہاری نظر میری گاڑی پر نہیں پڑی۔" تو نے ہنس کر کہا۔

لشٹ سنجیدہ ہو گئی۔ "لوہری رکو۔" اس نے ایمر جنسی میں کہا۔

"رکٹے والے بھیا! ذرا سنبھل۔" اس نے قریب کھڑے رکٹے والے کو آواز دی۔

تو نے کچھ ہاتھ پاؤں پھیل گئے۔ اس نے تو کو دیکھا تو نازل اسپید سے گاڑی دوڑاتا ہوا نکل گیا۔ پیچھے ایش کھڑی باستی رہی۔



یورڈنگ میں دن کا آغاز جلد ہو جاتا تھا۔ ہر کلاس کے لیے ایک کٹھن کمرہ مخصوص تھا جس کو ڈور مکتے تھے جس میں دیواریں اور بڑی بڑی کھڑکیاں سے ترچھی پھت باعث ٹھنڈی نہیں رہتی تھی۔ کمرے کی آرائش ایسی تھی جس کے باعث وہ سروں کا ساتھ اور خلوت دونوں میسر تھے۔ کمرے کے دونوں طرف بستر نظاموں میں لگے ہوئے تھے۔ ہر بستر کے اوپر کھڑکی کے ڈبوں کی مدد سے پردے نصب تھے۔ جیسے کسی اسپتال کے ایمر جنسی وارڈ میں ہوتے ہیں۔ جن کو بلاقت ضرورت کھولا اور بند کیا جاسکتا ہے۔ ہر ڈور میں ایک سن موجود رہتی تھی۔ ان کے بستری دونوں سمت کھڑکی کی دیوار لگا کر مختصر سا کمرہ بنا دیا گیا تھا۔ صبح چوبیس میٹرن اسپتال سے کمرہ جن لڑکیوں کو جگاتی کیونکہ انہوں نے صبح صبح کمرہ عبات میں حصہ لینا ہوتا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد ایک ہاتھ سے گھنٹی بجاتے ہوئے سسٹر تمام بستریوں کے گرد چکر لگانا شروع کر دیتی۔

گھنٹی کی توازی سن کر لڑکیاں جھٹ سے بستر سے باہر نکل آتیں۔ سائیڈ ٹیبل سے اسٹیل کاجک اٹھا لیں اس میں ہاتھ دھو کر پانی بھرا لیں۔ سائیڈ ٹیبل پر ہی

انہیں صرف اپنا مدعا بیان کر رہی ہوں۔ تمہارا مقصد تو چلنا ہی ہے۔"

"تم نے بات کسی میں نے سن لی۔ ایک سرسری سی بات ہوئی کب چلے دو۔ دھونس دے کر تبدیل کرانے کا کیا فائدہ؟ تم کوئی معلم ہو جو وہ سروں کو باطن پر بھروسا کرنے کا عملہ درس دیتی ہو۔" آوی کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"صحیح کہ رہے ہو۔" ایش نے سنجیدگی سے کہا اور لہلہے کے ہنسنے چل دی۔

تو نے گنگاؤہ تھا ہو گئی۔ ایش پھرتی سے بڑھتی ہوئی ایک عورت کے پاس پہنچ گئی جو جرائیں پونیاں کلب چھ رہی تھی۔ اس نے ایک کپڑے کے میلے بیگ میں کچھ وہاں ڈال رکھے تھے۔ آوی نے وہیں کھڑے ہو کر دیکھا ایش نے اپنا لہر کا ڈیرہ فٹنور بیگ اس کو دے کر اس کا کپڑے کا میلہ بیگ لے لیا اور وہ اس تبارے پر مطمئن نظر تو رہی تھی۔

"میرا فائدہ ہو گیا۔ اس میں میرا کیرا نہیں آتا تھا۔" ایش نے واپسی آ کر خوشی سے کہا۔ آوی جیسے سے انداز میں ہنس دیا۔ پھر آوی نے خاموشی سے بڑے میاں کی چوٹی سے اپنے حوتے تبدیل کیے۔

گنگاؤہ ایش نے مزید تعلق بر لے لیں۔  
"کیسا لگ رہا ہے؟" واپسی میں ایش نے شرارت سے پوچھا۔

"تمہاری خوشی کی وجہ سے کھٹا چاہ رہا ہوں۔" تو نے خفا نہیں تھا۔

"تمہیں تمہارا ہی ایک پوشیدہ روپ دکھایا ہے اس لیے خوش ہو لیں۔"

"یارک آگیا۔ تمہیں کہاں چھوڑوں؟" تو نے رگڑا آہستہ کر دی۔

"ہمیں وہ بلڈ گنز کے آگے میرا کالج ہے۔" لشٹ نے اشارہ کیا۔  
"کالج آج تو چھٹی ہے۔"

"میں اسٹل میں رہتی ہوں۔" ایش نے واضح کیا۔  
تو نے گاڑی روک دی اور ایش کیرا سنبھل کر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

لڑکیاں اپنے گم میں جتنی کافی دودھ ڈال کر انہیں خوب پھینکتیں۔ یہ کافی بنانے کی ضرورت کے ساتھ ساتھ ان لڑکیوں کا غسل بھی تھا۔ سینہ نے برہیل کو آتے دیکھ کر جلدی سے گھنٹی بجادی اور تمام لڑکیاں اوب سے خاموش ہو گئیں۔ سسٹر گریس اور پلٹی نون چرچ سے آئیں تو تمام لڑکیوں نے لوب سے سلام کیا۔ سسٹر گریس خواب دے کر بیٹھ گئیں تو پھر سے پیالوں میں چرچ چلنے لگے۔

ہر روز انڈے مختلف طرح سے بنائے جاتے۔ اکثر ساتھ شور با بھی میسر ہوتا جبکہ وہ بٹھتے کا لازمی جزو تھا۔ بٹھتے کے بعد لڑکیاں فلیٹ پر اسپیل کے انتظار میں شعلتی رہتیں۔

ایک بچے علم کے پوجھ سے لدی لور تھکی لڑکیاں پھر فلیٹ پر جمع ہوئیں اور کھانے کے لیے پھر ڈاکٹنگ ہال کا سرچ کر تیں۔ سچ کا ہر روز نیا مینو ہوتا۔ ماہم کو الگ اور لو بھی سخت ناپسند تھی۔ قرعہ انداز میں تیار کیے سچ میں آوا ایک لڑکی جزو ہوتا تھا۔ کھانے پر لڑکیوں کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہوتا کہ اس میں مسالے کے ہم پر صرف نمک اور کالی مرچ کا چمڑ کا ڈھونڈا تھا۔ جس سے ہر کھانے کا ایک ہی ذائقہ ہو جاتا تھا۔ ان ننھے ذہنوں نے اس کا توڑ یہ نکالا کہ وہ کچھ چھپ بریالی مسالے اور جات مسالے کے پکٹ ساتھ رکھتیں لور ان کی مدد سے ذائقے کو کھانے کے قابل بناتیں۔

یہ بورڈنگ کی زندگی کا حسن تھا کہ اس کا ہر لمحہ فعال پہلوا جاتا۔ کھانا ختم کر کے لڑکیاں کرسیوں پر ہی براجمان رہتیں۔ جب سسٹر گھنٹی بجاتی تو لڑکیاں شکر یہ کہہ کر اٹھ جاتیں۔

گھنٹہ بھر پہلے کے بعد اسپورٹس یونیفارم پہن کر لڑکیاں میز میں حصہ لیتیں۔ اپنے اپنے ہوس کے مطابق گیمز ان کے لیے زندگی موت کا مسئلہ ہوتے۔ کسی جنگل سیاہی کی طرح ہر کوئی اپنے ہاوس کو مہلند کرنا چاہتا۔ ٹھوڑے سے فارغ نام کے بعد ساڑھے چھ بجے کھانا لگایا جاتا اور چائے پینڈ آئے نہ آئے سات بجے سب بستر میں سونے کو لیٹ جاتے تھے۔

اسٹیل کا بڑا سا پیالا یعنی بیسن موجود رہتا تھا۔ جس میں لڑکیاں پہلے منہ دھوئیں پھر دانت برش کرتیں۔ فارغ ہو کر وہ ہاتھ روم جاتیں اپنا بگ اور جین دھو کر کپڑے سے خشک کر کے وہاں اصل جگہ پر رکھ دیتیں۔ ہاتھ روم سلیٹے سے استعمال کے باعث نہایت نجس ہوتا۔ ایک طرف سات نکلے گئے تھے لور دوسری طرف اتنا ہی لپا بیچ تھا جو اوپر سے سچ اور اندر سے جوتوں کی امدادی تھی۔ اگلا مرحلہ شب خرابی کا لباس تبدیل کرنا تھا۔

"اندر نہ آنا۔" ماہم نے بستر کے گرد پرہ کھینچتے ہوئے آواز بلند کہا۔

"یہ کہنے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ پرہ آگے ہونے کا یہی مطلب ہے کہ بغیر اجازت اندر آنا منع ہے۔" سسٹر اوتھانے اس کی بدتمیزی پر ٹوکا۔

سوسری سسٹر "ماہم نے معذرت کی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ ایک بے ضرر شرارت بن گئی جو دانت طور پر اکثر لڑکیاں کرتیں اور متوجہ ذانت بن کر کھیلائی نہیں۔

لباس تبدیل کر کے پرہ نے نفاست سے سیٹ

اسیے جاتے۔ اس بات کا خاص خیال رکھنا ہوتا کہ پرہ ذرا سا بھی تر تھانہ ہو اور تمام قمیضیں سیدھی ہوں۔ اس کے بعد بستر ٹھیک کرنے کا تکنیکی مرحلہ آتا جس سے ابتدا میں ہر لڑکی جو جھنٹی تھی۔ بستر پر ساوی چادر بچھا کر اس پر تکیے رکھتے پھر ایک اور چادر بچھا کر لمبیل رکھا جاتا اور اس کے لور دوسرا لمبیل بچھا دیا جاتا۔ پھر چلی چادر کے کونے سے کنبل کو بٹھا سا ڈھک دیا جاتا تاکہ لمبیل جگہ پر قائم رہے۔ چادر لگ کر معیوب نہ گئے اس لیے احتیاط سے چادروں اطراف سے چادر میزوں کے نیچے ڈال دی جاتی۔ آخر میں ہننگا کر بستر کھل ہو جاتا۔ چھین کر پچاس منٹ پر وہ سب تیار ہو کر کیشن کے پیچھے قطار بناتیں اور ڈاکٹنگ ہال کا سرچ کرتیں۔ جو میز اور سینئر اسکول کا مختلف ڈاکٹنگ روم ہوتا تھا۔ ڈاکٹنگ روم میں موجود امدادی برتلا لگا ہوتا تھا جو کیشن صرف پندرہ منٹ کے لیے کھولتی تھی۔



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کے بعد بات کرنا یا بستر سے لگنا سخت منع تھا۔ نظم و ضبط کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا بھی دی جاتی تھی۔

”ماہم! آپ کو سسٹر گریس نے بلوایا ہے۔“ سسٹر کی اطلاع پر ماہم حیران ہو گئی۔

پہلے پہل چھٹیوں کے اختتام پر ماہم اکثر وقت پا کر سسٹر گریس کے آفس میں گھس جاتی اور عادت کے مطابق باتوں کا پتلا رکھول دیتی۔ اس کے علاوہ کسی نظر آتیں تو مختار تو ذکر ان سے لپٹ جاتی۔ سسٹر گریس نے اس کو آہستگی سے سمجھایا کہ چھٹیوں کا رہن سہن مختلف ہوتا ہے۔ جو اسکول کے دنوں میں تھاں قبول نہیں ہے۔ اس پر لازم ہے کہ استلو شاگردوں کا رشتہ قائم رکھے۔ لیکن اس دن جب سسٹر کے خود بلوایا تو ماہم خوشی سے جمومتی ہوئی دوڑ کر ان کے پاس پہنچی۔

”ہیلو آپ کیس ہیں۔ میرا بھی آپ سے ملنے کا بہت دل چاہ رہا تھا۔“ ماہم کے قدم رکنے تو زمین نے رفتار پکڑ لی۔

”ماہم! مجھے آپ کو ضروری بات بتانی ہے۔“ سسٹر گریس نے کچھ دیر بعد اس کی باتوں کی ٹرین کو لگام دی۔

”بیٹا! زندگی میں کئی دور آتے ہیں۔ ہر دور ایک تبدیلی سے شروع ہو کر کسی نہ سری تبدیلی پر ختم ہوتا ہے۔ لیکن تبدیلیوں سے جمومتا ضروری ہے۔ ان گرمیوں کی چھٹیوں میں نہیں پہلنا نہیں ہونگی۔ میری ٹرانسفر ہو گئی ہے۔“ سسٹر گریس کی بات سمجھنے میں ماہم کو کئی لمحے لگ گئے۔

”پھر آپ میری بھی ٹرانسفر کروادیں۔ میرا بھی کوئی گھر نہیں۔ ام اسی طرح ساتھ رہیں گے۔“

”آپ کی ٹرانسفر نہیں ہو سکتی۔ تب کو یہیں رہنا ہے۔“ سسٹر گریس نے محبت سے اس کا کال چھو لیا۔

”آپ کیوں جا میں گی۔ یہ سب کچھ اتنا اچھا ہے۔ خائنہ کہ رہی تھی۔ دوسرے شوں میں گرمی اور شور ہوتا ہے۔ آپ کو تو شور بالکل پسند نہیں۔“ وہ بے نام رشتہ ہی تو ماہم کی زندگی کا واحد تعلق تھا۔

”اتنی کمزور نہ ہو کہ جینے کے لیے انسانوں کے ساتھ کی ضرورت پڑے۔ تمہیں بہت اور اہم ہے۔ ہر رشتہ اپنے اندر تلاش کرتا ہے۔ خود کو بھگانا ہے اپنی ذات کو پرھٹانا ہے۔ جتنا تعلق اور رشتے میں خود کو جکڑو گی اتنا خود سے اور خدا سے دور ہو جاؤ گی۔“

سسٹر گریس چپ ہو کر تھپتھپ کرنے لگیں کہ وہ نصیحت ماہم کو کر رہی ہیں یا اپنے آپ کو سمجھا رہی ہیں۔ اس لمحے پہلی بار سسٹر گریس کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ نہیں تھی۔ وہ باتیت کی طرف قدم پھراتے ہوئے وہ پیشہ یہ سمجھ کر خود کو مطمئن کرنا تھیں کہ وہ اپنی خواہشات خدا کے واحد سے تعلق جوڑنے کے لیے قربان کر رہی ہیں۔ اپنے آپ پر ان کو کبھی شرمندگی نہیں ہوئی تھی لیکن اس وقت ماہم کے ننھے دل کو رو کرتے ہوئے ان کو اپنی سفاکی کا احساس ہوا تھا۔ انہوں نے گھبرا کر اپنے سر کو جھکا لیا۔

”نہیں وہ سفاکی نہیں تھی۔ فرض شناسی تھی۔ وہ ماہم کی محبت میں گمراہ نہیں ہو سکتی تھیں۔ وہ سب کچھ نہیں وہ استلو بھی نہیں تھیں سب سے پہلے وہ ایک فن تھیں اور انہوں نے انسانیت کی خدمت کا عہد کیا تھا۔ ماہم جیسے کئی ننھے وجودوں کی شفقت اور رہنمائی کے منتظر تھے۔ وہ اپنے ننگوں کے لیے ان مستحق بچوں کو محروم نہیں کر سکتی تھیں۔“

ان کے دل و دماغ میں جنگ ہو رہی تھی۔ ”آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تب اتنی عیاری ہیں کہ ہر کوئی آپ سے محبت کرے گا۔ تمہاری سے ڈرنے کا مطلب اپنے وجود سے ڈرنا ہے اس ڈر کو ختم کرنے کے لیے اپنے اندر تقابلیت، محروم، ہنر ہو گا تو تم تنہا نہیں رہو گی۔ تم اپنی ذات اور خواہشات کو سمجھو گی تو کوئی تمہیں بے وقعت نہیں کر سکے گا۔“ ان مولیٰ مولیٰ باتوں سے نہ جانے وہ کیا سمجھی جس سسٹر گریس سے لپٹ کر رونے لگی۔

”ماہم! میرے پاس آپ کے لیے تحفہ ہے۔“ انہوں نے میز سے ست رنگی چھتری اٹھالی۔

”یہ جب آپ نے پیٹ کی تھی تو اس میں جلا دھرا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

چوکیدار پر ڈالی اور ان تمام منگلوک نظروں کا جواب دیا  
 ہو چھپے چالیس منٹ سے وہ توڑی پر ڈال رہا تھا۔ ایش  
 بے باثر چہرے کے ساتھ اس کی طرف آ رہی تھی۔  
 چار قدم کی دوری پر دو لمحوں کے لیے ان کی نظر ملی اور  
 ساتھ ہی ایش نے وھوب کا چشمہ آنکھوں پر لگایا اور  
 منہ پھیر کر دوسرے منٹ چل دی۔ آوی کے صورت  
 حال سمجھنے سے پہلے ہی ایش قریب کھڑے رکتے میں  
 بیٹھ کر جا چکی تھی۔

چوکیدار دوبارہ آوی کو گھورنے لگا اس نے غصہ میں  
 آکر گاڑی رکشے کے پچھلے کلاڑی۔ "یہ لڑکی خود کو سمجھتی  
 کیا ہے۔ کبھی ایک لمحے میں دو منٹ کر سکتی ہے اور کبھی  
 یوں منہ پھیرتی ہے جیسے بالکل انجان ہو۔"

اس نے کلاڑی بائیک پر اسنوور کی پارکنگ میں پارک  
 کی۔ ایش اسنوور میں داخل ہو چکی تھی۔

"عجب بد مزاجی ہے۔ منٹ چالیس منٹ باہر کھڑا  
 چوکیدار کی ترش نظروں کا سامنا کرنا اور تم منہ بنا کر  
 رکشے میں نکل آئیں؟" توڑی گروسری سیکشن میں پہنچ  
 کر ایش پر ہنسا۔

"لاڑکیوں کے ہاسل کے باہر کھڑا رہنا قاتل تعریف  
 عمل ہے؟"

ایش نے کلاڑی چشمہ آنکھوں سے اتار کر سر پر لگایا  
 اور ٹرائل کیٹیلک ہوئے آگے بڑھ گئی۔

توڑی نے بھی شرمندگی سے بچنے کے لیے ایک  
 باسکٹ اٹھالیا۔

"ایک تو میں وقت نکال کر تم سے ملے تیا اور اس  
 کیڈے جیسے چوکیدار کو پروا نہ تھی۔ ذرا تو قدر  
 کرو۔"

"بے شک قدر دانی بنتی ہے۔ میں اسی لیے دیر سے  
 آئی تھی مگر چوکیدار وقت پا کر ہمیں گلڈ آف آؤر  
 پیش کر دے۔" ایش نے ٹرائل میں صابن اور ٹوتھ  
 پیسٹ ڈالتے ہوئے کہا۔

"واقعی اس نے مجھے ایسا شہوت ربا سے جس کا تجربہ  
 مجھے پہلے کبھی نہیں ہوا۔" توڑی نے بنا دیکھے باسکٹ  
 میں صابن اور ٹوتھ پیسٹ ڈال لیے۔

کیا تھا۔ یہ آپ اپنے پاس رکھیں اور جب اس ہوں  
 اس کو گھما کر خدا سے دعا مانگئے گا۔ دیکھئے گا چھڑی اپنا  
 جلد ضرور دکھائے گی۔" وہ ہانہم کو ہانہم نہیں دیکھنا  
 چاہتی تھیں اس لیے تعلق کا اختتام امید پر کر رہی  
 تھیں۔

"اب میں جاؤں گوں گی کہ ہانہم بیٹھ خوش رہے۔"  
 وہ اکثر انہیں نگلے دیتی رہتی تھی۔ یہ پینٹ کی ہوئی  
 چھڑی سبز گریس کو بہت پسند آتی تھی۔ اب وہ اسے  
 نوٹا رہی تھیں۔ انہوں نے اسٹیک سے چھڑی ہٹائی اور  
 دوسرے ہاتھ سے مضبوطی سے گلے میں پھنسا کر اسے  
 تھام لیا۔



اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی قیمتی کی گھڑی میں وقت  
 دیکھا۔ اسے انتظار کرتے ہوئے پچاس منٹ ہو چکے  
 تھے۔ آوی نے تیسری مرتبہ ہاسل کے گیٹ کی جانب  
 قدم بڑھائے۔

"آپ نے منٹ ایش کو پیغام دیا؟" اس نے لمبی  
 مونچھوں والے لہندوق تھامے چوکیدار سے پوچھا۔  
 جواب میں چوکیدار نے صرف گردن ہلایا تو توڑی کو  
 اوپر سے نیچے تک گھورا۔

"آوی گفت سے دوبارہ اپنی گاڑی کے پاس کھڑا  
 ہو گیا۔ ایک نو جوان لڑکے کو ملاقات کے لیے آتے  
 دیکھ کر چوکیدار کا رویہ خاصا منگلوک ہو گیا تھا۔ آوی  
 نے پانچ منٹ بعد پھر گھڑی دیکھی تو اس کا پارہ چڑھنے  
 لگا۔ ایش نہ خود تکی تھی نہ کوئی پیغام بھیجا تھا۔

اس نے واپسی کے ارادے سے گاڑی کا دروازہ  
 کھولا ہی تھا کہ کلاڑی گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔ اس نے  
 مڑ کر دیکھا تو ایش چوکیدار کو اپنا گیٹ پاس دکھا کر باہر  
 آ رہی تھی۔ اس نے خالی ٹرلوڈر سیز جیس اور سفید  
 دوپٹا اوڑھ رکھا تھا۔ رنگ مختلف ہونے کے باوجود وہ  
 انہیں میں میں کھا رہے تھے۔ نفاست سے نیا پونچھ  
 نیل اس کے پہلے چہرے پر مناسب لگ رہی تھی۔  
 آوی نے ایش کے کندھے کے اوپر سے ایک ٹھریٹہ نگاہ



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ایک منٹ پہلے اس نے آوی سے آخری بات کی تھی تو وہیں بھی تمہیں تھا۔ ایش ایش ہو گئی۔ شاید وہ غصے میں زیادہ ہی بول گئی تھی۔ وہ تھا بھی مگر یہ نہیں چاہتی تھی کہ آوی چلا جائے۔ وہ تو خود اسے یاد کرتی تھی مگر امتحان کی وجہ سے بچے نے صبح میں اضافی کلاسیں رکھ دی تھیں۔

ایش تیز تیز تپن کر دانی دروازے کی طرف گئی کہ شاید تو یہ ہیں کھڑا ہو کر وہاں بھی اسے نہ پا کر ایش کا دل شاپنگ سے اچاٹ ہو گیا۔ تو یہ کالنگ تصور نہیں تھا جتنا اس نے جو کیدار کا تھا۔ دراصل ایش اور جو کیدار کی پہلی صبح کا ہی ہو چکی تھی۔ ایش تصور ابتر لے کر صبح بائیں سے نکلتی تھی تو جو کیدار لے وارڈن کو شکایت کر دیتی تھی۔ اس پر ایش کو ایک علیحدہ در خواست لکھ کر وارڈن کے دستخط کروانے پڑے۔ ایش کو جو کیدار کی ملاقات کبھی نہیں بھولی نور جو کیدار کا ایش سے ٹنگ رہا نہیں ہوا۔ ان حالات میں تو ہی کے آنے سے جو کیدار کا پلڑا بھاری ہو گیا۔ کچھ دل اور اس نشوونما سے زالی دھکتے ہوئے ایش کھڑکی پر تکی تو آوی دکان دار سے گفتگو کر رہا تھا۔

"مجھے کوئی جلدی نہیں آپ قلمی سے ملتا ہے نہیں مگر باری کا خیال رکھیے گا۔" تو ہی شوخی سے ایش کا رستہ روکے کھڑا تھا۔

"مگر مجھے جلدی ہے۔ آپ ان کو جلدی فاسٹ کریں۔"

"تالی جی! آپ کا بھی کر دیتے ہیں۔ کوئی مسئلہ نہیں۔" دکان دار نے ایک لڑکے کو آواز دی کہ ایش کا مل بیٹا ہے۔ آگے دونوں کا ساتھ ساتھ اوجھا جاتے۔

دکان دار نے ٹرافک پیسے وصول کیے۔ تو ہی فوراً باہر نکل گیا۔

"رکھو تو سہی ایک ضروری بات کرنی ہے۔" ایش نے باہر گھس کر آواز دی۔

"کنا؟" اس نے سپاٹ لبتے میں کہا۔

"مجھے بائیں تو چھوڑو۔" ایش نے اپنا اشارہ بھی آوی کو تھمایا۔

بھوجا حالت تمہاری باہر تھی تو ہی میری باندھ ہو رہی تھی۔ پہلی بار ایک لڑکا مجھ سے ملنے آیا تھا جس کو کمرے کا نمبر بھی معلوم نہیں تھا اس لیے جو کیدار وارڈن کے پاس گیا اور وارڈن نے کمرے میں پیغام بھجوایا جس سے سارے بائیں میں دھوم مچ گئی کہ ایش سے کوئی لڑکا ملنے آیا ہے۔ "ایش ناراضی سے نظر بھی نہیں مار رہی تھی اور چیزیں لیتے ہوئے یوں ہم کام بھی جیسے شہت سے باتیں کر رہی ہو۔"

"تو میں اور تیا کرتا۔ تم دو ہفتے سے پارک نہیں آ رہی تھیں۔" تو ہی بنا دیکھے باسکٹ میں چیزیں رکھتے ہوئے ایش کے ساتھ چل رہا تھا۔

"میں پارک ورنڈز کرنے تو نہیں جاتی کہ باقیاتنگ سے جاؤں۔ میں تصویریں لینے جاتی تھی اور میری کوئی بچہ پوری نہیں کہ اپنے شوق کو ایک ہی جگہ تک محدود کر لوں۔ ویسے بھی میرے امتحان ہونے والے ہیں میں مصروف تھی۔"

"مجھے تمہارے امتحانوں کی مصروفیت کا علم نہیں تھا ورنہ یوں پریشان نہ کرتا۔"

"بات مصروفیت کی نہیں میری سادھ کی ہے۔ نہیں ہند آؤد بھی ہے بائیں میں میرے پارکے میں کس طرح کی باتیں ہو رہی ہوں گی۔"

آوی کو بائیں احساس نہیں تھا کہ ایش کے اندر ابھی ایک روایتی لڑکی موجود ہے۔

"تمہیں کب سے فرق پڑنے لگا کہ لوگ تمہارے پارکے میں کیا سوچتے ہیں؟"

"بے سے لوگوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ وہ ملاقاتوں کے بعد وہ مجھ پر اتنا حق رکھتے ہیں کہ سرعام میرا ہاتھ پکار کر مجھ سے ملنے کا اعلان کر سکیں۔"

ایش نے تو ہی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر رعب سے کہا اور اگلے شہت کے پاس چلی گئی۔

اس بار آوی اس کے پیچھے نہیں گیا۔ پہلے تو ایش بے خیالی میں شیٹ پر بڑی چیزیں دیکھنے لگی۔ پھر خیال آیا تو وہاں بائیں دھکتے تو ہی کہیں نہیں تھا۔ ایش وہ بے قدموں چھپلے شیٹ کی طرف گئی جہاں

”والہی پرست نیک ہی ہوگی؟“ توی نے اس کا دماغ چن دیا۔

”جب پہلی ملاقات میں بے تکلفی دوسری میں دوستی اور تیسری میں لڑائی برپا ہو جائے تو ایسے تعلق پر چوکیدار کی پروا نہیں کرتے۔“ انیش نے بیگ سے کپڑا نکالا اور دونوں ہاتھوں میں شاپر تھاے توی کی تصویریں کھینچی شروع کر دیں۔

اچھلتی کودتی ماہم کے سر سے اسٹارک کھسکا اور بیروں میں لپٹ گیا۔ ماہم لڑکنے لگی۔ خود کو سنبھالنے کے لیے اس نے پھرتی سے جنگلا پکڑا۔ مٹھی کھٹے اور بند ہونے میں ماہم کے ہاتھ میں جنگلا آگیا اور چھڑی نکل کر پھاٹوں سے ٹکرائی پر زہ پر زہ ہوئی گھرائی میں گر گئی۔ سات رنگ ستر ٹکڑوں میں بکھر گئے۔ اس دن ماہم کا چارہ لوٹ گیا اور وقت بدلنے لگا۔



سفیہ پھری دیواروں سے چمکتا ہوا نیلا آسمان جھانکتا تھا۔ انگریزی طرز کے جھومکے، تر بھی چمکتا بلند کھڑکیاں اور پتلی بیرونی دیواریں کتنے سرسبز درختوں سے لدتے میاڑوں کا منظر دکھاتے تھے۔ کتنے کو وہاں زندگی بہت رہ گئی تھی۔ انہی رہ گئیوں میں ایک ننھا فرشتہ کھیل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں سات رنگوں سے تھی چھڑی تھی۔ کبھی ماہم مٹھی کے کھیلے میں قسم قسم کے پتے اور گھاس دیکھ کر کھانا پکاتی تو یہ چھڑی اس کی ڈونکی بن جاتی۔ جس سے وہنا آگ کے چولے پر پھڑکی بہوتی۔ کبھی پھاڑکی کوبان کو کشتی بنا کر اس پر ابدمان ہو جاتی اور چھڑی کو چوبہ بنا کر تار تار پانی پھینچنے و کھینچنے رہتی۔ جب اس کی کشتی خیال کے دریا کے وسط میں پہنچتی تو اسی چھڑی سے پھیلیاں پکڑ کر کشتی میں ڈھیر کرتی رہتی۔ اب وہ پری بنی کھیل رہی تھی۔ سناتو تھا کہ فرشتوں کے دور میں یہ کسی حکومتی سربراہ کی گزریوں کی آرام گاہ تھی پھر بعد میں عمارت کی تعمیر ہو کر کے نیک مشنری اسکول بنایا گیا۔ زمانے سیاست اور سروریات کی سب ٹکار ردوبدل کے بعد اب یہ ایک بورڈنگ اسکول تھا جس کی انتظامیہ کی طرح طالبات میں بھی مسلم عیسائی امتزاج تھا۔ تمام طالبات اور مشنری اساتذہ طویل پنشنوں میں اپنے گھروں کو چلے جاتے تو سوائے ماہم کے۔ اس نے تھائی سے دوستی کی تھی جس سے سیکرڈی تھی۔ اس کے ہاتھ سنسز اریں کا ایک ہارنہ لگا ہوا ڈھنڈے پر اس کے پیروں تک لگ گیا۔ اس نے چھڑی پکڑ کر پری کی طرح چلنا شروع کر دیا۔

اس نے دو پونیاں کھائیں۔ بائیں بھل میں شہرت پاؤں والی گڑیا وہلی اور معمول کی طرح زائد ارٹھی سے گزرنے لگی۔ کمرہاں نکلا سوں اور آٹس کے سامنے سے گزرتے ہوئے پورڈنگ کے پچھلے دروازے تک پہنچی۔ اس کی منزل دور بین کی پھتوں والے مختصر گھر تھے جہاں گیا کھلتے اور چوکیدار منیر کی فیملی رہتی تھی۔ یہ حصہ پورڈنگ کی ملکیت تھا اور اس سے ملحقہ بھی تھا مگر وہ میدان میں گیٹ نصب تھا جس کو کھٹتے لیا ز اور منیر کے علاوہ کوئی پار نہیں کر آتا تھا۔

”میں آئی۔“ ماہم نے گھاس پر بیٹھے شاہ زیب ماہ نور اور طاہرہ کو متوجہ کیا۔

”ماہم پوچھو! میرے پاس کیا۔“ شاہ زیب نے ہاتھ میں موجود ٹیلی فون لرائی۔

”میں اس سے نشانہ لیتا ہوں۔“ شاہ زیب نے مہارت سے پتھر ٹھیل میں رکھا اور درخت کا نشانہ لیا۔ پتھر بے تڑپتے درخت کے پتوں میں لگا اور کھو گیا۔ پہلے دوران شاہ زیب استاد بنا رہا پھر راجا اور گل ریز بھی ٹھیل لے آئے تو مقابلہ شروع ہو گیا۔ لڑکیاں پتھر ٹھکر اکنے کرتیں اور ہنستیں کرتیں ٹرٹڑکے دس بار کھنٹے پر ایک بار موبھی پیتے۔

ماہم نے کالٹی سے اپنی دائر پروف مٹھی اتاری اور شاہ زیب کی ٹھیل سے بدل لی۔ اگلے روز ماہم گڑیا چھوڑ کر ٹھیل لیے پہن تو لڑکیاں تارا آتا کے اور گھر وٹھیں تھیں۔ تارا آتا گڑیا کے برتن بناری تھیں۔

سب لڑکیوں نے گیلی مٹھی سے اپنی اپنی پسند کے



www.paksociety.com

www.paksociety.com

سارے جذبات ظاہر کر رہی تھی۔ مار کر پھینس اور لاٹھری چیزوں سے اس نے کئی تصاویر بنا ڈالیں۔ اسکول کھٹنے کے قریب جب اسٹاف کا دہانہ سے گزر ہوا تو ماہم کی شہمت آگئی۔ لگے کھٹنے پر نیپل آفس کے سامنے تنہا کھڑی ماہم شرمندگی سے سو جتی رہی کہ اس سے غلطی کیا ہوئی۔ اس نے چند تصاویر تو پہلی تھیں جس سے بے رنگ دیوار کیسے بنائے گئی تھی۔ اس سوال کا جواب سوچتے سوچتے اس کے اندر سے کچھ نیا کرنے کا سارا جذبہ بھر گیا۔

ذرا وار تو اوز کے ساتھ دروازہ کھلا ڈوری سمی ماہم دروازہ سے لگی ٹھنڈی تھی۔ اس نے شاید کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا تھا اس لیے نئے نئے پاؤں ڈوڑا آئی تھی۔

”بھگت یہاں سناٹا۔“ ماہم نے کہا۔  
 کمرے میں کونٹ کی ایک لہرو ڈگتی۔  
 ”نہیں۔ تم اپنے کمرے میں سوؤ گی اور جوتے پہن کر رہ کر آؤ۔“ شہینہ کے ہاتھ میں سائیاں تھیں جن سے وہ سو بیٹھ رہی تھیں۔

”میں ایسے نہیں سوؤ گی۔“ ماہم کی آنکھوں سے گرم قطرے سردی سے سرخ ہوتے گلوں پر پڑے لگے۔

”اچھا میرے پاس آؤ۔“ میوزک ٹیچرز نے کہا۔

”نہیں۔ اس کو اس کے کمرے میں سنا کر آؤ۔“ شہینہ نے عمدے میں بڑے ہونے کا حق بہت مال کیا۔ ٹیچرز بچوں سے ہنستے پہلے واپس آگئی تھیں تاکہ کورس پلاننگ کر سکیں۔

مختصر چھٹیوں میں اکثر کئی لڑکیاں ٹھہرتی تھیں۔ ان کو تفریح کر لئی جاتی تھی اور ان کی ضروریات کا خاص خیال رکھا جاتا تھا مگر گرمیوں اور سردیوں کی طویل چھٹیوں میں سب اپنے اپنے گھروں کو ضرور جاتیں سوائے ماہم کے۔ اس بار کسی بڑے کی توسیع اور کچھ انتظامی امور جن ٹیچرز کے سپرد تھے انہیں ماہم کی ذمہ داری بھی اضافی مل گئی تھی۔

برتن بنانا شروع کر لے۔ ماہم نے پینٹ استعمال کیے اور برتن خوب صوری سے کھل ہو گئے۔ اس روز جب ماہم واپس جا رہی تھی تو بلی بلی تھکاوٹ میں کچھ سیکھنے کی علمائیت بھی آگئی۔ انسان مٹی سے بنا ہے اور مٹی میں ہی جاتا ہے اس نے بھی مٹی سے تعلق جوڑ لیا تھا۔ کھیل کے میدان میں پہنچ کر ماہم گھاس پر بیٹی اور سکون سے سو گئی۔ اس کے سکون کی حقیقی وجہ تین الفاظ تھے۔ ٹھنڈی جذبہ اور حوصلہ۔ یہ تینوں خوبیوں میں موجود تھیں جو جلد چھٹوالی تھیں۔

آہن نے آہستہ آہستہ سورج کی تکی بچھا دی تاکہ اس کی نیند میں ظلم نہ پڑے۔ خستگی نے زور پکڑا تو ماہم کی آنکھ کھل گئی۔ ڈر کے مارے وہ جیتے ہوئے اندر بھاگی۔ ڈورم کے قریب سسٹریڈ تھا نظر آئی ساہم ان سے لپٹ گئی۔

سسٹریڈ تھانے اس کے بالوں میں پھنسی گھاس دیکھی۔ اس کے فریک پر پینٹ کے نشان تھے اور ناخن مٹی سے بھر چکے تھے۔

”کپڑے بدل کر ڈر کے لیے آؤ۔“ سسٹریڈ تھانے ماہم کو پہنچ کر پہلی فرصت میں ہی برٹیل سے بات کی۔ ماہم کے بدلے کہنے ”گندے کپڑے فوراً اوپ و آؤب کی ٹاپ و ریزی کے پیش نظر اس پر ان بچوں کے ساتھ ہیلتھ ریا بندی لگادی گئی۔ وہ سالوں کی تہذیب و مہینوں میں گنوا دے“ ایسا ناقابل قبول تھا ماہم اس پابندی کا مفہوم بھی نہیں سمجھتی تھیں کی چھت تلے رہنے والے اور پھری کانٹے سے کھانے والے مختلف ہوتے ہیں۔ اس کی جھساری فرق جھجک میں بدل گئی۔



ایک تحقیق کے مطابق انسان کی توجہ کا اور توجہ صرف دو سیکنڈ ہوتا ہے وہ کسی بھی چیز پر توجہ مرکوز کرنا ہے تو ہر دو سیکنڈ بعد توجہ تبدیل ہو جاتی ہے۔ نظر اگر ایک ہی جگہ پر ٹکی رہے تو اس میں تفصیلات نظر آنے لگتی ہیں۔ اس نے چھٹیوں کے بے شمار سیکنڈ میں کئی چیزیں جانی تھیں اور اب وہ اسکول کی بڑی سی دیوار پر وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کھلکھلائی گوازی پر آوی نے تہقہ لگایا۔  
 "سہا سوال کہ تب اس قرآن مجید سے کو کیا کر رہے  
 ہیں۔ آپ کے آپشن ہیں کچھ نہیں۔ فارغ ہوں یا  
 ہو گا بھی تو مشورہ کر لوں گے۔"  
 "کچھ نہیں۔"

"دوسرا سوال۔ کبھی آپ نے ایسا دن گزارا ہے  
 جس میں دل بھر کر توارہ کر دی کی ہو۔ کھلانہ کھایا ہو مگر  
 چٹ ٹی ہلکی پھلکی لذیذ چیزوں سے ہیٹ بھرا ہو۔"  
 "نہیں۔" آوی نے سوچ کر جواب دیا۔

"آپ کا جواب درست ہوا۔ تیسرا سوال اس پمپر  
 پر انز کے دو مہینہ جاگل ہے۔ وہی اچھم کر بیٹھیں۔  
 سوال ہے کہ آپ کی سیکرٹری شادی شدہ ہے یا غیر  
 شادی شدہ؟" انیش نے یک دم لوجہ سخت کر لیا۔ آوی  
 جواباً "نہیں پڑا۔"  
 "تھانیں۔"

"یہ جواب قریب ترین ہے۔"  
 "آپ جیتے ہیں ایک خوب صورت دن ایک ذہن  
 اور زندگی سے بھرپور زندگی کے ساتھ گزارنے کا موقع تو  
 جمع کی بیج گیاہ بچے رخت سفر باندھیں اور میرے  
 انداز میں ایک دلچسپ دن گزار کر اس کو یادگار  
 بنائیں۔"

"لو کے میں پک کر لوں گا۔" آوی نے ہنستے ہوئے  
 فون بند کر دیا۔

دوسرے دن ٹھیک گیاہ بچے ایک خزانے بھرتی  
 موٹر بائیک ہائل گیٹ کے سامنے رکی۔  
 "یہ تب موٹر بائیک ہے کیسے؟" پہلی بار آوی نے  
 انیش کو حیران کیا۔

"تم نے ہی تو کہا تھا کہ تمہارے انداز سے دن  
 گزارنا ہے۔" انیش خوش گو اور حیرت سے ہائیک پر  
 بیٹھ گئی۔

"میں کچھ تحقیق کر کے آیا ہوں تو پہلے تب کیا  
 کہا میں کی؟ گولہ گے وہی بڑے یا شکر قندی؟" آوی  
 کی یہ بھی لڑا ہی انیش کو پسند آئی تھی۔  
 "پہلے ہم تصویریں لیں گے۔"

"رشتے کو اتنا ہی قائم کرو جتنا بھایا جاسکے۔ آج ہم  
 اس کو گھر والوں کی طرح سنبھالیں گے کیا ضمانت ہے  
 کل بھی اس کو ایسے ہی انفر لو لیں۔ وہ کل کرے اس  
 سے بتر ہے آج مگر کرسٹینے کی تربیت ہے وہ۔ آٹھ  
 سال کی ہے جتنی ماں باپ بھی ہونے تو لب تک اس  
 کا کمر الگ کر چکے ہوئے۔" ٹھینڈ نے زب کی داپسی پر  
 اس کو سمجھایا۔

رات کے اندھیرے پمپر میں ماہم ایک بار پھر عملے  
 کے کمرے کا رخ کر رہی تھی۔ اس بار اس کی آنکھوں  
 میں خوف نہیں تھا۔ پہلے اس میں تمنا رہنے کا حوصلہ  
 تھا اور اب اپنا آپ ظاہر کرنے کی ہمت آئی تھی۔ اس  
 نے دو دنہ کھول کر اندھیرے کمرے میں جھانکا۔ سب  
 گہری نیند سو رہے تھے۔

صبح ٹھینڈ جوتے پہننے لگیں تو معلوم ہوا ان کی جیب  
 سے اونہ بندھی ہوئی ہے۔ سیزاؤن وہی تھی جس سے  
 پچھلی رات وہ سوئیٹروں رہی تھیں۔ انہوں نے لون کا  
 ہرا پکڑا اور چل پڑیں۔ اون طویل دلان سے ہو آملن  
 تک جا رہا تھا۔ ان کی دونوں کی محنت لو طر کر گرو میں لپٹی  
 ہوئی تھی۔ آخری سہا ایک چوتھڑے سے جڑا تھا اور  
 لان کی نرم مٹی میں ملائیں گڑی ہوئی تھیں اور وہ  
 چوتھڑا کسی رخ کے جھنڈے کی طرف لہرا رہا تھا۔ اس روز  
 بطور سزا ماہم کو گھنٹہ بھر سو فرش پر بیٹھنا پڑا اور اگلے  
 کئی دنوں کی نہ چل سکا۔ کسی نے اس میں نیالی ڈال دیا  
 تھا۔



"سہا آپ کے لیے انٹر نیٹل بڑوونگ ایجنسی سے  
 فون ہے۔" سیکرٹری نے فون پر آوی کو اٹھلایا دی۔

"اچھا ملاؤ۔" چند لمحوں بعد فون پر ایک زنانہ  
 آواز ابھری۔ "خوش خبری۔"

آوی نے مسکراتے ہوئے کرسی سے نیک لگا۔  
 "آپ کو منتخب کیا گیا ہے اگلے پمپر انز کے لیے  
 صرف تین آسان سوالات کے جواب دیجیے اور مگر  
 بیٹھے حاصل کریں ہمارا پمپر انز۔" انیش کی



لیڈو سٹرو زلومینج کا کیا سراہا جاتا ہے۔  
 "تیسریج کا نہ سہی لو کا تو مڑا ہے۔" توہی نے نظریں  
 ایش کے چہرے پر گاڑیں۔  
 "بھڑکیک لو اور ہل گئی کو کس نہ کر۔ بیٹھیں۔" ایش  
 نے نظریں چرائیں۔  
 "تم نے مجھ سے تین سوال پوچھے تھے۔ میرا صرف  
 ایک سوال ہے۔" آہی نے سنجیدگی سے پوچھا مگر  
 ایش کی نظر نہ اٹھ سکی۔ وہ کسی بھی سنجیدہ سوال کے  
 لیے تیار نہیں تھی۔ رشتے کو باہم دینے کے خیال سے  
 ہی اسے چکر آیا تھا۔

"کیا تم ایک دن میرے انداز سے گزارو گی؟" توہی  
 نے کہا۔ ایش کا سانس بحال ہوا۔  
 "کیوں نہیں ہیں ایک شرط ہے۔ ہاسٹل چھوڑنے  
 سے پہلے مجھے آس کریم کھلاؤ گے۔" ایش نے بچوں  
 سی فرمائش کی۔



بیگم رونق جہاں میری موجود مولیٰ مولیٰ قائلوں کو  
 الٹ پلٹ کر رہی تھیں۔ سامنے بیٹھے حلقی صاحب ہر  
 قائل کے مطابق تفصیلات بتا رہے تھے اور رونق  
 جہاں ایک انگ ڈائری میں ہدایات لکھ رہی تھیں۔  
 دونوں افراد کے سامنے جانے کی یہ الیاں رکھی تھیں جو  
 لٹنڈی ہو رہی تھیں۔ بیگم صاحبہ مصروفیت کی وجہ  
 سے جانے بھول بیٹھی تھیں اور حلقی صاحب  
 گھبراہٹ کی وجہ سے وہ جب بھی پہلی منہ تک لے  
 کر جاتے تو کچھ یاد آجاتا وہ الفاظ تو گنے لگتے کہ کیسے  
 جتا میں۔ اسی ٹاپ لول میں وہ بیگم صاحبہ کے چند سوال  
 نظر انداز کر گئے۔

"حلقی صاحبہ! آپ کا وہ بیان کہاں ہے؟" بیگم  
 صاحبہ نے ٹھوس لہجے میں پوچھا۔  
 "وہ بیگم صاحبہ! ایک بات بتانی تھی۔" حلقی  
 صاحبہ لے ہونٹوں پر زبان بھیری۔  
 بیگم صاحبہ خاموش رہیں۔ وہ الفاظ بھی خلیج کرنے  
 کی قائل نہیں تھیں۔

"جو حکم" آہی نے ہانپک اشارت کر دی۔ چند  
 گھنٹوں بعد نسر کے قریب گھاس پر بیٹھے تھے۔  
 "بہت سالوں بعد میرا دن اتنا اچھا گزارا۔ شکریہ۔"  
 ایش نے پچھا کھاتے ہوئے آہی کو پیش کیا۔  
 "دن تو میرا بھی بہت اچھا گزارا کئی سال بعد۔" آہی  
 نے کئی بر زور دیا۔ "اس سے پہلے میں ابا کے ساتھ  
 ایسے گھوما تھا ان ہی جگہوں پر یونسی لٹیلوں سے الم ظلم  
 کھاتے ہوئے۔ تب بہت چھوڑا تھا۔" توہی سوچ میں  
 گم ہو گیا۔  
 "تم اپنے ابا کو بہت یاد کرتے ہو؟" ایش نے  
 پوچھا۔

"ہاں ابا زندگی سے بھر پور آہی تھے۔ جوانی میں  
 گھڑ سواری کیا کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی کاروبار اور  
 خاندان کے چکر میں اپنی زندگی اور شوق نظر انداز  
 نہیں کیے اور نہ ہی کبھی اپنے شوق کو زانی زندگی پر  
 اثر انداز ہونے دیا۔ ان کو توازن رکھنا آتا تھا۔ وہ تیار  
 ہوئے تو اہی لے لیا کی جگہ لینے کی کوشش شروع  
 کر دی۔ انہوں نے بڑس کی موجودہ وجہ تو حاصل کر لی  
 مگر اپنی طرح زندگی جینے کا ار نہیں سیکھ سکیں۔" توہی  
 رک گیا۔

"تم اس بات پر ان سے فقار ہو؟"  
 "نہیں میں فقار نہیں ہوں۔ غلام! اس وقت کی یہی  
 ضرورت تھی اور نہ کم عمر بچے کئی مشکلات سے دوچار  
 ہو سکتے تھے۔ اہی نے ایسا ہونے نہیں دیا۔ انہوں نے  
 نہ صرف کاروبار سنبھالا بلکہ اس کو ترلی بھی دی۔ البتہ  
 میں بنتا بھول نہیں۔ محبت اور اصول پسندی کا ایک  
 پتھر اس پر لیا اور لولڈ کو تیار رکھنے کی کوشش کی۔"  
 "مگر تم نے وہ پتھر توڑ ہی لیا۔" ایش نے ہنس کر  
 ماحول بدلا۔ "تم نے الگ کاروبار شروع کر لیا۔ اپنے  
 بیویوں پر کھڑے ہو گئے اور آہوئی حاصل کر لی مگر یہ کتنا  
 بوردنگ ہو گیا ہے۔"

"کیوں؟" آہی ایش کے انداز پر ہنس پڑا۔  
 "لب تو کسی لڑکی کو بھگانے کا مڑا بھی نہیں آئے  
 گا۔ اپنا کاروبار ہے۔ اچھا کاتے ہو۔ ایسے میں

آیا ہوں۔" آوی نے کہا۔ لور سے لے کر وین کے وسط میں رکھے بیٹے کی میز ماشین تک پہنچا جہاں خاص خاص کتابیں موجود تھیں۔  
 "اولین تصویب۔" آوی نے ایک کتاب کی جانب اشارہ کیا۔ ایش واہ کتے ہوئے آگے بڑھی اور آہستگی سے اس کے نکتے صفحے پلٹنے لگی۔  
 "واقف آئی اچھی کتاب مارکیٹ میں موجود ہے۔"

"میں جانتا تھا تمہیں پسند آئے گی۔ گفت کرنے سے پہلے تمہارے چہرے کے تاثرات دیکھنا چاہتا تھا۔ آوی نے خریدنے کی نیت سے کتاب اٹھالی۔  
 "نہیں بھئی۔ علم کا ذخیرہ کرنے کے لیے لاہوری موجود ہے۔ میں تو وقت گزارا کر رہی ہوں۔ میرے لیے یہ نکل کافی ہے۔"

نکشل اپنا منگنا تحفہ لینا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے توی کے اصرار کے باوجود منع کر دیا اور پہلے پسند کیا ہوا نکل ہی لینے پر مصر رہی۔ جب بل ادا کرنے کی پارٹی آئی تو ایش نے والٹ سے میسر شپ کارڈ نکالا جس پر وہیں فیصد رعایت ملتی تھی۔ اس روز ان دونوں نے ایک دوسرے کی پسند کو نئے زاویوں سے جانا تھا۔

صبح کے لیے وہ ایک بر سکون ریٹورنٹ میں آئے تھے۔ آوی کو ڈر تھا کہ ایش شاید تکلفات سے کھانے جانے والے کھانے پسند نہ کرے مگر یہ ایک ضروری رسمک تھا۔ ایش نے بنا مہینو بڑھے آرڈر دیا۔ کھانا آیا تو آوی نے حسب عادت چھری کلٹا پکڑ لیا اور ایش نے ایک اواسے چلپ اسٹیکس اٹھائیں اور مہارت سے لوڈز کھانے لگی۔ آوی کو اس کا ساتھ ہی اسی لیے پسند تھا کہ وہ اسے چونکا دیتی تھی۔ ہر موقع پر اس کا تجربہ غلط ثابت ہوتا تھا۔ اس وقت آوی کے ذہن میں یہ خیال دوڑ رہا تھا کہ جب ایش کی چونکا دینے والی باتیں ختم ہو جائیں گی تب اس تعلق کا کیا مستقبل ہوگا۔

"مجھے کہنا پڑے گا کہ تم نے مجھے کافی سربراہ کیا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ آج کا دن تمہارے لیے مفرد

"وہ آوی صاحب کے متعلق بات تھی۔" حاجی صاحب رونق جہاں کے مزاج سے خوف زدہ تھے۔  
 "مجھے انتظار پسند نہیں۔" رونق جہاں بھڑکیں۔  
 "وہ آوی بیٹا آج کل ایک لڑکی کے ساتھ گھوم رہے ہیں۔ کلنی دوستی ہو گئی ہے۔ اکثر اکتھے نظر آتے ہیں۔" بیگم صاحبہ نے سامنے موجود قابل نودر سے بندگی جس کی آواز سے حاجی صاحب سم گئے۔  
 "ہم سے متواہ لینے والا ہمارا ایک ملازم یہ جرات کرتا ہے کہ ہمارے بیٹے کے متعلق ہمیں کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔" بیگم صاحبہ کی گردن کے ساتھ ان کی آواز بھی مزید تن گئی۔

"اس کو یہ حق حاصل ہے تو صرف اس لیے کہ اس کی بات کسی غلط نہیں ہوگی۔ یہ بات سچی ہے تو مجھے لگتا ہے کہ کس بات پر ہونا چاہیے۔ اس کے لڑکی کے ساتھ پھرنے پر یا اس لڑکی کے ساتھ پھرنے پر۔"  
 جواب میں حاجی صاحب پھر لرز گئے اور ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگے مگر بیگم صاحبہ کی نظروں کی تابعدار لاکے لور بول پڑے۔  
 "دراصل وہ لڑکی بیسالی ہے۔"



پہلی چیز جو ایش کو دیکھتے ہی آوی نے نوٹ کی وہ کبیرے کی غیر حاضری تھی۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا پرس تھا۔ ہلکے ہلکے ہوتے سے لور لہا اور ڈار سے اڑھا ہوا تھا۔ یعنی وہ خود کھرا چھوڑ کر آئی تھی۔ وہی سہی قصد بق اونچی ایڑی والی نازک سی میٹھل نے کردی کہ آج وہ تصویب لینے نہیں صرف توی سے ملنے آئی تھی۔

"کیا راز ہے؟"  
 "کچھ سنجیدہ ہونے کا۔" آوی نے شرارت سے کہا اور تھیلہ ڈارے کی دو ٹیکس ایش کو پکڑا میں۔  
 ایش لور آوی ڈارے کے بعد ایک کتابوں کی شاہ پر آئے تھے۔

اہمیت خوب مگر میں یہاں تمہیں کچھ لور دکھانے



ہوگا مگر ایسا لگ رہا ہے تمہیں ساری چیزوں کا سلسلے سے تجویز رکھتی ہو۔" آوی نے ریٹورٹ سے لکل کر گاڑی میں اترتے ہوئے کہا۔

"یعنی میں اسے آداب سے رہوں تو باعث حیرت ہے؟"

"نہیں ایسا بھی نہیں ہے مگر ایک ہی جتنے پہلے ٹیلیوں سے وہی پہلے کھاتی نمٹ پاتھ پر گھنٹوں کے نل بیٹھ کر لڈنگ کی تصاویر لینے والی لڑکی ہانگے ہفتے ڈرامہ دیکھنے ایک لہکے کلوزیو زیو ٹیٹر جاتی ہے اور اس کو اندھیرے میں معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سیٹ کونسی ہے۔ کتب خریدنے لگتی ہے تو ممبر شپ کارڈ ہونگے ہے جو کہ صرف اس صورت میں ملتا ہے جب کارڈ ہولڈر یا قلمی سے ہزاروں روپے کی خریداری کرتا ہو۔ ایک فائن ڈائن ریٹورٹ میں جاتی ہے۔ مہینہ دیکھے بغیر آرڈر کرتی ہے اور چاپ اسٹک سے کھاتی ہے تو حیرت تو بجا ہے نا۔"

"کیا یہ دوسرے الفاظ میں مجھ پر دہری زندگی جینے کا الزام ہے؟"

"نہیں مگر شکوہ ہے کہ اپنا یہ انداز پہلے کیوں نہیں دکھایا۔" انیش چند نے کچھ دیر پھر بہت سوج کر جواب دیا۔

"تو آج تمہارا یہ شکوہ بھی دور کروں۔" انیش نے اس دوستی کو داؤ پر لگایا۔



"یہ کہاں لے گئی ہو۔" آوی نے گاڑی ایک عال شان گھر کے سامنے روک دی۔

"مجھے یہ قسم ڈالنا کہل ہے۔" انیش نے پرس سے کمرے کی قسم نکالی۔

"یہاں یہ تو کسی کا گھر ہے۔" آوی کو اس کی محسوس پر شک ہوا۔

"یہ میرا گھر ہے۔" انیش گاڑی سے اتر گئی اور پرس سے چابی نکال کر اندر داخل ہو گئی۔

"ہنس شہر میں تمہارا گھر ہے تو ہاتھل میں کیوں رہتی

ہو۔" آوی کو گھر پر بھیجکا پھر پچھے ہو لیا۔ انیش در اندازہ سے قدم پر چار ہی تھی۔

"یہ تمہارا گھر ہے تو سامنے کے دروازے سے کیوں نہیں جا رہی۔"

"کیوں کہ میں نہیں جانتی، میرا کسی سے ملنا ہو۔"

"میں باہر انتظار کرتا ہوں۔" اس کے ساتھ تھا گھر میں جانا آوی کو نا مناسب لگا۔

"ڈر پوک۔" انیش منہ چڑا کر آگے بڑھ گئی۔ آوی نے ارد گرد دیکھا۔ کوئی نظر نہیں آیا۔ باہر کسی نے دیکھا تو زیادہ مسئلہ ہو سکتا تھا اس لیے آگے بڑھ گیا۔ داخل ہوتے ہی درازیں ہاتھ ایک دروازہ تھا جس پر ایک بڑا سالو اینٹری کا اسٹیکر لگا تھا۔ انیش نے ایک اور چابی سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ کمرے میں شدید گھٹن کا احساس تھا اور کہیں کوئی روشنی کا ذریعہ نہیں تھا۔ انیش نے ایک سرخ بلب روشن کیا اور قریب چڑی میز پر اپنا پرس اور دو تھارکھ کر بائیں جانب

لپے

آوی نے جائزہ لیا۔ کئی کیمیکلز کی بوتلیاں کچھ ٹرے اور کچھ مشینری موجود تھی۔

"یہ میرا ڈارک روم ہے۔ یہاں میں قسم دھوتی ہوں۔" انیش نے کہا۔

"ذاتی ڈارک روم ہونے سے یقین ہو گیا کہ یہ صرف تمہارا شوق نہیں بلکہ ہیشن ہے۔" آوی نے ہلکی پھلکی گفتگو سے ماحول کی گھٹن دور کرنے کی کوشش کی۔

"معلوم ہے مجھے یہ شوق کب ہوا؟" انیش نے لوپر سے ریل گاڑا مکن کھولا۔

"جب میں گیا ہ سال کی تھی۔ میں نے کہا کہ وہ ملک سے باہر جا رہی ہیں۔ کئی ہدایات نصیحتوں کے ساتھ ایک فرمائش تھی کہ میں ہر موقع پر ان کو اپنی ایک اچھی سی تصویر بھیجوں۔ میں نے اس کو ایک مشغلہ سمجھ لیا اور پہلا کیمرا خریدا۔" انیش اب ریل کھول کر گھڑوں میں کاش رہی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

آنسوؤں کی ہیرا ہون تک تشہیر کر کے فارغ کر لیں گے۔ کھاتے ہیں۔ اپنے اس جذبہ خدمت کی خود ہی قدر دانی کرتے ہوئے اس کرلمی کا بڑا حصہ اپنے اکلوتے میں جمع کرواتے ہیں۔ "ایش" کے چہرے پر غصہ تھا۔

"یعنی ان سے تمہارا اصول اختلاف ہے؟"  
"ان سے میرا ہر درجے کا اختلاف ہے۔ اولاد کو ہم اور جیسے دینا کافی نہیں ہوتا۔ میں نے اپنا ہر سرا کھرا لیا اور ہر اس چیز کی تصویر لی جو میری زندگی میں نہیں تھی اس طرح مجھے کمرے سے محبت ہو گئی۔ ایش کے ساتھ اختلاف کو پس پشت ڈالنے کے لیے میں نے اپنی راہ بدل لی اور اسٹیشن میں شغف ہو گئی۔ اب میں کچھ چار سال سے اپنی پسند کی زندگی گزار رہی ہوں۔ لہجے سے کھانا پائیک پر چھنا میرے لیے اس لیے بر لطف ہیں کیونکہ مجھے صرف چار سال اس پر لطف زندگی کے ملے ہیں ورنہ چھ بڑے ریستورنٹ میں کھانا اہلکسٹیکو زیو کلب کی لیز کا اس پارٹیز میں نے ساری عمر دیکھی ہیں۔" ایش نے تقریباً "سڈری ریل" دھولی تھی۔ جس طرح تصویریں دھل کر واضح ہو رہی تھیں ایسی طرح توی کی نظر میں ایش کی زندگی واضح ہو گئی تھی۔

وہ ایش جو زف تھی۔ ایک بروکن فیملی کی ڈیپریڈ لڑکی۔ جس نے زندگی میں اپنی راہ خود متعین کی تھی جو توی کی زندگی اور خاندان سے کہیں میل نہیں کھاتی تھی مگر پھر بھی توی کو اس سے محبت ہو گئی تھی۔



چھٹیاں ختم ہوئیں اور پورا ملک کی رونق بہاں آ گئی۔ ہم جہانگاہوں کی واپسی کے بعد ماہم بہت سکون سے رات گزارتی جبکہ دوسری لڑکیوں کی ابتدا آتی براتوں میں ماہم سکھیاں ڈورم میں سنی جائیں۔ اسکول سے بے حد محبت بھی گھر سے بدل لئی کاظم کم کرنے میں وقت لگتا تھی۔ پھر جب روٹین میں آجاتے تو اس ہونے کا وقت ہی نہیں ملتا تھا سات بجے چٹیاں گل کر کے

"مشاہد ہی اس کمرے سے میں نے کوئی تصویر کھینچی ہوگی۔ البتہ میں نے اسے خوب استعمال کیا۔ ہر موقع پر کسی نہ کسی کو پکڑ کر اپنی تصویر کھینچواتی۔ میرے ملازم سہیلہاں سب انصاف کھینچنے میں مشغول ہو گئے تھے۔ بدلے میں می بھی کھینچاتی۔ انصاف کھینچتے۔ کبھی کبھی میں کبھی کام کرتے ہوئے اور زیادہ تر نزع فرج کرتے ہوئے۔ میرے ذہن میں کبھی یہ سوال نہیں آیا کہ ان کی تصویر کون لیتا ہے۔"

ایش اب تشہیر کی مدد سے نیگیٹو کا عکس ایک بڑے کانڈ پر اندر ہی تھی۔

آری خاموشی سے اس کو منہ دیا تھا۔  
"پھر مجھی کی تصویریں اتا کم ہوئیں تو ہمیں میں اپنی تصویر کھینچتی رہی۔ جب میں تیس سال کی ہوئی تو میں نے مجھے بہت ساری تصویریں کھینچیں۔ لگتا تھا پوری ریل ہی پوسٹ کر دی ہو۔ ساتھ ایک مبارک یاد کا خط تھا۔ میرا بھائی ہوا تھا کسی تصویر میں وہ آئی نہیں تھی۔ ان کی کو میں ایک بچہ تھا جس نے میری جگہ لے لی تھی۔" ایش اب کیمیکل کی ٹرے میں تصویریں کانڈ بھگور رہی تھی اور اس پر آہستہ آہستہ تصویر ابھر رہی تھی۔

"ڈیڈ سے طلہن انہوں نے جانے سے پہلے لے لی تھی۔ ان تصویروں کو دیکھ کر لگا جیسے اس دن میری اور مہی کی بھی علیحدگی ہو گئی ہو۔" ماہم روشنی نے اس کا آنکھوں کی نمی کو چھپا دیا تھا۔

"اس کے بعد میں نے بھی مہی کے لیے تصویر نہیں کھینچی اور غصے میں کیمرا توڑ ڈالا۔" دیوار پر ایک تار لگی ہوئی تھی جس پر بے شمار کلب تھے۔ ایش نے ایک کلب کی عدد سے تصویر سوکنے کے لیے لنگھ لی۔

"اور تمہارے ڈیڈ؟" آری نے پوچھا۔

"ان سے تو ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی تصویریں رشتہ تھا۔ وہ پاکستان میں بالیوٹوں کی سب سے بڑی امن تھی اور چلاتے ہیں۔ تم نے ان کا نام بھی نہیں سنا ہوگا کیونکہ ان کی وارڈ روم کی طرح ان کے ڈونر بھی سپورٹڈ ہیں۔ یہاں موجود ضرورت مند عیسائیوں کے



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اور یعنی اس مہینے تمہان کو نہیں دیکھ سکوگا۔" ماہم نے اسے غلیل سے توڑی بلوہم کی گریاں پیش کیں۔  
 "نہن کو روکنا کون سا مشکل کام ہے۔ گل کے اخبار میں لن کی کئی تصاویر اور بے شمار سیاسی بیانات ہوں گے۔" شیریں کے کہنے میں اس کے نام کے برعکس تاثر تھا۔

"وہ نہ آئیں تو سرخیاں لگتی ہیں۔"  
 "لور میرے والدین جب آجائیں تو سرخیاں لگ جاتی ہیں۔" سارہ نے پیچھے سے آتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہادیہ بھی تھی۔ سارہ کے والدین فلمی دنیا کا معروف طلاق یافتہ جوڑا تھا اور جب اس سے ملنے آتے تو اسٹاف روم تک دعوت مہیا جاتی۔

"واہ سنگ شانہ۔" ہادیہ نے غلیل کو دیکھ کر اس کا انگریزی نام لیا۔ "تمہیں چلانا آتی ہے؟"  
 "اس میں کیا مشکل ہے بس نشانہ لے کر کھینچو۔" ماہم نے بلوہم کھینچ کر چھوڑا۔ جو طاقت سے زمین پر لگا لور اس کا چھلکا ٹوٹ گیا۔

سب نے ہادیہ کی ہار کی قسمت آزمائی کی۔ جب ماہم کی ہادیہ آئی تو نشانہ لیتے کے لیے سب نے الگ الگ جگہیں تجویز کیں۔

"میرے پاس بستر تھیڈیا ہے۔" ماہم نے شرارت سے کہا اور بلوہم چھوڑ کر موٹا اخروٹ پکڑ لیا۔ نیچے زینب رہنما اپنے والدین لور چھوٹے بھائی کے ساتھ جا رہی تھی۔ ماہم نے پوری طاقت سے اس کے سر کا نشانہ لیا جو اس کی کمر پر لگا لور وہ چیخ کر اچھل۔ چاروں لڑکیاں بالکونی کی رنگ کے پیچھے چھپ گئیں۔

ماہم کو زینب رہنما جیسی لڑکیوں سے سخت نفرت تھی۔ وہ پڑھائی میں وہ مہانے درجے کی تھی مگر ایسا اولیٰ کی وجہ سے سمجھتا اس کو بے حد پسند کرتی تھیں جو نہ خود قانون توڑتی تھی اور نہ کسی اور کو توڑنے دیتی تھی اور سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ لن لڑکیوں میں سے تھی جس کے والدین لور کو بالکل ہی سے ملنے آتے تھے لور اگر نہ آسکیں تو لائن چلے جیسی بھی مصروف ہو فون ضرور کرتے تھے۔ جن کے لیے لور

سب سونے کو لینے تو کئی سسکیاں بلند ہوئیں جو دم ہوتی ہوتی بچھ گئیں۔ ہادیہ نے بھی اس لیے اس کی آواز آخر تک آتی رہی۔ بڑے نام کے بعد باتیں کرنا سختی سے منع تھا مگر وہ ماہم ہی گیا جو اصولوں کے آگے جھک جائے۔ پچھلے چند سالوں سے اپنی اصول توڑنے کی عادت کی وجہ سے اس نے انتظامیہ کا ٹاک میں دم کر رکھا تھا۔ آہستگی سے بستر سے نکل کر ہادیہ کے بستر میں گھس گئی۔ خوش قسمتی سے پردا سرکنے کی آواز کسی نے نہیں سنی۔

"ابھی بھی ہو" آہستہ آہستہ عادت ہو جائے گی۔"  
 ماہم نے سرگوشی کی۔

ہادیہ کی ماں کی چار سال پہلے وفات ہو گئی تھی۔ وہ سال پہلے ہادیہ کے پاپائے لا سری شادی کر لی تھی۔ اپر کلاس کے تواب کو محفوظ خاطر رکھتے ہوئے لن کے رشتے میں روایتی سوتیلا پن نہیں تھا بلکہ شوگر کوٹھ کھچاؤ تھا۔ سال پہلے ہادیہ کا دوسرا بھائی پیدا ہوا تو اس کی تھی نے اپر کلاس سے تعلق کا ایک لور تھا نسا پورا کیا اور ہادیہ اور اس کے بڑے بھائی کو پورڈنگ بھیج دیا۔

اسی رات ان دونوں کی خوب اٹھی دوستی ہو گئی۔ ناشتے لور پڑھائی کے بعد وہ بالکونی میں کسی کتب کے ساتھ بیٹھ جاتیں اور گیٹ سے آتے جاتے والدین کو دیکھتیں۔ اتوار کے روز والدین صبح دس بجے ملنے آتے اور چاہیں تو بچوں کو خوب آداب تک ساتھ لے جاسکتے تھے۔ ماہم کو کسی کا انتظار نہیں ہوا تھا پھر بھی وہ والدین کی آمد و رفت کا منظر دیکھتی لور اپنی جلن میں خشک میووں کو چھلکوں سے آزاد کرتی رہتی۔

"شیریں! تم اوھر کیا کر رہی ہو۔ فون کل کا انتظار نہیں کرنا؟" ماہم نے اپنی ہم جماعت کو آواز دی۔ جن کے والدین دو درشوں میں مقیم تھے۔ وہ فون کے اور گرد جمع ہو کر فون کا انتظار کرتیں جس پر انہیں صرف پانچ منٹ بات کرنے کی اجازت تھی۔

"نہیں! میری کل نہیں آئے گی۔" شیریں قریب آئی۔ "پاپا ایکشن میں مصروف ہیں اور تم ہی دینی لگی ہوئی ہیں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کو دس بہت دیر سے بچے اور سوچ بہت جلد غروب ہو جاتا تھا جن کے دوسرے رشتہ دار بھی باقاعدگی سے خط اور کارڈ بھیجتے تھے جن کو لے کر وہ پورے کالونٹ میں خوشی سے اتر لئی پھر لی تھیں ان کے خاندان کے کئی افراد نے اس ادارے سے عظیم نسیب نے گیت پار کرتے ہوئے ماہم کو دیکھ لیا۔ اس کی نظر سے ماہم کو کچھ کا عمل احساس ہوا تھا۔

پر نظریں گاڑنے کھڑی تھی۔  
 ”ہیٹا! آپ نے ایسا کیوں کیا؟“ سسٹر ہیلن سزاوے کر اٹھ کر دیکھ چکی تھیں اس لیے پیار کی زبان آزمائی۔  
 پھر نہ ماہم نے آسویں پر بند باندھا اور نہ اس نے اپنے الفاظ روکے اور تمام احساسات بتا دیے۔ کس طرح اس کو اکیلے رہنے سے خوف آتا ہے اپنا خاندان نہ ہونا اس کے لیے دکھ کا باعث ہے۔ وہ گیند چرا کر اپنی سیلیوں کو جاننے سے روکنا چاہتی تھی۔

رعنا تھیں۔  
 اسکول کی چٹھیاں ہوتیں تو والدین اساتذہ سے پروگرامس رپورٹ لے کر بچوں کو ہر لو لے جاتے مگر اس روز کچھ مختلف تھا۔  
 ”مذکیوں نے سلمان پیک کر لیا؟“ سسٹر ہیلن نے زور مز میں رہنے والی سسٹرز سے پوچھا۔

ماہم کے چپ ہونے تک سب اس کو تسلی دیتے رہے۔ کسی نے اس کی اس حرکت کی سزا نہ سنائی۔ حل کا غبار نکال کر ماہم باہر نکلی تو اس نے ایک نئی بات سیکھی کہ خلاف توقع کام کرنے سے توجہ ملتی ہے۔  
 اسی بات کو پلوس سے باندھتے ماہم گیت کے قریب گئی اسکول کی تھکنی زور زور سے بجاتے ہوئے اونچی آواز میں گانا گانے لگی۔ گاڑیوں میں بیٹھے والدین نے ایک کڑی نگاہ ماہم پر ڈالی تو ماہم کے خیال کی تصدیق ہو گئی کہ خلاف توقع کام کرنے سے درحقیقت توجہ ملتی ہے۔

”جی۔ سلمان جانے کے لیے تیار ہے۔“  
 ”سلمان کی تلاشی لینی ہوگی۔ میرے آفس سے موٹیا سامنے کی دس خط شدہ ہاکی گیند عتاب ہے۔“  
 گیند اسکول کی ایک سابقہ طالب نے پرو فیشنل ہاکی میں پانچ کمانے کے بعد بھیجی تھی جو شیٹس کے بس میں محفوظ رہتی تھی اب وہاں بار کر سے تین پتوں والا پھول بنا ہوا تھا جو چور کی نشانی تھی۔  
 ”تمام بہت اچھے خاندانوں کی لڑکیاں ہیں وہ چوری کیسے کر سکتی ہیں۔“ سسٹر مار تھا کو اپنی تردید پر مجبور سا تھا۔

گھر کے باہر گاڑیوں کی ایک قطار تھی اور اندر لان کے پاس چند بیٹھے تھے۔ ڈارنگ روم میں خواتین سارے پڑے اپنے اپنے انداز میں بیٹھی قرآن شریف پڑھ رہی تھیں۔ انکی سب چیزوں سے نظر ہٹا کر میزچیوں کی جانب پلکا۔  
 ”آئی! بات سنو۔“ بیگم رونق جہاں نے تیسری میزچی پر اس کو آواز دی۔  
 ”جی۔“ آئی نے کوفت سے کہا۔  
 ”گھر میں قرآن خوانی ہے۔“  
 ”دیکھ رہا ہوں۔“  
 ”تم بھی وضو کر کے سپارہ پڑھ لو۔ اس مہینے تمہارے ابو کی برسی ہے۔ ان کی روح کو نواب پہنچے گا۔“  
 ”جی! چھا۔“ آئی کی کوفت غائب ہو گئی تھی۔

”یہ ہی توجیرت ہے لڑکیوں کو تو گھر جانے کا کس قدر انتظار ہوتا ہے اور۔“ سسٹر ہیلن نے ذہن پر زور دیا۔  
 ”ماہم کہیں ہے؟“ وہ معاطے کی تہ تک پہنچ گئی تھیں۔  
 ماہم بھی اپنا سامان ضرور پیک کرتی تھی۔ چاہے چند گز دور جا کر دوسرے کمرے میں کھولنا کیوں نہ پڑے وہ سب ماہم کے کمرے تک گئیں۔  
 ”ماہم! سامان کھولو۔“  
 ماہم جانتی تھی کہ اس تعیش کا کیا مقصد ہے اس لیے اس نے دیر نہیں لگائی اور جیب سے صرف وہ گیند نکال کر بھاڑی۔ کمرے میں شدید جاکو تھا اور ماہم زمین



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھا مگر جارا آجائے تو کچھ نہیں ہوتا۔ سارے کام دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔" بیگم صاحب نے اخبار میز پر رکھا۔

"زیسے لیا جیسا شخص کبھی نہیں دیکھا۔ آئی کو امیں کے ساتھ مل کر ابا کو یاد کرنے میں لطف آتا تھا۔" تمہارے ابا جیسے ایک اور شخص تھے۔ صدیق صاحب تمہارے لبا ہمیشہ ان کے سبھے مزاج لور کم کی تعریف کرتے تھے۔"

"صدیق صاحب وہ فلور فلور والے؟" آئی نے تصدیق کی۔

"ہاں رہی۔ کل ان کی بیوی اور بیٹی بھی آئی تھیں۔ بہت سیاری لڑکی ہے۔ ایم اے کر رہی ہے۔ بالکل اپنے خاندان کی طرح سلیقہ بھی ہے اور فہم بھی۔ نوشین نام ہے۔" رونق جہاں بدعا پر آئیں۔

آئی کے جسم میں کانٹے جیسے لگے۔ یعنی یہ محبت سے گنگلو ابا کا ذکر۔ یہ سب ایک دکھاوا تھا۔ وہ ماں نہیں بنی تھیں۔ بلکہ ایک باہر برس لا من کی طرح ماحول ترتیب دے رہی تھیں۔ جس میں ان کا پردہ بونل مدد نہ ہو سکے۔

"میں نے شادی کے متعلق سوچا نہیں اور ایک گھریلو سلیقہ شعار لڑکی سے شادی کا ہرگز کوئی ارادہ نہیں۔" آئی کے لہجے میں گڑواہٹ تھی۔

"تو اب سوچ لو اور ارادہ بھی بنا لو کیوں کہ میں فیصلہ کر چکی ہوں کہ نوشین ہی اس گھر کی ہوس بنے گی۔" رونق جہاں ضد میں بھی اس کی ماں تھیں۔

"میری زندگی کا فیصلہ میری مرضی سے ہوگا۔ آپ مجھے مجبور نہیں کر سکتیں۔" آئی کا لہجہ بلند ہو گیا۔

"یہ اہم نہیں کہ فیصلہ تمہاری مرضی سے ہو یا میری مرضی سے۔ اہم یہ ہے کہ اس فیصلے میں تمہارے ابا کی مرضی شامل ہے۔" رونق جہاں نے آئی کا حجب اسی پر استعمال کیا۔

"تم اپنے ابا لور ان کی پسند کو اچھی طرح جانتے ہو۔ اپنی شریک حیات کا انتخاب کرتے ہوئے یہ سوچ لو کہ کس قسم کی لڑکی تمہارے ابا کی آئیڈیل ہوسکتی ہے۔"

"چاہے نیچے آؤ اپنے کمرے میں ہی پڑھ لو۔" رونق جہاں نے مسکراتے ہوئے کہا اور دوبارہ ڈرائنگ روم میں چل گئیں۔

اس بات میں کوئی حکم تھا نہ کوئی دباؤ۔ اس لیے عمل کرنے کا دل بھی چاہ رہا تھا۔ آئی نے نما کر وضو کیا اور عرصے بعد قرآن پڑھا۔ محفل کے انتقام پر بیگم رونق جہاں آئی کے کمرے میں آئیں۔

"آپ نے کیوں بیڑھیاں چڑھیں مجھے بلایا ہوتا۔" آئی کو شرمندگی ہوئی۔

"بھی بہت ذمہ داریاں ہیں مجھ پر۔ تمہارے ابا کے کئی اوصو رے کام پایہ تکمیل تک پہنچانے ہیں۔ اتنی جلدی بہت نہیں چھوڑ سکتی۔" آئی نے خمسوس کیا کہ پچھلے دو دنوں سے گھر میں اس کے ابا کا ذکر زیادہ ہو رہا تھا۔

"میں تو بس تم سے تمہارے دفتر کا حال پوچھنے آئی تھی۔ کام چم گیا؟"

بیگم رونق جہاں نے بہت سکون سے آئی سے اس کے کام کے متعلق سوالات کیے۔ کچھ مسئلوں پر مشوروں کا تبادلہ خیال ہوا اور پھر شب بخیر کہتے ہوئے چلی گئیں۔

صبح آئی جا ننگ سے واپس آیا تو پچھلے دن کی محفل کے کئی اثرات موجود تھے۔ جس کی ہڈی رجب یہ تھی کہ بیگم صاحب اب تک لان میں بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھیں۔ آئی نے گھڑی دیکھی۔ اس وقت تو وہ ہاشٹا کر کے جا چکی ہوئی تھیں شاید پچھلے روز کی تھکاوٹ کا اثر تھا جو آج تاخیر ہو گئی پہلے وہ نظر انداز کر کے گزرنے لگا مگر قریب پہنچ کر اس نے ارادہ بدل دیا۔

"السلام علیکم۔" وہ علیکم السلام پٹھو بیٹا تھوڑا سا سانس لے لو۔ ورنہ بھانجے بھانجے عمر گزر جاتی ہے اور احساس بھی نہیں ہوتا۔" بیگم صاحب نے اخبار تھمے کیا لور ملازمہ کو آئی کے لیے فریڈس جوس ملانے اندر بھیج دیا۔

"تمہارے ابا کے پارے میں سوچ رہی تھی۔ کیا معلوم انہوں نے زندگی میں کیا کچھ کرنے کا ارادہ کیا ہوا

”ٹھیک سے فریڈے کے بعد کسی دن چکر لگانا ہوں۔“ آدی کے کنبے میں جبکہ اس کی شرمندگی کی علامت تھی۔

ایش نے فون بند کر کے دوبارہ خط پر لگے غیر ملکی ٹکٹ کو دیکھا۔ اس کے پاس خط کا جواب دینے کے لیے محدود وقت تھا اور وہ آدی سے بات کرنے کے بعد ہی فیصلہ کرنا پڑتی تھی کہ کیا جواب دے۔

آدی اگلے ہفتے بھی اس سے نہ مل سکا۔ جس کی کچھ وجہ مصوبیت تھی مگر زیادہ اہم وجہ رازداری تھی۔ وہ اپنے گھر میں چلنے والے محلے کی تنگ سی گلیوں پر نہیں بڑنے دینا چاہتا تھا۔ اس لیے سامنا کرنے سے پہلو تھی کر رہا تھا۔

ایک ہفتے بعد لافش نے دوبارہ فون کیا تو آدی اس وقت آفس میں نہیں تھا۔ اس لیے بات نہ ہو سکی۔ فون رکھ کر ایش نے بیگ اٹھا لیا اور پی سی اور کاربج کیا۔ اس کو بیرون ملک فون کرنا تھا جو ہاسٹل سے نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے خط کا جواب سوچ لیا تھا اور جواب لکھنے سے پہلے اس کو اپنی مٹی سے بات کرنی تھی۔



سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے انتظار میں کتنی زندگیاں ابتدا سے انتہام کی مسافت طے کرتی ہیں۔ وہ پھاڑ بھی کئی استیوں کے عروج و زوال کے شہد تھے۔ ان میں بسے والی ایک اور زندگی بچپن سے جوانی کی مسافت طے کر چکی تھی۔ کبھی وہ ایک گھما فرشتہ بن کر اس سنگدل زمین کو اپنے قدموں سے گدگداتی تھی۔ پھر بچپن کی جگہ عزمین نے لے لیا۔ اب لوجوالی کے ساتھ اس کے مزاج میں ایک فرقہ بھی آ گیا تھا۔

اس کے انداز کے ساتھ ساتھ اس کا حلیہ بھی لادسروں کو متوجہ کرتا تھا۔ بند جوئے اس لیے ہوتی تھی تاکہ قدم جما کر چل سکے۔ جینز کے پائینے کو چھڑ کر دھانگے نکالے ہوئے تھے اور گھٹنوں کے اوپر ریشمیں مار کر ز سے کئی انگریزی کی شوخ عبارتیں اور نقش و نگار

ہو سکتی ہے۔ ایسی لڑکی جو اس گھر کو سنوار کر رکھے یا ایسی لڑکی جو ہمارے مذہب اور روایات سے ہی ناواقف ہو۔ تمہاری اپنے سرے ہوئے باپ کی خاطر یہ ذمہ داری ہے کہ لوہ آداب کو خود سری اور بے ڈھنگے پن پر تریں۔“ دونوں جہاں کا تیرنشاہ لے کر لگا تھا۔

”آدی کے لیے میری خوشی اہم ہوتی۔“ آدی اپنی ماں کی معلومات سن کر کہہ گئے تھے۔ ”میرے لیے بھی تمہاری خوشی اہم ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں اور اندیش ہو کر دیکھ پارہی ہوں کہ تمہاری دیر یا خوشی کس میں ہے اور کیا لگتی رہتی ہے۔ جس سے چند روز میں خود تمہارا سامنا کھٹنے لگے گا۔ اگر تمہارے ابا ہوتے تو تمہیں بہتر طور پر قائل کر سکتے تھے۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ تم نے ہی کہا تھا ابا کا وجود نہ ہو کر بھی وہ ہم میں ہیں۔ ان کے فیصلے کا احترام ہم پر لازم ہے۔“ دونوں جہاں نے بات مکمل کی تو ان کی آنکھوں میں رنج کی جھلک تھی۔

”میں نے صدیقی صاحب کو کہہ دیا ہے کہ اس جگہ ہم ان کے گھر آئیں گے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں اگر تم لکھنؤ سے پہلے اس سے ملنا چاہو۔“

”شاہاں بیٹا، جو سہیلی ہو۔“ دونوں جہاں گلاس آدی کو تھما کر اندر چلی گئیں۔ اس اہم کام کے لیے انہوں نے آدھا گھنٹہ مقرر کیا تھا اور اب چالیس منٹ ہو چکے تھے۔



ایک ہاتھ میں فون پکڑے اور دوسری مٹھی میں ایک خط تھا۔ ایش بے چینی سے اپنے پاؤں کے نیچوں پر جمول رہی تھی۔

”اس فراغڈے کو میں مصروف ہوں۔ چلا کر بھی نہیں مل سکا۔“ آدی نے فون کی دوسری طرف عذر پیش کیا۔

”ٹھیک ہے پھر ہفت یا اتوار کو کسی بھی دن آسکو۔“ ایش نے ظاہر نہیں کیا کہ اسے ضروری بات کرنی ہے۔



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سفر تھا جو باہم محض تفریح کے لیے کر رہی تھی۔ وہ سارہ کے گھر لگا پھٹا کاشٹا کر رہے تھے جب سارہ کی ممانعت کرتے ہوئے ایئر پورٹ کے لیے روانہ ہو گئیں۔ شیریں اور ہادیہ نے اپنے والدین کو فون کر کے اطلاع دی اور کہہ دیا کہ وہ بار بار ان کو بچوں کی طرح فون کر کے شرمندہ نہ کریں۔ سارہ کی ممانعت سے پہلے خرچے کے لیے رقم دے کر گئی تھیں۔ سارہ نے وہ لٹافہ پکڑا اور ملازمین کو ضروری ہدایات دے کر اپنا راز دار بنا لیا۔

اپنا اپنا بیگ دوبارہ گاڑی میں رکھتے ہوئے چاروں نے اپنے اصلی سفر کا آغاز کیا۔ ان کا بیخ بخورین کے فوراً سٹار ہوئی کی طرف تھا۔ جہاں وہ کسی کے ساتھ تو کئی بار جا چکی تھیں اب تما جا کر زندگی کا نیا تجربہ کرنا چاہتی تھیں۔ دو گھنٹے بعد چار شخص اور پھر تلی لڑکیوں کا ٹولہ ہوئی پھنچا اور اپنے بے پروا لہجوں سے رونق بکھیری۔



”دیرا کے قدرتی ماحول میں میرے لوالی مچھلی کو جب شیشے کے بنے فیئسی بکس میں ڈال دیا جائے تو اس کو بھی ایسا ہی محسوس ہوتا ہوگا جیسے وہ محسوس کر رہا تھا۔“ خضر سوئمنگ پول کے پاس بیٹھا بے تکی پاٹھیں سوچ رہا تھا۔ ابر کلاس کے اس عالی شان ہوٹل میں وہ خود کو مس فٹ محسوس کر رہا تھا۔ مس فٹ رہنے کی اس کو عادت ہی ہو گئی تھی۔

سیالکوٹ میں وہ اپنے خاندان کے وہ سرے لڑکوں کی نسبت بڑھالی میں بہت اچھا تھا۔ گلی کے کھیلوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے کتاب کو ترجیح دیتا تھا۔ اس لیے وہاں لڑکوں سے الگ تنگ نظر آتا تھا۔ میٹرک کے بعد لاہور آیا تو کلچر میں دو واحد لڑکا تھا جو پڑھائی کے بعد چھوٹی مولی لڑکیاں کرتا تھا۔ کیونکہ اس کے والد کی آمدن محدود تھی اور اس کے تین چھوٹے بہن بھائی بھی پڑھ رہے تھے۔ سبھی کام میں داخلہ لیا تو اور گرو کی دنیا ہی بدل گئی۔ ابر کلاس سے تعلق

بنا رکھے تھے۔ قیصر منڈب انداز میں پوری آستینوں والی پہنتی تھی۔ بالوں کی ایک لٹ کو گلابی اور نیلے دھاگے میں لپیٹ کر ڈیڑھ ٹن بھلا ہوا تھا جو اس وقت فیشن تھا۔ ناخنوں پر کبھی کل تو کبھی سلور نیل پالش لگاتی تھی۔ اس بے ترتیب سنگھار کے باوجود اس کی شکل و صورت پر محسوسیت تھی اور بول چال میں کیز اور لٹافہ تھا جو اس کی باجھی تعظیم و تربیت کا عکاس تھا۔ یورڈنگ میں حسب روایت چھٹیاں ہوئیں تو خلاف توقع باہم بھی رخت سفر باندھ کر تیار تھی۔ اس مختصر سفر کے لیے اس نے بے شمار تدبیریں کی تھیں۔ سب سے اہم نئے گینگ کو منانا تھا۔

”سارہ! تم انکار کر کے اسے ڈر روک ہونے کا ثبوت نہ دو۔ تم تو اکیلے بیرون ملک کا سفر کر چکی ہو۔ ہم سب سے زیادہ تمہیں پلنگ ڈینگ کا تجربہ ہے۔ تم انکار کر دینی تو میں سمجھوں گی تم ہمیں اپنے گھر نہیں بنانے کی روادار نہیں۔“ سارہ کو اس نے وہ سنی گلا واسطہ دے کر قائل کیا۔

شیریں اس آزاد شاہانہ ماحول سے نکل کر اہم دن مندہ اپنی روایتی حویلی میں جانے کے لیے زیادہ بے تاب نہیں تھی۔ اس کو ڈر تھا تو پکڑے جانے کا۔ ہادیہ کو قائل کرنا سب سے مشکل ثابت ہوا۔ سارہ نے اپنی بے چین چھٹیوں کی روادار ستالی اور صرف ایک ویک اینڈ مانگا تو دوستی بچانے کو وہ بھی مان گئی۔ اگلا مرحلہ گھر والوں کو منانے کا تھا۔ سارہ نے وہاں ہی ہو گئیں سے شکوہ کیا کہ جس دن اس کی چھٹیاں ہوں گی اسی دن وہ پورب شوٹنگ پر جا رہی ہیں۔ گھر میں لاہوتے تمہارا بنا اس کے ساتھ نا اعلیٰ ہے۔ اس سے پہلے کہ بس کی لو اگا دو والد حل تجویز کرتیں سارہ نے خود ہی قیامت ظاہر کی کہ وہ ویک اینڈ پر سبیلوں کو بلانا چاہتی ہے۔ شیریں اور ہادیہ نے بھی جھولی روو لو سنا کر اجازت لے لی۔ باہم کے لیے اجازت روایتی عمل نہیں تھا۔ اس کو پہلے درخواست دینی پڑی۔ پر پہل نے سارہ کی والدہ سے فون کر کے تصدیق کی پھر جا کر اجازت دی۔ اب وہ گاڑی میں بیٹھے پنڈی کا رخ کر رہے تھے۔ یہ پہلا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

”کوئی نہیں یاد رکھتا کہ ہم ہیں یا پیسے کا کیا مسئلہ ہے۔ چھوڑا ہے۔ پریشان نہ ہو۔“ اس کے دوستوں نے پندرہ منٹ کی ملاحاصل تلاش کے بعد اس کو تسلی دی۔

حضرت جانا تھا کہ اس کے دوست نظیر کے اس کی تمام ضرورت کا خیال رکھیں گے اور جتا میں گے بھی نہیں مگر اس بڑے میں اپنی ماں اور خود داری جو لایا تھا وہ تو کم ہو گئی تھی۔

حضرت نے غصے سے دانت چیتے ہوئے اس دیکھا تھا لڑکی کے بارے میں سوچا جس کی ٹوپی کی دوجہ سے اس کی شکل نہیں دیکھ پایا تھا۔



ماہم کو کلاس کے بیچ میں اس نے پہننے کے لیے کہا کیلئے اس نے غیر ارادوی طور پر اپنی آنکھ کے اوپر جوت کے نشان پر انگلی پھیری۔ تین مہینے سے اس نے کوئی قابل ذکر شرارت نہیں کی تھی۔ پھر یہ دعوت ملے کیوں بلکہ وہ اسی شش و شنبہ میں آگئی تھی۔ کمرے میں بائیں طرف سر جھکائے لہکی کھڑی تھی۔ قریب صوفے پر سلاہ لباس میں اس کے خالہ خالو بیٹھے تھے۔

”ماہم اریکا اسکول سے جا رہی ہے۔ آپ کی اس سے دوستی ہے اس لیے جانے سے پہلے مل لیں۔“ پرنسپل اپنی کرسی پر بیٹھی کہہ رہی تھیں۔

”کیوں لہکی تم کیوں جا رہی ہو؟“ ماہم نے روٹی ہوئی لہکی کو گلے لگایا۔

”کیوں کہ یہ چور ہے۔ اس نے میرا لاکٹ چرایا تھا۔“ کمرے کی دا میں جانب ایک جالی پھپھالی تو اوزنے جواب دیا۔ ماہم نے مڑ کر دیکھا۔ ذہن سبحان ایک ہاتھ میں اپنا قیمتی لاکٹ لیے غصے سے کہہ رہی تھی۔

ماہم کی آنکھوں میں بھی لٹکارے دکھنے لگے۔ ذہن سبحان جیسی لڑکیوں جن کے پاس گھر یا بارہود تحفظ ہوتا ہے لہکی جیسی لڑکی کا تم کیسے جان سکتی تھیں۔

”میدیم یہ کوئی غلط فہمی ہے۔ یہ کسی چور نہیں ہے۔“

رکھنے والے خاندانی ریسول میں اس جیسے لاچار ہی تھے جو اس کا رشب پا کر اس منگے لوہارے کا حصہ بنے تھے۔ لیکن تعلیمی اداروں میں لادستی خیالات سے بچی ہے اس لیے حضرت اور اس کے دوستوں نے طبقاتی فرق ہمیشہ نظر انداز کیا۔ لی۔ کام کے بیرو سے گرفتار ہوئے تو عملی زندگی میں قدم رکھنے سے پہلے ایک یادگار تفریح تو ان کا حق تھا۔ حضرت تو برسوں سے عملی زندگی کے جھمیوں کو نبھا رہا تھا۔ اس لیے اس تفریح پر سب سے زیادہ حق اس کا تھا۔ اس نے ہائی بھلی کیونکہ اس سمیت کسی بھی لڑکے کو کمرے کا کرایہ نہیں دیتا تھا۔ اس کے ایک دوست کے والد کی کمپنی نے کچھ مہینے پہلے ایک بڑے درجے کی کانفرنس منعقد کروائی تھی جس پر ہونٹ والوں نے چند کمرے کھلیے مشوری دیے تھے جن سے وہ فائدہ اٹھانے آئے تھے۔ حضرت نے بیسویں بلڈ اینڈ ہوا کھول کر دیکھا۔ بڑے میں حسب ضرورت رقم موجود تھی۔ جو اس نے پارٹ ٹائم جاب کر کے جمع کی تھی۔ وہ سخت سے جوڑی ہوئی رقم ضائع نہیں کر رہا تھا بلکہ اپنے صبر کا پھل بنو رہا تھا۔ اس لیے وہ تمام منفی خیالات کو جھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ اب وہ کسی بھی چیز کو اپنی تفریح کے درمیان حائل نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ اس نے بیچ سے اٹھ کر اپنی مائیں اور بازو سیدھے کیے جو پانچ گھنٹوں کی مسافت سے آگئے تھے۔ اچانک ایک دلی تلی لڑکی اس سے آکر ٹکرائی اور وہ معذرت کرتا ہوا اس کے راستے سے ہٹ گیا۔ شش کیپ پنے لڑکی زمین کی طرف جھکے جس تیزی سے آتی تھی اسی تیزی سے چلی گئی۔

”لوئے حضرت! ادھر کیا کر رہا ہے۔“ کسی دوست نے تو اڑوی۔ وہ سب شام کا پلان کر رہے تھے۔ حضرت نے خشک ہوتے ہوئے موسم کے باعث ہاتھ جیب میں ڈالے تو خوشگوار موسم کے باعث بھی ماتھے پر پینہ آگیا۔ اس کی جیب میں ہوا نہیں تھا۔

”کیا ہوا یاد؟“ ایک دوست نے اس کی کندھا لایا۔

”میرا ہوا نہیں ہے۔“ حضرت نے بے چینی سے ارد گرد دیکھا کہ شاید گر گیا ہو۔



زنہب اس پر غلط الزام لگا رہی ہے۔ ماہم نے اس کی وکالت کی۔

”لاکٹ بھکی کے سلمان سے ملا ہے اور ملتے ہی ہم نے اس کے گارڈین کو بلوایا تاکہ فیصلہ سب کے سامنے ہو۔ ہمارے اسکول میں بہت اچھے خاندان کی لڑکیاں پڑھتی ہیں یہاں چوری کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لیے ریکارڈ کو خارج کرنا واحد حل ہے۔“

ماہم نے نصیحت سے زنہب کو گھور کر یقیناً ”ہم نے جان بوجھ کر لاکٹ بھکی کے سلمان میں دکھا ہوا گا۔“ اس کا مطلب ہے۔ ”جنگ“ ماہم کی نظریں چبھی چبھی کر رہی تھیں۔

یہ بات سب جانتے تھے کہ زنہب اور ماہم کی ایک دوسرے سے نہیں بنتی۔ مگر بھکی کے جانے کے بعد ان کی ٹوک جھونک شدید ہو گئی تھی۔ بات کلاس سامنے میں مختلف نظریے ہونے سے کہیں آگے بڑھ گئی تھی۔ ماہم نے زنہب کے ٹی شرٹ جس پر میڈیا کے کئی معروف لوگوں کے دستخط ہوئے تھے اور جسے زنہب کسی مشہور عزیز کی طرح سنبھال کر رکھتی تھی۔ ایک دن باسپلی گراؤنڈ میں جینڈے کی جگہ کھسے پر لہرا رہی تھی۔ کئی لڑکیاں لوہر پیمپرز جینٹس سے اس کو دیکھ رہے تھے۔

”کس کی شرٹ ہے۔“ ٹی شرٹ اتروا کر پچرنے غصے سے پوچھا۔

”میں میری ہے۔“ زنہب نے نفرت سے اقرار کیا۔

”یہ اسکول سے مشہور ہونے کا مقابلہ نہیں کہ اپنے رویہ سراسر شرم کیے جائیں۔“ پچرنے غصے سے ٹی شرٹ زنہب کو سمائی۔ اس میں دھنسنے کے بعد اس کی سیاہی کافی پھیل گئی تھی۔ زنہب نے رویہ لسی ہو کر اس میں ایک نیا اضافہ دیکھا۔ اس پر لال رنگ سے ایک تین تین والا پھول بنا ہوا تھا۔ بالکل ماہم کی آنکھ کی چوٹ جیسا۔ جو ماہم نے بطور آؤ گر اف دیا تھا۔ زنہب ہیر پختی ہوئی اپنے ڈورم میں چلی گئی۔

اس کا دلہہ زنہب نے پروجیکٹ لائے پر انٹاریشن

خسٹر کے سامنے ماہم کو شرمندہ کرا کے لے لیا۔ جب ان کے ساتھ اسکول کے بورڈ آف گورنرز اور قریبی چرچ کے ایشپ بھی مدعو تھے۔

یہ سلسلہ طویل پکڑ گیا۔ ماہم نے زنہب کے سرٹ میں تھیلی والا باؤڈر ملا دیا اور زنہب نے اس کے ٹک پلاؤز میں بعض کشاوا۔

نتیجہ۔ طنز و مزاح بعد دونوں پر ٹیبل آفس میں کھڑی تھیں۔ جرم ثابت ہو گیا تھا جس سزا سنانے کی پوری تھی۔ ٹیبل کے علاوہ وہاں زنہب کے والدین بھی موجود تھے۔

”بچیوں کی آپسی لڑائی سے اگر ہم پہلو تھی کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ہم حالات سے بیوقوف ہیں بلکہ ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بچیاں خود اپنے مسائل حل کرنا سیکھیں۔ مجھے اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ پہل کس نے کی۔ میری نظریں دونوں کا قصور برابر ہے اور دونوں کو برابر کی سزا ملے گی۔“

پرنسپل نے لاد ٹوک کہا۔

”بھیر اجازت ہونے کی معافی چاہتی ہوں۔“ ماہم نے نظریں جھکا کر کہا۔ ”جس طرح اس کمرے کے اقر لو میں تو اذن نہیں اس طرح ہماری سزا یکساں کیسے ہو سکتی ہے؟ زنہب آپ کی رہی ہوگی سزا کالے کی لور اپنے والدین کے ساتھ گھر چلی جائے گی جبکہ میں مقدر کی سزا کالوں کی لور چھینوں میں بھی۔ میں راولوں کی۔“

ماہم نے چند لمحے خاموش ہو کر دوبارہ بات شروع کی۔

”انصاف تو تب ہو جب زنہب بھی ان چھینوں میں گھر لے جائے اور سبق سکھے کہ بھکی جیسی لڑکیوں کی زندگی کتنی سخت ہوتی ہے۔“ ماہم نے لوب سے کہا۔

کمرے میں کھل سناٹا تھا اور زنہب ہوتی ہی اپنے والدین کا منہ تک رہی تھی جنہوں نے ماہم کے مطالبے پر احتجاج نہیں کیا تھا۔ پرنسپل نے زنہب کے والدین سے مشورہ کرنے کے لیے دونوں لڑکیوں کو باہر بھیج دیا۔ تھوڑی دیر بعد دونوں کو اندر بلا کر فیصلہ سنایا گیا۔

”بظاہر تم دونوں میں اختلاف رائے ہے اور

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں مشکلوں کی عادی ہو گئی ہوں۔" انیش نے رعایت لفظی کے تڑکے کے ساتھ کہا۔

"میں نے اتنے عرصے رابطہ نہیں کیا۔ اس بات کا غصہ نکال رہی ہوں؟" آدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"مہلکے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں کہ پراسن ہو کر سزا سنائی جائے ورنہ شکوہ تو میں بھی کر سکتی ہوں کہ میری ذاتی زندگی کی تفصیل جان کر تم نے رابطہ قائم کر دیا۔" انیش نے بھی ہونوک کہا۔

"اور! تم یہ سمجھتی رہی ہو کہ تمہارے ذہب کو جاننے کے بعد میں پہلو تھی کرنے لگی۔ نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" آدی نے بے چین ہو کر وضاحت کی۔

"میں نے پہلی بار اپنا خول توڑ کر کسی کو اپنے وجود میں جھانکنے کی اجازت دی تھی۔ تمہارا ایک دم غائب ہو جانا اسی بات کا حکاس تھا؟" انیش اپنی عادت کے مثالی نگہ کر رہی تھی۔

"میں مصروف تھا۔ گھر میں میری شادی کی بات چل رہی تھی۔ میں پہلے اس معاملے کو فریضہ کرنا چاہتا تھا۔ تم سے پہلو تھی میری پراسن نہیں۔ میری شرمندگی کے باعث تھی۔" آدی بھی خلاف عادت اپنے ذہب کی وضاحت دے رہا تھا۔

"جب یونیورسٹی سے ایڈمیشن کا خط ملا تو میں نے تمہیں فون کیا۔ تم آفس میں نہیں تھے۔ میں نے بہت سوچا اور پھر ماما کو کل کر کے اطلاع دی کہ میں ایڈمیشن لے رہی ہوں اور لن کے پاس آ رہی ہوں۔" انیش نے بتایا۔

"تو آپس کب آؤ گی؟"  
 "خانہ بدوش واپس نہیں آتے۔ آگے کہیں اور ٹھکانہ بنا لیتے ہیں اور بہتر بھی یہی ہے کہ تم میری بو ابھی کی چاہ نہ کرو اور اپنی زندگی میں آگے بڑھ جاؤ۔ درحقیقت ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے پارے ہیں سنجیدہ نہیں تھے اور اس تعلق کو آج نہیں توکل ختم ہونا ہی تھا۔" انیش نے سمجھایا۔

"یعنی ہماری کسانیا کا یہی انجام ہونا تھا؟" آدی نے

حقیقت میں تم ایک دوسرے کی زندگی کو سمجھنے سے قاصر ہو۔ انسان بعض اوقات کسی دوسرے کی آسودہ زندگی سے نالاں ہوتا ہے تو اکثر دوسرا اس انسان کی زندگی پر رشک کر رہا ہوتا ہے۔ تم دونوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ماہم! میں آپ کی بات سے قائل ہوں کہ آنے والی چٹھیاں آپ دونوں کو ساتھ گزارنی چاہئیں نہ نہب کے والدین آلودہ ہیں مگر نہب یہاں نہیں رہے گی آپ نہب کے ساتھ اس کے گھر جائیں گی۔" پرنسپل نے فیصلہ سنایا۔  
 کیا؟ نہیں کیوں؟ کے اعتراض بلند ہونے لگے مگر پرنسپل نے ہاتھ اٹھا کر دونوں کو خاموش کر دیا۔  
 "فیصلہ حتمی ہے۔"

نہب اپنے والدین کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی اور اس کے والدین اس کو لپٹنے پر قائل کرنے لگے۔ ماہم نے بھی غصے سے سوچا ہوا منہ دروازے کی طرف برصا یا تو پرنسپل نے روک دیا۔

"ماہم! میں ضروری نہیں کہ ہر انسان کی مجبوری اس کو بڑا انسان ہی بنائے۔ رہا آپ کی پہلی تھی اس لیے آپ کے لیے اس کا نقص قبول کرنا مشکل ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ اس نے لاکھ خرچہ کیا تھا۔" پرنسپل نے ماہم کو سوچنے پر مجبور کیا۔



"چند ہفتوں میں گلتا ہے۔ وہی اپنی بدل گئی۔ تم کمرے کے بغیر ہو۔ منظر بہت افسوسناک رہا ہے۔" آدی انیش کو دیکھ کر خوش تھا۔ اس لیے شوخی سے چھیڑ رہا تھا۔

"اس ملک کی بہت تصویروں کھینچ لیں۔ اب تو یہوں ملک جا کر رول ضلع کروں گی۔" انیش نے سلوگی سے کہا۔

"کہیں باہر جا رہی ہو؟" آدی سینڈویج کھاتے ہوئے رگ گیا۔

"میرا امریکا کی بہت اچھی یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہو گیا ہے۔ مجھے احساس ہے کہ یہ سزا مشکل ہو گا۔ مگر



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

یو بھل لہجے میں پوچھا۔  
 "مہلاری کوئی کہانی نہیں تھی۔ بس اتفاقات کی ایک لڑی تھی۔ دل بھلائے ہوئے دل دکا لیتا ہے روتی ہوئی ہے۔"  
 "کچھ لوگ اسے محبت بھی کہتے ہیں۔"  
 انیش نے اطراف ایک دائرہ کھینچ کر آئی تھی بس سے وہ آگے نہیں بڑھنا چاہتی تھی۔  
 "ان باتوں کو چھوڑو۔ ممکن ہے یہ ہماری آخری ملاقات ہو۔ آج مجھے تمہاری گاڑی چلانی ہے۔ خدا معلوم مستقبل میں تم جیسا امیر لڑکا ملے نہ ملے۔"  
 انیش نے پہلے سا انداز کرنے کی بوجھوری کوشش کی۔ آوی نے چالبی بڑھائی اور انیش چال لے کر ریسنورنٹ سے باہر نکل گئی۔ آوی بھی نکل لیا کر کے پیچھے آگیا۔  
 "مجھے فونو کر لینی پڑھنی تھی مگر وہ فائن آرٹس کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں یا صحافت کے ساتھ تو پہلے میں صحافت پڑھوں گی پھر۔" انیش ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی ہی تیزی سے بولنے لگی۔  
 "تم جانتی ہو تمہارا مسئلہ کیا ہے؟" آوی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تمہیں اب تو میں کسی نے سمجھا نہیں۔ اس لیے تم نے اپنے آپ کو ایک خود ساختہ خول میں بکڑ لیا تاکہ آئندہ بھی کوئی تمہیں جان نہ سکے۔ تمہیں خوف ہے کہ اگر کوئی جان لے گا کہ تم بھی جذبات رکھتی ہو تو تمہیں رو بند کر چلا جائے گا۔" ٹھہری ہوئی گاڑی میں چند لمحوں کا سکوت آیا۔  
 "تمہاری زندگی میں کسی نے قدر نہیں کی تو یہ تمہاری خامی نہیں ان کا نقصان ہے۔ تم تعلقات سے بے گانہ رہ کر خانہ بدوش سی زندگی گزارنے کی خولیں ہو۔ مگر وہ حقیقت تم جس راہ سے بھی گزرتی ہو لوگوں کے دل میں گھر کر گئی ہو اور کسی تمہارا مقام ہے۔" آوی نے ہنسا پھرا کر اپنے ہی دل کا حال بتایا۔  
 "تم پہلے غصے نہیں ہو جس نے میرا تجزیہ کر کے مجھے سمجھنے کا دعوا کیا۔" انیش نے غصے میں مضبوطی سے گاڑی کی چابی پکڑ رکھی تھی اور خلاف عادت نظر

بھنکار رکھی تھی۔  
 "میں کوئی دعوا نہیں کر رہا۔ میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ جب میں نے تم سے رابطہ نہیں کیا تو تم رات کو بے چین رہتی تھیں۔ جب سالوں کی ضد کے آگے گھٹنے ٹیک کر اپنی دل کو فون کیا تو واپس کر تم خوب روئی ہوگی۔ آج جب میں نے اسٹوڈنٹوں کے بعد رابطہ لیا تو چاہتے ہوئے بھی تم غصہ نہیں کر سکیں اور میرا پسندیدہ رنگ پہن کر میرے سامنے آئیں۔ کئی مدت بعد تمہارے وجود کا خول ٹوٹا ہے اور اس بار کوئی تمہارے دل میں گھر کر گیا ہے۔ اپنی بسی جڑی باتوں سے تم یہ ظاہر کرنا چاہتی ہو کہ تمہیں میری ٹکناہ منگنی اور اپنے چلنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مگر جتنا وقت تمہیں گاڑی لسنارت کرنے میں لگ رہا ہے اس سے صاف ظاہر ہے تم بھی چاہتی ہو کہ میں تمہیں روک لوں۔" آوی کی نظر اس کے چہرے پر پڑی ہوئی تھی۔  
 انیش کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور چابی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ یہ اس کا بھرانے کا انداز تھا۔  
 "ایسی باتیں نہ کرو۔ یہ ہمیں مشکل میں ڈال دیں گی۔" انیش نے لاپرواہی سے کہا۔  
 "اگر ہم اس وقت جدا ہو گئے تو کیا ساری عمر مشکل میں نہیں رہیں گے؟"  
 "ہمارے پاس دوسرا کون سا راستہ ہے؟ اگر میں باہر جانے کا ارادہ ترک بھی کروں تو کیا ہم شادی کر لیں گے؟ ہمیشہ ساتھ رہیں گے؟ ایسا اتنی آسانی سے ممکن نہیں۔ مجھے اپنے خاندان کی پروا نہیں مگر تمہاری فیملی کبھی بھی یہ شادی نہیں ہونے دے گی۔ مذہب، روایات، بے باکی۔ کس کس چیز کی وضاحت کرنی پھول گی میں۔" انیش قسمت پر ہنسی لگی۔  
 "میں جانتا ہوں سب آسان نہیں۔ ممکن ہے ہمیں انہیں منانے میں بہت وقت لگ جائے مگر مجھ میں اسٹینڈ لینے کا حوصلہ ہے۔" آوی نے اسے یقین دلایا۔  
 "کچھ عرصے بعد تمہاری ضد کے آگے گھٹنے ٹیک

# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1



بھی دیں تو ان کے دلوں میں جگہ بناتے مجھے ساری عمر لگ جائے گی۔

”تمہیں میرے دل میں جگہ ملے گی کیا یہ کافی نہیں ہے؟“

”تمہارے دل میں تو میرے لیے جگہ ابھی بھی ہے۔ ہم ابھی فیصلہ کرتے ہیں۔ اسی وقت کورٹ میں آ کر دیکھیں گے کہ کس کے لیے جگہ ہے۔ جیسے ایک جھنگل میں اس کے تمام درختوں کو آنا چاہتی ہو۔ جواب میں توئی کچھ بول نہ سکا۔

”تو کھلا۔ یہ اس قدر آسان نہیں۔“ انیش نے بتلایا۔

”میں تمہیں تمہارا ہر جائز حق دینا چاہتا ہوں۔“  
 ”اپنی زندگی کو آگے بڑھانا میرا جائز حق ہے۔ مجھے ایک ناپختہ وعدے کی نذر کر کے تم میرا یہ حق سلب کرنا نہیں چاہیے۔“

”میں تمہیں کیسے جلانے دوں۔ پچھلے مہینے کی شادی میں ایک بات میں نے سمجھی ہے کہ تمہارے بغیر زندگی کلینڈر پر درج تاریخوں سے زیادہ کچھ نہیں۔ مجھے لو سو راحت کرو۔“

”پھر مجھے اپنالو۔“ انیش آریا بار ہونا چاہتی تھی۔  
 ”کورٹ بند ہونے میں چالیس منٹ ہیں۔ اگر چالیس منٹ میں ہم کورٹ پہنچ گئے تو ابھی شادی کر لیں گے۔ ورنہ یہ ہماری آخری ملاقات ہوگی۔“  
 انیش نے کسی جوب کا انتظار نہیں کیا۔ چلی اٹھا کر گاڑی اشارت کی اور فل اسپید میں دھمکانے لگی۔

توئی کے لیے یہ تعلق اس تیز رفتار گاڑی کی طرح تھا جس کو بچھنے کا موقع نہیں ملا اور جب ملا تو گویا گاڑی چھوٹنے والی تھی وہ اس طرح چند منٹوں میں شادی نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ انیش کو جلانے بھی نہیں دے سکتا تھا۔ وہ سخت اضطراب کا شکار تھا۔ گاڑی لڑکھڑانے لگی تو توئی نے اپنے ہاتھ سے اسٹیرنگ وہیل کی سمت درست کی۔ وہ بارہ انیش کا ہاتھ نہیں لڑکھڑایا اور وہ حوصلے سے گاڑی دوڑاتی رہی۔ دونوں کے دل کا ایک حصہ خواہش مند اور دوسرا خوفزدہ تھا۔

دونوں نے اپنا فیصلہ قسمت کے سپرد کر دیا تھا۔

\* \* \*

ڈیر گینگ اسٹریٹ یافتہ قیدی کا سلام۔ اس کشادہ لہجہ پر آسائش خیال میں تین لور حصہ دار ہیں۔ ان میں لائل نمبر ایک بیوی تو تھوڑی ہے۔ جو روزگ سے گھر تک کن میں بیوی تو تھوڑی لگا کر ظاہر کرتے رہے کہ پاکستان کی تجارت ان ہی کے کندھوں پر ہے۔ دو ماہ ایک لائونڈریز ماہ ہیں۔ جن کو لائونڈریس زبانی یاد ہوتے ہیں۔ جن کا درزی اسپینڈا اگل برہو تھے اور عام خواتین کی طرح انہیں ہاسٹ صاحب نہیں بلکہ اس کا نام لینے کو ترغیب دیتی ہیں۔ سو ماہ ایک تلی فون اٹھالی ہے جو بیڈروم کم انٹرنیٹ پر وقت ضائع کرتا ہے اور فاسٹ فوڈ کابلی سے کھانا ہے۔

ہام نے زینب کی فیملی کا نقشہ بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ وہ باقاعدگی سے انٹل سیلیوں کو اسی ٹیل کر کے اپنے شب و روز سے آگاہ رکھتی تھی۔  
 چھٹی کے دن وہ سب لوگ مل کر لچ کرتے تھے۔ پہلے روز ہام میز پر بیٹھی تو زینب نے روکے بن سے ملازمہ کو تو اڑوے کر تصدیق کی کہ ”کس نے کھانے میں ملاوٹ تو نہیں کی؟ پھر اپنے والدین کے ٹوکنے پر اس نے ذوق منقطنے و بنا چھوڑ دے۔ گھر اپنا سارا دن اپنے کاموں میں گمن رہ کر گزارتی تھی اور ہام سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی۔ زینب کی ماما مسمان لواز خاتون تھیں۔ ہام کو اپنے بچوں سے زیادہ توجہ دیتیں اور کوشش میں لگی رہتیں کہ ہام زیادہ وقت گیسٹ روم سے باہر گزارے مگر ہام کا مختصر تجربہ اس بات کا شاہد تھا کہ کسی کی بھی توجہ دیر نہیں ہوتی اس لیے وہ خوبصورتی سے اپنی راؤ الگ ہی رکھتی۔

اسے آئے ہوئے تقریباً ”ہفت ہوجکا تھا زینب باقاعدگی سے اپنی کزن کے گھر جا رہی تھی جس کی عنقریب شادی تھی۔ کھانے کے بعد زینب تیار ہونے انھی تو فون پر نے قریب جا کر آہستگی سے اسے ہام کو ساتھ لے جانے کو کہا۔

ضرورت ہے وہ موٹے ہو رہے ہیں۔" فوزیہ کے  
 بصرے پر ماہم اٹھ کھڑی ہوئی۔  
 "میرے بل ہیں میں جیسے مرضی رکھوں۔" ماہم ہرا  
 مان کر کمرے میں چلی گئی۔  
 "وہ کھانا ماہم یہ کتنی بد تیز ہے، کپ ایسے ہی اس کو  
 منہ لگائی ہیں۔ میرے تیل لگا دیں۔ پورڈنگ لاکھانا کھانا  
 کر حشر ہو گیا ہے ظاہر ہے جو اندر جائے گا وہی باہر  
 نکلے گا۔" زینب نے کہا۔  
 "یہی میرا کہنا ہے۔" فوزیہ نے آہستگی سے ماہم  
 شروع کر دی۔ "گتے سائلوں سے ماہم کے اندر جو کچھ  
 گیا ہے وہی باہر آ رہا ہے۔" فوزیہ کے الفاظ لور ماہم  
 سے زینب کا ذہن ٹھنڈا ہونے لگا۔ ندامت نے اسے  
 گھیر لیا۔  
 "بچہ دیر بعد زینب نے گیسٹ روم پر دستک دی۔ ماہم  
 منہ پھلائے بیٹھی تھی۔  
 "میں معذرت کرنے آئی تھی میں تم سے زیادہ ہی  
 کرشت ہو گئی تھی۔" ماہم کے لیے یہ الفاظ غیر متوقع  
 تھے۔  
 "مجھے لگا تھا کہ تم یہاں آکر مجھے اور میری فیملی کو  
 خوب ستاؤ گی، مگر تم تو خاموش ہو گئی ہو۔" زینب چند  
 لمحوں کے وقفے کے بعد بولی۔  
 "میں ہمیشہ سے جانتی تھی کہ میری زندگی میں کمی  
 ہے۔ بہت بڑی کمی، مگر میں اگر میرا ذہن ہار بار اس  
 کمی کی وجوہات کریدتا ہے، میرے والدین مر چکے ہیں،  
 مگر وہ بھی نہ کبھی تو تھے، ماہم کے دل میں سوالوں کا اظہار  
 بھرا ہوا تھا۔ زینب دوصلے سے اس کو مستحق رہی اور ماہم  
 اپنی سوجوں کو لفظوں میں ڈھالتی رہی۔  
 "تمہیں تبدیلی کی ضرورت ہے۔" زینب نے  
 مشورہ دیا۔  
 "اس سے بڑی تبدیلی؟" ماہم نے پوچھا۔  
 "یہ ماحول کی تبدیلی ہے، اب ذلت کی تبدیلی کا  
 وقت ہے۔ کل ہم شاپنگ پر چلیں گے۔ مجھے بھی  
 شادی کے لیے کپڑے بنوانے ہیں۔ تم بھی جینز کی  
 شرٹ کے علاوہ کچھ لینا، دیکھنا بہت مڑا آئے گا۔"

"نہا! کپ جانتی ہیں نا، کتنی شرارتی ہے۔ کوئی  
 تماشا کر دے گی۔ میں اس کو شادی پر لے جاؤں گی۔  
 ابھی نہیں۔ میری چھٹیاں تو خراب نہ کریں۔" زینب  
 نے ضد کے انداز میں انکار کیا۔ فوزیہ کی تمام احتیاط  
 کے باوجود ماہم نے یہ منکاح سن لیا لور منہ بسورنی میز  
 سے اٹھ گئی۔ وہ کون سا اس کی کزنز سے ملنے کے لیے  
 مردہاں تھی۔ فوزیہ آئی نے اسے بھی جانے سے منع  
 کر دیا۔ وہ تھکاتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔  
 "یا ہوں۔ میں پھر حثیت گیا۔" لالوچ کچ میں دانیال تیز  
 تو از میں وہیو گیم لگا کر بیٹھا تھا۔  
 "ایسا ہی ہوگا اگر مشین سے مقابلہ کرے گا۔" ماہم  
 نے گزرتے ہوئے تبصرہ کیا۔  
 "میرا ریکارڈ بہت اچھا ہے۔ زینب سے ہمیشہ جیتتا  
 ہوں۔" دانیال نے جتایا۔  
 "زینب کو ہرانا کیا مشکل ہے؟" ماہم نے بے خیالی  
 میں پوچھ دیا اور دانیال نے خوشی سے قبیل کر لیا۔  
 پھر دونوں مقابلہ بازی پر اتر آئے۔ دو تین گھیل کے  
 بعد ماہم کی گرفت بھی مضبوط ہو گئی لور منہ بھر میں  
 دونوں یکم پر تبصرہ کرتے ہوئے اتنے مگن ہو گئے کہ  
 اس بات سے بے نیاز ہو گئے کہ کون زیادہ جیتا، کون  
 زیادہ ہارا۔  
 "مان گئے ماہم تپا! آپ ایک مضبوط لڑکی ہیں۔"  
 ایک گیم ہارنے کے بعد دانیال نے اعتراف کیا۔  
 "میں آپ کو تپا کہہ سکتا ہوں، زینب نہیں کہنے  
 دیتی، کہتی ہے وہ قیالو کی ہے۔" دانیال نے ماہم کے یک  
 دم خاموش ہونے پر پوچھا۔ جو لب میں ماہم نے لہکت  
 میں سہلادیا۔  
 "زینب تم نے آج پھر میں اسٹوٹ کر لیے کتنے  
 روکھے ہو گئے ہیں۔ روز روز آٹمن کرنا صحیح نہیں  
 ہے۔" ایک گھنٹے بعد زینب کمرے سے نکل تو فوزیہ کا  
 دھیان زینب کے بالوں کی طرف گیا۔  
 "ماہم آپ کے بال بھی کتنے خراب ہو رہے۔ چلو  
 میلے آپ کے تیل لگا دیں۔" فوزیہ نے بغیر اجازت ماہم  
 کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ "اف آپ کو کٹوانے کی بھی



”اسکول فنڈز پر اسکا رشب صرف عیسائیوں کو ملتی ہے مسلمانوں کو نہیں۔“

”مجھے ہمیشہ سے پتی رہی ہے۔“ ماہم نے ہنس کر غلط فہمی دور کرنا چاہتی۔

”نہیں بیٹا! میں نے زینب کے داخلے سے پہلے تمام معلومات لی تھیں۔ اسکول بورڈ کسی عیسائی کو اسکا رشب نہیں دیتا۔“ رحمان کو معلوم ہو گیا تھا کہ

ماہم کے داخلے کے پچھلے کوئی بہت بڑی سفارش اور اس سے بھی بڑی امداد تھی جس کے باعث اسکول نے

ایک ایسی بچی کو لے لیا تھا جس کا پچھلے کوئی گھر ٹھکانہ تھا۔

”مطلب؟“ ماہم کا ذہن سن ہو گیا تھا اور وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ پائی ٹیبل نے بھی کھانے سے ہاتھ

روک لیا تھا۔

”ڈیڈ کا مطلب ہے کہ اگر آپ عیسائی نہیں ہوتے آپ اسکا رشب پر نہیں بڑھ رہیں۔ کوئی ہے جو اتنے

سالوں سے آپ کی فیس بھر رہا ہے۔“ ڈانیال نے اپنے تئیں تھیں سلجھائی۔

”شٹ اپ ڈانیال!“ زینب نے ماہم کا اڑتا ہوا رنگہ دیکھ کر ڈانٹا۔



آنس کے کوننگ ایریا میں بیٹھی وہ اپنے بے ترتیب خیالوں کو یکجا کر رہی تھی۔ اس کے سامنے دائیں

جانب استقبال پر بھاری جسم والی لڑکی بیٹھی فنون ریسو گری رہی تھی اور بائیں جانب لاہرے شیشے والا داخلی

دروازہ تھا جو ایک جانب سے آئینہ نظر آتا تھا اور دوسری جانب سے شیشہ تھا۔ اس کے خیالات اس کے

اندر بھی غصہ، کبھی تجسس تو کبھی ہنس جگا رہے تھے۔ انتظار کرتے ہوئے ہیں منٹ ہوئے تو اس نے ملنے کا

ارلن ترک کر دیا۔ جب اس کو ایک فالتو پرزے کی طرح الگ کر دیا گیا تو اس کی انا کو بھی بے مول

رشتوں کا تعاقب گوارا نہیں تھا اس لیے داخلی دروازہ کھلا اور ماہم کو آئینے میں اپنا عکس نظر آیا اور وہ وہاں

اگلے روز زینب کی بات سچ ثابت ہو گئی ماہم کو پہلے ایسا کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ فوزیہ آئی کا تجربہ اور زینب

کے مشورے سے ماہم کی وارڈ روم میں کئی روایتی کپڑے شامل ہو گئے۔ پھر بار بار میں مختلف قسم کے

تجربوں سے ماہم کا پالا پڑا تو وہ چکر اکر رہ گئی۔ جب آئینہ دیکھا تو لگا جیسے طوقانی ہارن کے بعد منظر نکھر گیا ہو۔

لب شیشے میں ایک باؤنگر پیچور لڑکی نظر آئی تھی جس کے بالوں اور ہاتھوں پر کوئی مصنوعی آرائش نہیں

تھی۔ شلواری لیس اور دوپٹا ایسا تھا جس پر لکھا نہیں جاسکتا تھا۔ چہرے پر اب بھی پہلے جیسا بھولہ پن تھا۔

واپسی پر رحمان انکل نے بھی اسے سراہا۔ فوزیہ دونوں کی مدد سٹی میں اپنی کاپی لے دیکھ رہی تھیں۔

”ڈیڈ! میں سوچ رہی ہوں ڈیڈ! بن جاؤں۔ مجھ میں آرٹسٹک سینس ہے۔ یہ کام میرے لیے بہترین ہے۔“ زینب نے کہا۔

”ماہم! آپ پڑھائی میں بہت اچھی ہو۔ آپ نے کیا کرنا ہے؟“ رحمان نے شفقت سے پوچھا۔

”میں میڈیکل فیلڈ میں ہی جانا چاہتی ہوں۔ ڈیپٹسٹ بننے کا ارادہ ہے۔ کوشش کنفلو کی کہ میرٹ

پرائڈیشن ہو جائے ورنہ میں انورڈ نہیں کر سکتی۔“

”آپ کی یہاں فیس کون دیتا ہے؟“

”ہمارا مشنری اسکول ہے۔ ان کے اسکا رشب پروگرام ہیں میں ہمیشہ سے اسکول کے فنڈز پر پڑھتی

رہی ہوں۔“ ماہم کو وضاحت میں عار محسوس نہیں ہوا۔

”آپ کا مذہب؟“ رحمان نے دانستہ حملہ لوجھورا چھوڑ دیا۔

”میں مسلمان ہوں۔ بچپن سے ہی چھٹیوں میں قرآن پور نماز کی سنتیں استانی کے پاس جایا کرتی تھی۔“

ماہم کو اپنے مذہب پر سوال اچھا نہیں لگا۔ جو لب میں رحمان صاحب نے انجی نیک کے فریم کے لوہے سے

ماہم پر ایک کڑی نگاہ ڈالی جیسے تعین کر رہے ہوں کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے یا طوائف ہے۔ پھر اسٹیکل سے بولے

کری میں دھنس گئی۔ یہاں سواہل رشتوں کا نہیں بلکہ شناسات کا تھا۔ تینے میں نظر آنے والا کس نامکمل تھا اور وہ کسی دوسرے کی نہیں اپنی خاطر صرف یہ جانتا چاہتی تھی کہ اب تک کون ہیں پر وہ اس کی معاشی بند کر رہا تھا۔

پہلے تو یہ انکشاف اس کے لیے نااہل یقین تھا کہ کوئی شخص اس کی بل بند کر رہا ہے۔ پھر یقین آیا تو جس نے اس کے اعصاب کو جکڑ لیا اور اس نے تیرہ کیا کہ وہ اس شخص سے کوئی رابطہ نہیں کرے گی۔ فائنل امتحان کے بعد اس کا نموس ارادہ ڈھیلنا پڑ گیا۔ اس نے اسکول ریکارڈ سے معلوم کیا تو کوئی نامہا کوئی تھا اس کے ہاتھ نہ لگا۔ صرف ایک بینک اکاؤنٹ نمبر تھا جس سے ماہم کی فیس لوا ہوتی تھی پھر کسی نے ماہم کے نام سے اکاؤنٹ کھلوا کر اس میں اتنی رقم جمع کروادی تھی کہ وہ بورڈنگ سے نکل کر آگے کہیں داخلہ لے سکے۔ ماہم سمجھتی رہی تھی کہ یہ اکاؤنٹ اسکول بورڈ نے اپنی آسانی کے لیے کھلوا لیا ہے جس کو ماہم خود چلا سکے۔

نہیں اب اس کی بہترین سہیلی بھی جاتے ہوئے انہیں صرف انہیں باتیں یاد ہیں جبکہ ماہم کے لیے وہاں سے جانے کا خیال ہی سوہن رہی تھا۔ پہلے وہ خود کو قیدی سمجھ کر وہاں رہتی تھی مگر پھر احساس ہوا وہ ریدروپار تو اس کے محافظ ہیں جنہوں نے دنیا کی ٹھوکروں سے اسے بچائے رکھا ہر رشتے سے بچھ کر اس کو سہارا دیا تھا اسے لیا یا گیا کہ معاشرے میں سر اٹھا کر چل سکے۔ جس دن اس نے رخت سخریا نہ تھا۔ آسمان سیاہ ہو گیا اور خوب برسنا لگا اس کو روکنا چاہتے ہوں مگر اس کو جانتا تھا سو وہ نہ رکی۔

چھٹی رات وہ تیزے کے اس بٹوے کو تھام کر بیٹھی تھی جو اس نے ہوٹل میں ایک لڑکے کی جیب سے نکالا تھا۔ اس بٹوے میں جو رقم تھی وہ اس نے خرچ کر لی تھی اب اس میں ایک اسٹوڈنٹ کارڈ تھا اور ایک جنرل اسٹور کی رسید۔ اس کو خود میں اور اس بٹوے میں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ وہ بھی اپنے اصل سے پہچان گیا تھا اور ماہم بھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ ماہم جان دار تھی اس

لے ماہم آج اس آپس میں بیٹھی تھی۔  
 ”آپ اندر جا سکتی ہیں۔“ استقبالیہ پر بیٹھی لڑکی نے ماہم کو مخاطب کیا۔  
 ”جی کہیں کیا کام ہے؟“ سوئی تو عدو الے اسر نے اوب سے پوچھا۔

”مجھے اس بینک اکاؤنٹ کے بارے میں معلومات چاہئیں۔“ ماہم نے ایک کانڈر لکھا نمبر اسر کے سامنے رکھا۔

”بینک سے معلوم ہوا ہے کہ یہ اکاؤنٹ اس کہنی کے نام تھا جو تین سال پہلے بند ہو گیا تھا۔ اس اکاؤنٹ سے کچھنے کئی سالوں سے میری فیس لوا ہوتی رہی ہے اور بند ہونے سے قبل ایک بھاری رقم میرے اکاؤنٹ منتقل کی گئی تھی۔“ ماہم نے اسکول سے حاصل کیے ہوئے کانڈ اسر کو دکھائے۔

”دراصل مالکوں کے اخراجات اور ان کے بچوں کی فیس تو کہنی اکاؤنٹ سے ہی لوا ہوتی ہے۔ یہ جو اکاؤنٹ ہے اس سے سینٹرائف کو جو مراعات ملتی ہیں ان کی ادائیگی ہوتی تھی جیسے میڈیکل وغیرہ۔“ اسر نے وضاحت کی۔

”میں صرف اس شخص کے بارے میں جانتا چاہتی ہوں جس کو مراعات کی مد میں یہ رقم لوا ہوگی۔“ ماہم نے کہا۔

”اکاؤنٹ تو بند ہو چکا ہے مگر ہمارے پاس ریکارڈ موجود رہتا ہے۔ آپ اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ میں چلی جائیں۔ میں جو نیئر اکاؤنٹنٹ کو کہہ دیتا ہوں آپ کی مدد کرے۔“

ماہم نے میز پر موجود کانڈ سمیٹے لور اسر کی بنا کی ہوئی سمت چل رٹی۔ اس کی دل کی دھڑکن بے چین ہو گئی تھی جیسے اس کی لپٹی گن رہی ہو۔ ڈپارٹمنٹ میں جو نیئر اکاؤنٹنٹ کی میز پر پہنچ کر ایک دم اس کی دھڑکن رک گئی۔ ماہم کو لگا جیسے بٹوے میں موجود اسٹوڈنٹ کارڈ کی تصویر کو اس نے اس قدر سر سوار کر لیا ہے کہ میز کے پیچھے بیٹھا جو لوں لڑکا ہوسو اس شکل کا لگ رہا ہے۔  
 ”خضر جاوید؟“ ماہم نے لڑکھرائی زبان سے صدیق



”تین سال پہلے اپنی ریٹائرمنٹ سے پہلے انہوں نے اس اکاؤنٹ سے آخری پارٹ کے اکاؤنٹ میں رقم جمع کروائی اور پھر اکاؤنٹ بند کر دیا گیا۔“ خضر نے ایک لور مینٹ پر انگلی رکھی۔

”کیا میں فن سے مل سکتی ہوں؟“ ماہم بے صبری ہو رہی تھی۔

”پہلی ریکارڈ میں ہر اوچر میں کسی اور ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی نہیں ادا کرتے ہیں۔“ خضر نے ڈرامائی انداز سے کہا۔ ماہم کی دستکزن ایک بار پھر تیز ہو گئی اور خون کی گردش سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”ان سے ملنے کے لیے کیا کرتا ہو گا؟“

”دو سال پہلے فن کی ڈیٹنٹ ہو چکی ہے۔“

ماہم ایک بار پھر بھڑکی۔ اس نے چہرہ دکھایا جیسے واوچر بڑھ رہی ہو مگر حقیقت وہ اپنے آنسو چھپا رہی تھی۔ تو بنگلہ ہی اس کا مقدر تھا۔ وہ نہ تو گریہ نہ پتھر کر اس شخص سے اپنا تصور پوچھ سکتی تھی اور نہ وہ امن تمام کر اپنا حق مانگ سکتی تھی۔ اس کی زندگی کا حقیقت مٹی تلے دفن ہو چکی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بس کچھ رسیدیں تھیں جو اس کے ہر حق کی نفی کرتی تھیں گویا پیسے رشتوں کا تالون ادا ہو گیا۔

خضر نے آہستگی سے ایک تہہ شدہ نشوونما اس کے ہاتھ پر دکھا، جہاں اس کے آنسو ٹپکے تھے اس لیے ماہم کو احساس ہوا کہ وہ کتنی کمزور دکھائی دے رہی ہے۔ اس نے لائے کے پلو سے آنکھیں خشک کیں اور بنا نظریں مائے شکر کہہ کر اٹھ گئی۔ کبھی وہ بارہندہ آنے کا ارادہ کر کے۔ مگر اگلے روز وہ وہاں پھر موجود تھی۔



خضر تقریباً دو سال سے اس آنس میں پارٹ ٹائم نوکری کر رہا تھا۔ بحالی کے ساتھ ساتھ تجربہ حاصل کرنا سوز مند بھی تھا لور تکلیف وہ بھی مگر یہ سلسلہ جلد ختم ہونے والا تھا اس کا Lums میں ایڈمیشن ہو گیا تھا اور ایم بی اے کرنے کے لیے اسے اسٹوڈنٹ نوٹ

چاہی۔

”میں میں ہی خضر ہوں، نہیں۔“ اس کو افسر کا فون موصول ہو چکا تھا۔

ماہم اب تک بے جا جھگے انداز میں اس کی صورت گھور رہی تھی۔

”اکاؤنٹ نمبر بھیجیے۔“ خضر مذہب انداز میں مخاطب ہوا۔ ماہم نے تمام کاغذات کی فائل اس کی طرف بڑھادی۔

”صرف اکاؤنٹ نمبر“ خضر نے آہستگی سے ایک کاغذ الگ کیا اور معذرت کرتے ہوئے اٹھ گیا۔

تو گویا وہ کشیدہ چیزوں کے ملنے کا دن تھا۔ شرارت میں کی ہوئی اس حرکت پر ماہم کو شدید شرمندگی ہو رہی تھی۔ انتظار کے ان لمحات میں کبھی اسٹوڈنٹ کلرڈ پر موجود اس لڑکے کا نام ’تاریخ پیدائش اس کے گرد گھومنے لگنے تو کبھی بورڈنگ اسکول میں لکھے اپنے لوجھورے کو انفس اس کا منہ چرانے لگتے۔

”آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔“ خضر تیا تو اس کی پہلی پڑی رنگت دیکھ کر گھبرا گیا۔ ہاتھ میں موجود فائل اس نے میز پر رکھی اور ڈپنسر سے ایک گلاس پانی کا بھر لایا۔

”یہ لیں۔“ ماہم گھونٹ گھونٹ کر کے پانی مٹلی میں آمارنے لگی۔

”اب آپ ستر ہیں؟“

”جی میں ٹھیک ہوں۔“ ماہم نے ایک بار پھر اپنے وجود کو اکٹھا کیا۔

خضر نے فائل کھولی۔ اس میں چار سے پانچ صفحات پر مشتمل کئی واوچرز تھے۔ اس نے ایک واوچر ماہم کے سامنے رکھا اور ایک نام پراگلی پھیری۔

”یہ اس کمپنی کے شروع کے لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اس کو پڑھتے ہوئے دیکھا۔ یہ نہیں ان کے توسط سے ادا ہوئی تھی۔“ خضر سے تپانے لگا۔ ماہم نے کئی بار اس انجان نام کو پڑھا مگر ذہن میں کوئی تخیل نہ

”یہ لب کہاں ہیں؟“ ماہم نے جھلت میں پوچھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

مل گیا تھا۔ اس لیے اس کو نوکری کی لیاؤ ضرورت نہیں رہی تھی۔ چوبیس سال کی عمر میں چالیس سال کا بننا سلسلے اس کی مجبوری تھی اور مل لگا کر توجہ سے پڑھنا اس کی خواہش۔ اس پر اس نے خواہش کو فوقیت دی تھی۔ وہ آفس لیفٹ ہانڈ کے بعد پینچا تھا اس لیے پھرلی سے کام میں لگ جاتا۔

وہ اپنی میز سے کلنی اور کھڑا ایک سینئر افسر سے بات کر رہا تھا جب اس نے وہ بپاؤں ایک دلی رنگی لڑکی کو اندر آتے دیکھا۔ لڑکی کی پشت اس کی طرف تھی اور وہ دبے پاؤں اندر تکی تھی۔ خطر کی میز کے قریب پہنچ کر وہ میز سے گر آئی۔ وہ پٹے سے چوڑھاٹے زمین کی طرف منہ کے وہ لڑکی جس تیزی سے آئی تھی اسی تیزی سے چلی گئی۔ خطر نے منظر دیکھا ہوا میز کی طرف بڑھ رہا تھا اور جس انداز سے لڑکی گئی تھی۔ اس کو خطر کبھی بھولا ہی نہیں تھا۔ وہ ڈر کر میز پر پینچا مگر اس بار کچھ چوری نہیں ہوا تھا بلکہ وہاں خطر کلر اپنا والٹ بوند رقم موجود تھا۔ خطر نے والٹ پکڑا اور اس لڑکی کے پیچھے بھاگا۔ وہ بیرونی گیٹ تک پہنچ گئی تھی۔

”ایک کیو زی مس! محترمہ بات تو نہیں۔“  
 خطر نے قریب پہنچ کر آواز لگائی۔  
 جواب میں وہ آہستگی سے ہنسی۔  
 ”سیلیب۔“ ماہم نے نظریں رخ اتے ہوئے کہا۔  
 ”آپ اسی طرح بغیر کچھ کے جا رہی تھیں۔“ خطر نے بولا لہرایا۔

”بڑے میں رقم پوری موجود ہے۔ اس لیے کہنے کی ضرورت نہیں اور اگر آپ معذرت کی توقع کر رہے ہیں تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ آپ کی اہلیت آپ تک پہنچ گئی ہے۔“ ماہم نے آکر سے کہا۔

”ان سالوں میں معیشت کتنی بدل چکی ہے۔ آپ کو اندازہ ہے ڈالر کی قیمت مارکیٹ پر آئی ہے۔“  
 خطر نے اس کے انداز کو دیکھ کر کہا۔  
 ”تو واپس کر دیں۔ ناشکرے لوگوں کو گمشدہ چیز ملنی بھی نہیں چاہیے۔“ ماہم نے استحقاق سے ہاتھ

پھیلایا۔  
 ”ناشکرے نہیں کر رہا۔ حالات واضح کر رہا ہوں۔ ویسے میں ان لوگوں میں سے ہوں جو اسی بات پر خوش ہو جاتے ہیں کہ انہیں حقیقت کا علم تو ہو گیا تھا ہے حقیقت دردناک ہی کیوں نہ ہو۔“

ماہم کو احساس ہوا کہ پچھلے روز خطر نے اسے بہت لاچار حالت میں روٹے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ کسی باجی کو خود پر ترس کھلنے نہیں دے سکتی تھی اس لیے پلٹ کر جانے لگی۔

”آپ پھر کل کی طرح بغیر کچھ کے سنے چلی جاؤں گی تو نقصان آپ کا ہوگا۔“ خطر نے بلند آواز سے کہا اس کو دوبارہ روک۔

”میں نے کسی باجی کو حق نہیں دیا کہ میری زندگی کے نفع نقصان پر بھروسہ کرے۔“ ماہم غرلگی۔

”میں وہ شخص ہوں جس کے ہونے پورے تصویر کو آپ نے اتنے عرصے سے سنبھل کر رکھا ہوا تھا۔ میں آپ کے لیے اچھی نہیں ہوں۔“ خطر نے غصے کا جواب قل سے دیا۔ ماہم نے شرمندگی سے نظر چلایا۔  
 وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ رقم خرچ کرنے کے باوجود ماہم نے بغیر مقصد بنا سنبھل کر رکھا تھا۔ قدرت کا اتفاق تھا کہ وہ دوبارہ ملے اور ماہم نے رقم واپس کر لیا۔

”ویسے میں آپ کو روک اس لیے رہا تھا کہ کل بھی آپ اور چوری بات سن کر مل گئی تھیں۔ مجھے آپ کے والد کی وفات کا انسوس سے مگر دنیا میں صرف والد کا رشتہ نہیں ہوتا۔“ خطر نے کہا۔

”میں نے آفس ریکارڈ سے ان کا ایڈریس نکالا ہے۔ ان کی بیوی ابھی تک حیات ہیں۔“

ایک بار پھر آسو ماہم کے گالوں سے نکلنے لگے معلوم نہیں اس کی زندگی میں کتنے اتار چڑھاؤ بیل تھے۔

”آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ آپ بیٹھ جائیں۔“ خطر نے لان میں بیٹھنے کی طرف اشارہ کیا۔

”میری کچھ میں نہیں آتا کہ خوش ہوں یا اوس۔ جن رشتوں نے مجھے خود سے لگ کر کے پھینک دیا تھا“



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں اب ان کے پاس ایک پارہ ہمارا ٹھکرائے جانے کے لیے کیوں جاؤں؟" ماہم نے تھوڑی دیر بعد کہا۔  
 "حقیقت چاہے جتنی کڑی ہو اس کو جانا بہتر ہونا ہے تاکہ آپ زندگی کا وہ باب بند کر کے آگے بڑھ سکیں۔" انھنے کہا۔  
 "میرا مشورہ تو یہی ہو گا کہ آپ صرف ایک بار ملاقات کر لیں اس سے جو احساس کشیدگی ہے وہ ختم ہو جائے گا اور مستقبل کی راہ متعین کرنا آسان ہو جائے گی۔" انھنے کہا۔  
 "ایڈریس کیا ہے؟" ماہم نے بے چارگی سے پوچھا۔

ساتھ چھوڑ دیا تھا۔  
 اس شخص نے غور سے ماہم کو دیکھا۔ پایاں ہاتھ برسھا کر دو انگلیوں سے اس کی آنکھوں کے نیچے ٹھین پٹیوں جیسے پھول والی چوٹ کے نشان کو پھول "بہنا؟" اس نے حیرت سے تصدیق چاہی۔  
 ماہم کچھ کہہ نہ سکی۔  
 "لہاں! دیکھو کون آیا ہے۔ اماں۔ بہنا تکی ہے۔" وہ شخص دوڑ کر اندر کی طرف بڑھا اور والدینہ اپنے کمرے گیا۔

"میں آپ کو لے چلوں؟" انھنے کو اس روٹی گھبرائی لڑکی کا فکر ہونے لگی تھی۔  
 کچھ دیر بعد وہ اس کے ساتھ ہائیک پر بیٹھی اس ایڈریس کی سمت جا رہی تھی۔ چند کلو میٹر مسافت کے بعد ہائیک ایک ایسے علاقے میں داخل ہو رہی تھی جو پچیس برس پہلے تک لاہور کا پوش علاقہ تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ اب قدرے نیا اور پرانا لگنے لگا تھا۔ انھنے کو گھر معلوم کرنے کے لیے ایک راہ گیر کی مدد لینی پڑی۔ راہ گیر نے سفید آہنی گیت کی طرف اشارہ کیا۔ ماہم اس جگہ پہنچنے کے لیے گیت کو گھومنے لگی۔  
 "بہتر کی ہے کہ میں باہر انتظار کروں۔ پہلے آپ کو اندر جانا چاہیے۔" انھنے کہا۔

ماہم بے یقینی سے یہ دیکھ کر دیکھ رہی تھی کہ بنا ایک لفظ کے اس کو کیسے پہچان لیا گیا تھا اور اس کی آمد پر خوشی کا ایسا عالم تھا کہ اسے یقین نہ آیا۔  
 "لہاں! تو تو کبھی مج میں بہنا آئی ہے۔" وہ شخص دوبار ماہم کی طرف آیا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر اندر لے آیا کمر کشادہ مگر ریلے طرز کا تھا۔ صحن میں سبز رنگ کے ساتھ ایک تخت تھا۔ دائیں طرف باورچی خانہ تھا جہاں سے ڈولی تھامے اس شخص کی بیوی نمودار ہوئی جس منظر کو ماہم یتیم خانہ سمجھتی تھی وہ درحقیقت گھر تھا۔  
 "ماہم۔ کیا سچ میں ماہم چھٹی ہے؟" سامنے کمرے سے ایک ضعیف خاتون کی آواز آئی اور اگلے ہی لمحے وہ دیوار کا سارا لیتے صحن میں آئیں۔ ماہم کو دیکھ کر ان خاتون کی آنکھیں بھر آئیں۔ ماہم کے ہاتھ پکڑ کر الٹ پلٹ کر کے دیکھا۔ جیسے پہچان رہی ہوں اور ماہم کو سینے سے لگا لیا۔

ماہم نے دیر بڑھایا تو سفید دیں یاد تکی جس میں وہ بورڈنگ آئی تھی۔ ماہم نے تھنی بجائی اور مڑ کر انھنے کو دیکھا جس نے کھی لہرا کر اسے مضبوط رہنے کو کہا۔  
 دروازے پر کھٹ پٹ ہوئی۔ کوئی اندر سے لاک کھول رہا تھا۔  
 گیت کھلا اور ایک نیلی شلوار قمیص میں لمبوس آوی نمودار ہوا۔  
 "جی فرمائیے۔ کس سے ملنا ہے؟" اس نے پوچھا۔  
 ماہم گنگ سی اس کی شکل میں کوئی شناسائی ڈھونڈنے لگی۔ اس کے پاس الفاظ نہیں تھے۔  
 "میں۔ مجھے۔" اس کے ذہن اور ذہن نے اس کا

"میری بیٹی تو کہاں تھی۔" دونوں پلٹ کر زار و قظار رونے لگیں۔ باورچی خانے کے دروازے میں کھڑی عورت سب سے زیادہ ہکا بکا تھی۔ چھ سال کی شادی میں اس نے کبھی اس لڑکی کو نہیں دیکھا تھا جس کو اس کا شوہر بہنا کہہ رہا تھا اور جس کے آتے ہی گھٹنوں کی تکلیف میں جھلا اس کی سانس جو ہاتھ روم بھی مولی پکڑ کر جاتی تھی "تقریباً" دو ڈرتے ہوئے منگھپوں سی باہر آگئی تھیں۔  
 کون تھی یہ لڑکی جس نے آنے کے بعد ایک لفظ

بھی نہیں کہا تھا اور اب ایسے مدد ہی تھی جیسے صدیوں سے چمڑے رشتوں کو پایا ہو۔



کیٹ پیٹر پر نازیہ حسن کے گلے بچ رہے تھے۔ موسیقی کی آواز میں جب فرنیچر ٹھینے کی آواز کی آمیزش ہوئی شروع ہوئی تو آوی کی نیند کا نور ٹوٹنے لگا۔ اس نے کورٹ بدل کر ٹانگ کے ساتھ والے حصے پر ہاتھ پھیرا۔ سلوٹ زون بستر خالی تھا۔ اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔ پردوں سے سلیٹی مائل روشنی آتا شروع ہوئی تھی۔ اس نے کمرے کا دروازہ کھول کر لاؤنج میں جھانکا۔

”اتنی صبح صبح کیوں جاگ گئیں؟“ آوی نے نیند سے بند ہوئی آنکھوں سے دیکھا۔ دو ہفتوں سے اسٹور لگنے والا مکان اب گھر لگنے لگا تھا۔ فرنیچر پر سے پلاسٹک آثار کرکشن رکھ دیے تھے۔ دیواروں پر لٹا دیے تھے۔ الیکٹرونکس کا سامن جگہ پر رکھا جا رہا تھا۔ ایک کونے میں اب تک خالی ڈبے، شاپر اور گتے ڈھیر کی صورت پڑے تھے۔

”تم نے یہ سب اکیلے کیوں سیٹ کیا۔ میرے اٹھنے کا انتظار کرتے تھے۔“  
 ”دراصل میں سو ہی نہیں سکی۔ گھر تزیین دینے کی بہت ایکسٹنشن تھی۔ دیکھو سب کچھ کتنا ہنک رہا ہے۔“ آوی نے خوشی سے اشارے کیا۔

”توی کو اس وقت صرف اس چمک سے غرض تھی جو لائٹس کے چہرے پر تھی۔“

”مجھے ہمیشہ سے ڈیکوریشن میں دلچسپی رہی تھی مگر آج تک کبھی آزما نہیں تھا۔ پانی زندگی کی آرائش بے سود ہوتی ہے مگر اب میرا اپنا گھر ہے میں سارے ارمان پورے کروں گی۔“

”ایک ایک کر کے ہر کونے کی سجاوٹ کر رہی تھی۔ وہ زندگی میں بہت عرصے بعد خوش تھی اور آوی کو نظر تھا کہ وہ اس کی خوشی کا باعث ہے۔“

اسے کوئی ملال نہیں تھا جب کورٹ میزج کے بعد

وہ گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے تو دونوں بے حد خاموش تھے۔ سست رفتار قدموں سے چلتے ہوئے وہ اس آواز ”ٹانا“ آوی تہدیلی کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک دم اپیش کے قدم رک گئے۔ آوی کا دل دوسروں میں گھبرا گیا۔ یقیناً ”اب وہ اس فیصلے پر تادم ہوگی اور اسے ایک نیا نام ہی سمجھ کر بھول جانے کو کہے گی۔ آوی نے آہستگی سے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اپیش جھک کر اپنے جوتوں کے نیچے ہاتھ رکھی تھی۔ آوی نے سکون کا سانس لیا اور اپنا ہاتھ بدھا کر ہس کو لٹھنے میں مدد دی۔ دونوں ایک مرتبہ پھر خاموشی سے سفر طے کرنے لگے۔ مگر اس بار دونوں نے ہاتھ نہ اٹھائے ہوئے تھے۔

”ایک بات کہوں؟“ آخر اپیش نے خاموشی توڑنے میں پہل کی۔  
 ”کہو۔“

”مجھے سمجھے ہوئے بننے کھانے ہیں کبھی کے ساتھ۔“ اپیش نے قریب کھڑی ریڑھی کی طرف اشارہ کیا اور ایک دم اس کی شوخی واپس آئی۔

”تج اتنے خاص دن پر تمہارے پاس کبھی نہیں ہے۔“ آوی نے کانٹا کی کون چلاتے ہوئے کہا۔  
 ”کچھ منظر دل پر نقش کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔“ آوی نے گاڑی کے ہونٹ سے ٹیک لگالی۔

”جب کسی یادگار دن کو بار بار دہرانے کی خواہش ہوتی ہے تو تصویر اتار لی جاتی ہے۔ او اس وقتوں میں کام آتی ہے۔“ آوی کتا ہوا قریبی دکانوں کی طرف چلا گیا اور کچھ دیر بعد ایک فونو گرافر لے کر آیا۔ جس نے پورا ڈسک گیمے سے دونوں کی تصویر آری۔ دونوں کی شکل پر لویا ہوتا جوڑے والا نور تھا۔ آوی نے تصویر اسٹوڈنٹ میں رکھ لی۔

”اب مجھے گھر چھوڑ دو۔“ آوی نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

”گھر ہم مل کر بناؤں گے مگر مجھے تمہوڑا وقت درکار ہے۔“ آوی نے کہا۔

”ساری عمر مکانوں میں رہنے کے بعد مجھے گھر کی



تمنا ہے گی۔  
ایش نے مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔



کی طرف بڑھتا ہوا آیا اور کندھے سے پکڑ کر اس کو روکنے کی کوشش کی۔ کوئی دو سراسر ٹکرائے کی تیور ہوئی مگر دونوں جہاں نے روک دیا۔  
"تو ج کے بعد اس گھر کا کوئی بھی فرد اس سے رابطہ نہیں رکھے گا ہرگز نہیں۔"

"سینہ قیصر شاہ کی رہو ایک فیروز بہ تو اور لڑکی آؤ گی کے اعتراف پر بیگم بدلتی جہاں پہلے سکتے میں آئیں۔"

تو ہی غصے سے دروازہ بند کرنا ہوا گھر سے نکل گیا۔  
ایش کی طرف بھی منظر زباہ مختلف تھیں تھا۔ قریق اتنا تھا کہ اس کے والد کو ایش کی نظر میں دیکھتی ہی نہیں تھی اور ایش کو بھی باقری کی عادت ہو چکی تھی۔  
"تم سے پورے تو بچ ہی کیا تھی۔ آخر تمہاری رگوں میں اس غلط عادت کا خون جو ہے۔ وہ بھی مجھ سے تعلق توڑ کر کسی اور سے شادی کرنے کے لیے چلی گئی تھی۔ تمہاری صورت ہی نہیں تختلرت بھی اس جیسی نکلی۔ اگر تم یہ گھر چھوڑ کر نہیں تو قسم کھاتا ہوں تمہارا انجام بھی اس جیسا ہی ہو گا۔ وہاں لو کری کر لی ہے پورے گھروں کے پارٹنر میں زندگی بسر کر رہا ہے۔

"رجا بہت علی خان کے نواسے کی بیوی سینہ قیصر شاہ کی ہو۔ وہ نہیں ہو سکتی۔" رونق جہاں اس زور سے دھاڑیں کہ ان کی آواز کی گونج کو گھر کے کونے کونے تک سنائی گئی۔ جس خاتون کی نظر اگلے کا سانس روک دیتی تھی ان کی دھاڑ سے گھر کے تمام افراد کا خون خشک ہو گیا۔ تو ہی بہت بہت کر کے ان کے سامنے آیا تھا۔ اس کو ان کے اسی رد عمل کی توقع تھی۔ وہ یہ خبر بہت آہستہ آہستہ ان تک پہنچانا چاہتا تھا مگر کورٹ میں ج کے جب وہ گھر پہنچا تو اس کی منگنی کی تاریخ رکھی جا چکی تھی اور تیاریاں زور پکڑ گئی تھیں۔ اس لیے وہ انتظار نہیں کر سکا۔

جب یہ امیر زباہ چند دنوں کی عیاشی کے بعد تمہیں چھوڑ دے گا تو تم بھی جو تیاں چنگالی پھوگی۔ تمہارے باپ کن این جی اوپر چلنے والے چیرٹی اسکولوں میں شہادتی اولاد تعلیم حاصل کرنے کو ترسے گی۔" انہریت اور گالیوں سے بھرے ہوئے یہ الفاظ خلاف توقع ایش کی آنکھوں میں آنسو لے آئے۔

"تم نے ہماری نسلوں کو داغ دار کر دیا۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ اس کی اس گھر میں کبھی کوئی جگہ نہیں بن سکتی۔ جو غلطی تم نے کی ہے اسے ہم سدھاریں گے۔ حاجی صاحب سے فوراً طلاق کے پیپر لے لیا میں۔ جب تک یہ تو ہیں ہمارے سامنے رہے گی ہمیں چین نہیں آئے گا۔" رونق جہاں نے کونے میں کھڑے لڑتے ہوئے حاجی صاحب کو حکم دیا۔  
"میں اسے طلاق نہیں دوں گا۔" آوی کشتیاں جلا کر آیا تھا۔

وہ اپنا ہاتھ سائیک اٹھا کر گھر سے باہر سڑک پر بیٹھ کر آوی کا انتظار کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد آوی آیا تو ایش کو پتالگ گیا کہ وہ بھی اس کے لیے سب چھوڑ آیا ہے۔  
شادی کے ابتدائی دنوں میں دونوں کے کئی خدشات دور ہو گئے۔ ایش کو لگتا تھا کہ وہ پیار کرنے کے قابل نہیں مگر تو ہی کی محبت اسے ہرل احساس دلاتی تھی کہ وہ کس قدر خاص ہے۔ آوی نے زندگی کو پیش آسائشوں سے مزین دیکھا تھا۔ ایک چھوٹے سے پتھر فرنیچر کے گھر میں ساونگا سے رہنا کس قدر خوشگوار ہو سکتا ہے۔ یہ ایش کے ساتھ رہ کر اسے معلوم ہوا۔ چند مہینے کسی جگہ کے انداز میں گزارے۔ وہ دن ایسے تھے کہ کئی لوگ اپنا تمام زندگیوں دے کر حاصل کرنا

"اس سے تعلق رکھنا ہے تو یہ گھر جائیداد سب سے ہاتھ دھونا رہے گا" میں تم سے قیصر شاہ کا نام تک نہیں لوں گی۔ تمہیں عاقبت کروں گی۔" غصے سے ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔  
"کاش! ہمتا کا واسطہ دیا ہوتا، مگر انہوں نے آپ کو صرف لڑکی ہی کہتی آئی ہے۔ نہیں چاہیے آپ کی دوست۔" تو ہی غصے سے اٹھا اور کرسی کو کھوڑ کر باہر

پر اپنے بھائی کا نام اور تمہیں طنز بعد کی ثابت پڑھی۔  
اجنبیوں کی طرح دعوت نامہ وصول کرنا بے حد  
تکلیف دہ تھا۔

”تم بات کی ابتدا میں میرے پاس آتے تو میں ضرور  
کوئی راستہ بتاتا۔ مصالحت کی گئی راہیں نکل سکتی  
تھیں مگر تم نے مجھ پر بھروسا نہیں کیا۔ اب یہ انا کا  
مسئلہ بھی ہے اور عزت کا سوال بھی۔ اہی کی شرط وہی  
ہے جو پہلے تھی۔“

”میں اسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑوں گا۔“ توہی  
کا لہجہ گستاخ ہو گیا۔  
”اور اس کی خاطر سب کچھ چھوڑ دینے کو کیا یہ  
قیمت بڑی نہیں؟“

”وہ میری خوشی ہے کاش! آپ لوگ سمجھتے  
توہی کا سارا جذبہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ آج  
اس کے لیے خاص دن تھا۔ اس کی سالگرہ تھی اور وہ  
ایش کے ساتھ مل کر لطف اندوز ہونا چاہتا تھا مگر بھائی  
کی آمد نے اس پر یہ حقیقت آشکار کر دی کہ وہ پھر کا  
نہیں ہے۔ اسے گھر لوڑ گھر والوں کی یادستان ہے۔ ان  
کی بعد آئی نے اس کے دل میں کہیں ایک کی پیدا کر دی  
تھی جو ایش کی بھرپور محبت چلو کر بھی نہیں کر سکتی  
تھی۔ جب وہ گھر پہنچا تو ایش گھر پر موجود تھی۔ جو ایک  
منفرد بات تھی۔ زیادہ تر توہی گھر آتا تو ایش باہر گئی ہوتی  
تھی۔ کبھی تصاویر لینے کبھی گھر کی آرائش کے کسی نئے  
مرحلے کو طے کرنے اور کبھی بیگم بچوں کی این تہی اور  
کے کام سے جس سے وہ کچھ عرصے سے فاصلہ تھی۔  
پھر کچھ دیر بعد گھر میں آئی گھر آئی توہی دیکھتے آئی کو  
دیکھ کر کہتی کہ بیگم جب تھی ہوئی باہر سے آئے تو  
میاں کو تیار ہو کر بیٹھنا چاہیے۔ توہی اس کو ہنجرے  
میں قید کر لے کے لیے نہیں لایا تھا اور اسے بھی بات  
سب سے زیادہ پسند تھی کہ اس نے شادی کے بعد اپنا  
آپ نہیں بدلا تھا۔ بھروسوں مل کر کھانا تیار کرتے اور  
سارے دن کی مصروفیات بیان کرتے۔

مگر آج کھانا بھی پہلے سے تیار تھا اور ایش نے  
خلاف عادت شلواری ٹیوش پہن کر ہلکا پھلکا میک اپ کیا

چاہیں۔ پھر فریج پر آیا جس کو ایش ترتیب دینے میں  
لگی تھی۔ اس کو خوش دیکھ کر توہی کو اپنے ٹیبل پر باز  
ہو گیا تھا۔

”چلو بس بہت کام کر لیا۔ لب تھوڑا آرام کر لو۔“  
توہی نے پوچھ کر لٹش کا ہاتھ تھا اور اسٹیلی سے اس پر  
موجود کردہ جھاڑی۔

”نہیں۔ ابھی ڈیکوریشن نہیں میٹ کرنے ہیں“  
میں نے اپنی کچھ تصویر فریم کر والی ہیں وہ لنگل  
ہیں۔“

”بھی نہیں۔“ توہی نے لڈ سے کہا اور ایش کو  
کمرے کے اندر کھینچ کر دروازہ بند کر لیا۔



انس ٹیبل پر انگلیوں سے غائبانہ پالو بجاتے  
ہوئے آوی دل میں کوئی گانا گنگنا رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے  
ٹریول ایجنٹ ہو کر گیا تھا۔ اپنی سالگرہ کا تحفہ اکرون فوش  
ہو رہا تھا۔ انٹر کام کی ٹھنسی بھی اور بیکری نے ایک نئے  
ملا تالی کی آمد کی اطلاع دی۔ توہی کی ٹھنسی انگلیاں  
رک گئیں۔

”بیچو۔“ اس نے سنجیدہ انداز میں کہا۔  
انگھے ہی لمحے اس کا بھائی کمرے میں داخل ہوا۔  
دولوں کے درمیان واضح کھچاؤ تھا مگر آوی نے اٹھ کر  
استعمال کیا۔

”کیسے ہو؟“ اس نے نشست سنبھالتے ہی پوچھا۔  
”یہ سوال تب کو چھ مہینے بعد یاد آیا“ آوی شکوہ  
کرنے سے نہیں بچو گا۔

”تھے کڑوے مت بنو۔ تمہاری حرکت پر ہمارا  
غصہ بننا تھا۔“

”مرا سنانے کے بعد غصہ جاتز نہیں۔ ویسے آپ کا  
یساں آنا آپ کو بھی مزا دلوا سکتا ہے یا ملاقاتیوں کو ملنے  
کی اجازت دے دی گئی ہے۔“ آوی آنے کی وجہ پوچھ  
رہا تھا۔

”گھر میں شادی ہے۔“ اس کے بھائی نے دعوت  
نامہ نکال کر میز پر رکھا۔ آوی نے جگمگا تا کارڈ پکڑ کر اس



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

حالت میں تم سفر کیسے کرو گی۔ میں کب سے تمہارے لیے یہ ٹرپ پلان کر رہا تھا۔ تمہارا رویہ اتنا سناٹا ہو گا مجھے ہرگز امید نہیں تھی۔

”اپنی اولاد کی خبر سن کر آپ کا رویہ اتنا ظالمانہ ہو گا مجھے بھی ایسی امید نہیں تھی۔“ انیش کو دکھ پہنچا تھا۔

”میں تمہارے اندر کے فنکار کو دیکھتا ہوں۔ میں نے تم سے کبھی توقع نہیں کی کہ گھر چھوڑنے سے پیدا کرو اور انہیں پالتے میں خود کو ضائع کر۔“ توئی نے نرم لہجے میں کہا۔

”مگر میں نے اس چیز کی خواہش کی ہے۔“  
”کیوں روایتی لڑکیوں کی طرح جذباتی ہو رہی ہو؟ میں کب کہہ رہا ہوں کہ مجھے اولاد نہیں چاہیے مگر ابھی نہیں۔“

”اب تم روایتی مردوں کی طرح ہو رہے ہو صرف اپنا سوچتے والے۔“

”میں نے اپنے بارے میں سوچنا ہوتا تو اپنی ماں کی پسند کی لڑکی سے شادی کر کے زندگی گزار رہا ہوتا مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں نے تمہارا انتخاب کیا۔ ایک مختلف زندگی کا انتخاب کیا اب تم چاہتی ہو کہ بندھنوں میں جکڑ کر وہی زندگی گزاروں جس کو میں ٹھوکر مار کر تیا ہوں تو پھر میں نے کیوں اپنے خاندان کی ناراضی مولی۔ ایسی زندگی تو وہاں بھی موجود تھی۔“

سارے دن کی دہائی ہوئی تھی سگھر آگئی۔  
”میں بھی تمہارے لیے بہت کچھ ٹھکرا کر آئی ہوں۔“ انیش کی آنکھوں میں پانی تھکنے لگا۔  
اس کے آنسو دیکھ کر آوی جھرا گیا اور اپنا لہجہ نرم کر لیا۔

”میں صرف یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ تم نہیں جانتیں محبت کرنے والے رشتوں کو چھوڑنا کس قدر کرب کا باعث ہوتا ہے۔ میرے بھائی کی شادی ہے جس میں میں شریک نہیں ہو سکتا اب یہ ضد کرنے مجھے مزید دکھی نہ کرو۔“ توئی نے اس کو کندھوں سے پکڑ کر سمجھایا۔

”میں ایک بڑا کن فیملی سے ہوں تو کیسے جان سکتی

ہو اتھا۔  
”انہیں برتھ ڈے۔“ انیش نے جھمکاتے ہوئے چہرے سے کہا۔

”صرف ساٹھ سی برتھ ڈے شوش۔“ میرا تحفہ کہاں ہے؟“ توئی اپنے بو جھل مزاج کا اثر اس خوشگوار رات پر نہیں بڑے پناہا رہتا تھا۔  
”تحفہ بھی ہے اور کیک بھی۔“

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ٹیبل کے پاس لے تلی جہاں کئی موم تیلوں میں گھرا چاکلیٹ کیک رکھا تھا۔ دونوں نے مل کر کیک کاٹا۔

”میرے پاس بھی تمہارے لیے تحفہ ہے۔“ توئی نے بیک سے ڈایر کٹ نکالیں۔ ”میری زندگی کو خاص بنانے کا شکریہ۔ یہ یورپ کے ٹور کے ڈائریکٹس ہیں۔“

”اگلے مہینے؟“ انیش نے کٹ کھول کر تاریخ پڑھی۔

”وہاں تم جی بھر کے تصاویر کھینچو۔ دنیا اہلکسا پہلور کرنا اور میں تمہیں دیکھ کر ریلیکس کروں گا۔“ آوی انیش کے چہرے پر متوجع خوشی نہ دیکھ کر حیران ہوا۔  
انیش کچھ لمحے خاموشی سے کھڑی رہی پھر قریب پڑی میڈیکل رپورٹ آوی کو تھمائی۔

”یہ میری طرف سے آپ کے لیے تحفہ۔ گڈ نیوز ہے۔“ انیش نے اس کے کندھے پر سر ٹکا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ آوی نے رپورٹ کھول کر ایک نظر بڑھی پھر میرے موجود موم تیلوں کے قریب لے جا کر اسے آگ لگا دی۔ انیش نے خوف زدہ ہو کر خود کو آوی سے دور کیا جیسے آگ اس کے وجود کو گھٹی ہو۔

”ابھی اس سب کا وقت نہیں ہے۔ ابھی ہمارے انجوائے کرنے کے دن ہیں۔ دنیا یاد رکھنی ہے۔ تمہارے اتنے خواب ہیں۔ ان سب چکروں میں بڑھنے تو چھوٹی سی عمر میں خوار ہو جائیں گے۔“ آوی نے جلتا ہوا کاغذ زمین پر پھینکا۔ انیش حیران اس کی صورت تک رہی تھی۔

”اے کم تن! مجھے ایسے مت دیکھو۔ خود سوچو اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

شاہنگ بیگ سے ایک اجلاسفید رنگ کا پچکانہ سوٹ لکھلا اور دھیرے سے توی کے ہاتھ میں تھما لیا۔ توی کے مضبوط ہاتھوں میں وہ سوٹ بے حد چھوٹا لگ رہا تھا۔

”جو چیز اتنی چھوٹی سی ہو وہ خوار کرتی ہے اور نہ ہی رکھت ہے۔“ انیش نے آہستگی سے کہا۔

”میرے ہاٹ پاپ میں محبت نہیں تھی۔ اولادین کے لیے بوجھ تھی۔ ہماری محبت اتنی کمزور نہیں ہے۔“ توی نے جواب میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے جو کچھ کہنا تھا سب بھول گیا۔

”بس مجھے تم چاہیے ہو۔ آئندہ کبھی مجھے یوں چھوڑ کر نہ جاؤ۔“ اس کے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر عہد لیا۔

”نہیں جاؤں گی، کبھی نہیں جاؤں گی۔ وعدہ کرتی ہوں۔“ انیش نے کہا۔

مگر وہ اپنا وعدہ وفا نہیں کر سکی اور اسے چھوڑ گئی۔ چند مہینوں بعد وہ ایک منجھی کی بیٹی کو جنم دے چلی گئی۔ توی نے اسے بہت منایا۔ وہ نہیں مانی۔ توی بد مذکر اپنی محبت کا واسطہ دیتا رہا مگر اس نے جنم نہیں کی۔ تم سے نہ حال توی آپریشن ٹھیکر اور نیو یورک نرسری کے درمیان کارڈور میں بیٹھا آگے کی راہ تلاش کر رہا تھا۔ وہ اس بیٹی کے پاس نہیں جانا چاہتا تھا جو انیش کے جانے کی وجہ بنی تھی۔ بہت دیر سوچنے کے بعد اس نے ایک فون ملایا۔

”ہی۔ میں توی بول رہا ہوں۔“



بیکم رونق جہاں نے جب بیٹی کو گود میں اٹھایا تو وہ خوشی سے سرشار ہو گئیں۔ وہ بیٹی ان کے لیے ایک نرانی کی مانند تھی جو اس شاہدار جیت پر انہیں ملی تھی۔ توی کی ضد بڑھ گئی تھی اور ان کی انا سرخرو ہوئی تھی۔ ان کے لیے وہ بیٹی اس بات کی نشانی تھی کہ رونق جہاں کو پہنچ کر لے لو لامنہ کے بل کر جاتا ہے یہ سوچ کر ان کے کندھوں کے ساتھ ساتھ گردن بھی مزید آگڑ

ہوں اور تمہاری خواہش پوری کر کے شاید عمر بھر نہ جان سکوں۔ البتہ میں یہ ضرور جانتی ہوں کہ جب میاں پوری کا رشتہ اپنے عروج پر پہنچتا ہے تو پوری شوہر کے وجود کا حصہ لیتے اندر رہا کر کس قدر خوش ہوتی ہے اور جب شوہر اس احساس کو رد کر دے تو اس کے پیرزوں کے نیچے سے زمین نکل جاتی ہے۔“ انیش نے آہستہ پوچھے اور پوچھتے ہوئے باہر چلی گئی۔

توی نے کھینچی ہوئی مہم تہیں کو غصے میں فرش پر پھینکا اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اسے اپنے موقف پر شرمندگی نہیں تھی۔ انیسویں صرف اس بات کا تھا کہ وہ بات سنبھال نہیں سکا۔ وہ انیش کو تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔

بہت دیر سر پکڑے وہ اوسان بھال کر مار رہا پھر اٹھ کر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا کہ شاید وہ یہیں کہیں بیٹھی ہو مگر وہ کہیں نہیں تھی۔ توی ایک بار پھر اندر آ گیا اور پہلی کے ٹھنڈے گلاس سے وین لٹھا ڈیا کیا کہ وہ آئے گی تو اسے کس انداز میں قائل کرے گا اسے یقین تھا کہ وہ مان جائے گی۔ تمام الفاظ ترتیب دے کر وہ غیر ارادی طور پر انیسویں میں دہرانے لگا۔ تین گھنٹے گزر گئے وہ نہیں آئی۔ توی کو بے چینی ہونے لگی۔ لگے دو گھنٹے اس نے اندر باہر آتے جاتے گزار دیے۔ وہ اس کی سر پھری طبیعت سے واقف تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ خود کو نقصان نہ پہنچا دے۔

”اف خدا یا! یہ کیا کر رہا۔“ توی نے ڈوڑھتوں کے ساتھ سوچا اس کی رشتوں کی بے اعتباری کو ختم کر کے ایک بار پھر نئی کا تحفہ دے دیا۔ وہ سوچتے لگا کہ وہ آئے گی تو اس سے معافی مانگے گا۔ اس کا نظریہ سنے گا مگر وہ کہاں گئی ہوگی۔ گاڑی کی چابی پکڑ کر باہر کی طرف لپکا تو انیش ہاتھ میں ایک چھوٹا سا شاہنگ بیگ لیے کھڑی تھی۔ وہ دروازے سے ہٹ گیا۔ انیش اندر آگئی اور شاہنگ بیگ میز پر رکھ کر کیک کھانے لگی۔ اسے یقیناً بہت بھوک لگی تھی جو منٹوں میں ایک پیرا سا کھڑا کھا کر گئی۔ توی نے کیک کا ایک ٹکڑا کھا کر اس کی طرف پھلایا اس نے وہ بھی کھا لیا۔ پھر انیش نے



گئی۔

"حاجی صاحب! یہ آپ کے پاس میری امانت ہے، خیال رکھنا۔" دونوں جہاں نے بھی گاڑی کی سیٹ پر رکھ دی اور گاڑی سے اتر گئیں۔ حاجی صاحب اسے اپنے گھر لے آئے۔ ان کی بیگم رکھنے نے اس کی اپنی لولہ کی طرح پرورش کی۔ ماہم تین سال کی تھی۔ تخت پر بیٹھی کھلونوں سے کھیل رہی تھی۔ سبحانہ پر آمد سے میں کپڑے استری کرنے لگی۔ تھوڑی دیر میں ان کے دونوں بچے لوہم بچاتے آئے۔ دلوں نے نئے کھلونے لیے تھے۔ ناصر کے پاس گاڑی تھی اور صابر کے پاس بے پلیڈ تھا۔ جو تھا تو لٹوئی بس ساتھ لیور لگا تھا۔ جس کی مدد سے وہاں چھوڑو تو فرش پر گر کر پھرتی سے چکرانے لگا تھا۔ ناصر محبت سے تخت پر گاڑی چلانے لگا۔ مگر ماہم بھی لطف اندوز ہو سکے۔ صابر کی بھی جس پھینکا اور اس نے لیور کا رخ ماہم کی طرف کر کے لٹو آزاد کیا۔ لٹو فرش پر گرنے کے بجائے ماہم کی آنکھ پر گر اور پھر تخت پر گر گھومنے لگا۔

اس کی بند پلوں پر کسی کی پھونک کی سرسراہٹ ہوئی۔ وہ رات دیر سے سوئی تھی۔ اس لیے پلکیں بہت دھنکی ہو رہی تھیں۔ اپنی ہتھیلیوں کی مدد سے آنکھیں مل کر اس نے دیکھا۔ سبحانہ ابا بنا آواز کچھ بڑھ کر پھونک رہی تھیں۔

"السلام علیکم۔" ماہم نے ان کی گود میں سر رکھ دیا۔ "جیتتی رہو۔ منہ ہاتھ دھو لو، میں سو کو کہہ کر تمہارا ناشتا بنوائی ہوں۔" منہ ہاتھ دھو کر ماہم گھن میں تخت پر آئی۔ صابنے گرم گرم انداز پر انہاں کے سامنے رکھ دیا۔ ماہم نے ڈنک کر ناشتا کیا پھر سبحانہ کے کمرے میں آئی۔

"لہاں! میرے باپ کا نام کیا ہے؟" نصرت کر کے ماہم نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتی، جینا! میں نے کبھی نہیں پوچھا۔ جب انسان وفاداری قبول کر لیا لیتا ہے تو نہ چاہتے ہوئے بھی کتابن جاتا ہے۔"

ماہم نے چونک کر لہاں کو دیکھا۔ ان کے لہجے سے واضح تھا کہ ان کا مقصد لٹیک نہیں تھا، تو جیسے ایک حقیقت بیان کر رہی تھیں۔

"اور وادی۔" ماہم کے الفاظ خود اس کے لیے اجنبی تھے۔

"وادی کا بی بی پہلے فوت ہو گئی تھیں۔ ان کے بعد حاجی صاحب علی زمرہ وادی سے تمہارے اخراجات دیکھتے تھے۔"

"جب میں انجان تھی تو تمہاری کلر رہے بعد تکلیف ہو تھا۔ اب جاننے کے بعد احساس ہو رہا ہے کہ اس انکشاف میں اس سے کہیں زیادہ نصرت ہے کہ میرے رشتے ہیں مگر انہوں نے مجھے ایک نیو مریکی طرز خود سے الگ کر دیا۔"

"میری بچی! خود کو کیوں طاقت کرتی ہو۔ بد قسمت ہیں وہ لوگ جو تم جیسی پیاری بچی سے محروم ہو گئے۔" لہاں نے تسلی دیتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیلا کر

ماہم نے تکلیف سے چیخا شروع کر دیا۔ سبحانہ استری چھوڑ کر آئیں اور ماہم کو اٹھالیا۔ آنکھ کے لوہے خون کا قطرہ موجود تھا۔ ماہم نے خوف سے آنکھیں پھینچ کر رکھی تھیں۔ تسلی ہوئی کہ آنکھ محفوظ ہے۔ صابر بے حد شرمندہ ہوا اور ماہم کو پیار کر کے معافی مانگی۔ ماہم کا زخم بھر گیا مگر آنکھ کے لوہے جلد پر نشان رہ گیا۔ جیسے تین پتھوں والا کوئی پھیل ہو۔

بورڈنگ جانے کے بعد ماہم کو اکثر یہ منظر یاد آتا۔ اس کا چوتھی سالگرہ بڑے اہتمام سے منائی گئی۔ پڑوسیوں کے بچے کئی تحائف لائے اور ناصر لوہے صابر نے اپنی جیب خرچ جوڑ کر اسے ایک منگلی گڑیا لے کر دی۔ سبحانہ نے کئی کپڑے لے کر دیے۔ مگر سب تحفوں پر بھاری دہہ تھنہ تھا جو ماہم کی وادی لے بھجوا دیا تھا۔

"اس کا بورڈنگ اسکول میں داخلہ کروا دیا گیا۔" لوہوں ماہم سفید دین میں بیٹھ کر بورڈنگ چلی گئی۔ جسے صابر اور ناصر صابن وادی کہہ رہے تھے۔

ماہم کی شکل پر واضح تھا کہ اس کی کڑواہٹ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

مقصود بتایا۔  
 "سیدھا جا کر بائیں جانب دو واڑے ہے۔" گارڈ نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"بیگم صاحبہ کے تین بیٹے ہیں۔ بڑے کا نام عدین شاہ ہے اس کی بیگم کا نام سستی ہے اس کے چار بچے ہیں۔"

وہاں سے گزر کر دو واڑے کے قریب پہنچی تو اس کی ساری ہمت حیرت میں بدل گئی۔ سامنے دو اور لڑکیاں ہاتھوں میں فائل تھامے بیٹھی تھیں۔ دونوں گھبراہٹی ہوئی تھیں۔ ایک کے ساتھ اس کی ماں بھی تھی جو بیگم سے پائل کی بوتل نکال کر بیٹی کو نگار رہی تھی اور حوصلہ کی تاکید کر رہی تھی۔ ماہم ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔ دو واڑے سے ایک ملازمہ نمودار ہوئی اور پولی لڑکی کو آنے کا کہا۔ کچھ دیر بعد دوسری لڑکی باہر نکلے اور دوسری بیٹھی گئی۔ ماہم نے رات بھر پار پار اپنے لفظاں سبق کی طرح دہرائے تھے کہ اسے کیا کہنا ہے۔

"دوسرے بیٹے کا نام عادل شاہ ہے۔ اس کی بیگم عالیہ مشہور سوشل ورکر ہے۔ اکثر اخباروں میں تصاویر آتی ہیں۔ غریب عورتوں کے روزگار کے لیے کام کرتی ہے۔ اس کے بھی دو بچے ہیں۔ تیسرے کا نام عبید ہے۔ وہ بہت سلیبھا ہوا اور عزت کرنے والا لڑکا تھا۔ ملک سے باہر جاتا تو حاجی صاحب کے لیے بھی تحفہ ضرور لاتا۔"

"تپ آجائیں۔" ملازمہ نے اسے اوب سے مخاطب کیا۔ کیوں کہ اس کا علیہ باقی دونوں سے کئی گنا بہتر تھا۔

"وہ بھی شادی شدہ ہیں؟"  
 "ہاں جی! اس کی بیگم نے بالکل بیگم صاحبہ کے انداز میں گھر سنبھالا ہوا ہے۔ سلیقہ رعب اور انتظام تیز ہی خوب پائے ہیں۔ اس کا نام نوشین ہے۔ اہل خاموش ہو گئیں۔"

"میرا نام ماہم لور ہے لور میں بیگم رونق جہاں اور قیصر شاہ کی پوتلی ہوں۔" ماہم نے ذہن میں بیٹا جملہ دہرایا جو اسے کہنا تھا اور اجازت لیتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئی۔ سامنے صوفے پر ایک عورت غور سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ ماہم نے جھکے سے فائل اس کے سامنے پھیل پر رکھی۔

"ان کے گھر کا ایڈریس کیا ہے؟" ماہم نے سچیدگی سے پوچھا۔



"میرا نام ماہم لور ہے۔"  
 "بیٹھ جاؤ۔" خاتون نے اس کی ہات کٹ دی اور اپنے ہاتھ میں تھامی ڈائری میں ماہم کا نام درج کر لیا۔ ماہم نے پھر بولنے کی کوشش کی مگر وہ نکل دیکھنے لگی۔  
 "تپ نے مری سے پڑھا ہے؟" حیرت میں اس کے منہ سے انگریزی اٹلی گئی۔

سیلا اپنی گٹ کے سامنے کھڑے ہو کر ماہم نے اپنا حوصلہ اس جو بلی نما گھر سے زیادہ وسیع پایا۔ آج وہ اس گھر کی دیوار میں لرزلے کے لوازمات سے آئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں فائل تھی۔ جس میں اس کی تمام دستاویز تھیں۔ اس کی بیس سلف 'چینگ انکوائٹ' نمبر اس کے تمام رزلٹ کارڈ وہ ہر بات کے لیے تیار تھی۔ اس کے انکشاف کے بعد میں ممکن تھا اسے دھکے دے کر نکال دیا جاتا مگر اسے پروا نہیں تھی۔ اس کے دل میں جو آگ لگی تھی وہ اس کی چنگاری اس گھر میں بسنے والے رشتوں کو لگانا چاہتی تھی۔ وہ بے تصور ہو کر آئی کیوں جلے اس نے گھنٹی بجائی تو ایک گارڈ نمودار ہوا۔

"کچھ کشادہ دل لوگوں کا احسن ہے ورنہ قسمت بیتم خانے میں بھی لے جاتی تو میرا کیا اختیار تھا۔"  
 "آپ کی تعلیم کئی اچھی ہے۔ اتنے بڑے لور مشہور اداروں میں پڑھتے ہوئے تپ کو جانب کی ضرورت کیسے پڑ گئی؟" خاتون نے فائل میں کاغذات دیکھ کر کہا۔

"مجھے گھر والوں سے ملنا ہے۔" ماہم نے تپ کا



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"جالب۔" ماہم نے دریافت کی۔  
 "مور میں کوئی چند گھنٹوں کی نیوٹرکی تلاش میں نہیں ہوں۔ مجھے دن بھر کا شیجر چاہیے۔ جس سے بچے نیپل، مینوزالینگوٹج اسکلوزیکہ نکلیں۔ آپ کے گھر والے اجازت دے دیں گے؟"  
 "اپنا کوئی ہو تو ہاسٹل میں دھکنے کھارہی ہوتی۔"  
 ماہم نے انجانے میں نوکری کے لیے ہائی بھرنا بھی۔  
 "تو تب انٹنٹسٹین رہی ہیں۔ ہاسٹل کی آپ کو ضرورت نہیں رہے گی۔ جہاں تک آپ کی پڑھائی کا تعلق ہے تو وہ اکو موڈیٹ ہو سکتی ہے۔ ہمارے بچے اتنے چھوٹے نہیں ہیں کہ چوبیس گھنٹے گھرانے کی جائے۔" خاتون نے قائل والیں کی۔  
 "میں یہاں اس لیے نہیں آئی۔ مجھے کسی اور گھر والے سے ملنا ہے۔"  
 "ابھی آپ کی تقرری نہیں ہوئی۔ ناوہہ بڑائی لے آؤ۔"

ماہم نے پراختتم کر کے پلیٹ رکھنا چاہی۔  
 "اب ہینڈ بھی لوٹا۔" نوشین نے اشارہ کیا۔  
 ماہم کو ہینڈ کھانے میں ہیٹ کوئی ہوتی تھی۔  
 ہفت پستری کے بے شمار بھورے پلیٹ میں کرتے تھے مگر نوشین نے عقل مندی سے ساتھ چھری بھی رکھوائی تھی۔ کیوں کہ اکثر مسلمان آوہا لینے کی خواہش ظاہر کرتے ہیں۔ ماہم نے چھری سے ہینڈ آوہا کیا پھر اس آوہے کے بھی وہ کلزے کر لے تاکہ پلیٹ میں توڑتے وقت آواز نہ ہو پھر وہ کلزے آئی پلیٹ میں ڈال کر آرام سے بیٹھ گئی نوشین کی مسکراہٹ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ماہم نے نیسٹ پاس کر لیا ہے۔  
 "میرے علاوہ علیہ بھائی کے بچے بھی آپ کی ذمہ داری ہوں گے۔ اس طرح ماہم اپنا پورا بستر لے کر اسی گھر میں آگئی۔ جہاں وہاں اس کا حق تھا۔ ہم کو احساس تھا کہ وہ بھی ایک وقتی براؤ ہے۔ اس گردش کرنے دیا میں شاید ہی اس کا کوئی مستقل ٹھکانہ ہو۔"  
 "جو گاڑی بیچ انجم کو کالج چھوڑتی سے وہی تمہیں کالج لے جائے گی۔ واپسی کے اوقات صبح ہی ایک دو گھرے سے طے کرنا کرنا مگر وہ بیان رہے تمہاری دھالی تمہارے کلم میں حائل نہ ہو۔ بچوں کے گھرے گھر کے اسی حصے میں ہیں گھر کے پائی انڈر کی ذاتیات کا خیال کرنا اپنی رو میں کو بچوں کی رو میں کے ساتھ ملالو تاکہ سبیل میزز زبان اور انداز کی بھی تربیت دے سکوں۔ اس گھر میں سولیات کی کمی نہیں اور گھر والوں کے دل میں وسعت بھی ہے مگر مجھے خارج چاہیں۔ خاص طور پر عالیہ بھائی کے بیٹے سفیان کے محلے میں۔ وہ ہمیشہ سے ہی کم گو ہے۔ اس کے لیے پہلے تین نیوٹرکے چاہئے ہیں مگر وہ ان سے بھی بہت نہیں کرتا تھا۔" نوشین نے اس بحث مسلسل بولنے کے بعد سانس لیا اور موضوع بدلا۔  
 "تین میں جا کر کالج کر لو پھر کراتر تیب دنا بچوں سے شام کو مل لینے۔"

خاتون نے ملازمہ کو آواز دی جو لوازمات سے بھی ڈال لے گئی۔ ماہم کو خاطر تواضع کی ہرگز توقع نہیں تھی مگر کچھ بھی طمان کے مطابق نہیں ہو رہا تھا۔  
 "میرا نام نوشین ہے۔ میرے تین بچے ہیں۔ سبھی۔"  
 "خاتون نے نرائی کی طرف اشارہ کیا۔  
 ماہم کو کھانے کی خواہش نہیں تھی مگر اسے گھر کے پارے میں مزید جاننے کا موقع مل رہا تھا اس لیے انکار نہیں کیا۔ ماہم نے پلیٹ نکال کر نوشین کی طرف برساتی اور چیزیں پیش کیں پھر اس نے خود پلیٹ لے کر بڑا کا کلزہ اٹھ لیا۔ اس سب کے دوران نوشین بنو ماہم کی حرکات دیکھ رہی تھی۔ اس سے ماہم کو اندازہ ہوا کہ اس خاطر کا مقصد تواضع ہرگز نہیں بلکہ یہ انٹرویو کی ایک کڑی ہے۔  
 "میری بڑی بیٹی ماہین پری کیمین ج میں ہے۔ وہ ان کی کافی تیز ہے بلکہ کچھ زیادہ ہی تیز ہے۔ اس کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ اپنی قابلیت صحیح جگہ استعمال کرے۔ پھر بیٹا ہے سوحد جو کلاس فائیو میں ہے اور ایک بیٹا سجاد ہے جو ابھی پبلی کلاس میں ہے۔"

"جی میڈم۔" ماہم تیری طرح سیدھی کھڑی تھی۔  
 "تم مجھے آئی کہہ سکتی ہو۔" نوشین پہلی بار

سکرانی۔

عاد میں کیا ہیں۔ دوست کون ہیں۔ آپ کو سب معلوم ہونا چاہیے۔ آپ بچے میں بے بس ہونے لگیں۔

”دوڑا نہ پانچ گھنٹے کی فینڈ سو کر سب کی ذمہ داری اٹھانے کے بعد بھی ایسا لگتا ہے زندگی گروی رکھ دی ہو اور اس سب محنت کے بعد انسان کی سناٹا چاہتا ہے کہ وہ کتنا لا پرواہ اور ناگوار ہے۔“ عالیہ بیگم نے سر پکڑ لیا۔

”میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ ہم ایک فیملی کی طرح رہیں۔ اپنی مصروفیت میں بچوں کا نقصان نہ کر بیٹھیں، ہم ایک کمرے میں ساتھ بھی بیٹھے ہوں تو سر نیم کے سوا کچھ یکساں نہیں لگتا۔“

”بچھلے پانچ منٹ میں تم میری کوئی بچاس برائیاں گنوا چکی ہو۔ اس سے تم نے خود ثابت کر دیا کہ میرے ساتھ وقت گزارنے سے بچوں پر کوئی مثبت اثر نہیں پڑے گا۔“ تو از رووازے کے نزدیک آ رہی تھی۔

عالیہ نے ہاتھ ایسے گھمائی کہ عالیہ بھی سٹپٹا گئیں۔

اینا کی ہر بحث ایسے ہی بھنور میں چھنس کر رہ جاتی تھی۔

”میں ملل نکلاں ہاؤس وائف کی طرح بحث نہیں کرنا چاہتی۔ آئی ایم سوہی۔ آپ جانتا چاہیں گے ٹیچر نے کیا رپورٹ دی؟“

”میں تم پر بھروسہ کرتا ہوں کہ تم سب سنبھل لوگی۔ تمہیں اس بات پر خوش ہونا چاہیے کہ میں تمہارے فیصلوں پر اعتراض نہیں کرنا اور نہ ہی مداخلت کرتا ہوں۔“

جملہ کھل کرتے کرتے عالیہ دروازے کے سامنے آ گیا اور ماہم پر نظر پڑی۔ ماہم گھبرا کر دو قدم پیچھے ہوئی۔

عالیہ کی غیبی نظر سے ماہم کو سخت غور شرمندگی کا احساس ہوا تھا۔ عالیہ جلدی سے کمرے سے باہر آئی اور احتیاط سے دروازہ بند کر دیا۔

”آپ نے خود بلایا تھا۔“ ماہم نے فوراً صفائی پیش کی۔

”ہاں۔ میں نے بلایا تھا۔“ شرمندگی عالیہ کو بھی ہوئی تھی۔ اس نے خشک آنکھوں کو ہی دگر کر لوہان بھل گئے۔



پہلے دن ماہم سر واضح کر دیا گیا تھا کہ گھر کے کون سے حصے گھر کے افراد کے زالی استعمال کے ہیں جہاں اس کا داخلہ قبول نہیں پھر بھی حسب عادت ماہم نظر پکا کر پورے گھر کا معائنہ کر چکی تھی۔ دوسرے کی ذاتیات میں مداخلت نہ کرنے کا اس نے اب تک خاص خیال رکھا تھا۔ جس روز اس سے مداخلت سرزد ہوئی تھی اس روز اسے حدود کے اندر خود بلوایا گیا تھا۔

ذکر کے بعد اسے عالیہ نے اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔ ملاقات کی وجہ بچوں کے اسکول میں ہونے والی پیرٹس ٹیچر میٹنگ تھی جس میں ماہم نہیں جاسکتی تھی۔ دستک دینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ لوہ کھلے دروازے سے عالیہ نظر آ رہی تھی جو صونے پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔

”تپ کو وہاں جانا چاہیے تھا۔“ عقاب نے سیم میں شکوہ کیا گیا تھا۔

”میں مصروف تھا۔“ عالیہ کی سرور آواز ماہم کے کانوں میں پڑی۔

”مہینے بعد وہ کھینٹے ڈالنا اس قدر مشکل نہیں ہوا۔“ عالیہ کا شکوہ برقرار تھا۔

”تم جو چلی گئی تھیں۔“ دوسری طرف سوہی میں کوئی کمی نہیں لگتی تھی۔

”آپ ان کے باپ ہیں تپ کا فرض بنتا ہے کہ آپ بھی جائیں۔“ شکوہ بڑھ رہا تھا اور احتیاط کم ہوتی جا رہی تھی۔

”اپنے فرائض مجھے معلوم ہیں۔ ملک کے بہترین اسکول میں بڑھ رہے ہیں۔ آسائش ان کے ہاتھوں کا میل ہے۔ فرائض کی نمرت نہ کھلاؤ اور نہ حقوق کی لسٹ بھی کھل جائے گی۔“ لہجے کی سوہی اچانک آگ میں تبدیل ہونے لگی تھی۔

”میں آپ کو الزام نہیں دے رہی۔ مگر بچوں کو ہم دونوں کی ضرورت ہے۔ وہ بڑے اور ہے ہیں۔ ان کی



"ہاں دراصل آج میٹنگ تھی بچوں کے اسکول میں ٹیچرز سے ملاقات ہوئی۔" عالیہ انگ کر کہہ رہی تھی۔

"رزلٹ پہلے سے بہتر ہے۔ سفیان کے ہوم ورک اور ٹیسٹ میں بہتری ہے مگر ٹیچرز کو شکایت ہے کہ وہ کم صدمہ دیتا ہے گو شش گھنٹہ میں پورے کی تکفلہ کرنے کی یہ پیکس کراؤ۔"

"جی ہنتر۔ میں کوئی موضوع دے دیا سماں کی کہ کم از کم ہوس جملے بولے وغیرہ۔"

"ہاں ٹھیک رہے گا ہمیں تھوڑی سی بہتری پر خوش ہونے میں وقت ضائع کرنے کے بجائے آگے بڑھنے کی کوشش کرنی پڑے گی۔"

"میں سمجھ رہی ہوں۔" ماہم کا ذہن لب تک چھلی صحت مند رہا تھا۔ اگر اس کی کوئی ہم عمر ہوئی تو وہ آگے بڑھ کر غم بائیں تسلی دیتی مگر مسز عادل کے سلسلے میں وہ ہمت نہیں کر سکی اور ایس میڈم کہہ کر ٹیٹ گئی۔

ماہم کے دل پر بائیں کی یادوں کی دستک ہونے لگی تھی۔ تو تمہاری تھی اس لیے جنگل کی گھاس کی طرح خود بڑھی تھی۔ اس گھر کے بچے ماہم کو خود جیسے لگے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ٹینڈک کی ایک لہر اس نے اپنے اندر اترتے محسوس کی۔



خضر لاہوری میں کتابوں میں گہرا بیٹھا تھا۔ دور گا اس باور کے پابہ ماہم زور زور سے ہاتھ ہلا رہی تھی۔ خضر کی کرسی ترچھی تھی اس لیے توجہ نہ لگتی۔ ماہم ہمت کر کے لاہوری کے اندر داخل ہوئی۔

"کارڈ دکھائیں۔" چوڑے چہرے والی لاہوری نے کہا۔

"کارڈ تو نہیں ہے۔" ماہم نے معصوم شکل بنالی۔ "کارڈ کے بغیر نہیں جاسکتیں۔" عورت نے بے زاری سے کہا۔

خضر واسطے پر بیٹھا تھا اس لیے توازن میں مناسب نہ تھا۔ ہم افسر ہو کر دروازے کی طرف چلی۔ آہستگی

سے بیک سے موبائل نکالا اور باقی بیگ زمین کی طرف پلٹ دیا۔ میڈیکل کی مینی مینی کتابیں دھڑ دھڑکی تو از کے ساتھ ایک کے بعد ایک فرش پر گر گئیں اور ہر سکون فضا میں مل چلی جی گئی۔ ہر شخص نے سر کر نکال دیا۔ کھل۔ "تفاشور کیل کر رہی ہیں۔ باہر جائیں۔" عورت غصیلے انداز میں چلائی۔ ماہم بے فکری سے کتابیں اٹھانے لگی تو خضر اس کی مدد کو آہنچا۔

"موبائل کیوں آف تھا۔ میں کب سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔" اس سے پہلے خضر تماشاہانے براعتراض کرنا ماہم نے گلہ کر ڈالا۔

"تم نے مجھے پھر بھی دھونڈ نکالا۔ ذبے نصیب۔" خضر کی شرارت ہر ملاقات کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ ماہم نے نظر ہٹا کر فوراً بات بدل دی۔

"یہ لاہوری غیر شادی شدہ ہونے کے باعث اتنی جلی جھنی رہتی ہے یا انھار کی زندگی کے مصائب نے خونخوار بنا دیا ہے؟"

"میں خواتین کے بارے میں زیادہ معلومات رکھتے کاغذی نہیں تم اپنی سناؤ۔"

"بغاوت چکھنا شروع کر دی ہے۔ جلد ہی فتح کے جھنڈے گاڑیں گی۔" وہ بات کرتے کرتے ایک بیچ پر بیٹھ گئے۔ جو درخت کے تنے کو درمیان سے آٹھا کٹ کر بٹایا گیا تھا۔ اورو گرد کئی اسٹوڈنٹ گروپ بنا کر بیٹھے تھے۔ بے فکری کا یہ عالم دیکھ کر ماہم چند لمبے خیالوں میں کھو گئی۔

"کس سوچ میں پڑ گئی ہو۔" خضر نے اس کے خیالوں کا سلسلہ توڑنے کے لیے جکی بولی۔

"کچھ خاص نہیں۔ بس ایک بے چینی ساتھ نہیں چھوڑتی۔" خضر بیٹھ خاموش ہو کر پوری توجہ سے اس بات سنتا تھا۔

"میں سمجھتی تھی اس گھر میں جا کر مجھے میرے سوانوں کے نواب مل جائیں گے، لیکن جتنی کنٹریوڈ میں ہوئی ہوں اس سے مجھے خوف آتا ہے۔ بنا سوچے سمجھے میں قدم اٹھا چلی تو احساس ہوا کہ میں کسی منزل کی طالب نہیں ہوں۔" ماہم اپنی زبان سے ادا ہوئے

اسی پر قائم تھی۔ صبح نو گھنٹے پہنچا مگر کیلا ہم کے پاس  
 اتنے طرف تھا۔  
 ”تم بہت قابل ہو تم آگے کیا کرنا چاہتے ہو۔“ ماہم  
 اس کی زندگی میں ایسی ہی کہنے لگی تھی۔  
 ”میں بس اپنی تعلیم کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں۔“ اس  
 نے اوجھڑا جواب دیا۔

”کامیابی بس لا قدم ہی لا رہ ہے۔ ایک قدم  
 یونیورسٹی سے بڑی ہی ڈگری لے کر نکلنا سزا ایک  
 شہادہ اور کنڈیشنل آفیس میں ہو گا۔“ خضر نے غور سے  
 ماہم کو دیکھا اور تعین کیا کہ اسے اپنے خواب کا حصار  
 بنانا چاہیے یا نہیں۔

”کچھ غلط کہا؟“ ماہم نے اس کی نظریں تحریر پڑھی۔  
 ”میں ایک ایسا ادا بنانا چاہتا ہوں جہاں ہنر بھی  
 ایک مضمون کی طرح بڑھایا جائے۔ اس کی پانچواں  
 کلاس ہو اور بچوں کی بنیادی اشیا فروخت کر کے بچوں کی  
 لیس کا خرچہ اور ان کا جیب خرچ بھی نکل آئے۔“  
 خضر کی بات پر ماہم کے چہرے پر رونق آئی۔

”میں نے پیسے اور بڑھائی میں بہت خواری دیکھی  
 ہے۔ دونوں چیزیں یکساں کر کے ایک ہی چھت کے نیچے  
 مٹا کرنا میرا خواب بن گیا ہے۔“ خضر کے زلوے کی  
 چٹائی لہجے میں نمایاں تھی۔

”چٹائی گاڑی جاو روئی ملازم اور ٹھنڈا آفیس بہت  
 جاو بیت رکھتے ہیں۔ کہیں تمہیں تمہارا مقصد بھلانے  
 پر مجبور نہ کر دیں۔“

”حقیقت رکھتے بھی بہت جاو بیت رکھتے ہیں۔ کہیں  
 مل جائے کے بعد کہیں مجبور نہ کر دیں کہ مجھے بھلا  
 لا۔“ بے خیالی میں خضر کے منہ سے خدشہ نکلا۔



اسکول سے واپسی پر وہ بچوں کو لے کر آفس کریم  
 پارکر رک گئی۔ ہر بچے نے اپنی پسند کی آفس کریم کون  
 میں ڈالنی اور کھانے لگے۔ ڈشٹن نے اپنی ڈیزھ اینٹ  
 کی مسجد جدا بنانے کی روایت قائم رکھی اور ایک ٹیڑھا  
 سا آؤڈوایا جس کی تیاری میں وقت ورت کار تھا۔

الفاظ کا مطلب خود بھی نہیں سمجھ پارتی تھی۔ اس نے  
 سوالیہ نظروں سے خضر کو دیکھا جیسے اسے یقین ہو کہ وہ  
 اسے سمجھا سکتا ہے۔

”ہو چیزیک طرف محبت سے زیادہ تکلیف ہے وہ  
 یک طرفہ نفرت ہے۔ محبت کے عم میں کم از کم لذت  
 تو ہوتی ہے۔ نفرت تو اس سے بھی محروم رکھتی ہے۔“  
 خضر نے وہ بے لفظوں میں سمجھایا۔

”میرے نزدیک سب سے تکلیف دہ اوجھڑی  
 سطوات ہے۔ یہ جیتنے والوں کی جلن دہنی کر دیتی  
 ہے۔“

”جو جانتی ہو وہ جان کر بے سکون ہو رہی ہو۔ اس  
 بات کی کیا تعین دہنی ہے کہ کھل حقائق جان کر تمہیں  
 سکون مل جائے گا؟“

”ایسا لگتا ہے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ سناپ  
 میڈمی کے کھیل میں ہر وہ قدم بعد ڈس کی جالی ہوں پور  
 پھر سے ابتدا پر آگزی ہوئی ہوں۔“ ماہم کا انداز غصیلا  
 ہو تا جا رہا تھا۔

”ایسا نہیں ہے سب سے بڑی حقیقت تم جانتی  
 ہو۔“

”کہا۔“ ماہم نے حیرت سے اسے دیکھا۔  
 ”یہ کہ تم ہم بچوں کی بچہ ہو۔ اسٹو شاگرد کا یہ  
 مقدس رشتہ کسی بدلنے کی جینٹ نہیں چڑھنا  
 چاہیے۔“ خضر نے نرم لہجے میں سمجھایا۔

”تم جانتے ہو میں نے یہ جاو اس نیت سے  
 نہیں کی۔“ ماہم کی خند و جمل بڑھ گئی۔

”لیکن بچے یہ نہیں جانتے۔ انہوں نے تم میں  
 ہمیشہ اپنی بچہ ہی دیکھی ہے۔ اب اس حلق کو رسوا  
 مت کرو۔ سب کچھ بھول کر ایک بار صرف اس رشتے  
 پر توجہ دو۔ ایک اچھی استاد بنو۔“

”تم اتنے لڑتے کیسے ہو؟“ ماہم کی نظریں ستائش  
 کے علاوہ کئی گہرے جذبہ بات تھے۔

”اچھے لوگوں کی صحبت میں رہتا ہوں۔“ خضر کو  
 آنکھیں پڑھنا خوب آتا تھا۔ چند لمحوں کے لیے ماہم  
 نے نظریں ہٹائیں اور گھاس کو دیکھنے لگی مگر خضر کی نظر



تھکاوٹ جسم کو ہو سکتی ہے تو ذہن بھی اس کے زیر اثر آسکتا ہے۔ سفیان ذہنی بیماری کا شکار ہے۔ "ماہم اپنی عمر سے بڑا کام کر لے جا رہی تھی۔"

"اس بیماری کو منتخب گونا گونا گونے کہتے ہیں۔ بعض بچے کچھ جگہوں پر بالکل ندرل انداز میں کھینچتے اور بولتے ہیں جیسے گھر گھر کچھ جگہوں پر لاکھ کوشش کے باوجود بول نہیں پاتے جیسے اسکول۔ یہ اسکول کے ابتدائی سالوں میں واضح ہو جاتی ہے مگر سفیان کو ہمیشہ نشان کا ساتھ میسر رہا اس لیے اس کی اوتھ میں یہ بیماری پوشیدہ رہ گئی۔" ماہم اس پر تفصیل سے تحقیق کر رہی تھی۔

"یہ شدید دباؤ کے باعث ہوتا ہے خوش قسمتی سے دماغ کا نقص نہیں اس لیے علاج ایک طرح سے ذہنی ایکسٹریکٹ کا مجموعہ ہوتا ہے۔" ماہم نے عالیہ کو پریشانی دیکھ کر مزید وضاحت کی۔

"اسے سائیکازسٹ کو دکھاتے ہیں۔" عالیہ نے کہا۔



"یہ غیر معمولی بیماری ہے اس لیے اکثر اس کو شرم سے چھٹی یا ڈھٹائی بھی سمجھا جاتا ہے اس لیے ماہم کو پورا ایک مہینہ اس کی علالت جاری رہنے پر ہی اس کی تصدیق ہوئی ہے۔" ڈاکٹر کے سر پر توڑے پل لور آنکھوں پر دگن چشمہ موجود تھا۔

"اس کی وجہ کیا ہے؟" عالیہ نے سوال کیا جبکہ ماہم ساتھ ولنی کری پر خاموشی سے بیٹھی تھی۔

"تحقیقات بہت واضح نہیں ہیں۔ کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ اکثر ماہم اور پرولہ کلیہ ہوتی ہیں جس سے بچے کی شخصیت کی مناسب نشوونما نہیں ہو پاتی اور وہ ماں پر ضرورت سے زیادہ منحصر ہونے لگتا ہے۔"

"ماہم کے معاملے میں ایسا نہیں۔ میں ایک درنگ دو من ہوں۔" عالیہ نے اس الزام سے خود کو بری کروایا۔

"آج آپ نے اسکول میں کچھ بولا؟" ماہم نے سفیان سے پوچھا۔

"میرے ہیٹ میں ایک بکسا ہے جب بھی میں بولنا چاہتا ہوں وہ بکسا زور زور سے ہلتا ہے اور سارے لفظ اس میں پھنس جاتے ہیں۔" سفیان نے مصومیت سے صفائی دی۔

"معاذ میرے یونیفارم پر آکس کریم نہ گرتا۔" سفیان نے لڑائی۔

"غلطی ہو گئی۔" معذرت کی۔

لفظی سیکھنے کے عمل کا لازمی جزو ہے جو غلطی سے گھبرا جاتا ہے وہ کبھی سیکھ نہیں پاتا۔ سفیان کا مسئلہ بھی ایسا ہی تھا۔ گفت کے ڈیرے کھیل سے ہی منہ موڑ لینا سب سے بڑی قلت تھی۔

"تو کیا ہوا۔ یہ لو میں نے بھی گرا دی۔" ماہم نے اپنے دامن پر آکس کریم کا چھینٹا کر آکر ایک نئے کھیل کا آغاز کر دیا۔ وہ سفیان کو سکھانا چاہتی تھی کہ ہر وقت اپنی کڑی جانچ نہیں کرنی چاہیے۔ گندا ہونا یا غلط ہونا زندگی کا حصہ ہے۔ اس کھیل میں ساروں کے ہی کپڑے مختلف آکس کریموں سے رنگین ہو گئے ہتے مسکراتے وہ گھر بیٹھے تو نو سین دیر ہونے پر بے چین لاؤنج میں شل رہی تھی۔ وہ کھیلے گئے ہفتوں سے اپنے شوہر کے ساتھ دو سرے شرمی ہوئی تھی۔

اچانک بچے کو ایک کنوڑے میں پکڑا تھا۔

"تاوہ نوراً" لہو ہر کہو۔ "مالکن کی آواز پر کنوڑے لڑائی ہوئی تھی۔

"بچوں کے کپڑے بدلو اور نوراً" دھو وہ نہیں داغ نہ پکے ہو جائیں۔" وہ حکم تاوہ کو دے رہی تھی مگر اپنی شعلہ بار نظریں ماہم پر مرکوز کر رکھی تھیں۔ ماہم شرمندگی سے گڑھی جا رہی تھی۔

"آرا اصل یہ سفیان کے علاج کے لیے اہم تھا۔" اس نے بہت کر کے گمہ ہی ڈالا۔

"خارج؟" شرمیلا ہے مگر خدا نخواستہ ہمار نہیں ہے یہ کس قسم کا طریقہ ہے۔"

"بیماری جسم کی نہیں ذہن کی بھی ہوتی ہے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"جی نہیں۔ میرے شوہر چاہتے تھے کہ میں کام کروں۔ ان کو گھر میں رہنے والی عورتیں پسند نہیں ہیں۔ میں نے کام شروع کیا لیکن دوسرے بچے کی وجہ سے اسے روکنا پڑا۔ میرے شوہر کی باور میںی اکثر تھراپ ہوتی تھی۔ تب تک سفیان بولنے لگا تھا میں نے سفیان کو تھین کی تھی کہ وہ کمرے کی باتیں باہر نہ کرے۔"

ڈاکٹر نے ہاتھ ہلا کر مزید بولنے سے منع کر دیا۔ اس کو اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔ یعنی یہ میں کی تاکید تھی جو اس بچے نے ٹیوٹنٹ اپنی فطرت میں شامل کر لی تھی۔

کیس مشنڈی مکمل کرنے کے ڈاکٹر نے سفیان کا تفصیلی معائنہ کیا۔

خضر لاہور واپس آیا تو ماہم سے ملنے فوراً چلا آیا تھا۔ وہ سیالکوٹ سے ایک تحفہ لایا تھا اس لیے ماہم سے ملنے میں تاخیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ گارڈ نے اسے لان میں بٹھلایا اور اندر اطلاع دی۔ خضر کرسیوں کے گرد گھومنے لگا۔ تھیلوں کا شور بلند ہوا تو خضر نے کھڑکی کے اوپر کھلے پردے سے کیک کھانے کا محدود منظر دکھا۔ عدنان شاہ کی شادی کی سائیکل پر سفیان کے کلاس میں لقمہ منانے کو یہ سبلیج ریٹ گیا جا رہا تھا۔ جس کا کریڈٹ بلا جھجک سب نے ماہم کو دے دیا تھا۔ ماہم کو سب سے پہلے کیک کھلایا گیا پھر باقیوں نے اپنی اپنی پلیٹیں تقاضا میں عدنان صاحب نے بڑھ کر ہار دیا تو خضر کو لگا جیسے ماہم نے اپنی پہچان پالی ہو۔ ماہم کی دنیا مکمل ہو چکی تھی۔ اسے اب کسی خضر راہ کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ خضر نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک لٹھلی سانس بھری۔

"ماہم! بی! آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔" ٹاور نے اطلاع دی۔ ماہم خود ہاں سے چلنا چاہتی تھی اس لیے فوراً "پاہر نکلی مگر وہیں کوئی موجود نہ تھا۔ لان خالی تھی۔ ماہم اندھیرے کو سٹول کر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ بستر پر بیٹھے شخص کو دیکھ کر

"بعض اوقات والدین میں سے کوئی ایڑھائی کا شکار ہوتا ہے۔ تب بھی بچے میں اثرات منتقل ہو جاتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ داغ کا جو پرزہ انسان کو خطرے سے آگاہ کرتا ہے وہ لڑیاہ پر جوش ہوتا ہے۔ اس لیے ہر خطرے کو نمایاں کر کے دکھانا ہے۔ اس سے بچہ فائٹ اور فلائٹ کا شکار ہو جاتا ہے اور وہ لڑنے پر روانے کو ترجیح دیتا ہے۔ تب کے بچے کو بولنے میں کوئی دشواری ہے؟" عالیہ ذہن پر زور دینے لگی۔

"Rہ نہیں بول پاتا" اس کی جگہ لہو لہا ہے، لیکن یہ کبھی کبھار ہوتا ہے۔" ماہم نے اس پار پھر سہقت لی۔

وہ یعنی اگر وہ بولنا چاہے بھی تو زبان کی یہ کمزوری اس کو شرمندہ کر دیتی ہے۔ اس لیے وہ بکسر بولنا ترک کر دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے اسکول میں دوسرے بچے اس کا مذاق بھی اڑاتے ہوں۔" ڈاکٹر کی بات پر دونوں خواتین نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ایک پار بیماری کی تصدیق ہو جائے تو فوراً علاج کی طرف بڑھنا چاہیے۔ آخری سول پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا بچپن میں سفیان نے وہ پیدا حالات دیکھے ہیں۔ کوئی معمولی صدمہ بھی پھولنے بچے کے ذہن پر بڑا اثر چھوڑ جاتا ہے۔" ڈاکٹر کے ساتھ ماہم بھی منتظر نظروں سے عالیہ کو دیکھنے لگی۔

عالیہ نے اپنی گود میں رکھے اپنے دونوں ہاتھوں کو تختی سے بھینچ لیا۔

"جانا اس لیے بھی ضروری ہے کیوں کہ یقیناً وہ خوف اب بھی اس کے اندر نمودار ہے۔" ڈاکٹر کا پیش ہی خاموشی جا چکا تھا۔

"میرے شوہر اور مجھ میں کوئی قابل ذکر ذہنی ہم آہنگی نہیں تھی مگر ابتدا میں زندگی خوش گوار تھی۔ ہمارے رشتے میں واضح اختلافات سفیان کی پیدائش پر شروع ہو گئے۔ سفیان نے بچپن میں ہی میں باپ کی تلخ کھالی یہ کبھی ہے۔"

"کیا تلخی کی وجہ سفیان خود تھا؟" ڈاکٹر نے کاغذ پر اہم نکات لکھے۔



www.paksociety.com

www.paksociety.com

ایک لمحے کے لیے ماہم کو کھٹ ہوئی۔ کچھ دیر پہلے علیہ ماہم کا شکر یہ کرنے اٹھ بار ہو گئی تھی۔ لب لباب کے مہیاں رونے کو تیار تھے۔ اسے سے وہ لگنی عمر کے لوگوں کی دلجوئی کر کے وہ تھک گئی تھی۔ اس نے دروازہ کھٹکتا کر اپنے آنے کی اطلاع دی۔

جوایا "وہ زور سے چیخی۔  
"مجھے بیایا گیا تھا کہ تمہیں کہ تم مر گئی تھیں۔ تمہاری کنڈیشن ابھی نہیں تھی۔ تم زندہ نہیں رہ سکیں۔" عادل نے اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔ امیرانہ صورت صرف اتنا ہے کہ میں نے آنکھ بند کر کے اپنی ماں پر یقین کر لیا۔ شاید وہ جانتی تھیں کہ تمہاری موجودگی میں میں لا سوری شادی کر کے تم پر سوتیلی ماں مسلط نہیں کریں گا۔"

عادل قیصر شلو نے چونک کر سر اٹھایا اور اسے دیکھتے ہوئے میکانیکی انداز میں گھڑا ہوا گیا۔ ماہم نے کواٹ سے ہوا قدم اندر پڑھائے اور عادل شاہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ اسے عادل شلو کے اس طرح مسلسل دیکھنے سے کواٹ ہو رہی تھی۔  
"توئی کام تھا آپ کو؟" ناچار ماہم کو ہی کہنا پڑا۔  
"ہاں۔۔۔۔۔" عادل شاہ تھوڑا سا آگے بڑھا تو اس نے الفاظ کے ساتھ اس کے قدم بھی لڑکھڑا گئے۔  
"ماہم۔۔۔ میں۔۔۔ تم۔" ماہم نے واضح طور پر اس کی آنکھیں بھینکتی دیکھیں اور پھر بالکل اچانک ہی عادل شاہ نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے پیچ لیا۔

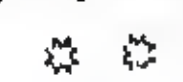
"لاش۔۔۔ مری گئی ہوئی۔" وہ ڈھیلی پڑوسی۔ اس کی سانسیں تازہ ہوا ہو رہی تھیں۔  
"ایسا نہ کہو۔ اب ایسا نہ کہو پلیز۔" عادل نے تڑپ کر کہا۔ ماہم نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔  
"خاطا ہوا۔۔۔ مت فٹان ہو انگریزوں۔ اس طرح تم کئی مشکلات سے بچ سکتی۔ یہاں رہتے تو پہل پہل اپنے وجود کی وضاحت کر لیا پڑتی۔"  
"وہ ایک ایک پہل میں نے اپنے وجود کو تلاش کرنے میں اپنی پہچان کے تعاقب میں گزارا ہے۔۔۔ وقت تو پھر بھی مجھ پر مہربان نہیں رہا۔" وہ سسٹا گئی۔

"میری بچی۔۔۔ میری ماہم۔۔۔ میری اینٹ۔"  
"نور ماہم جو اس اچانک انداز پر بوکھلا گئی تھی۔ عادل کی بات سن کر ایک لمحے کو بے ساختہ ہی ہو گئی۔ اس نے جھٹکے سے عادل شاہ کو پیچھے رکھ لیا۔ بڑستی آنکھیں لڑتے ہوئے وقت لے کر وہی کو کالی بلو قار اور رعب دار بنا دیا تھا۔ آنکھوں کے گرد بلی بلی سلو میں اور سر میں لادور سفید بلب اس کے چہرے کی بنا ہویت کو مزید بڑھا رہے تھے۔ ماہم کے اندر ایک طوفان برپا ہو گیا۔ اس نے زور منگ ٹھیل پر موجود ہر چیز فرش پر دے ماری۔ برقیوں کی بوتلیں فرش پر گر کر کچی کر پتی ہوئیں تو ذہن کو چکر دینے والی تیز خوشبو میں پورے کمرے میں پھیل گئیں۔ وہ شائف سے مولا سونیا کے تائیں زمین پر پڑنے لگی۔ اس کے پاؤں میں کچھ چب رہے تھے۔

"تم نے اپنی پہچان خود بھائی ہے۔ میرے ذمہ سب شاید یہ اتنی نہ ٹکھرائی۔" عادل رو پڑا۔ ماہم شکت نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ عادل کو اس کی نظروں میں اپنے لیے کوئی گنجائش گہلی رجم میں نظر آ رہا تھا۔  
"ایک بار میری بات سن لو۔" عادل نے لالچا سے کہا۔

"بیٹا۔۔۔ خود کو تکلیف مت دے۔ تم۔۔۔ تم میری اذیت کا اندازہ نہیں لگا سکتیں۔"  
"نہ کیا آپ میری مشکلات کا اندازہ لگا سکتے ہیں؟"

"اب ایسا کیا کہہ سکتے ہیں آپ جو میری عمر میں کا ازالہ کر دے۔" ماہم نے طنزیہ انداز میں کہا۔  
"تمہاری ماں کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔"  
"ماں؟" ماہم کو ایک اور اجنبی احساس نے گھیر لیا۔



عادل نے آہستگی سے اینٹس کے چہرے سے ہاں ہٹائے۔ اینٹس گہری نیند سو رہی تھی۔  
"صبح کی روشنی میں لوٹو گران ابھی ہوتی ہے۔"



پارے بچوں کے لئے

# قصص الانبياء



تمام انبیاء علیہ السلام کے بارے میں مشعل  
ایک ایسی خوبصورت کتاب ہے آپ  
اپنے بچوں کو پڑھانا چاہتے ہیں۔

ہر کتاب کے ساتھ حضرت محمد ﷺ  
کا شجرہ منسلک حاصل کریں۔

قیمت - 300/- روپے

پڑھو ذرا - نگارے پڑھو - شرح - 50/- روپے

پڑھو ذرا - نگارے پڑھو - شرح - 50/- روپے

مکتبہ عمر ابن ذوالنجنس

37 اور پڑھو ذرا - نگارے پڑھو - شرح - 50/- روپے 32216361

عادل نے افیش کی کہی بات دہرائی۔  
"تو تم پکڑو کیرا اور تصویر کھینچو اس تاریخی دن کی"  
جب پہلی بار تم مجھ سے پہلے بیدار ہو گئے۔" افیش نے  
کہو تبدیل کرنا آکھوں سے جواب دیا۔  
"چلو اٹھو۔ آج صبح صبح ڈراٹیو پر نکلتے ہیں۔ پہلے کی  
طرح سارا دن باہر گزاریں گے۔"  
"آج نہیں۔ تم باہر جاؤ۔" افیش نے  
ستی سے کہا۔

وہ اکثر چھٹی والے دن بنا پلان کے نکل کھڑے  
ہوتے تھے۔ ان کا بس ایک اصول تھا کہ انکار نہیں  
کریا۔ پھر جب بھکاری پیسے مانگا تو دینے والے اور کوئی  
پوسٹر کسی گھر کی تشریح کرتے ہوئے دیکھنے کو کہتا تو وہ بھی  
دیکھتے۔ اور ان سیرپانے کرتے تھے مگر اب افیش کی  
ٹینڈنٹری جس بھی اس کی طرح بے وقت اور بے ستر  
وقت آگھستی رہتی تھی۔

"ابھی سچے کی کیا جلدی تھی۔" عادل نے کوہت  
سے کہا۔

"ہاں ابھی تو تمہارے کھیلنے کوڑنے کے دن تھے۔"  
افیش نے چادر منہ پر ڈال لی۔ عادل نے سچ بدل کر  
اخبار اٹھالیا۔

عادل نے افیش کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیے  
تھے مگر وہ دل سے قائل نہیں ہوا تھا اور نئے کا فیصلہ  
جلد بازی سمجھتا تھا۔ اس نے بحث پر مزید وقت ضائع  
نہیں کیا۔ جس طرح افیش کی حالت تھی اسے پورا  
یقین تھا کہ وہ اپنا فیصلہ بدل دے گی۔ چند ہفتوں میں  
افیش کی طبیعت بہتر ہونے لگی تو وہ پھر سے پہلے والے  
معمولات پر آئی۔ کیرا لے کر نکل کھڑے ہونا اور شام  
وچھٹے گھر واپس آنا۔

"آئی! ہمارے سچے کا ذہب کیا ہو گا؟" افیش نے  
ایک شام بیچیدگی سے پوچھا۔

"ہاں گھروں میں مت بڑو۔ ابھی وقت نہیں  
ہے۔" عادل نے ٹوہ کبھی یہ بات نہیں سنی تھی۔  
وہ افیش کی تجسس کی عادت سے واقف تھا۔ اس



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ لیا۔ اس نے ایک قدم پیچھے کیا تو نرالی بوڑھی سے ٹکرا کر نیچے لڑکتے لگی۔ ایک ذرا اس غلطی کی سزا میں وہ چھت سے زمین پر پڑی رہی تھی۔

اسپتال پہنچنے تک مست خون خرابی ہو چکا تھا۔ فوراً آپریشن کر کے بچی کو زندہ نکال لیا گیا تھا مگر پری میچور ہونے کی وجہ سے انکویڈیشن میں رکھا گیا تھا۔ لائش کی حالت سمجھنے کا انتظار ہو رہا تھا تاکہ اس کی ضروری سرجری ہو سکے۔ ڈاکٹر آپریشن میں آئی کہ پاس آتے اور مشکل الفاظ میں پیچیدہ ممکنات بیان کرتے رہتے۔ وہ بونٹی بے حال نہ مری ہو رہی تھی۔ بچے کے درمیان طمنا رہا مگر دونوں میں ہی قدم رکھنے کی ہمت نہیں کر پایا۔ اگلے روز لائش کی سرجری ہو رہی تھی تو علعل یا ہر بیٹھا اپنے باپ کو یاد کر رہا تھا۔ وہ اس کے لیے دوستوں سے بڑھ کر اور بہترین استاد تھے۔ وہ اکثر بس چھینوں پر جاتے۔ علعل بھی لوجوالی میں اکثر ان کے ساتھ جاتے انکا تھا۔ وہ ان کے ساتھ جب یورپ کے ٹور پر تھا تب ان کی موت ہوئی تھی۔ انجمن شہر انجمن زبان نے علعل کے ہاتھ پاؤں بچھا لیے تھے۔ آج بھی وہ اسی طرح ہو کھلا یا ہوا تھا۔

”تلی ایم سوری۔ وہ دوران سرجری ہی چل بیٹھی۔“ ڈاکٹر نے کچھ جلی بھجائی بلت کی تھی۔ ”مجھے رشتے کیوں راس نہیں آتے۔“ علعل نے اپنے دل سے سولہ کیا۔ جس سے محبت کا رشتہ قائم کرنا ہوں۔ وہ چند قدموں بعد ہی کیوں منہ موڑ جاتا ہے۔ اس نے باپ کے جنازے کو کندھا دیا تھا تو تالیف سے تڑپ کر سوچا تھا اب دل نہیں دگائے گا مگر بھاپار بیٹھا۔ سب وہ کہاں سے لائش کو مٹی میں دفنانے کی امت لانا۔ وہ خود کو قصور وار سمجھتے لگا۔ سخت ملامت کرنے لگا جیسے اس میں کوئی خاص نقص ہو۔ جس کو چھوٹا بے مٹی کر دیتا ہے۔ وہ اسپتال میں تھا اور کسی کے پاس اس کے مرض کا علاج نہیں تھا۔ وہ لائش کے پاس گیا تو موت نے اس کا سالو لہا چروا

نے ایک دیوار لائش کو کسی مذہبی کتاب کا مطالعہ کرتے بھی دیکھا۔ یقیناً اس نے کوئی رولہ سوچ لی تھی جو دیوار پر بٹھائیں چھری۔

چند مہینے گزر گئے تو واپسی کی کوئی راہ نہ رہی اور علعل نے اپنی آنسو والی تہیوں کو قبول کر لیا تھا۔ اور اس دن اسے علعل مل دی دیکھتے ہوئے صوفے پر اٹنا سو گیا تھا۔ لائش کیمرے آئی اور تصویر اتارنے لگی۔

”یہ میرے ہاتھوں کی اتنی خوبصورت تصویر کیا کرنی ہے؟“ علعل نے جھا کر پوچھا۔ ”بچے کا روم میٹ کروں گی تو ایک دیوار آپ کی ہر طرح کی تصویروں سے بھر دوں گی تاکہ جب آپ آئیں چائیں تو وہ او اس نہ ہو۔“ لائش کن دونوں چمکنے لگی تھی۔

”وہ مری دیوار پر اگر تم اپنی تصویر لگانے کا سوچ رہی ہو تو میرا خیال ہے ایک ہی تصویر بہت ہوگی۔“ علعل نے اس کے موٹاپے پر چوٹ کی۔ ”میں اس سے دور کب جاؤں گی سنا ہے کی طرح

چھنی رہوں گی۔ سانس کی دیوار پر جہاں سوچ کی دو تہی پڑتی ہے وہیں میں طلوع آفتاب کی تصویر لگائوں گی تاکہ صبح کی پہلی روشنی کے ساتھ یہ بگے جیسے سوچ کمرے میں طلوع ہو رہا ہے۔“ لائش نے اپنا پلان بتلایا۔

اور اگلی صبح اس نے سوچ سے ریس لگائی تھی اور اس سے پہلے جانے میں کھسیا ب ہو گئی تھی۔ وہ ٹائٹ سوٹ میں ہی چھت پر چلی گئی مٹی بڑھتی بوڑھی سیٹ کر کے وہ سوچ کے طلوع ہونے کا انتظار کرتے لگی۔ سوچ کی پہلی جھلک سے پہلے ہی لائش نے تصاویر اتارنا شروع کر دی تھیں۔ ایک پرل کٹ تصویر کے انتظار میں اس نے کئی راتیں صرف کمرے میں ہی رہا تھا۔ کھڑکی سے منظر ہونے کو ٹھکانے ہوئے کیمرے اور بڑھتی بوڑھی تھیں۔ قسمت کو اس کی خوشی پر اعتراض نہیں تھا مگر وہ ایک گتہ فی گتہ تھی اس نے سوچ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھی۔ اس کا جسم ایش جیسا بے مدد بنا نہیں تھا اور اس کا رنگ سفید تھا۔ اس وقت عالیہ نے بڑھ کر دو واہ بند کر لیا اور عادل کے ساتھ اس کی حالت میں گزارا کیا۔ ایش جیسا بے مدد بنا نہیں تھا اور اس کا جسم ایش جیسا بے مدد بنا نہیں تھا اور اس کا رنگ سفید تھا۔ اس وقت عالیہ نے بڑھ کر دو واہ بند کر لیا اور عادل کے ساتھ اس کی حالت میں گزارا کیا۔ ایش جیسا بے مدد بنا نہیں تھا اور اس کا جسم ایش جیسا بے مدد بنا نہیں تھا اور اس کا رنگ سفید تھا۔ اس وقت عالیہ نے بڑھ کر دو واہ بند کر لیا اور عادل کے ساتھ اس کی حالت میں گزارا کیا۔

سفید کر دیا تھا۔ عادل کو اسے بے مدد اور سرور دیکھنے کی عادت نہیں تھی۔ اس نے اس سے ہاتھیں شروع کر دیں۔ وعدے یاد لائے اس کا کیا کہ کاش وہ بول بڑھے۔ مگر ایسا کچھ نہ ہوا تو وہ خود بھی ٹوٹ گیا۔ وہ بچی کو ایش کی موت کا تصور وار نہیں سمجھتا تھا۔ مگر اس میں اپنا فیسیری بار داؤ پر لگانے کی ہمت نہ تھی۔ اس کو لگا کہ وہ بچی سے دور ہی رہے تو بہتر ہے۔ وہ اپنی نحوست سے اس شخصے وجود کو بچانا چاہتا تھا۔ اس نے ماہم کو دور سے دیکھا تو غیروں میں جکڑی جھکتی ہوئی ٹیف سی ماہم سے اسے خوف آیا تھا۔ وہ خود کو اس قابل نہیں سمجھتا تھا کہ ایک نیا رشتہ جوڑ سکے اس لیے پلٹ آیا۔ بچی کی ذمہ داری اپنی ہاں کو دے کر وہ کچھ سالوں کے لیے باہر چلا گیا۔ پھر رونق جہاں کے انتقال کے بعد واپس آیا۔ چھوٹے بھائی کے بھی بچے ہو چکے تھے۔ جس کی شادی رونق جہاں نے آدی کے گھر چھوڑنے کے بعد نوشین سے کر دی تھی۔ اسی کا کارڈ اسے اپنی سالگرہ کے دن موصول ہوا تھا۔

شرمندگی نے اسے ہر طرف سے گھیر لیا۔ وہ یہ کیا کر بیٹھا تھا۔ چند فون کالز کیں ریکارڈ چیک کیا ماہم کے سرٹیفکیٹ دیکھے تو چند ٹکٹوں میں ثابت ہو گیا کہ ماہم اسی کا خون ہے۔ ایش کا خیال اسے شرمندہ کرنے لگا تھا۔ وہ اس کی لمات کی حفاظت نہ کر سکا تھا اور وہ سبوں کے سپرد کر دیا تھا۔ اس کا وقتی کٹار اس نے اپنا

عالیہ کا کتاب نوشین نے کیا تھا۔ وہ بہت امیر نہیں تھی مگر کھاتے مٹے گھر کی بڑھی نکلی اور سنبھلی ہوئی لڑکی تھی۔ ابتدا میں عادل نے غلطی سے سمجھا تھا مگر جلد ہی عالیہ کے ساتھ نے اسے بے یقین کر دیا۔ وہ عالیہ میں ایش تلاش کرتا رہتا تھا۔ اس نے عالیہ کو گھریلو عادات پر نوکنا شروع کر دیا۔ نتیجتاً عالیہ نے گھر سے باہر قدم نکال لیے۔ پھر وہ ایش تو نہ بن سکی مگر عالیہ بھی نہیں رہی اور دونوں کے رشتے میں مزید کھچاؤ آنے لگا۔ اس دن اسکول کی سیننگ سے آکر بہت عرصے بعد دونوں میں ٹکرا رہی ہوئی۔ عادل جان چھڑانے کے انداز میں بہت گھما رہا تھا تو اسے احساس ہوا کہ بے کار دو واہ کھلا رہ گیا تھا۔ اس نے بڑھ کر دو واہ بند کرنا چاہا تو کھڑے کھڑے ہی جم گیا۔ باہر بو کھلائی ہوئی ایش کھڑی تھی۔ ایش کی صورت ویسے ہی اس کی آنکھوں کے سامنے گزرتی رہتی تھی مگر اتنی واضح بھی نہ تھی۔ عادل نے غور کیا وہ ایش سے کچھ مختلف

**خواتین ڈائجسٹ**  
 فی نمبر 100 روپے

**سچی بات**



**شہزادہ بخاری**

قیمت 300 روپے



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

حقیقت سے بہت پہلے سے واقف تھے اب تک مصلحت کی بنا پر خاموش تھے۔ ہالی گھروالوں نے بھی ماہم کی حقیقت کو قبول کر لیا تھا۔ سب نے اپنے انداز میں ماہم کو احساس دلایا کہ وہ خوش ہیں کہ ماہم اس گھر کا حقیقی فرد ہے۔ ٹائٹے کے بعد عدنان نے اسے اپنے آفس اسٹڈی میں بلایا جو رونق جہاں سے انہیں وراثت میں ملا تھا۔ گھر کا سربراہ ہونے کے ناتے ان کا فرض تھا کہ اس تبدیلی کو قبول کریں اور ماہم کو سارا دے کر اس کی منزل تک لے جائیں۔

”ہماری تربیت میں شامل ہی نہیں تھا کہ ماں سے بحث کی جائے اور سوال پوچھنے کے حق سے ہم خود دستبردار ہو گئے۔ مجھے یہ ہی بتایا گیا تھا کہ اس ددنے میں بچی بھی نہیں بچ سکی مگر میری دلہنی اس گناہ کی صفائی نہیں جس میں میرا بھی قصور ہے۔“ ماہم نے خاموشی سے سر جھکا کر ان کی محفرت سنی۔

”اگر بڑے خطا کر کے خود کو چھوٹا ثابت کریں تو چھوٹوں کو چاہیے کہ بڑا پن دکھا کر انہیں معاف کر دیں۔ تم تو اپنا رشتہ ظاہر ہونے سے پہلے ہی اس گھر کا فرد بن چکی ہو۔ اب میری بات ہے کہ خود کو کبھی اجنبی نہ سمجھنا۔ تمہارا حق اور ہمارے فرائض ابھی بہت زیادہ ہیں۔ ہمیں غیر سمجھ کر تکلیف نہ دینا۔“ انہوں نے شفقت سے اس کا سر سسایا اور اسے باقاعدہ اس گھر کا فرد تسلیم کیا۔

ماہم سسلا کر ہکا سا مسکرائی اور لاؤنج کی طرف چل دی۔ ایک بو تھیل بین اب بھی اس کے ساتھ تھا۔ سفلیت کی نظر اتنی زیادہ تھی کہ منزل پانے کی راحت ابھی تک محسوس نہیں کپائی تھی۔

”لی لی جی! آپ کا خط آیا ہے۔“ ٹاورہ نے ایک ہرنگ لفافہ ماہم کو تھمایا جس پر اس کے نام کے سونچے درج نہیں تھا۔ گویا کتنے دنوں اور روزوں سے پر چھوڑ کر گیا تھا۔ اس نے خط کھولا۔

”ماہم! تجھیلی ملاقات کے بعد میں روز میں سوچتا تھا کہ اب طوکی تو کن الفاظ میں تمہیں اپنے جذبات کے بارے

آپ تبدیل کر کے کیل۔ وہ گھر میں وقت دینے لگا تھا۔ سفیان کی حالت میں سدھار لانے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ عالیہ کو طے سے سپورٹ کر رہا تھا کہ اپنی این۔ٹی اور کی مصروفیات ترک کر کے گھر کی طرف توجہ دے ساتھ ساتھ وہ بہت جمع کر رہا تھا کہ ماہم کو حقیقت بتائے۔ اس نے عدنان بھائی سے بات کر لی تھی۔ وہ ماہم کو تحفظ دیں گے۔ اس گھر میں اسے بچی جیسی رحمت بن کر آنا تھا۔ اب وہاں اس گھر کی عزت بن کر رہے گی عدنان کی بیوی کی حیثیت سے۔



”میں جانتی تھی کہ آپ کی ایک پہلی بیوی بھی تھی اور نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے اس کے وجود کو بیٹھ اپنے درمیان محسوس کیا ہے۔ مجھے اس پر ایک ہی سبقت حاصل تھی کہ میں آپ کے بچوں کی ماں ہوں مگر وہ اس میں بھی مجھ سے باڑی لے گئی۔“ عالیہ نے چہرہ اپنے ہاتھوں میں چھپایا۔

عادل آہستگی سے اس کے پاس آ بیٹھا اور اس کے کندھے پر بازو رکھ دیا۔ عالیہ نے اپنا سر عادل کے کندھے پر ٹکا دیا۔ پہلے کبھی عدنان نے اسے یوں تسلی نہیں دی تھی۔ عالیہ کے خدشے سمیٹے گئے اس نے آنسو پونچھ کر دیکھا تو احساس ہوا کہ عدنان کی گردن معمول سے زیادہ جھکی ہوئی تھی۔

”وہ آپ کو معاف کر دے گی۔ ہم انتہا مل کر سنا میں گے۔“ عالیہ نے اس کے دل کا حال پڑھا۔ ”تم میرا ساتھ دو گی۔“ عادل نے پہلی بار اس سے اس کا ساتھ مانگا تھا۔ وہ خوشی سے سرشار کیسے نہ ہوں۔



وہ صبح اٹھی تو گھر میں طوفان کے بعد کی خاموشی تھی۔ رات جب ماہم پر انگشٹ ہو رہے تھے تو باہر والی گھروالوں پر بھی حیرت انگیز معلومات کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ سب نے اپنے اپنے ذہن کے مطابق معاملے کو کچھ نہ کچھ سمجھ لیا تھا۔ عدنان شہلا اور سلمیٰ بیگم تو تمام

”کیا؟“



خضر کیسپس کے ایک ویران سے جسے میں ٹوہنی  
 نیچی نشین پر بیٹھا تھا جب ماہم اسے اچھوڑتے ہوئے  
 چلی۔ خضر اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ قدم پڑھاتے ہوئے  
 ماہم کو ٹھوکر لگی۔ اسے گرنے سے بچانے کے لیے  
 خضر نے بڑھ کر اسے تھام لیا۔ ماہم خضر کے کار کا سہارا  
 لے کر سنبھل گئی اور وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔

”سب کو حقیقت بتا لگ گئی؟“ خضر نے ماہم کے  
 چہرے سے اندازہ لگایا۔ ماہم نے اذیت میں سر ہلایا اور  
 عادل شاہ کے انکشافات کا خلاصہ کیا۔  
 ”پر ابھی وقت لگے گا۔“ ماہم نے تم صدم انداز میں  
 کہا۔

”تم نے اپنے قادر کو معاف کر دیا؟“ خضر نے تیرھا  
 سوال کیا۔

”معاف؟“ ماہم نے اپنے اندر سوال۔ ”سب کچھ  
 ایسے ہی ہوتا تھا اور ایسے ہی ہونا چاہیے تھا۔ میں زندگی  
 سے چاہ کر بھی شکوہ نہیں کر پارہی۔ سب بات کا گلہ  
 کہنا۔ سسڑ کر لیں، سسڑ مارا جیسے گلے تو گوں کو  
 جاننے کا یا شیر میں ہادیہ، زہنہب جیسی سیلیوں کا؟“  
 ماہم کی آنکھوں کے سامنے کئی چہرے آئے۔

”مشکلات تھیں۔ بہت زیادہ تھیں۔ عمر و کس  
 کی زندگی میں نہیں ہو تھی۔ اگر میں اسی گھر میں رہ کر  
 پرورش پالی تو ہر لمحے اپنے وجود کو منوانے کی جنگ ہوتی،  
 پھر بھی شاید ہی اتنی خود اعتماد ہوتی۔ قسمت نے مجھ  
 سے وہ جدوجہد لے کر ایسے وقت میں اس گھر بھیجا،  
 جب اس کے بچپن مجھے اپنانے کی آرزو میں کچھ بھی  
 کرنے کو تیار ہیں۔“

خضر نے سسڑا کر ماہم کو دیکھا جو چند مہینوں میں  
 کتنی بدل گئی تھی۔ اب اگر تھانہ ہی خدا ان کی جگہ  
 سلجھاؤ اور شکرگزاری آگئی تھی۔

”اب بوسنے کی باری تمہاری ہے۔“ ماہم نے کہا۔  
 ”کیا کہوں؟“

میں بتاؤں گا۔ میری تڑپ اتنی بڑھی کہ پچھلی رات ہر  
 مصلحت اور فائدہ بھلا کر تم سے ملنے چلا آیا۔ تمہیں  
 دیکھا تو بچپن میں سنی شہزادیوں کی کہانی سچ لگتی تھی۔ تم  
 گلہوں کی شہزادی لگتی تھیں جو کچھ عرصے کے لیے بھنگ  
 مگنی تھیں۔ تمہیں تمہاری منزل پر دیکھ کر میں دل سے  
 بہت خوش اور مطمئن ہوں۔ اپنے احساسات کو  
 منتظروں میں ڈھال کر تمہیں مشکل میں نہیں ڈالنا  
 چاہتا۔

میرا ساتھ و بہت بہت شوار ہو گا۔ تم میرے ارادوں  
 سے واقف ہو اور یہ بھی جانتی ہو کہ اس کو پاپہ تکمیل  
 تک پہنچانے کے لیے مجھے اپنی رگوں سے مل جل کائے  
 خشنے ہوں گے۔ میں تمہارے ساتھ کی خواہش کر کے  
 تمہیں منزل پالینے کے بعد پھر سے سفر کی اذیت سے  
 دوچار نہیں کرنا چاہتا۔ اس لیے خود ہی تمہاری برادری  
 ہٹ رہا ہوں۔ جب بھی کبھی راستے میں اندھیرا  
 محسوس ہو تو اس خضر کا کو یاد کر لیتا، جو کبھی زندگی کی  
 مسافت میں دو قدم تمہارے ساتھ چلا تھا۔  
 دعا گو خضر۔“

ماہم مزید بوجھل ہو گئی۔ عالیہ اور عادل ماہم کے  
 پاس آئے۔ عالیہ تو آتے ہی اس سے پٹ لگی۔ وہ ماہم  
 کو چپنہ کیسے کر سکتی تھی۔ جس نے چند دن میں اس  
 کی سائوں سے اب بھی زندگی سنوار دی تھی۔ اس کے  
 لیے تو اعزاز تھا کہ سونے کی ہیرا کی ہاں تو ہے۔  
 ”ہم دونوں قدم بڑھائیں گے تو رفتہ رفتہ اپنے سچ کی  
 یہ داریاں پار کر لیں گے۔“ عادل نے تحفظ بھرا ہاتھ  
 ماہم کے کندھے پر رکھا۔

”میری کوشش ہوگی کہ تمہارے ہر ایک قدم کے  
 جواب میں میں دس قدم دوڑ کر تم تک پہنچوں۔ ہماری  
 زندگیوں نے میرے لہلہے کی بدولت کیا کچھ کھویا ہے۔  
 ہم یہ تب تک نہیں جانا سکیں گے جب تک دل سے  
 اس رشتے کے ہر نقلے کو نہیں بھامیں گے۔ پھر بھی  
 تمہیں اختیار ہے، چاہے تو مجھے سزا سنائو۔“

”میرا ہر فیصلہ اب تک میرے ہاتھ میں تھا مگر اب  
 میں تم کو ایک اختیار دونا چاہتی ہوں۔“ ماہم نے کہا۔



کر خدمت خلق میں اپنی ایسی چھاپ چھوڑیں گے جس کی ہزار محنت رہتی دنیا تک سالی ہوے گی۔" حضرت نے فخر سے اس معصوم لڑکی کو دیکھا جو غالباً اس کے ساروں کے صبر کا انعام تھی۔

"اب تم کو جو کہنا تھا۔" ماہم نے ایک بار پھر تقاضا کیا۔

"میں نے امی سے تمہارا ذکر کیا تھا۔"

"پھر۔" ماہم بڑھی گئی۔

"انہوں نے تمہارے لیے تحفہ بھیجا تھا۔" فخر نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ جب ایک بار پھر خالی تھی۔ وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی جیبیں پٹو لے لگا۔

"میرے پاس ہے۔" ماہم نے اپنی منگھی کھولی۔ اس کی ہتھیلی پر انگوٹھی بڑی تھی جو اس نے سارا لے کر اٹھتے ہوئے اس کی فرنیٹ پائٹ سے نکل لی تھی۔

"یہ امی کی سب سے پسندیدہ انگوٹھی ہے جو ان کی نالی نے ان کو دی تھی۔"

ماہم کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کیا وہ اتنی خوش قسمت ہو سکتی تھی۔ ساروں پہلے ایک باپ نے اسے بناوٹ کیے ٹھکرا دیا تھا اور آج ایک ماں نے صرف اس کا نام سن کر اپنی سب سے قیمتی چیز اس کے حوالے کر دی تھی۔

"یہ میں اپنے گھر والوں کے سامنے پہنوں گی۔ میں نے بھی پایا کہ تمہارے بارے میں بتا دیا ہے۔" ماہم کے منہ سے لفظ پایا نکلتا خوش آئند تھا۔ حضرت نے انگوٹھی لمانا دہاوا نکالی۔

"ویسے بھی تمہارا ایک ہارڈن ایریا ز کا ٹرپ مجھ پر اوجھار ہے۔" ماہم نے مسکرا کر کہا۔

"وہاں جا کر تمہیں بتاؤں گا۔ جو میں نے خط میں لکھنے سے معذرت کر لی تھی۔" حضرت نے شرارت سے کہا اور دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔



"ہوی جو خط میں نہیں لکھا تھا۔" ماہم نے ہمت کر کے کہا۔

"نہ لکھنے کی وجہ روج تھی۔" حضرت نے نظریں چرائیں۔

"میں غلوں کی شہزادی نہیں ہوں حضرت! میں بھول کے پاس مٹی میں مسکن بنانا چاہتی ہوں۔" ماہم نے کہا۔

"خواہش تو ہے کہ تمہارے لیے محل کھرا کر سکوں۔ مگر میں جانتا ہوں۔ مجھ سے یہ نہیں ہوگا۔ سکتا رہتا ہے تو میں ایک محل پر سو اسکولوں کو ترجیح دوں گا۔ میں تعلیم کا مقروض ہوں مجھے اس کا حق لودا کرنے سے نہ روکو۔" حضرت جانتا تھا وہ ماہم کی بات رد نہیں کپائے گا۔

"مجھے تمہارے ارادے کی ہمت قدر ہے۔ میں اس میں تمہارا ساتھ دینا چاہتی ہوں۔"

"اتنے سال سفر کر کے تم نے اب جا کر ایک مستقل ٹھکانہ پایا ہے۔ میرا ساتھ تمہیں پھر سے بھٹکا کر سفر میں بٹکا کر دے گا۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں میں سہولیات سے عاری زندگی گزار کر ہی یہاں وسائل کی بنیاد رکھنا ممکن ہوگا۔ جذباتی ہو کر فیصلہ مت کرو۔"

ماہم تڑپا تھی۔

"مجھے مستقل ٹھکانہ نہیں چاہیے۔ صبح سے جو ہو محل بن میں محسوس کر رہی ہوں وہ اس بات کی ہی نشاندہی کر رہا ہے کہ میری زندگی میں کسی مستقل ٹھکانے کی نہیں تھی۔" ایک مستقل ہم سفر کی کمی تھی۔ جو وہ کبھی میں میرے ہم راہ رہے۔ جس کو بریشلی میں آواز دے سکوں اور کبھی میں خوشیاں بانٹ سکوں۔ سفر کی تو ویسے بھی مجھے عادت ہو گئی ہے۔ لگتا ہے گھر گئی تو ختم ہو جاؤں گی۔ ہر انسان جب تک زندہ ہے سفر میں بٹکا رہتا ہے۔ اکثر اونچائی کی سمت سفر کرتے ہیں۔ جس میں تھکاوٹ زیادہ ہوتی ہے اور منہ کے بل کرنے کا خطرہ رہتا ہے۔ میں سامنے کی طرف سفر کو ترجیح دیتی ہوں جس میں اپنا راستہ بناتے ہوئے وہ سروں کے لیے بھی راہیں کھول سکوں۔ ہم ساتھ مل

### بولٹ

اور نہ ہی بعد میں ملتان کا چکر لگاسکا تھا۔  
 داد سے جب بھی بات ہوتی 'وہ ملتان' نے کے  
 لیے اصرار کرتی اور وہ انہیں لاہور بلانے کے لیے  
 ابھی کچھلے بیٹھے ہی اس کے اصرار کے جواب میں  
 انہوں نے کہا تھا۔

نیلگوں آسمان پر بادل دھکی ہوئی روٹی کی طرح  
 جا بجا بکھرے تھے۔ ان سے ملنے کے لیے دو دو سے  
 سیاحی ماٹل ہالوں کے قافلے لڈے چلے آ رہے تھے۔  
 منہ جیسے ہی ملتان اور پورٹ کی عمارت سے باہر نکلا  
 مست ہوا کے خوش گواری بھونکنے نے آگے بڑھ کر  
 استقبال کیا سفر کی ساری کلفت دور ہو گئی۔

"بیٹا اب ان بوڑھی بوڑھیوں میں اتنا دم نہیں کہ سفر  
 کر سکیں اب تو بس لوہرواٹے کے بارے کا انتظار  
 ہے۔ ایسا کرو تو آجائے دیکھ کر میری آنکھیں ٹھنڈی  
 ہو جائیں گی۔" دادا کے جواب نے اس کے دل کو جیسے  
 مٹھی میں لے لیا تھا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ اڑ کر

وہ جو ملتان آتے ہوئے یہاں کی گرمی سے دل ہی  
 دل میں خائف تھا 'بولوں کی مھاؤں سے  
 لالہ کھیلنا کرتے پھول پھول کو دیکھ کر یوں  
 ٹر سکون ہو گیا جیسے لب سدا کی موسم بھرا ہے گل  
 ٹیلی والے کو نعمت منزل کا پتا بتا کر وہ اطمینان سے

### رشتہ خاں

# مجھ سے ملنے والی بولٹ

ان کے پاس پہنچ جائے۔  
 لٹا تھا "انہی دنوں اس کی کہنی نے اسلام آباد اور  
 ملتان میں دو پروجیکٹ شروع کیے تھے۔ ان میں سے  
 ایک پروجیکٹ سے جو آئیں کرنا تھا۔ اس کی برائے لی گئی  
 تو اس نے بااٹل ملتان والے پروجیکٹ میں شمولیت  
 کی خواہش ظاہر کر دی۔ یوں ایک بیٹھے بعد ہی وہ ملتان  
 میں تھا پورے چھ ماہ کے لیے۔ آئے ہوئے مہمان  
 پر ہی عجیب ذمہ داری اس کے کندھوں پر ڈال دی تھی۔  
 کل رات ہی تو وہ سونے سے پہلے اس کے کمرے میں  
 تکی تھیں۔

کچیل سیٹ پر جم گیا۔  
 بہت عرصے بعد وہ یہاں آیا تھا۔ اسے انہی طرح  
 یاد تھا آخری بار وہ دارا جی کی وفات پر گیا تھا پھر اپنے  
 بیہیلیوں میں ایسا الجھا کر فرصت پایا ہو گئی۔ ہاں نما  
 پایا ہر سال باقاعدگی سے یہاں آیا کرتے تھے۔ اس کے  
 صدا با اصرار پر داد بھی ہنسنے دو بیٹھے لاہور گزار جاتی  
 تھیں۔ مگر کچھلے تین سال اس نے ہاڑ اسٹیڈیز کے  
 سلسلے میں خلک سے باہر گزارے تھے۔

"منہ! میں اور تمہارے پاپا آج کچن سنبھالنے سے  
 تمہاری شادی کا سوچ رہے ہیں، اگر تمہیں کوئی لڑکی  
 پسند ہے تو بتاؤ۔" انہوں نے آتے ہی بہت سنبھالی

پاکستان واپس آنے پر لوہو پورا مہینہ اس کے ساتھ  
 گزار کر گئی تھیں۔ وہ تو اسے بھی ساتھ لے جانا چاہتی  
 تھیں مگر وہ بھی کچھ وقت وہیں میں گزارے مگر  
 اسے فوراً "جواب مل گئی تھی۔ معصومیت اتنی زیادہ ہوئی  
 کہ وہ چاہنے کے باوجود بھی نہ ان کے ساتھ جاسکا تھا



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM





پورے کرنے پڑتے ہیں۔" وہ بے ساختہ بولا اور وہ ہنس دیں۔

"خدا اور اللہ میرا کان تو چھوٹے بے لورٹ ایک کان والے لڑکے سے چار تو کیا ایک لڑکی بھی شاذی کرنا پسند نہیں کرے گی۔" اس کے دلہن نے پروردہ اس کے سر پر چپت لگا کر مسکراتے ہوئے چلی گئیں مگر تینوں میں سے ایک کے انتخاب کی "بھاری" ذمہ داری اس پر ڈال گئی تھیں۔



جیسی "دلہنت منزل" کے سامنے جنگل سے رکی آواہ سوچوں کو جھٹک کر طویل سانس خارج کرنا سیاہ بیگ کندھے پر ڈال کر باہر نکلا۔ ہلکی ہلکی بارش شروع ہو چکی تھی۔ ملتان کے مضافات میں جدید طرز کے مکانوں کے درمیان قدیم طرز تعمیر کی یہ حویلی بڑی شان اور وقار سے کھڑی تھی۔ منقش لکڑی کا بھاری پر دروازہ نیم دا تھا۔ دستک اول یا اندر چلاؤں بھونک بھونک کھٹکاش کے بعد اس کے باؤں خود بخود ہی آگے بڑھ گئے۔

ڈیوڑھی سے گزر کر وہ سرخ لہنگوں والے دو چھلے کھڑے صحن میں داخل ہوا، جس کے دائیں بائیں اور سامنے نیم دائرے کی صورت میں پر آہ تھا۔ جس میں ڈھیروں کمروں کے دروازے کھلتے تھے۔ ستون اور

دروازوں، بیلوں سے ڈھکی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں ڈھیروں سکون آتا تھا اس گھر کی جو تصویر اس کے تصور میں تھی، سبھی سامنے ہو ہو رہی تھی۔ منظر تھا۔ بس گھرا سکیم تبدیل ہو چکی تھی۔

پورے گھر میں خاموشی کا راج تھا۔ وہ سر پر اتروہنے کے چکر میں اظہارِ غم سے کربھی نہیں آیا تھا۔ اور ہر اوہر گردن گھما گھما کر کسی ڈیڑھی کو تلاشتے ہوئے اس کی نظریں ہیر کے درخت تلے رکھے داؤد کے تخت پر سے ہوتیں پر تالے سے گرتے پانی کا پتچا کرتے اوپر کو اٹھیں اور ٹھنک گئیں۔

تھیں پر ہنر سوٹ میں بلوس ہلی کھولے تک سبک

سے پوچھا تھا۔

"مما! جہاں تک میری پسند کا سوال ہے تو مسئلہ یہ ہے کہ مجھے ایک نہیں دو لڑکیاں پسند ہیں۔" اس نے بھی بان ہی کی طرح حمت سنجیدی سے جواب دیا۔

"کون ہیں وہ لڑکیاں۔" "تیکھے تیوڑوں سے دریافت کیا گیا۔" ایمان علی اور ایما واٹسن "تمہو نے انتہائی معصومیت سے جواب دیا۔

"انتہائی بھونڈا مذاق ہے۔" اس کی شرارت پر وہ اسے مسکراہٹ سے پائے گھورنے لگیں۔

"لو ہو ممما! آپ پہلے بھی مجھ سے کئی بار پوچھ چکی ہیں اور میں آپ کو پتہ چکا ہوں مجھے کوئی لڑکی پسند نہیں پھر یہ بار بار پوچھنے کا مقصد؟" وہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

"بیٹا! ہم نہیں چاہتے تمہارے ساتھ کوئی ذمہ داری ہو۔ شادی زندگی بھر کا بندھن ہے۔ اس بندھن کی پائیداری کے لیے تمہاری خوشی اور رضامندی کا شامل ہونا بے حد ضروری ہے۔" وہ پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں چلائے لگیں۔

"لو۔ اصل بات تو میں کرنا ہی بھول گئی جس کے لیے آئی تھی۔ اگر تم کہیں باہر انٹرنیٹڈ نہیں ہو تو میری اور تمہارے پاپا کی خواہش ہے کہ تمہاری شادی

خانہ لہن میں ہی ہو۔ تمہارے تمہاریاں میں تو کوئی لڑکی تمہارے جوڑکی نہیں۔ مگر وہ جہاں میں تمہارے تپا کی جی ٹیک پھونکے پتھار کی خوش لور پھپھو کی دستک ہیں اور۔"

"یعنی آپ اپنے اکلوتے بیٹے کی تین تین شادیاں کرنا چاہتی ہیں تاکہ اپنے ارمان پورے کر سکیں۔ قضا سبک۔ پھر تو مجھے ایما واٹسن کے لیے بھی اپنے نرم گرم جذبات بچا کر رکھنے چاہیں آخر کو چار شادیوں کی اجازت ہے۔" وہ ان کی بات کاٹ کر شوخی سے بولا۔ انہوں نے بھی اس کا کان پکڑنے میں دیر نہیں کی۔

"اچی حمت تو تمہارے باپ نے بھی نہیں کی۔" "کہتے ہیں مل باپ کے اوھو سے کام بیٹے کو



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

فلک کے ساتھ ساتھ زرش کو بھی پختے لگ گئے۔ کیونکہ دونوں ایک ہی پلیٹ شیئر کر رہی تھیں۔ اس سے پہلے کہ تیسری جنگ عظیم شروع ہوئی، ملک کے ہوائیوں اڑتے چرے اور پھولی سانسوں لے سب کو متوجہ کر لیا۔

"کیا ہوا ملک؟" اسے پاس بٹھا کر پانی پلاتے ہوئے بچو آئی لے تشریح سے پوچھا۔  
"گھس، کسی بھوت کو تو گھس ڈرا آئیں۔" سروش نے لقمہ دیا۔

"اللہ معاف کرے، وہ اس طرف مہمن میں۔ وہاں دروازے کے قریب۔" اور ہر گھنٹہ۔"  
پھولی سانسوں کے ساتھ وہ جانا شروع ہوئی تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کہے۔

"اللہ واقعی تمہیں معاف کرے۔ اب کچھ آگے بھی بولو۔" اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے لیٹھان بھائی نے شرارت سے کہا تو سب کے ہونٹوں پر دہل دہل مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اللہ معاف کرے۔" ملک کا تکیہ کلام تھا جس کی وجہ سے اکثر اس کا ریکارڈ لگتا تھا۔

"گھر میں دن باڑے ڈاکو گھس آیا ہے۔" حلا تک نے والے کی شکل بھی وہ ٹھیک سے نہیں دیکھ سکی تھی کیونکہ اس نے بلیک ہپا کیب اور آنکھوں پر بڑے شیشوں والے سیاہ گالز چھار گئے تھے۔ "اور ہاں اس کے کندھے پہ بھی کچھ کالا کالا سالدا تھا۔ ضرور بندوق ہی ہوگی۔" اور بندوق کے ساتھ بطیر اجازت دیدہ لہری سے گھر میں بھنے والا ڈاکو ہی ہوانا ابھی کل ہی تو اس نے اخبار میں پڑھا تھا کہ پڑھے لکھے لوجہ والوں کی اکثریت بے روزگاری کی وجہ سے ڈاکے ڈالتی پھر رہی ہے۔ بس وہ بھی کوئی پڑھا لکھا اسٹائنٹس ڈاکو ہی ہوگا۔

ملک نے خود کو دلیل دے کر یقین دلانے ہوئے سب کے سروں پر دھماکا لیا۔  
"کیا! ڈاکو؟" حیرت اور خوف سے ملی جلی تو اڑیں ابھریں۔

سے تیار ہونوں ہاتھ ہوا میں پھیلائے سر اٹھائے ہوئے ہوئے گھومتی وہ جو کوئی بھی گھی اس خوب صورت موسم کا حصہ لگ رہی تھی۔ مزہ وہی ہے اسے دیکھے کیا۔

یہ نہیں تھا کہ کوئی چھپو رہا نظر یا قسم کا لڑکا تھا۔ جس نے آج تک کوئی لڑکی نہیں دیکھی تھی۔ مگر یہ بھی سچ تھا کہ اتنی بے خودی سے اپنا آپ بھلائے چرے پر بچوں کی ہی خوشی بجائے تک سب سے تیار ہو کر بارش میں نمائی لڑکی پہلی بار دیکھی تھی۔

اسے بھی شاید نظموں کی گری خود پر محسوس ہوئی تھی۔ جو اس نے جھگڑے سے آنکھیں کھول دیں۔ گھر کے آئین میں ایک اجنبی کو یوں محبت سے اپنی جانب دیکھتے پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں اور پھر اگلے ہی بل بل ان آنکھوں میں ہراس پھیل گیا۔ وہ جو اس کی بل بل بدلتی کیفیت سے محفوظ ہو رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ اسے مخاطب کرتا وہ بھاگتے ہوئے وہاں سے غائب ہو گئی۔



ہانسی کا پتی جو اس بانہ سے پھٹی بیڑھیاں باہر کر رہی پائیں ہانغ میں پچی جہاں ساری پارل چوتھے پر بڑی سی رٹھیں پھتری تے پکڑوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے خوش گاہوں میں مصروف تھی۔

"آہستہ آہستہ کرن آہستہ! پکڑوں کے پاؤں نہیں ہوتے، جو وہ بھاگ جائیں گے۔" اسے لاڈ کر آئے تو کچھ کر سروش نے ہانگ لگا لیا۔

"تمہارے ہوتے پکڑوں کی مجال جو تو تمہارے پیٹ کے سوا کچھ لور جا سکتیں۔" فلک جو اس کے پوری پلیٹ قبضے میں کیے بیٹھنے پر تھی ہوئی تھی تنگ کر بولی۔

"وانے وانے پر کھانے والے کا نام لکھا ہوتا ہے میرے نوالے گھنٹے کی ضرورت نہیں۔" اپنی پلیٹ خالی کر کے سروش نے فلک کی پلیٹ سے پکڑ ڈالا لیا تو

تھنے میں دیر نہ لگی۔ بیچہ بھابھی سر پر ہاتھ مار کر کہہ گئیں۔  
 ”ڈاکو...؟“ حمزہ نے سوالیہ نظروں سے شرمندہ  
 شرمندہ کھڑی اسی لڑکی کو دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔  
 مسک لہجہ دی سے سلام بھاڑ کر چائے پلانے کے برائے  
 بھاگنے میں دیر نہ کی۔ سروش صبح مسالا لگا کر مزے  
 مزے سے اس کی حواس باختگی کی داستان سب کو سنا کر  
 مفلوظ کر گیا اور وہ اندر چائے کے پانی کے ساتھ خود بھی  
 کھولتی رہی۔



رات بارہ بجے حمزہ سونے لیٹا تو حشمت کو نہیں  
 تھی۔ حالانکہ وہ جب سے آیا تھا۔ تب سے سب کے  
 درمیان بیخار باہل سب کی محبتیں اور خاص کر داد  
 کے والہانہ انداز محبت نے اسے سرشار کرنے کے  
 ساتھ ساتھ جی بھر کر شرمندہ بھی کیا تھا۔ ایک اس کے  
 آنے سے انہیں اتنی خوشی ہوئی تھی سو اب تک اپنی  
 مصروفیات کو سر پر سوار نہ کرتا تو یہ خوشی انہیں ہر مہینے  
 دے سکتا تھا۔ بہر حال وہ اپنے یہاں آنے کے پھلے  
 سے بہت خوش تھا۔ آنکھیں موند کر وہ بھری پری  
 ”نعت حنیٰ“ کے ہر فرد کے بارے میں فرود ”فرود“  
 سوچنے لگا۔

یہ پھول کی دہلی اس کے دادا نعت لہذہ نے اپنی  
 حق حلال کی کمال سے بہت محبت سے اپنی اولادوں کے  
 لیے بنوائی تھی۔ ان کے بعد یہاں کی خاندانی سربراہ اور  
 تھیں۔  
 اس کے دادا کی چار اولادیں تھیں۔ بیڑے تیا جن

کے دو بیٹے عدنان اور فیضان اور ایک بیٹی فلک تھی۔ پھر  
 اس کے ابا تھے جو پنجاب یونیورسٹی میں پروفیسر تھے اور  
 مستقل لاءر میں رہائش پذیر تھے۔ وہ ان کی اکلوتی  
 اولاد تھا۔ ان کے بعد نصیبہ چچھو تھیں ان کی دو بیٹیاں  
 یاز اور حنا تھیں۔ وہ اوپر والے پورشن میں رہائش  
 اختیار کیے ہوئے تھیں۔ پھر آخر میں چھوٹے چچا تھے  
 جن کے دو بیٹے سروش اور زرش تھے۔ کرنز میں سب

”لہذہ معاف کرے۔ بندوق لے سروش کی ہانک  
 کے قریب کھڑا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا  
 ہے۔“  
 ”سیری ہانک۔“ سروش نے تھوڑا سا تھوڑا۔ اپنی  
 راج ولاری کا نام سنتے ہی ڈر پڑا۔ چارو ناچار فیضان  
 بھائی کو بھی اس کے پیچھے جانا پڑا۔ سورنہ تو وہ سنجیدگی سے  
 پولیس کو فون کرنے کا سوچ رہے تھے۔ ابھی ہفتہ پھر  
 تھکے ہی تو پڑوس میں چوری ہوئی تھی۔ وہ سب بھی اٹھ  
 گران کے پیچھے ہو گئے۔

دبے قدموں راہ داری سے گزر کر حالات کا جائزہ  
 لینے کے لیے سب نے ستون کے پیچھے سے اوپر نیچے  
 سرنگھل کر بھاگا بھگڑا کیا۔ برآمدے میں تو سارے  
 ہوں کی محفل تھی تھی اور ان کے درمیان سیاہ جینز اور  
 نی شرٹ پہنے شخص کو دیکھ کر سب ہی چونکے اور  
 آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔

”تو بچو اور کھو تو میرا حمزہ آیا ہے۔“ دادا باہر بار سے  
 چومتی خوشی سے نہال ہوئی جا رہی تھیں۔ صبح کے  
 سوا سب ہی پرجوش انداز میں آگے بڑھ کر حمزہ سے  
 ملنے لگے۔ سروش اور فیضان بھائی کے ساتھ اس کی  
 ویسے بھی بہت دوستی تھی۔ مہائل اور انٹرنیٹ پر  
 رابطہ بھی رہتا تھا۔

ستون کے پیچھے چھوٹی صبح کو وہ وہ کر خود پر غصہ  
 آ رہا تھا۔ کاش اتنی محبت چھوڑنے سے پہلے کم از کم اتنے  
 والے کو ایک نظر غور سے دیکھ تو لیتی۔ بے شک حمزہ  
 لہجے عرصے سے یہاں نہیں آیا تھا مگر اس کی تازہ ترین  
 تصویر میں نانو کے پاس موندور رہتی تھیں۔ حواس پائندہ  
 ہوئے بغیر غور سے اگر وہ اسے دیکھتی تو ضرور پہچان  
 جاتی بھگڑتی کیب اور ٹانگہ کی وجہ سے وہ دھوکا کھا گئی  
 تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ چمکے سے وہاں کھسک جاتی  
 سروش بدتمیزا سے ہاتھ سے پکڑ کر سب کے درمیان  
 کھینٹ لیا۔

”کیا کچھ نلا۔ یہی تھا نا ڈاکو۔“ سروش کے شرارت سے  
 پوچھنے پر اسے نجل اوتے دیکھ کر ساری پارلی کو بات



کیا۔" مائی نے پراٹھا بلیتے ہوئے مصروف سے انداز میں اظہار دی۔  
 "ہنٹی جان کو اسے اکیلے نہیں جانے دینا چاہیے تھا۔ اگر راستہ بھول گیا تو؟" ٹنگ شیک کے لیے ام کاٹی پیپو کو تشویش نے آکھیرا۔  
 "ارے آپالو پتہ تھوڑی سب اگر راستہ بھول بھی گیا تو کسی سے پوچھ لے گا۔" چھوٹی چچی نے ہنستے ہوئے تسلی دی۔

لور تنوہ جس کے لیے سب فکر مند ہو رہے تھے شہر کنارے جھٹا پانی کی سطح پر سروج کی اولین کرنوں کی جھللاٹ و تپوہ رہا تھا۔ خورد روگھاس میں کھلے جنگلی گلاب کے پھول سورج کی تازہ ہوا گھس کے دوسری طرف تازہ نگاہ آسم کے ہاتھت لفظا میں پھیلے آسموں کی منک لور کوئل کی تپنے و تپنے سے گوہنی کوکسات سبے خود کیے رہی تھی۔ وہ فطرت کار سیا تھا۔ مگر لاہور جیسے ہنگامہ برود شہر میں ایسے مناظر خواب تھے اس کی تلاش میں نکلا سروش آ رہا تھنہ خوار ہونے کے بعد اسے ڈھونڈنا وہاں پہنچا تو اس کی محویت دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"کہاں ہیں۔" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مانتے غور سے دیکھتے ہوئے سروش نے پوچھا۔  
 "کون؟"

"وہی لہور خیابریں۔۔۔ جنہیں اتنی محویت سے ہنٹے جکتے ہوئے گھر آنے کا ہوش ہی نہیں رہا تھیں۔" وہ جل کر بولا تو حیرت نہیں رہا۔  
 جب وہ دونوں گھر پہنچے تو گول گھرے میں سب ناشتے پر اس کے منتظر تھے۔ یوں تو عام طور پر سب ہنٹا اپنے اپنے پوریشن میں کرتے تھے مگر آج چونکہ منزل کا پہلا دن تھا۔ اس لیے دلو کی ہدایت کے پیش نظر سب اکٹھے ہوئے تھے۔

"تو کو منزل میاں! اتن تو بڑا انتظار کرایا۔" چھوٹے چچا نے ہانگ لگا لی۔ اسے بے ساختہ شرمندگی نے آکھیرا۔ اس لیے شارد لینے کی شدید خواہش کو پس پشت

سے بڑے عدنان بھائی سوہر سے تھے۔ لیے دیے رہتے تھے۔ لور کی بیگم فضیلہ بھائی بھی لور کی ہم منزل تھیں۔ جبکہ فیضان بھائی جو عدنان بھائی سے بمشکل دو سال چھوٹے تھے انتہائی زندہ دل اور پابلی طبیعت کے مالک تھے۔ سروش بھی ان ہی کا بڑا قتلہ اس لیے دونوں کی گاڑھی چھنتی تھی۔ تنوہ ان کی کپڑی میں کھ بھر کو بھی پور نہیں ہوا تھا۔

فیضان بھائی کی بیوی بلند آبی بھی منسا رہی تھیں۔ فلک لور زرش سے وہ کافی عرصے بعد ملا تھا۔ مگر وہ بھی اس سے جلد بے تکلف ہو گئی تھیں۔ دونوں کافی زندہ دل تھیں۔ جبکہ منک۔ پھیلے شرمندہ ہی پھیلے کا دل والی لڑکی کے بارے میں وہ کوئی رائے قائم نہیں کر سکا تھا۔ کیونکہ شام کے بعد سے وہ اس کے سامنے ہی نہیں آئی تھی۔ رات کے کھانے پر بھی سب اکٹھے تھے سوائے اس کے۔

"ڈاکو۔۔۔ تو کیا میں شکل سے واقف بناؤں گے؟" لہجہ انکباد آنے پر وہ بیڈ سے اتر کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ پانچ منٹ تک ہر زونہ سے گھور گھور کر خود کو دیکھتے ہوئے ڈاکو بس والی کوئی بات نظر نہ آئی تو اپنی احمقانہ حرکت پر ہنس کر دوبارہ بیڈ پر واپس ہو گیا اور ہر خیال جھٹک کر سونے کی کوشش کر لیا۔

کچن سے آئی طرح طرح کی خوشبو میں پورے گھر میں رقصاں تھیں۔ آج سالوں بعد دلہنے آؤ خود کچن کو رونق بخشی تھی اپنے لٹاؤ لے پوتے کے لیے اپنے ہاتھوں سے ناشتا بنانے کے لیے ڈورن جب سے بیڑ تھی

والے بلورچی خانے کی جگہ امریکن اسٹائل کچن نے لی تھی وہ لوگوں کی ہنٹا کا راستہ ہی بھول گئی تھیں۔  
 "ارے کوئی میرے منزل کی بھی خبر لائے؟" اٹھایا نہیں؟  
 حلوہ بھونٹتے ہوئے انہیں خیال آیا۔  
 "لہاں لہو تو فجر کا ٹھہ گیا تھا۔ اپنے لیا کے ساتھ نماز کے لیے گیا تھا۔ وہ تو وہاں آگئے۔ منزل میرے لیے چلا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ڈال کر ہاتھ دھو کر دسترخوان پر آ بیٹھا۔  
 حلوہ پوری کھا اور غصے کے سنہری پرانٹھے بن چنے چھوٹے میٹھی اور نمکین لسی 'ٹلک شک' فریج ٹوسٹ اور نجانے کیا کیا۔ ناستا انتہائی مزے دار اور پر ٹکلف تھا۔ اوپر سے سب کا ٹکلف نہ پرتنے کا اصرار ڈالنے تو حقیقتاً "کھلا کھلا کر مار ڈالا۔ وہ اس کے احتجاج پر جیسے ہی ہاتھ روکنے لگتیں فیضان بھائی یا سروش میں سے کوئی چلا لٹھک۔

"دلوا! حمزہ تو ٹکلف کر رہا ہے اور نہ اس کی شکل دیکھیں صاف لگ رہا ہے اس کی بھوک ابھی پلنی ہے۔" اور ولولہ ان کی شرارت مجھے بغیر اس کی خالی پلیٹ لہلاب بھر دیتیں۔ آخر خدا خدا کر کے اس کی جان چھوٹی۔ اٹھنے سے پہلے سب سے نظر ہجا کر وہ اپنے قریب بیٹھے سروش کو چنگی کاٹنا نہیں بھولا تھا۔  
 جو بابا اسے منگوا کر سروش بھی ہانڈھ گیا۔

ایک ہی دن میں ان کی ہر سوں پرانی بے تکلفی لوٹ تلی تھی۔ کھڑکھڑکی آواز پر اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ تیز تیز میڑھیاں اترتی منکھ سے سامنے دیکھ کر ٹھنک کر رک گئی۔ وہ کل سے اس سے چھٹی بھر رہی تھی۔ رات کھانے پر اور لب بوج ٹانٹے پر بھی نہیں آئی تھی۔ اسے نروس دیکھ کر حمزہ نے دوستانہ مسکراہٹ چہرے پر سجائی۔ جو بابا "زیر دستگی کی مسکراہٹ اس کی طرف اچھاتی وہ یوں تیزی سے گول کرے کی طرف بچھ گئی جیسے ایک منٹ بھی مزہ دہری تو حمزہ اس سے حساب لینے کھڑا ہو جائے گا۔ حمزہ کندھے اچکا کر مسکرانے ہوئے پاس پڑے اخبار پر جھک گیا۔



بیچہ تپتی کھیر کا پالنا تھا ہے اور اپنی امی کے پورشن میں آئیں تو انہیں سر تھا ہے دیکھ کر ریٹائن ہو گئیں۔  
 "کیا ہوا امی! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"  
 "اس لڑکی کے ہوتے میری طبیعت ٹھیک رہ سکتی ہے بھلا۔ اسی سے یو چھو کیا ہوا ہے۔" وہ ندامت سے سر

بھکائے بیٹھی منکھ کی طرف اشارہ کر کے بولیں۔  
 "امی! اگر امی ہر رات دیر تک کر بیٹھے چلی گئیں اور وہ جل گئی تو اس میں میرا کیا تصور؟" امی کی سوالیہ نظروں کے جواب میں وہ ہولے سے مستحالی۔  
 "ہاں بی بی! تصور میرا ہی تھا جو تمہیں ہر رات کا خیال رکھنے کا کہہ کر گئی تھی۔ تمہیں اپنی کتابوں سے فرصت ملے تب نا۔ درس اور ٹکلف بھی تو ہیں تمہاری ہی ہم عمر ہیں۔ مگر کبھی دیکھا ہے اتھلا پروا اتھیں؟" امی کو اس کی بات سنتے ہی بیٹھے لگ گئے سوہ اس کی لاپرواہ طبیعت سے ہلاں رہتی تھیں۔

شادی سے پہلے بیچہ نے ساری ذمہ داری اپنے سر لے رکھی تھی۔ اس کی شادی کے بعد منکھ کی باری آئی تو اس نے حقیقتاً "اس میں بیوس کیا تھا۔ اسے تو صرف ایک ہی شوق تھا مطالعہ کرنا، اپنی کتابوں سے لے کر انسائیکلو پیڈیا تک مجال ہے جو کھر میں منہ جو رو دی کا لٹنڈ بھی اس کی نظروں سے پڑھے بغیر گزر جاتے۔ یوں تو جو کام اس کے ذمے لگا تھا مارے ہانڈھے کر دیتی تھی مگر جب کوئی کتاب ہاتھ میں ہوتی تو اسے کھل کے بغیر اٹھانا ناممکنات میں سے تھا۔ اس وقت بھی وہ صدیق سالک کی "پریشر مکر" میں کھوئی تھی۔ جب انہوں نے اسے ہر رات کا خیال رکھنے کا کہا تھا۔ وہ مطالعے میں منسک رہی۔ نتہجتاً "ہر رات جل جانے پر وہ پچھلے پندہ منٹ سے اپنی بے عزتی برداشت کر رہی تھی۔

"سمجھ میں نہیں آتا کیا بنے گا اس لڑکی کا۔ نہ سر پر بل پ کا سا یہ نہ کوئی کن تمہاری تو قسمت اچھی تھی جو گھر میں کھپ گئیں۔ اس کے بارے میں تو سوچ سوچ کر میری نیندیں اڑ جاتی ہیں۔" امی کو بیچہ کے آگے دکھڑے روٹے دیکھ کر اس نے موقع غنیمت جانا لور کتاب اٹھا کر چپکے سے پائیں بل کی طرف نکل آئی۔

"اللہ معاف کرے یہ امی بھی بل۔" طویل سانس خارج کرتے ہوئے وہ چھوٹے پر بیٹھ گئی۔ مگر نجانے کیوں کتاب کے الفاظ آنکھوں میں چھینے لگے اور نین



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوتی ہیں کے ساتھ جلتے ہوئے ہیں کی یاد نہ چاہتے  
ہوئے بھی یادوں کی مانند امدی ملی آئی لورڈ ہیں بادل پر  
برسنے لگتی تھی۔



ایک پختے کی چھٹی کے بعد کچ حنزو کا آفس میں بیٹھا  
وہ تھا۔ گھر آیا تو ٹھکان اس قدر خند غالب گئی کہ کہانا  
کھائے بغیر سو گیا۔ واہوا سے جلتے آئیں گھر وہ اتنی  
گہری خند سویا تھا کہ اٹھانے کو ان کا جی نہیں چاہا اس  
لیے اس کے قریب بیٹھ کر بار بھری نظروں سے کتنی  
عی ویر و اس دیکھے گئیں۔ کھانا گندی رنگ بھرے  
بھرے ہوئے تھی ہولی ٹاک ڈوشن پیشانی وہ بالکل  
اسے واوا پر گیا تھا۔ وہ اس کے بل سلاتی رہیں۔ حنزو  
ڈرا کسٹھلیا تو اس کا ہاتھ چوم کر چلی گئیں۔ تاکہ  
آرام سے اپنی خند پوری کر سکے۔

وہ اٹھا تو شام کے سائے گہرے ہو چکے تھے۔ فرش  
ہو کر تو پسے بال درگڑا آیا جس میں گھلے والی کھڑکی  
میں آکھڑا ہوا۔ آسمان نارنجی چلور اوڑھے ہوئے تھا۔  
سورج کی دم توڑتی کرنوں میں پردوں کے غول کے  
غول واپس کے سفر بردار تھے۔ سامنے کی دیوار کوڑھکے  
پیلے پھولوں کی تیل لور اس پر پڑتی سورج کی الوداعی  
گرمیں یوں لگ رہا تھا جیسے پورے ماحول میں اواسی  
رج پس گئی ہو۔ وہ کھڑا اس اواسی کو نبھانے سب تک  
اپنے اندر اتار رہا تھا کہ مہا کافون آگیا۔ وہ اس کے بغیر  
لو اس نہیں۔ حالانکہ ہزار ہزار کے لیے وہ ملک سے  
پلی ہر بھی رہا تھا مگر مہا اس کی بوری کی بلوی نہیں ہو سکی  
تھیں۔

”پھر کیا سوچا حنزو تم نے؟ کچھ عرصے تک رمضان  
البارک شروع ہو جائیں گے میرا اور تمہارے بیابا کا  
عید ملکان میں کرنے کا ارادہ ہے۔ ہم چاہ رہے تھے کہ  
اس موقع پر کم از کم تمہاری منگنی ہی کو دی جائے۔“  
فرودا فرودا سب گھر والوں کی خیریت دریافت کرنے

کنور سے پائی سے بھرتے چلے گئے اور سوچنے لگی۔  
”کیا پاپ کا سایہ سر پر ہونا ضروری ہے۔ اتنا بڑا  
آسمان جلتے کو کھلی نہیں؟“

وہ صرف سات سال کی تھی جس اس کے ہوا نہیں  
بانو کے ہل چھوڑ کر ان کا ہسٹر مستقبل خریدنے امریکا  
گئے تھے۔ ان کی خوشیاں کیا لاتے وہ تو خود ہی ملایا نگری  
میں ایسے کھوئے کہ پلٹنا بھول گئے۔

اسے یاد تھا وہ جب تک اپنی جی کے سینے پر سر رکھ کر  
نہ سوتی اسے خند نہیں آتی تھی۔ اسی لاکھ قشع کرتیں  
پیشی کی عادت میں خراب مت کریں گھر وہ ہمیشہ جس کڑھال  
چلتے۔

جب وہ چلے گئے تو اسے ساری ساری رات خند  
نہیں آتی تھی۔ اسی کے ڈانٹنے پر کچھ منہ پر رکھے  
سکتی رہتی تھی۔ ایسے میں بیٹھ جو سمجھ دار تھی اسے  
عزے مزے کی کہانیاں سنا کر بسلانے کی کوشش کرتی  
اور وہ کمالی سننے میں اپنی منہمک ہو جاتی کہ یہاں بھی نہ چلتا  
لور وہ سو جاتی ہاں۔ مگر جب بھی خواب میں کھلا دینا  
نیلم بری کے بھانے اسے اٹھانے آجاتا وہ ہمیشہ  
کر چلا اگھستی مگر حفاظت کو ان کی مضبوط چھاتی نہ پا کر  
نوٹ جاتی تھی۔

پھر یوں ہوا کہ اس نے نظروں سے لاسی کرلی۔  
اکیلے وہ کر جینے کا قرینہ سکے لیا۔ اچھی کتابیں اس کے  
لیے ڈیکو لائزر کا کام کرتی تھیں جن میں کم ہو کر وہ  
اور گرد کی ساری مشکلات ساری پریشیاں بھول جاتی  
تھی سب کے درمیان رہتے ہوئے بھی اس نے اپنی  
انگ خیل پریشیاں ساری تھی۔ جہاں وہ سب کچھ تھا جس  
کی وہ خواہیں تھی۔

مگر اسی اس کی لا پرواہی کی وجہ سے اس سے تعلق  
رہتی تھیں۔ ان کی جلی کئی وہ ایک کلن سے سن کر  
دوسرے سے نکال رہی تھی مگر جب بھی وہ سر پر پاپ کا  
سایہ نہ ہونے کی بات کرتیں تو ان کی یہ بات نینزے کی

الی کی طرح اس کے دل میں گڑ جاتی تھی۔ حالانکہ وہ  
اپنی رانت میں اپنی کو بھلا چکی تھی مگر جب بھی بلواس

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

جسے انتہا تک سے اپنی طرف دیکھتا پھرنا کواری کی ہنسی  
 سی لہر منگ کے چہرے پر روڑ گئی۔  
 "ال یہ ڈاکو... دیکھتا ایسے ہے جیسے اندر تک پڑھ  
 لے گھ" اس کی گہری آنکھیں اسے منظر پر کرنے  
 لگیں تو وہ کتاب اٹھا کر اوپر چلی گئی۔ حمزہ کی نگاہوں نے  
 آخر تک اس کا پیچھا کیا۔  
 "ہاں اس کے بارے میں سوچا جاسکتا ہے۔" دل  
 نے بے سمانتہ صدا دی۔

رمضان المبارک کا چاند دیکھنے کے لیے ساری پارٹی  
 ہوئے فیضان، ویسے کے سیرل پر قبضہ جمانے کھڑی  
 تھی۔ سروش حمزہ کو بھی تھینٹ لایا تھا۔ اب سب سر  
 اٹھائے سرخی آگیا۔ ان پر نظر میں تھمارے تھے۔  
 "وہ ہا تھا" سب سے پہلے حمزہ کو نظر آیا۔  
 "کہاں ہے؟" "ہاں بھی اگلاؤ۔" سب کی بے چین  
 آوازیں ابھریں۔ حمزہ کی نشاندہی پر سروش فلک اور پھر  
 زوروش کو بھی چاند نظر آیا۔ مگر منگ ابھی تک منہ بسور  
 کر کھڑی تھی۔ چیزیں تلاش کرنے کے معاملے میں وہ  
 پیش سے گزرتی تھی۔ ہنزل امی اسے سامنے کا پر ڈ نظر  
 نہیں آتا تھا۔ یہ پچھو ہا ایک سا بلال تھا۔  
 "کہاں سے آئے؟" نظر نہیں آ رہا۔ "اساتہ وی ٹی ٹی  
 کے پیچھے ہیر کے رخت کی سب سے اونچی ٹیٹی کے  
 پاس۔" حمزہ نے قریب ہو کر بڑی تفصیل سے اوپیشن  
 چھجھائی۔  
 "دل گیا۔" وہ خوشی سے اٹھل کر تلی بجاتے  
 ہوئے چمکی۔ حمزہ اسے دیکھا رہ گیا۔ وہ ابھی تک اسے  
 سمجھ نہیں پایا تھا۔ کبھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بچوں کی  
 طرح خوش ہوتی، کبھی سویرنی بڑی بڑی سیاسی بحثوں  
 میں ابھی تو کبھی ارد گرد سے بے نیاز کتاب میں منہ  
 لیے سک پر کبھی اسے چھوٹی ٹیٹی کا گھن ہوتا تھا اور  
 کبھی وہ اسے بوڑھی دوسرے لٹی لٹی گی۔  
 "آپ بھی دعا کیجیے۔" اس کی گہری نظروں کے  
 حصار سے گھبرا کر وہ بولی اور چند قدم آگے بڑھ کر خود بھی

کے بعد وہ مطلب کی بات پر آئیں۔ حمزہ گڑبڑا گیا۔ مہما  
 نے جو ذمہ داری آتے ہوئے اس کے سر اٹال تھی  
 یہاں اگر تو وہ کسو پھول گیا تھا۔  
 "مہما! ابھی میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔ بہت جلد  
 کسی فیصلے پر پہنچ کر آپ کو آگاہ کروں گا۔" ان کی ڈانٹ  
 سے بچنے کے لیے اس نے گول مول جواب دے کر  
 بات بدل دی۔  
 "ان سے بات کرنے کے بعد فن چارنگک برنگاتے  
 ہوئے وہ مسلسل اسی بارے میں سوچے جا رہا تھا۔ اس  
 ایک ہفتے میں وہ زوروش اور فلک سے کئی کھیل مل گیا  
 تھا۔ دونوں بہت اچھی لڑکیاں تھیں۔ سروش کے  
 ساتھ مل کر وہ انہیں تنگ بھی خوب کرتا تھا۔ وہ اسے  
 حمزہ بھائی کہتی تھیں۔ اس لیے انہیں کسی اور زاویے  
 سے دیکھنے کی لو بہت ہی نہیں آئی تھی اور لب پاپتے  
 ہوئے بھی کسی اور نظر سے ان دونوں کے بارے میں  
 سوچ نہیں جا رہا تھا۔  
 وہ کئی منگ تو اس سے تو ابھی تک ڈھنگ سے  
 بات بھی نہیں ہو پائی تھی جب بھی سامنا ہوتا وہ باوجود  
 ہی نروس ہو جاتی تھی۔ پہلے دن والی بات پر شاید ابھی  
 تک شرمندہ تھی۔  
 ہمد وقت کتاب یا اخبار ہاتھ میں لیے بھی نیلا بی  
 سے سیاست پر بحث کرتی، کبھی چھوٹے بچانے کوئی  
 کتاب ڈسکس کرتی۔ بالوں کی لمبی چٹیا کمرے والے  
 خود سے بے نیازی یہ صک اس تک سک سے تیار  
 سک سے قطعاً مختلف تھی۔ جس سے وہ پہلے دن ملنا  
 تھا۔  
 "آنکھیں بند کیے" سر اٹھائے بوندوں سے کھیلتی  
 لڑکی۔ "بے سمانتہ پارٹی میں بھی وہ منظر اس کی  
 آنکھوں میں چمک اٹھا۔ ٹیٹی کی مسکراہٹ ہونٹوں کو  
 چھو گئی۔ اسی پہ اس کی نظر کھڑکی کے پار چھو لے پر  
 بڑی جسے منگ نے آبلہ کر رکھا تھا۔ اس نے بغور اسے  
 دیکھا۔ تمکین پائی میں ڈیلا دو لو اس جھیلیں شام کاسارا  
 درد جیسے اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا ہو۔ حمزہ کو اپنا  
 آپ ان میں ڈرتا محسوس ہوا۔ کھڑکی میں کھڑے حمزہ کو



WWW.PAKSOCIETY.COM

جاکے لیے ہاتھ اٹھالے۔ سب نے احتمالی خسرو  
خسرو سے دعا کی۔

سب سے لمبی دعا خسرو کی تھی۔ پھپھو کے بلانے  
پر سب ان کے لائق میں جا کر بیٹھ گئے۔ مسک جاتے  
بنانے چلی گئی۔ لکک بھی اس کا ہاتھ بنانے پھپھو چلی گئی  
جبکہ زرش پھپھو سے اپنے عید کے کپڑوں کی نظر اسکیم  
ڈسکس کرنے لگی۔ خسرو نے لڑائی کا یہ صورت اٹھا  
لیا۔

حز آج پہلی مرتبہ اوپر آیا تھا۔ ورنہ پھپھو سے  
تقریباً "روزانہ ہی نیچے ملاقات ہو جاتی تھی۔ وہ غیر  
ارادی طور پر ارد گرد کا جائزہ لینے لگا۔ یہاں سالانہ جو  
بیک وقت ڈاکٹنگ اور ڈرائنگ روم کے طور پر بھی  
استعمال ہوتا تھا۔ ان ڈور پلانٹس اور خوب صورت  
وال چیشننگ سے فضا سے آراستہ تھا۔

سانے دلی دیوار میں نصب کتابوں سے کچھ کچھ  
بھری الماری الماری کے وقار میں اضافہ کر رہی تھی۔  
"آٹھ لو سو کتابیں تو ضرور ہوں گی۔" حمنو نے

سوچا۔  
"کہاں کھو گئے پادشاہو! اتنی ہی سے پور ہو کر اس  
کی طرف منہ کر کے خسرو نے پوچھا۔

"یار میں سوچ رہا تھا اتنی لمبی دعا میں آخر تم نے کیا  
مانگا۔" حمنو شرارت سے مسکرایا۔

"لو! اپنی کتھی سی عقل کو تھکائے کی کیا ضرورت  
تھی۔ مجھ سے پوچھ لیا ہوتا چاند رکھ کر جو بھی دعا کی  
جائے قبول ہوتی ہے۔ اس لیے میں نے تو اللہ سامنے  
سے خوب فرمائشیں کیں۔" خسرو نارم میں آتے  
ہوئے اپنی دعا کی تفصیل بتانے لگا "تھے سن کر حمنو چکرا  
کر رہ گیا۔"

"شگن وار سا بنگہ۔ ذریعہ فراری ملتی نیشنل  
کپٹی میں بہترین جاب ورلڈ ٹور ٹور۔ اور۔" وہ  
پر شوق نظروں سے چائے لے کر آئی فلک کو دیکھ کر  
ٹھنکا۔

"بس۔ بس۔ کالی ہے۔ ہزار بارغ کھانے کی  
ضرورت نہیں۔" میز پر چائے کی تڑپے رکھتے ہوئے

لکک نے حمنو کے منہ کی بات حمنو کی۔ جو خسرو سے  
پوچھ کر بچتا رہا تھا۔

"اونوں۔ اچھے بچے جیلس نہیں ہوتے۔"  
خسرو نے بڑے نرم لہجے میں گھر کا۔ کرار اس جواب  
دینے کی صورت میں چائے سے محروم ہونے کا خطرہ تھا  
جو اسے منظور نہیں تھا۔

"حمنو بھائی! اتنی ڈیڑھ ساری کتب دیکھ کر آپ کو  
حیرت نہیں ہوئی اور نہ جو بھی اسکی بار بار کتاب ہے حیران  
ضرور ہوتا ہے۔" پھپھو کے کام سے اندر جانے پر  
زرش بھی ان کے پاس آئیں۔

"ہائل بھی نہیں۔ میرے ماما پاپا دونوں ہی  
مطالعے کے شوقین ہیں۔ ان کی ڈائیلاگیری میں بلا  
مبالغہ تین چار ہزار کتابیں ضرور ہوں گی۔" زرش کے  
بچکانہ سوال پر حمنو مسکرایا۔

"واقعی۔" کہاب نے کر آئی مسک لے حیرت  
سے پوری آنکھیں کھولیں۔ "اللہ سوائف کرے اتنی  
زیادہ کتب جمع کرنے میں تو انہیں بہت عرصہ لگا ہو گا  
میں بھی انہیں سے جمع کر رہی ہوں مگر میرے پاس  
صرف نو سو بکس ہیں۔ ساموں اور مانی جی کی بلا پیری  
میں کس زبان میں زیادہ بکس ہیں؟ کن رائٹرز کو وہ  
شوق سے پڑھتے ہیں؟" حمنو اسے یوں پوچھنا انداز  
میں سوال پر سوال پوچھتے دیکھ کر پھر سے حیران رہ گیا۔  
کہاں تو سامنا ہوتے ہی گھبرائے کتھی تھی اور کہاں اب  
یوں ایک دم سے۔ یہ لڑکی قدم قدم پر حیران کر رہی  
تھی۔

حمنو اگرچہ کتابوں کا شیدا نہیں تھا مگر اپنی حلق کے  
حاصل و نڈین کی محبت میں رہنے کی وجہ سے "لوپ" کی  
الف ب سے ضرور واقف تھا۔ اس لیے پور نہیں  
ہوا۔ ورنہ خسرو تو کتھو کے درمیان ہی کب کا بے  
زار ہو کر جا چکا تھا۔

کالی دیر بعد جب وہ نیچے جانے کے لیے اٹھا تو وہ  
صرف کتابوں سے متعلق مسک کی دیوار کی جان چکا تھا  
بلکہ اس سے کالی بے تکلف بھی ہو چکا تھا۔

"ماما پاپا سے گاڑھی چھنے کی خبر نہ کی۔" شوخ سی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سکر ایٹ چہرے پر سجائے یہ سوچا وہ میرا حیاں اتر  
گیا اس کی پشت پر نظریں جمائے کھڑی مسک  
سکر آئے ہوئے اپنی گڈ بک میں اس کا نام درج کرنے  
گئی۔



رمضان المبارک کے پابست دن پر لگا کر اڑتے  
جا رہے تھے۔ سراسر عشو شروع ہو چکا تھا اب تو سب  
کی روٹین بھی سیٹ ہو گئی تھی۔ ہاں مگر حمزہ کو جس دن  
سائٹ پر جانا ہوتا تھا اس دن وہ ایسی پر اس کی حالت  
خراب ہوتی تھی۔ عصر کی نماز پڑھ کر دو سو تا صغریٰ کی  
خیرا ماتھل وارو اس کے بے وقت سونے پر ہوتی رہتی  
تھیں اور اس کے آفس والوں کے خوب غائبانہ لٹے  
لیتے۔ جنہوں نے اسے کولہ و کٹیل بنا چھوڑا تھا۔

ذرش لور قفل نے صبح سے وارو کا پتھا لیا ہوا تھا۔  
انہیں عید کی شاپنگ کرنے بازار جانا تھا۔ مگر کوئی لے  
جانے پر تیار ہی نہیں تھا۔ ان کا گھر چونکہ ملکن کے  
مضافات میں تھا۔ بازار اور مارکیٹیں سب سے کئی دور  
تھیں۔ اس لیے اسے جاننا بھی مشکل تھا۔

”واو! آخری عشو شروع ہو چکا ہے۔ ہوتے  
چوڑیاں تو ایک طرف ہم نے تو ابھی پڑے بھی نہیں  
لیے۔ دوستوں کے لیے کلرڈ اور گلکس بھی لینے  
ہیں۔ ہماری بات تو کوئی سناتا ہی نہیں۔ پلیز بپ ہی  
کسی سے کہیں ہمیں بازار لے جائے۔“ ساری  
لڑکیاں وارو کو گھیرے ہوئے تھیں۔ فلک لور مسک تو  
باقاعدہ دے لگی تھیں۔

”اچھا اچھا۔ اظہار کے بعد تیار رہنا۔ میں کہتی  
ہوں کسی سے۔“ وہ انہیں ہلاتی بمشکل ان کے گھیرے  
سے نکلیں۔

”ولو زتد عباد“ سب ایک ساتھ چلائیں۔  
وہ سب اسی شام لفظ لور کے بعد سروس اور حمزہ کے  
بمراہ آئے تھے۔ پلیز بپ کو شاپنگ پر لے جانے کا سنتے  
ہی خاموش بیٹھ کر بی بی دیکھتے عدنان بھائی کو ضروری کام  
یاد آیا تھا جبکہ ٹھیک ٹھاک لیٹن بھائی کے سر میں درد

ہونے لگا تھا۔  
سروس کو چونکہ بروقت کوئی مہمانہ نہیں سوچنا تھا  
اس لیے اسے یہ سزا بھگتنی پڑی تھی واحد حمزہ تھا جسے  
لیڈیز کو شاپنگ کروانے کا تجربہ نہیں تھا اسی لیے وہ  
خوشی خوشی ساتھ چلا آیا۔ لفظ لور بھائی اور بیٹھ تو  
نورا۔ ”بے بیڈ کارنر“ کی طرف چلی گئیں۔ ذرش اور  
فلک کا ارادہ کپڑوں کی خریداری کے بعد میچنگ کے  
لیے لور لور پھرنے کا تھا۔

”پلیز تم لوگ میرے لیے کوئی سوٹ دیکھ لینا میں  
جب تک کتابیں خرید لوں مگر بیٹھ آئی کو ہرگز مت چھوڑنا  
کہ میں بک شاپ میں ہوں۔“ اپنے برس میں موجود  
آٹھ ہزار میں سے صرف ایک ہزار نکال کر مکن کی  
طرف برحیاء۔

”ارے اتنے میں تو اچھا سا سوٹ کجا شرت ہیں  
بھی نہیں آئے گا۔“

”تو پھر رہنے دو کوئی اچھی سی کتاب تو ضرور ہی  
آجائے گی ویسے بھی میرے پاس دو تین ان کے سولے سوٹ  
پڑے ہیں انہی میں سے کوئی بنوا لوں گی عید پر۔“

حمزہ بک شاپ میں پہلے سے موجود کارڈ دیکھ رہا تھا  
اسے آتے دیکھ کر مسکرایا۔ اسے لپٹیں تھا مسک  
سیدھی بیٹھ ہی آئے گی وہ چونکہ کارنر میں کھڑا تھا  
اس لیے مسک کی اس پر نظر نہیں پڑی جبکہ وہ کارڈ کی  
اوت سے اسے خوشی خوشی تھی کی مانند ایک ریک  
سے دوسرے کے درمیان چکر آتا دکھاتا رہا۔

اپنے پسندیدہ مصنفین کی ڈیجیٹل کتب کا ڈائری  
ڈیجیٹل کرنے کے بعد مل بنوانے لگی۔ اتنے میں سفید  
چارہ سلیقے سے لپٹے ایک عورت دکان میں داخل ہوئی۔  
اس کے ساتھ آٹھ ساٹھ ساٹھ بڑی بڑی آنکھوں والا کمزور  
سابقہ بھی تھا جو دیکھنے میں بیمار لگتا تھا۔ وہ ہولے سے  
سلام کر کے کاؤنٹر کے پاس نظریں جھکا کر کھڑی ہو گئی۔  
اسے دیکھ کر وہ کارڈ ارگے کیلکولیٹر پر چلتے ہاتھ رک  
گئے۔ اس نے دروازے سے پیسے نکال کر عورت کی طرف  
برجھائے شاید وہ اسے پہلے سے جانتا تھا اور بچے کے سر  
پر ہاتھ پھیلا۔



ہو گیا۔



عید کا دن اپنی تمام روٹیوں اور رہائشیوں کے ساتھ  
نعت جنیل میں اترا تھا۔ داد خوشی سے کھلی پڑ رہی  
تھیں شیر خرا بھی اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔ اس عید  
پر ان کی تمام اولادیں ان کے ہمراہ تھیں۔ ایک ماں کے  
لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کیا ہو سکتی تھی۔  
مگنی کا انتظام پانچ ماں باپ میں کیا گیا تھا۔ حمزہ کی ماما  
نے جمولے کو اپنے ہاتھوں سے چھایا۔ مگنی کا جوڑا اور  
انگوٹھی تو وہ لاہور سے ہی لٹی آئی تھیں۔ تقریب میں  
صرف قریبی رشتہ دار ہی مدعو تھے جو سر شام ہی آنا  
شروع ہو گئے تھے۔

حمزہ نے منک کی ایک جھٹک دیکھنے کے لیے صبح  
سے لاکھ کو شش کی گلی گھرنا کھم رہا تھا۔ وہ نیچے ہی نہیں  
اُترتی تھی۔

یاد اور فضیلا بھابھی اسے تقریب کے لیے نیچے  
لائیں تو وہ پُرشوق نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ اس نے  
ایمرانہ گرین چوڑی وار فراک پہن رکھا تھا اور آگے  
سے گھٹنوں سے نیچے تھا اور پیچھے سے گھٹنوں کو چھو رہا  
تھا۔ کانوں میں داد کے چاندی کے کٹورے والے  
جھمکے اور ہاتھ بر گول ٹپکا جا رکھا تھے سفید موتیا کے  
پھولوں سے گندھی چولی آگے کندھے پر ڈال رکھی  
تھی۔ غصت سے کہے گئے میک اپ کے ساتھ بلاشبہ  
پھولوں کی منک لگ رہی تھی۔

اسے جمولے پر حمزہ کے برابر لاکر بٹھایا گیا۔  
پھر جب داد نے اسے تالیوں کی گونج میں حمزہ کے  
ہام کی انگوٹھی پہنائی تو دل نے ایک انگوٹھی کے عوض  
ساری دولتیں پہلو میں بیٹھے حمزہ کے ہام کرویں۔  
"مگنی مبارک ہو۔" سب سے نظر بچا کر حمزہ نے  
اس کے کان میں سرگوشی کی۔ اس کا جھکا سر مزید جھک  
گیا۔ آنکھوں میں خوب اور ہونٹوں پر مسکان اتر آئی  
تھی۔



"تھوہل سجا بہت بڑی بیماری ہے۔ اللہ پاک  
اسے شفا دے۔" منک کو سن کر بہت السوس ہوا۔  
اسی بل اس کی نظریں نیچے کی خالی دیرین آنکھوں  
سے لکرائیں۔

"سنیے!" جاتی ہوئی عورت کو روک کر اس نے  
پرس میں موجود تمام پونجی اسے تھمائی۔

"سوری انکل! ابھی میرے پاس یہ کتابیں خریدنے  
کے لیے پیسے نہیں۔ پھر کبھی آکر لے جاؤں گی۔" اس  
نے متانت سے بارہ لٹریچر و کلن ڈار سے معذرت کی۔

حمزہ کارڈ چہرے کے آگے سے ہٹا کر سینے پر ہاتھ  
باندھے اسے دیکھے گیا چھوٹے چھوٹے قدموں سے  
باہر جاتی منک سے اپنے دل میں اندر بہت اندر گہرائی  
میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ہر بار ایک نئے روپ  
میں اس کے سامنے آتی تھی مگر اس کا یہ روپ تو ہر  
روپ سے زیادہ خوبصورت تھا، کچھ سوچ کر وہ ٹکڑے ٹکڑے  
چلا آیا اور منک کی چھوڑی ساری کتابیں پیک کرنے کا  
کہہ کر ماما کو مہیج کرنے لگا جو اس کا فیصلہ جاننے کو  
بے قرار تھیں۔



حمزہ کا فیصلہ جاننے کے بعد اس کی ماما اس نہیں  
چل رہا تھا۔ ڈر کر ملن پہنچ جائیں۔ عید تو ویسے بھی داہر  
ہی کرنے کا دن تھا اس لیے اٹل بلائٹ سے ہی وہ لوگ  
چلے آئے تھے۔ بیٹے اور بہنو کو یوں اچانک سامنے پا کر  
واپس نہال ہو گئی تھیں اور جب ان کے آنے کا مستعد ہوا  
چلا تو خوشی ہو بلا ہو گئی۔ آنکھیں تو میسورہ بیگم کی بھی بھر  
تکی تھیں پھر بیٹوں کی پیشکش میں کسی طے پلایا کہ عید  
کے دن حمزہ لور منک کی مگنی کرنی جائے جبکہ شادی  
کچھ عرصے بعد کرنے کا ارادہ تھا۔

داد نے گئے ہاتھوں دونوں بیٹوں لور ہوسوں کی  
رضامندی سے سروش اور فلک کی ذیالی نسبت بھی  
طے کر دی۔

اچھی طرح خود کو یقین دلانے کے بعد سروش نے  
جو اچھلنا کو دنا شروع کیا تو حمزہ سے اسے سنبھالنا مشکل

سفید بیک گرائونڈ میں حسین سائیب مرد اور اس کے  
اورد گرد بھری ڈھیروں گلاب کی پتیاں اندر صرف اتنا  
لکھا تھا۔

"Life is Beautiful but  
less than you"

کسی کی زندگی میں اپنی اتنی اہمیت کے اس  
نویسورت اظہار نے اسے مدح تک سرشار کر ڈالا  
تھا۔ وہ کتنی ہی دیر لفظوں پر الکلیاں پھیر کر ان میں  
چھپی جذبوں کی خوبصورتی محسوس کرتی رہی۔ یہ اس  
کی زندگی میں سلا موع تھا جب اس کے اورد گرد اتنی  
کتاہیں بھری تھیں اور وہ ان میں کم ہونے کے بجائے  
کس اور کم تھی۔ اگر زرش لکھ بلیجہ تلی یا کوئی اور یہ  
دیکھ لیتا تو لانا "ملے" حیرت کے بے موش ہو جاتا۔



آج حنوزہ کالمن میں آخری دن تھا۔ جس پروجیکٹ  
کے سلسلے میں وہ یہاں آیا تھا وہ پایہ تکمیل تک پہنچ چکا  
تھا۔ شام کی لائٹ سے اس کو اور پس تھی۔ وہاں ہر کمن  
میں چلا آیا۔ رلوو اپنے تخت پر اس بیٹھی تھیں۔ داو  
کے قدموں میں بیٹھ کر اس نے اپنا سر کمن کی گود میں رکھ  
دیا۔

"تے رستا۔ لن بوڑھی آنکھوں کو ترسا ہست۔"  
داو نے اس کا ماتھ چوما اور پیار سے اس کے ہل  
سلمانے لگیں۔ وہ ان کے بوڑھے ہاتھ اپنے  
ہتھیایوں میں تمام کر بے اختیار چوستے لگا۔  
"بہت یاد آئیں گے آپ کے یہ محبت بھرت  
لس۔" اس نے تو داو سے ساتھ چلنے پر بے حد اصرار  
کیا تھا مرن کا ایک ہی جواب تھا اب تو تمہارے  
دلہے پر ہی آؤں گی۔ داو کے دلخیزے کلوقت اور ہاتھ۔  
وہ ایک پار پھر اس کا ماتھ چوستی قیدیہ سی اندر چلی  
گئیں۔ وہ تخت پر لیٹ کر خلی خالی نظروں سے نعت  
منزل کے ہر گوشے کو انداز کرتا رہا پھر کچھ سوچ کر لوپ  
چا آتا۔

مشقی کے بعد تک اس کے سامنے نہیں آئی تھی۔

وہ ڈرننگ ٹیبل کے آئینے میں خود کو دیکھے جاری  
تھی۔ نیچے تقریباً اقسام پذیر ہو چکی تھی۔  
سب مہمان جلنے کے تھے مگر کے لوگ ہی مل بیٹھ کر  
خوش گہوں میں مصروف تھے وہ منیج کے بغیر پھولوں  
سے گندھی چولی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے آئینے میں سولہ  
شگبار سے آراستہ اپنا ادب دیکھے جاری تھی جو بہت  
اجنبی اجنبی سا لگ رہا تھا۔

"آج لخصیہ لہا تھی ساڑھی میں کتنی پیاری لگ  
رہی تھیں" اسے اچانک ان کا خیال آیا اور وہ ہنی  
دو جھلنے لگی۔ "انہیں کتنا شوق تھا میں پلی ایچ ڈی  
کرنے کا" بیکچار بننے کا۔ ایم ایس سی MSC  
گولڈ میڈلسٹ تھیں مگر کیا ہا شادی کے بعد ان کے  
خوابوں کا؟ نور بیجہ آئی کتنی اچھی بیٹری تھیں انہیں  
رنگوں سے کھیلنے کا کتنا اشتیاق تھا مگر شادی کے بعد اس  
نے ان کے ہاتھوں میں کبھی برش نہیں دیکھا تھا۔

کیا شادی کے لیے ہر لڑکی کو اپنا ہر شوق ہاتھ کی بیٹری  
پر چھوڑ کر جانا ہوتا ہے؟ کیا مجھے بھی اپنی کتابوں کو بھولنا  
ہو گا؟ منفی خیالات اچانک حملہ تور ہوئے تو دل میں  
بے سکونی اترنا شروع ہو گئی۔

اس نے سر جھٹک کر ہر خیال دور پھینکا اور زبور  
اتارنے لگی۔ جھیکے اتارتے ہوئے اس کی نظر  
رائٹنگ ٹیبل پر پڑی۔ وہاں بڑا سا گت پیک رکھا تھا۔  
وہ لستے لے کر بیڈ پر آ بیٹھی۔ اس پر کسی کا نام نہیں  
لکھا تھا۔ اس کے باوجود وہ جان گئی یہ اس نے بیجا ہو گا۔  
ہتھیایوں میں بے اختیار بیوہ اتر آئی۔ ہاتھوں کی  
لرزش پر قابو پا کر اس نے گت پیک کھوا تو مارے  
خوشی کے ہلکی سی چیخ نکلی گئی۔ اندر ڈھیروں کتابیں  
رکھی تھیں۔ وہ ایک ایک کتاب اٹھا کر دیکھنے لگی۔  
سب کی سب وہی تھیں۔ وہ وہ اس دن نکلوتی رہ چھوڑ آئی  
تھی حیرت نے آنکھوں کا احاطہ کر لیا۔ کچھ دیر پہلے دل  
میں گھر کرتی بے سکونی روح میں آرتے سکون میں  
مد عم ہو کر پناہ دہر کھونے لگی۔

ڈبے کی تہ میں اک کارڈ بھی رکھا تھا۔ اس نے  
بجھکتے ہوئے اٹھا لیا کارڈ بے حد خوبصورت تھا۔





دونوں گھروں میں شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ حمزہ  
 چونکہ اکلوتا تھا اس لیے اس کی ممالکی خواہش بھی کہ وہ  
 اس کی شادی میں اپنے سارے اہل خانہ کو لے کر لے جائے۔  
 دوسری طرف صبیحہ بیگم بھی یہی چاہتی تھیں کہ ان کی  
 پھول بیٹی کی شادی میں کوئی کسر پائی نہ رہے۔ چونکہ  
 بھائیوں نے انہیں وراثت میں سے ان کا جائزہ شریعت  
 دیا تھا اس لیے روپے پیسے کی کوئی غٹھی نہیں تھی۔  
 مگر حمزہ نے جینز نہ لینے کا شو شاپ چھوڑ کر انہیں  
 پریشان کر دیا بلکہ اس نے تو یہ کہتے ہوئے شادی اور  
 دلہے کے لیے ہونٹ کی بیگ کروانے سے بھی منع  
 کر دیا تھا کہ جب اپنے اتنے بڑے اور خوبصورت گھر  
 موجود ہیں تو پھر اس فضول خرچی کی کیا تک ہے۔  
 سب نے زور دیا تو انہیں نے صاف کہہ دیا اس طرح  
 جو رقم بچ جائے اس سے کسی بے سارا لڑکی کی شادی  
 کروا دیجئے گا۔ چونکہ اس کی نیت صاف تھی اور جذبہ  
 نیک تھا اس لیے سب مل گئے تھے۔  
 پھر اللہ اللہ کر کے شادی کا دن بھی آپہنچا۔ صبح کی  
 حالت صبح سے عجیب تھی۔ کبھی نئی رفاقتوں کی خوشی  
 انگ انگ میں سرشاری بھر جالی اور کبھی آسینہ  
 چھوڑنے کا غم رگ و پے میں سرایت کرنے لگا تھا۔  
 اسی وجہ سے چھاؤں کی کیفیت میں نکاح ہوا اور اسے  
 حمزہ کے پہلو میں لٹھکایا گیا۔  
 میون لٹھکے اور بیچ لائیک شرٹ میں روایتی دلہنوں  
 کے تمام لوازمات سے آراستہ۔ بہت پیاری لگ رہی  
 تھی۔ بھومرٹی نے گویا حسن میں چار چاند لگا دیے  
 تھے بیچ رنگ کی شیر والی میں حمزہ کی محبت بھی نزلتی  
 تھی۔  
 ”بھئی دہن پر روپ آتا تو سنا تھا مگر میں تو دہن کے  
 ساتھ ساتھ دہن میں پر بھی ٹوٹ کر روپ آیا ہے۔“  
 کسی مہمان خاتون نے بھر پور تہنہ کے ساتھ تبصرہ کیا  
 تو سب نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔ دونوں کی جوڑی  
 چاند سورج کو شرار ہی تھی۔

وہ بھی اوپر نہیں جاتا تھا مگر جانے سے پہلے آخری بار  
 وہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ اور نکل سنا تھا۔ وہ صبح کو  
 تلاش کرتا پچھلے زینے کی طرف آیا تو وہ ہاتھوں کے  
 پالے میں چہرہ سجائے بیٹھی تھی۔ وہ آہستہ سے اس  
 کے پاس سے دو قدم نیچے آ بیٹھا۔ صبح یوں اچانک  
 اسے دیکھ کر گڑ بڑا گئی۔  
 ”تم رو کیوں رہی ہو؟“  
 ”نہیں نہیں تو میں کہیں رو رہی ہوں۔“ اس نے  
 ششک آنکھوں سے جھٹلاتا چلا کر آنسوؤں نے پلکوں  
 کی ہاڑ توڑ کر محرم قاش کر ڈالا۔  
 ”دور داخل آنکھ میں کچھ چلا گیا تھا۔“ وہ حمزہ کی  
 اندر تک اترتی شفاف گہری آنکھوں سے گھبرا کر  
 نظریں چرائی۔ اب کیوں کا جواب کیا دیتی۔ بے شک  
 منگنی کے بعد سے اس کے سامنے نہیں جاتی تھی مگر یہ  
 احساس کیا کم تھا کہ جن ہونٹوں میں وہ سانس لیتی ہے وہ  
 اس کی خوشبو سے بوجھل ہیں اسے چھو کر آتی ہیں۔  
 جب سے اس نے حمزہ کے جانے کا سنا تھا  
 آنکھیں پونہی چھینکے کو بے تاب رہتی تھیں۔  
 میڑھیوں کے پاس ہی بار سنگھار کا بیڑ تھا۔ ہولانے اسے  
 چھیڑا تو ڈھیروں پھولوں پر برس گئے۔ بہت سے  
 دھندے بہت سے اقرار خاموشی کے طویل دتھے غن  
 خاموشی کی ذہالی ہی کر کے حمزہ ٹھک کر آوا۔  
 ”اب میں چلتا ہوں بہت جلد تمہیں لینے آؤں گا۔  
 میرا انتظار کروں گی میں؟“ بڑی آس سے پوچھا صبح  
 نے بے اختیار اثبات میں صراہا۔ اس کا وہ اس سر  
 دل میں اتارنا وہ آگے بڑھ گیا۔  
 ”سنو!“ جاتے جاتے پلٹا۔  
 بجا ہے دل کے قلعے کو فتح کر سکتے ہیں آنسو  
 مگر تیری آنکھوں میں یہ لٹک مجھے اچھے نہیں لگتے  
 ”آنسو آنکھوں میں کچھ“ جاتے مت رہنا۔“  
 سکر کر کہتے ہوئے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا۔ اس  
 کے قدم گنتی صبح سوچ کر رہ گئی۔ ”یہ شخص واقعی ڈاکو  
 ہے۔ خالی ہاتھ آیا تھا اور اب میرا سب کچھ لوٹ کر  
 لے جا رہا ہے۔“

کر دیا۔

ابھی مون کے لیے دونوں شکل ملاؤ جات گئے تھے وہاں سے واپسی پر منان کا چکر لگایا تھا۔ جہاں دعوتیں بھٹکتے ہوئے وقت گزرنے کا پتا بھی نہیں چلا تھا۔ مہینے بعد جب دونوں واپس آئے تو ایک دوسرے کے اتنے قریب ہو چکے تھے جیسے کئی سالوں سے ساتھ ساتھ ہوں۔

کمرے میں پر سکون تاریکی کا رنج تھا۔ منہ کیسے منہ چھپائے گہری خیند سہیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی صبح نے بڑے پیار سے اسے جگانے کی کوشش کی تھی مگر ذرا سا کسختی کے بعد وہ پھر غافل ہو گیا تھا۔ اسے اس مشق میں اٹھنے کا الٹی ٹیلم دینا وہ ناشتا بنانے میں لگی۔ حالانکہ خانہ سال موجود تھا مگر اسے منہ کا ہر کلم اپنے ہاتھوں سے کرنا اچھا لگتا تھا۔ ناشتے کی ٹرائل کھینچتے ہوئے وہ اندر آئی تو منہ ابھی تک خواب خیز گوش کے مزے میں تھا۔ اسے ٹوبے آفس جانا ہوتا تھا اور اب ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔

”لقد معاف کرے آپ ابھی تک سوئے ہیں“ آفس نہیں جانا کیا؟“ مگر پر ہاتھ رکھ کر وہ اسے غور کر رہی تھی۔ پھر اچانک ہنچ سوچ کر شرارت سے مسکرائی اور ٹائم ٹیس پر الارم سیٹ کر کے اس کے کان کے پاس رکھا اور ٹھٹکی کے پردے میں چھپ گئی۔ الارم کی چنگھاڑتی آواز اور سورج کی تیز شعاعوں نے بیک وقت منہ پر حملہ کیا اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

اس کی بدحواس شکل دیکھ کر صبح کے قبضے پھوٹ گئے۔ اسے یوں خود پر ہنسا دیکھ کر منہ ایک جھٹکے سے بیڈ سے اتر کر صبح کی طرف بڑھا۔ اسے شاید غصہ آ گیا تھا۔ اسے اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر صبح مارے بڈار کے اٹنے قدموں پیچھے آئی پو پو سے جا لگی۔ ابھی کل ہی تو ممانے بتایا تھا کہ لیل تو منہ کو غصہ آتا نہیں مگر آجائے تو سامنے والے کی خیر نہیں ہوتی۔ اس کا حلق خشک ہو گیا۔ منہ خطرناک تیوروں سے اس کے سامنے آکر اہول۔ دونوں ہاتھ دیوار پر ٹکا کر اس کے فرار کا راستہ بھی معدوم کر دیا۔ اس کا ہاتھ اٹھ طرف

شادی کی رسموں کو سب نے نوب انجوائے کیا سارے لڑکے منہ جبکہ لڑکیاں صبح کی طرف ہو گئیں۔

یوں ہی ہنستے مسکراتے رخصتی کا وقت آپہنچا تھا ہر آنکھ جس میں کچھ دیر پہلے خوشی کے ستارے چمک رہے تھے اب کواہی سے جھلملا رہی تھی۔ ابھی طے ملانے کا سلسلہ جاری تھا کہ ایک مجرورہ نما ہو گیا۔ صبح کا بھولا شام کے ڈھلتے سماؤں میں دلہن چلا آیا تھا۔ ابھی چند دن پہلے ہی صبح کے والد نے جو دلوں کے بوائے تھے انہوں نے فون کیا تھا۔ اپنے کیے پر بہت شرمندہ تھے۔ رو رو کر معافی مانگ رہے تھے۔ معاف کرنا آسان تو نہیں تھا مگر سست سے گلوں شکووں کے بعد دلوانے انہیں معاف کر کے آنے کی اجازت دے دی۔

”شام کے سائے اگرچہ ڈھل رہے تھے مگر تھی تو ابھی شام تھی۔“ یہی سوچ کر صبح نے بھی انہیں معاف کر دیا تھا مگر ان کے آنے کو پھر بھی راز رکھا تھا۔ مبادا وہ ایک بار پھر اپنا ارادہ بدل ہی نہ دیں۔

وہ رخصتی کے وقت تک پہنچ ہی گئے تھے اور فہم جو سوجھی تھی جب کبھی ان سے سامنا ہوا وہ انہیں اسی طرح نظر انداز کرے گی۔ جس طرح انہوں نے ان کو کیا تھا۔ مگر انہیں اچانک سامنے پا کر وہ بغیر کوئی شکوہ کیے ان کی کھلی ہاتھوں میں چا سائی اور لٹا رہی کہ ہر گلہ شکوہ آنسوؤں میں بہ گیا۔ قرآن مجید لور دھلوں کے سائے تلے جب وہ نعمت محل سے وراج ہوئی تو لور بہت ہی چیزوں کی طرح اپنی ذات کی محرومیاں بھی بڑیں چھوڑ گئی۔



شادی کے بعد زندگی اتنی خوب صورت ہو جائے گی۔ صبح نے سوچا بھی نہیں تھا۔ منہ نے نہ تو چاند مارے تو ڈالنے کے وعدے کیے اور نہ ہی کسی دوسری دنیا کے خواب دکھائے تھے۔ بس سیدھے سیدھے اپنا دل جو وہ پہلے ہی اس کے ہم کر چکا تھا۔ اسے پیش



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

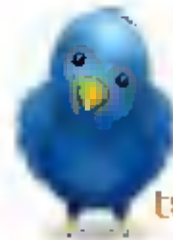
# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ابھی سے ابھی تو بارہ بھی نہیں بجے۔" اسے حیرت ہوئی۔ مسکاب کیا بتاتی وہ تو اس کے جاتے ہی آنے کا انتظار شروع کر دیتی تھی۔

"اللہ معاف کرے حمزہ! میں تو سارا دن اکیلے سخت پور ہو جاتی ہوں۔ بتائیں ناکیا کون۔" وہ اپنا تکیہ کلام دہراتے بولے۔

"پڑھائی کا سلسلہ دوبارہ شروع کرو۔" حمزہ نے حل پیش کیا۔

"ماسترز تو کر چکی لب مزید کتاب پڑھوں۔" اس نے منہ بنا کر مشورہ رد کر دیا۔

"تو بھئی کتابوں سے دوبارہ دوستی کر لو۔"

"کتاہیں۔" اس نے زیر لب دہرایا "ہی نے شادی کے بعد ہر وقت کتابوں میں منہ دے رکھنے سے کتنی سے متعلق کیا تھا۔ اس کے لاکھ ختمیں کرنے کے باوجود اس کی کتابیں لاہور میں بھجوانی تھیں۔

مسک کو خود پر حیرت ہو رہی تھی۔ کیسے وہ اتنا عرصہ کتابوں کے بغیر زندہ رہی تھی۔

"مگر حمزہ! میری کتابیں تو لیکن ہی میں رہ سکیں۔ اسی نے لانے ہی نہیں دیں۔" وہ بے چہرگی سے گویا ہوئی۔

"اللہ معاف کرے ڈیر مسز! کیا یہ ضروری ہے کہ تم صرف اپنی ذاتی کتابیں ہی پڑھو تمہاری ناکیا لائبریری سے استفادہ کر لیا کرو۔" وہ اس کا تکیہ کلام دہراتا بولا تو وہ فون کو گھور کر رہ گئی مگر چونکہ اس کا مشورہ پسند آیا تھا۔ اس لیے برا نہیں بنا۔

"اچھا مجھے ساتھ بڑھانا ہے پھر بات کریں گے۔" اللہ حافظ۔ وہ فون بند کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے حیرت ہو رہی تھی۔ اس نے ابھی تک لائبریری میں جھانکا کیوں نہیں۔

"اللہ معاف کرے اتنی خوب صورت لائبریری۔" جون ہی وہ اندر داخل ہوئی اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ بڑے سے ہل لڑا کر کے تین اطراف میں دیوار گیر الماریاں نصب تھیں۔

چونکہ طرف آدمی دیوار گھاس کی تھی۔ جس سے

بڑھتا دیکھ کر مسک نے کبوتر کی طرح تھکی سے آنکھیں بند کر لیں۔ حمزہ نے بھٹکتے سے اس کے پیچھے کھوٹی سے لڑکا تکیہ اتارا اور شہادت کی انگلی سے اس کی ناک کی پھینک زور سے دبا کر قہقہہ مار کر فیس پڑا اب مسک کی شکل دیکھنے والی تھی۔

"کیا بہت خوف ناک ہوں میں؟" اس کی دہشت بھری آنکھوں میں معصومیت سے جھانکتے ہوئے پوچھا۔ مسک غصے سے اس کے پاؤں پر اپنا پاؤں پتخ کر گھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔

"اللہ معاف کرے۔ آج تو میری جان ہی نکل کر رکھ دی تھی۔" اس کا دل ابھی تک زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ حمزہ اپنی شرارت سے لطف اندوز ہونا کچھ دیر گہری نظروں سے لے رکھتا رہا۔ وہ روشنی ہوئی اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ منانے کا پروگرام کچھ دیر بعد پر اٹھا کر اس کی لمبی جوتی کو جھٹکاؤنا مشورہ لینے چلا گیا۔ اس کی پیشہ کو پیار سے مٹا دکھاتے ہوئے مسک بے اختیار فیس دی۔

\*\*\*

شادی کے شروع کا عرصہ تو یوں پلک جھپکتے گزر اٹھا کہ چٹا بھی نہیں چلا تھا مگر اب جب سے نارمل روٹین شروع ہوئی تھی تو سب کے جانے کے بعد وہ گھر میں اکیلی پور ہو جاتی تھی۔

کرنے کو کوئی کام بھی نہیں تھا۔ مختلف کاموں کے لیے مختلف ملازمتیں تھیں۔

حمزہ کے سارے کام نے شک وہ اپنے ہاتھوں سے کرنے کی کوشش کر لی تھی۔ مگر وہ ہوتے ہی کتنے تھے۔ تھوڑی دیر میں ختم ہو جاتے۔ اس کے بعد سارا دن وہ ہوتی اور اس کی تھلی۔ وہ لب اس روٹین سے شدید پور ہونے لگی تھی۔ بے مقصد جینٹل سرنگ کرنے کے بعد کچھ سوچ کر حمزہ کا نمبر ملانے لگی۔

"کیا ہو رہا ہے ڈیر مسز؟" سلام کے بعد حمزہ نے پوچھا۔

"آپ کا انتظار؟" وہ بے ساختہ بولی۔



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اللہ معاف کرے آپلی امیں تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ زندگی اتنی شان دار بھی ہو سکتی ہے۔ بتا ہے اب سارا دن میں ہوتی ہوں اور کتابیں نہ کوئی روک ٹوک نہ پڑھتی آپ لوگوں نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔ شادی کے بعد یہ ہوتا ہے شادی کے بعد ہوتا ہے۔ لیکن جتنے اس ڈر سے میں نے تین مہینوں تک کتابوں کو چھوا بھی نہیں، مگر اب ساری کسر نکل رہی ہے۔"

دو سہی طرف لائن پر خاموشی چھا گئی۔ پھر اس کی مزاج آشنا بھی اور کتابوں سے متعلق اس کی رہنمائی کو کون نہیں جانتا تھا۔ سوچ رہی تھی جب اسی کی باتیں روک ٹوک کے بل بوتے پر مکالمہ چل گیا تھا کہ کتاب ہاتھ سے جدا نہیں ہوتی تھی تو اب کھلی چھوٹ ل گئی ہوگی تو۔

"اگر تم ناراض نہ ہو تو ایک بات کہوں؟" آپلی ایک سی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ کیا اب آپ مجھ سے کچھ سنے کے لیے اجازت کی ضرورت پڑے گی۔" وہ

نہ مٹھے انداز میں بولی۔  
"ہمسک! ہر جذبہ ہر کام ہر شوق پتا ہے کب تک اچھا لگتا ہے؟" کب تک تمہک نے نا کبھی سے پوچھا۔

"جب تک وہ اعتماد کا پیرا میں اور مجھے رہے تاکہ تمہاری سانس سسر شوہر سب اچھے ہیں۔ انہیں تمہارے شوق پر کوئی اعتراض نہیں، تمہیں بھی بہنا۔ سمجھ رہی ہو۔ نامیری بات۔ اچھا لگتا ہے پتلا ہانڈہ گنی ہے، میں بعد میں بات کرتی ہوں۔" وہ اسے تفصیل سے سمجھانے کا سوچے بیٹھی تھی، مگر بچکانے کے رونے کی آواز من کر جلالت میں فون بند کر دیا۔ مسک کچھ دیر فون ٹھوڑی تلے رکھے ان کی بات پر غور کرتی رہی، پھر سر جھٹک کر دوبارہ کتاب کھول لی۔

"آئی بھی نا خواہ خواہ پریشان ہوتی رہتی ہیں۔" اسے اپنی زندگی کے کوشش ہلانے کی آخری سفور کی مانند لگتی تھی۔ "پھر وہ سب خوش خوش رہنے لگے۔" اور کہلن ختم۔ ایسا سوچتے ہوئے وہ راستہ کہلن اور زندگی کا فریق

خوب صورت لائن کا برابر بھرا منظر نظر آتا تھا۔ درمیان میں گلاس ٹاپ ٹیبل اور ریو لوٹنگ چیر رکھی تھی۔ کمپیوٹر سسٹم بھی تھا۔ ہاسوں میس پر بیٹھ کر ملاقات کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے دوسرے کام بھی کرتے تھے۔

اسے سخت لغسوں ہو رہا تھا، وہ یہاں پہلے کیوں نہیں آئی۔ انگریزی، اردو کے علاوہ فارسی زبان کا بھی وسیع خزانہ جمع تھا۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا پڑھا جائے اور کیا نہیں۔ کالی سوچ بچار کے بعد اس نے محمد ولی رانزی کی کتاب اٹھائی۔ حمزہ کی گاڑی کا ہارن مثالی دیا تو چونک کر سیدھی ہوئی۔

"ارے یہ آج اتنی جلدی آگے۔" مگر ساڑھے چھ بجے بجالی گھڑی پر نظر پڑی تو انگشت بندوں میں رہ گئی۔ وقت دوکانے کیس کھٹا تھا۔ آج گویا پلک جھپکتے ہی بیت گیا تھا۔



رفتہ رفتہ مسک کی پرانی روٹھن لوٹ آئی تھی۔ کچھ دنوں پہلے جس یورپ کے گلے شکوے ہمہ وقت اس کی زبان پر چلتے تھے۔ اب ان کا نام پوٹشان نہیں تھا۔ پہلے تو حمزہ کی موٹر گاڑی میں اس کا سارا وقت حمزہ کے لیے ہوتا تھا۔ مگر اب "وہ وقت بھی کتابوں کی نظر ہو جاتا تھا۔"

"ہاں کون کتنا ہے شادی کے بعد لڑکیوں کے سارے شوق اپنی موت آپ مر جاتے ہیں۔" وہ کالی کا کپ لیے گلاس وال سے گلابی شام کا نظارہ کرتے اکثر طمانیت سے سوچتی تو خوب صورت مسکراہٹ چہرے کا احاطہ کر لیتی تھی۔

اس وقت بھی وہ کسی کتاب میں کھوئی تھی۔ جب سیکھنے یا کارڈ ایس فون اسے تھما گئیں، تو سری طرف دیکھ گئی۔

"جاں بھی کیا حال ہے۔ تمہاری گاڑی حل نکلا یا پھر وہی صورت حال ہے۔" سلام دعا کے بعد اس نے پوچھا تو مسک جوش و خروش سے شروع ہو گئی۔

### بھول جاتی تھی۔

کاٹھی میں رکھا اور گلاب توڑ کر کمرے میں چلا گیا۔  
 لیے لیے ڈنگ بھرنا مسک کے پاس آکر رک گیا۔  
 ریشمی زلفوں کے ہالے میں اس کا مصوم چہرہ بھی  
 گلاب کی مانند لگ رہا تھا۔ وہ مسکور ہو کر گہری نظروں  
 سے دیکھے گیا۔ کچھ دیر پہلے والی جھنبلاہٹ پر اب پار  
 غالب تھا۔ ہاتھ میں پتھرے گلاب سے اس کا مکمل  
 سہلایا۔ مسک کی آنکھیں لہو بھر کر دہو میں اس سے  
 پہلے کہ وہ کچھ بھجھتی وہ سہیلہ بھل پر رکھی کتب پر  
 پھول رکھ کر جتنی تیزی سے آیا تھا اتنی تیزی سے  
 واپس چلا گیا۔ اسے آس سے دیر ہو رہی تھی۔



پورا کرا تھر کی میں لایا تھا۔ صبح پر ہونے کی ہوش سے  
 چھین چھین کر آئی سوچ کی کر میں اندھیرے سے پر سر  
 پیکار تھی۔ جہازی ساتر کے بیڈ کے ایک طرف  
 مسک جبکہ دوسری طرف جنو تکیہ روپے محو خواب  
 تھا جنو نے کسمسا کر گروت بدلی تو نیم وا آنکھیں  
 الارم ہیں کے ریڈیم ڈائل سے ٹکرائیں۔ وہ نکلتی  
 یاد سے دیکھا رہا پھر کرنٹ کھا کر اٹھ بیٹھا۔



جنو آفس کے گراؤنڈ فلور پر لٹ کے انتظار میں  
 کھڑا تھا کہ سر پر پڑے والی چپٹے لے کر بڑا رہا۔ وہ اس  
 گستاخانہ حرکت پر چلنے پا ہوا مڑا تو سامنے اپنے  
 نکلنے یار طلحہ کو پا کر حیران رہ گیا، جواب کینڈا میں  
 ہوتا تھا۔

اسے ٹھیک نو بجے آفس پہنچنا تھا اور اس وقت  
 پونے نو ہو رہے تھے صبح نماز کے لیے تو اس کی آنکھ  
 خود بخود کھل جاتی تھی۔ مگر پھر جو سوتا تو اٹھنا مشکل  
 ہو جاتا تھا۔

پہلے تو وہ الارم سیٹ کر دیتا تھا۔ مگر جب سے شادی  
 ہوئی تھی۔ اس کی آنکھ مسک کی کھالی میں کھکتی  
 چوڑیوں سے کھلتی تھی مگر آج کل۔ وہ حسرت بھری  
 نگاہ اپنی سوئی ہوئی نصف بستر پر ڈالنا اٹھ کھڑا ہوا اور  
 ہانگم ہانگ واش روم پہنچا۔ جلدی جلدی شاور لینے  
 کے بعد ڈریسنگ روم میں آکر جو کھاتا تو کپڑے اور  
 جوتے نہ ارد۔ شادی سے پہلے وہ اپنے ذاتی کام خود کر لیتا  
 تھا۔ مگر اب جبکہ کھل مسک پر اٹھنا کرنے لگا تھا تو  
 وہ لا پرواہی جاری تھی۔ یہ تو اب روز کا معمول بن چکا  
 تھا۔

”ہاں تو کب آیا؟“ مارے خوشی کے جنو نے اسے  
 بھیج کر رکھ دیا۔

”ارے یار! غریباں توڑے گا کیا۔“ اس کی آہنی  
 گزرت سے گھبرا کر طلحہ چیخا اٹھا۔ وہ ہنستے ہوئے اسے  
 اپنے کہن میں لے آیا۔ باتوں باتوں میں وقت گزرنے  
 کا پتا ہی نہیں چلا۔

سونیا (اس کی بیوی) کی کال آئی تو وہ ہانگم رکھتا اٹھ  
 کھڑا ہوا۔ اسے سونیا کو شاپنگ پر لے جانا تھا اس لیے  
 اجازت چاہی۔

”تو اپنی بھانجھی سے تو ملادی نہیں یہ بتا کر کب آ رہا  
 ہے۔“ وہ اس کی شادی پر پاکستان نہیں آتا تھا۔ جنو  
 اسے پارکنگ تک چھوڑنے اس کے ساتھ چل پڑا۔  
 ”بہت دیکھے ہیں آج ذرا مصروف ہوں۔“

”تو بس پھر کل ڈنر تو میری طرف کرے گا۔“ جنو  
 نے فیصلہ سٹایا۔

”جو حکم میرے یار کا ہاں مگر کھانا بھانجھی کے ہاتھ کا  
 ہونا چاہیے۔“ ابعداری کا منہ اہرہ کرتے ہوئے طلحہ

نہیے کی تیز ہر سر سے نکل کر بیروں کو دوڑی مگر کھل  
 کے مقام تک آتے آتے اپنی گہری کھو کر جھنبلاہٹ  
 میں بدل گئی۔ مسک اتے ایسا علوی بنا کر خواب کتبوں  
 میں گم ہو کر لا پرواہ ہو گئی تھی۔ رات دیر تک پڑھتی  
 رہتی۔ اس لیے صبح آنکھ دیر سے کھلتی تھی۔ اس کے  
 تپنے جانے کا حساب رکھنا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ بغیر  
 ناشتے کے وہ جیسے تیسے تیار ہو کر نیچے پہنچا گاڑی کا  
 ودان کھولا ہی تھا کہ اٹھ کر گلابوں کے بیج میں سب سے  
 زیادہ کھلے خوب صورت مسخ گلاب پر پڑی جو دور  
 سے ہی نمایاں تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے بریف کیس



نے شرط بھی عائد کر دی۔

"ویسے بھائی کو کھانا بناؤ آتا ہے نا؟"

"ارے ایسا ویسا جو ایک بار کھائے آئندہ کھانے سے توجہ کر لیتا ہے۔"

"واقعی۔۔۔" طلحہ گھبرا گیا۔ جبکہ حمزہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

"ارے پار گھبرا مت مذاق کر رہا تھا۔ منگ اگرچہ کم پکائی ہے مگر اچھا کالی ہے۔"

"ہوں۔۔۔ میں بھی کہوں تیری تو نہ کیوں نکل آئی ہے۔" وہ اس کے پیٹ میں مکا مار کر شرارت سے بولا۔

حمزہ کو بچ گھبرا کر گریز سنجی کر کے اپنا۔ جائزہ لینے ننگ۔ سب کچھ فٹ تھا۔ سکون کا سانس لیتے ہوئے اس نے مسکراہٹ دباتے طلحہ کو گھورا۔ اگلے ہی پل دونوں کا مشترکہ قہقہہ پارکنگ میں گونج اٹھا۔

گھر آتے ہی اس نے منگ کو کل کی دعوت کی اطلاع دی۔ ماما پاپا تو پرسوں ہی ایک ہفتے کے لیے ملکن گئے تھے ورنہ سارا انتظام ماما سنبھال لیتیں۔

تینے عرصے بعد طلحہ سے مل کر وہ مست خوش تھا۔ رات گئے تک اسے اپنی اور طلحہ کی شرارتوں کے قصے سنانا رہا منگ۔ کبھی ہاتھ میں پکڑی "حمالتیں" کے لٹکھوں پر لور کبھی حمزہ کی باتوں پر بل کھول کر ہنستی رہی مگر جب سونے لپٹی تو شیخ الرحمن کی "حمالتیں" لور حمزہ کی "شرارتیں" آپس میں گٹھڑ ہو چکی تھیں پڑھا سنا اور سنا پڑھا لگ رہا تھا۔



خدا خدا کر کے میٹنگ ختم ہوئی۔ وہ جس وقت پارکنگ میں پہنچا سات بج چکے تھے۔ اس پر جنیوا ہٹ سوار ہونے لگی۔ گاڑی گھر کے کپڑوں میں روکی تو آٹھ بج رہے تھے۔ دیر ہو جانے پر اس کا غصے سے برا حال تھا۔ جینکے سے گاڑی کا دروازہ بند کر کے وہ لمبے لمبے سانس لے کر خود کو مارل کرنے لگا۔ اگرچہ وہ بہت نرم مزاج تھا۔ اسے غصہ دیر سے آتا تھا مگر جب آتا تو بے حد شدید آتا تھا۔

پورے گھر میں سناٹے کا راج تھا۔ کہیں سے نہیں لگ رہا تھا کہ آج یہاں دعوت ہے۔ وہ نیم آریک لادوین کو نجیب سے دکھتا ہینڈ روم میں چلا آیا۔ یہاں بھی تار کی تھی۔ منگ کیس نظر نہیں آ رہی تھی۔

وہ اسے آواز میں دیتا نیچے چلا آیا۔ سیکنڈ تھا بھی دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ یوں تو وہ سر شام چلی جاتی تھیں مگر آج اس نے منگ کو انہیں روکنے کی خصوصیت بدایت کی تھی۔ وہ کچن میں بھی دیکھ آیا۔ بچہ نہیں بھائیں کرتے خالی کچن نے اس کا دل غچکرا دیا۔ مہمان کچھ ہی دیر میں آنے والے تھے اور یہاں۔۔۔ غصہ پھر سے اس کے دل پر سوار ہونے لگا۔

لاہیرری کے ہتھیار و لوازمات سے روڈ شیئ کی لمبی ٹیکر اور تک پھیلی تھی۔ آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ سامنے ہی منگ اور گرو سے بے نیاز روزمرہ کے حلیمے میں ہاتھ میں کتاب پکڑے اتنی گم تھی کہ اس کی آمد کی خبر بھی نہیں ہوئی۔ غصہ کٹھنوں کرتے کرتے حمزہ کا چہرہ نماز کی مانند سرخ ہو گیا۔ آنکھوں سے گویا پتھر پیاں پھونٹنے لگی تھیں۔

"منگ۔۔۔" اپنی آنکھیں اس نے چہرے پر گاڑ کر تیز لہجے میں اسے اکارا۔ وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔

"ارے حمزہ! آپ کب آئے تھے تو پتا بھی نہیں چلا۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ حمزہ کی آنکھیں دیکھ کر کچھ غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔

"تمہیں فن کتابوں سے فرصت ملے تو تمہیں بھی کچھ پتا چلے اور یہ تم ابھی تک تیار کیوں نہیں ہو میں مہمان آتے ہی ہوں گے۔" سخت لہجے میں بات کرنا وہ بالکل اجنبی لگ رہا تھا۔

"کون سے مہمان۔" باقی الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے۔ اسے یاد آیا کل رات ہی تو حمزہ نے طلحہ کی آمد کا بتایا تھا۔ صبح بھی دعوت کی یاد دہانی کر وانی تھی۔ گھر وہ مشق کے قید خانے میں "ایسی کھولی کہ کچھ یاد ہی نہیں رہا۔ اس کی آنکھیں فوراً "دل کلاک کی طرف اٹھ گئیں، جہاں سوا آٹھ بج رہے تھے۔ پندرہ منٹ میں مہمان آنے والے تھے۔

"یعنی... یعنی تمہیں یاد ہی نہیں رہا۔" حمزہ کا باغ گھوم گیا۔

"وہ... وہ حمزہ دراصل میں یہ کتاب پڑھنے میں... اس نے نفل ہو کر اپنی صفائی پیش کر لی چاہی مگر آج حمزہ کچھ سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔"

"بس... وہ ہاتھ اٹھا کر دھاڑا۔ صبح سر تپا لرز گئی۔ اس کے ہاتھ سے جھٹکے سے کتاب کھینچ کر دیوار پر دے ماری جو ڈیکوریشن مرے سے ٹکرا کر زمین پر ہی ہو گئی۔ شیشہ ٹوٹنے کی آواز میں صبح کی تیز ہونے دھڑکنوں کی آواز بگنی۔"

"تم ایک نہایت نکستی مست الوجود اور پامال لڑکی ہو۔ تمہاری شادی مجھ سے نہیں من کتابوں سے ہوئی چاہیے تھی جن کے سوا تمہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ زیادہ کہہ جاتا یا کچھ غلط کر جاتا، ہیشکل خود پر ضبط کرتے ہوئے اس کے لرزے وجود کو کاٹیج پر دھکیل کر لیے لیے ڈگ بھر تباہ ہو چلا گیا۔ چیک صبح جس کی آنکھوں میں بے چینی نمودار ہو گئی تھی۔ اپنے لرزے وجود کے ساتھ کٹنی دیر ساکت پڑی رہی۔



حمزہ گلاس میں پانی ڈالے، گھونٹ گھونٹ پینا ٹیرس کی میزٹیوں پر آ بیٹھا جیسے جیسے پانی حلق سے اترتا جا رہا تھا اس کا باغ بھی ٹھنڈا پڑتا جا رہا تھا۔ اب اسے یہ سوچ سوچ کر حشت ہو رہی تھی وہ مطلعہ کو کیا منہ دکھائے گا۔ ان کہاں جائے کیا کرے؟ اتنے شارت ٹوٹس پر تو بازار سے کچھ لانا بھی مشکل تھا۔ گلاس میں موجود باقی ماندہ پانی ایک ہی گھونٹ میں حلق سے اتر کر اس نے جھنڈا کر گلاس زمین پر دے مارا۔ چھتکے کی آواز سنائے میں اچھل پھلائی۔

وہ سر پکڑے بیٹھ گیا۔ چونکا تو تب جب سٹل پر مطلعہ کی کل آنے لگی۔ بے اختیار نظر گھڑی کی طرف اٹھ گئی جہاں لوہج رہے تھے۔ "ہیلو" اس نے مرے مرے ہاتھوں سے کل ریسیو کی۔

"یار حمزہ سو سو رہی آج کا پروگرام تو کینسل سمجھو ہم گھر سے نکل چکے تھے کہ سونیا کے بھائی کے انکسپلانٹ کی خبر تھی ہم اسپتال چلے گئے ابھی بھی وہیں ہیں تو پلینز بھائی سے معذرت کر لیتا ہم پھر کسی دن چکر لگائیں گے۔" مطلعہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔ کچھ سنے بغیر جلدی جلدی اپنی بات ختم کر کے فون بند کر دیا۔

حمزہ کو بہت بڑا بوجھ سر سے سرکتا محسوس ہوا۔ طویل سانس خارج کر کے وہ پرسکون ہو گیا مگر اگلے ہی پل خود کو سرزنش کر کے مطلعہ کے سائلے کے لیے دل ہی دل میں دعا کرنے لگا۔

وہ لب صبح کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ جوں ہی غصہ ٹھنڈا ہوا اسے انسوس ہونے لگا۔ اس نے آج تک صبح کے فخرے کسی محبوبہ کی طرح اٹھائے تھے۔ کبھی روایتی شہری کی طرح نہیں کیا تھا اسے اب حیرت ہو رہی تھی۔ صبح جس پر وہ جانے کے بخود غصہ نہیں کرنا تھا آج اسے لڑنا سب لیے کہہ گیا۔ "مجھے اسے منانا چاہیے۔" اس کی آنسوؤں سے لبریز آنکھیں بار بار دسترب کرنے لگیں تو دل نے مشورہ دیا۔

"نہیں۔ غلطی اس کی تھی۔ معافی تو اسے آگیا تھی چاہیے۔" اس کے اندر کا روایتی مواغزائی لیتا بیدار ہوا۔ اس کے اکتے قدم رک گئے۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی دوبارہ بیٹھ گیا۔

"میں آج تک صبح کی ہر غلطی ہر کوتاہی ہر لاپرواہی نظر انداز کرنا آتا ہوں مگر اب نہیں اسے ہر صورت مجھ سے معافی مانگنی ہوگی۔" اس کے اندر چوکی پاریدار ہوئے روایتی موئے فیصلہ سٹایا اور دماغ کو بھی اپنا جمنو اپنا لیا۔

دل کو بھی لسنے ساتھ ملانے کی ہلاکت کو شش کی ہنکر دل کے توکلن ہی نہیں تھے۔ جو وہ کچھ مستاً آخر تھک بار کر اس نے دل کو اتار کے گتہ میں قید کر کے ضد کا تالا لگا دیا اور دل بے چارہ روتا رہ گیا۔



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM



اور سیکھنے آیا کو ساتھ ملا کر بحث پٹ شہن وادری  
دعوت کا انتظام بھی کرنا تھا۔

کھانا بلاشبہ بہت لذیذ تھا۔ سب نے خوب واوری۔  
سوائے حمزہ کے سب کچھ ویسا ہو گیا تھا۔ جیسا وہ چاہ رہا  
تھا۔ پر اس دن نہ ہوا۔ آج ہوا تھا۔ وہ مضرب ہو کر  
اٹھ بیٹھا۔ مگر چین کسی صورت نہیں آ رہا تھا۔

وہ لوہر لوہر دیکھ کر کوئی مصیبت احوال نے لگا۔  
وردیوار سے ہوئی اس کی نظریں ہیڈ کے عین سامنے  
گئی وال پینٹنگ پر روک گئیں۔ یہ پینٹ نے آج ہی  
بھجوا لی تھی۔ خوب صورت گلاب کی چیتوں کے بیچ  
پھولوں کی لہجہ لکھی تھی۔

تو کہ ہم  
اپنی اپنی برنجشوں کو بھلاویں  
دل سے کہہ دو راتوں کے قبل ہر نکل دیں  
نور نظر میں

جو بولی ہیں لفظ نصیبوں نے  
انہیں بھلاویں  
اگر تم پہل نہیں کرتے تو چلو  
ہم ہی قدم بڑھائیں  
کہ محبتوں میں  
ان کی بات نہیں چلتی

ایک بار دوبارہ تمہیں یاد پھرنا بارہ غیر ارادی طور پر  
اس نظم کو پڑھے گی۔ "محبوبوں میں ان کی بات نہیں  
چلتی۔" دماغ میں اس جملے کی تکرار نے اسے بے گل  
کر دیا۔ تازہ ہوا میں سانس لینے کے لیے وہ لان کی طرف  
چلا آیا۔ مگر روڈ پر کی میڑھیوں پر بیٹھی منک کو دیکھ کر  
تھک گیا۔

حمزہ کی طرف اتر چہ اس کی پشت تھی مگر وہ بے  
خوبی سے اسے دیکھے گیا۔ وہ آہستہ آہستہ رو رہی  
تھی۔ آہستہ آہستہ اس کے آنسوؤں میں شدت آتی  
چلی گئی۔ پیچھے کھڑے حمزہ کو اس کا ہر آنسو اپنے دل پر  
گرنا محسوس ہو رہا تھا۔

حمزہ چمکے سے اس کے قریب آ بیٹھا۔ یوں اچانک اسے  
ساتھ دیکھ کر وہ سہم گئی۔ کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا

وہ سر ہاتھوں میں پکڑے بیٹھا تھا۔

"آپ کا سر بالکل بالک سے پریشان دیکھ کر وہ مضرب  
ہو گئی۔ مگر حمزہ خلی خلی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ  
پہلے کی طرح اس کا خیال رکھنے لگی تھی۔ اس کے لیے  
گھر بند ہوئی منک کے سامنے انداز و اطوار پرانے  
جیسے ہو گئے تھے۔ جیسے وہ چاہتا تھا۔

اس رات کے بعد اس نے منک کی آنکھوں میں  
آنسو نہیں دیکھے تھے اور نہ ہی ہاتھ میں کتب۔

اگلی صبح وہ ایک دم پہلے والی منک بن کر اس کے  
سامنے آئی تھی۔ منک اس کا پہلے سے بیوہ کر خیال  
رکھتی تھی۔ مگر کیا کہہ جسے کہ اس کا دل مطمئن ہی  
نہیں ہوتا تھا۔ اسے اس کا ہر انداز میں لگتا تھا۔ منک  
کی محبت سے لبریز دل اس سے معافی مانگنا چاہتا تھا جبکہ  
پاسی انا منک سے معافی مانگنا چاہتی تھی۔ محبت لوہر  
ان کی جنگ نے اسے بے حال کر رکھا تھا۔

"آپ کی چائے ٹھنڈی ہو گئی ہے لوہراؤں؟"  
"ضرورت نہیں۔" دانستہ اس کی طرف دیکھنے  
سے گریز کرتا۔ وہ بے رخی سے کہہ کر واش روم کی  
طرف بڑھ گیا۔

"میری خطا اتنی بڑی تو نہیں حمزہ کہ آپ معاف بھی  
نہ کر سکیں۔" وہ نمونہ اس کی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔



حمزہ طویل مناسف خارج کرنا بیڑ پر درازہ گیا۔ وہ  
بہت تھکا ہوا تھا۔ چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی۔  
بیانا تھا ابھی کچھ دیر میں منک بن کے چائے کی پیالی  
مناسف حاضر ہوگی۔

آج جب وہ سارا دن مناسف پر گزار کر تھکا ہوا گھر  
واپس آیا تو ایک سربراہ اس کا منک تھا۔ طلحہ اپنی سز  
کے ہمراہ آیا ہوا تھا۔ اسے چند دنوں تک واپس لینڈ  
بیانا تھا۔ حمزہ سے تو تقریباً روزی باہر ملاقات ہو جاتی  
تھی۔ پر آج وہ لوہر سو نیا بطور خاص منک سے ملنے آئے

منک نے انہیں بہت اصرار سے ڈنر پر روک لیا تھا

شادیت سے اس کی ناک کی پختگی دہلی جب بھی اس پر ہمارا آتا تھا۔ وہ ایسا ہی کرتا تھا۔  
 ”ہمزو! میں بھی جان گئی ہوں، مسلمانہ مدی بہترین چال ہے ہر شوق اعتدال میں اچھا لگتا ہے۔ آئندہ کبھی میں آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔“ اس کی ٹانگوں میں پور پور بھینکتی مسک نے اعتراف کیا۔  
 ”مجھوں میں اتنی بات نہیں چلتی میں بھی سمجھ گیا ہوں۔“ ہمزو نے بھی تسلیم کیا اور مسکراتی نظر مسک پر ڈال کر گاڑی گھر کے راستے پر ڈال دی۔ جہاں خوب صورت زندگی ان کی منتظر تھی۔  
 تھوڑی سی تکلیف اٹھا کر دونوں نے وہ سبق سیکھ لیے تھے جو زندگی کا سفر سہل بنانے کے لیے ضروری تھے۔ اپنی اپنی جگہ دونوں ہی سرشار تھے۔



شاید سوچی مگر ہمزو نے لٹی میں سر ہلاتے ہوئے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور دوسرے ہاتھ سے نرمی سے اس کے آنسو چھینے لگا۔  
 اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیسے مسک کو منائے۔  
 آؤ میرے سامنے ذرا سر رکھو۔ ٹھنک لیں سوچی تو ہے بے شک مگر انکار نہ کرنا سوچی سے ہوئے ہوئے ہنسنے لگی مسک کو اپنی مثال اوڑھتے ہوئے اس نے بے ساختہ شعر پڑھا۔  
 اس کی اس اچانک کلیپٹ پر مسک انگشت پدوں پر روٹی۔ مسخ بھری کی روش پر ہنسنے ہوئے خاموشی لہان کے ساتھ ساتھ گئی۔ گیت تک پہنچ کر ہمزو کو خیال آیا وہ جہاں اسے لے جانا چاہتا تھا۔ ٹھٹھٹے ٹھٹھٹے وہاں تک پہنچنے میں کافی دیر ہو جائے گی۔ اسی لیے گاڑی نکال لایا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے مسک جہاں اس کے مزاج کی تبدیلی پر حیران تھی۔ وہاں خوشی بھی بہت زیادہ تھی۔ جیسے کبھی کسی ہمزو کی ناراضی تو دور ہوئی۔  
 ”لب میں کبھی آپ کو ناراض نہیں ہونے دوں گی۔“ کن انھیوں سے چوری چوری اسے دیکھتے اس نے دل ہی دل میں عزم کیا۔ اس کی چوری پکڑ کر ہمزو کھل کر مسکرایا۔ وہ جینپ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔  
 نجانے مسک کو کیا ہوا اس کے کندھے سے سر نکا کر زار و قطار رونے لگی۔ ہمزو نے بھی نہیں روکا کہ وہ اپنا سارا غماز نکال کر لگی پھینکی ہو جائے۔  
 دیکھو مجھے ڈر لگتا ہے غصے سے تمہارے تم مجھ سے قفا ہو بھی تو اظہار نہ کرنا وہ بھینکی تو اس میں بولی تو ہمزو نے جھٹ کان پکڑ لیے۔  
 وہ روتے روتے یکدم خنس دی۔  
 ”ہمزو یہ سب۔“ اس نے جھپٹی سیٹ پر رکھی بہت ساری نئی کتابوں کی طرف اشارہ کر کے چمچ کھانا چاہا مگر ہمزو نے روک دیا۔  
 ”میری مسک کتابوں کے بغیر اور چوری ہے اور میں اپنی مسک کو قطعاً اوروں نہیں دیکھ سکتا۔“ پیار بھری ظہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ہمزو نے انگشت

**خواتین ڈائجسٹ**

بہترین کہانیاں، سنیے، یادیں اور...



**دیکھو زونٹ**

قیمت: 300/-

صاحبزادہ چوہدری

مکتبہ داران ڈائجسٹ: 37 - دوواں بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32739021



## عقیدہ شکریت



”عقیدہ شکریت سے“ کوثر نے دھڑکتے دل سے اپنے رب کو پکارا اور مہمانوں کے پاس جا کر بیٹھنا مناسب سمجھا اور حنا کو جلد شکریتہ کو لے آنے کی ہدایت دے کر چلی گئیں۔

شکریتہ کے نصیب پر نہ جانے ایسا کون سا تین رنگ کا تھا جس کی چھلانگ ابھی تک نہیں مل رہی تھی۔ شکریتہ کی دو چھوٹی چھٹیں نورین اور حرا کے رشتے اچانک آگے اور اشد کے کرم سے وہ اپنے گھر کی ہو گئیں۔ بس شکریتہ نہ جانے کیوں پیچھے رہ گئی۔ جب کہ وہ اپنے گھر کی سب سے بہاری بنی تھی۔ شکریتہ کا اصل نام حوریتہ تھا مگر حوریتہ سے ”شکریتہ“ کا نام اس کے اچھے کاموں سے پڑ گیا۔ گھر کے ہر فرد کا کلمہ وہ لبوں پر مسکراہٹ بکھیرتے کر دیتی۔ اگر بھائی کی کوئی چیز کم ہوتی ہے تو اس کے چند منٹوں میں ڈھونڈ دیتی۔ بسن کی لیس پر اس کی پسند کے مطابق کڑھائی کر دیتی۔ ماں کے ہر حکم پر سر جھکا لیا۔ یہاں تک کہ محلے میں کسی پڑوسن کو بیہوشی کی ضرورت پڑتی تو شکریتہ اپنی جیب خرچ سے اس کی مدد کر دیتی۔ اس کے اچھے کام کرنے پر ہر کوئی اس کو شکریتہ شکریتہ ہی کہتا یوں شکریتہ جیسا لفظ اس کی ذات سے چپک سا گیا اور اس کا اصل نام کھو گیا مگر شکریتہ کے سارے اچھے کام وقت کے ساتھ ساتھ دھندلے ہونے لگے۔ جب اس کے بھائیوں اور بہنوں کی شلوایاں ہو گئیں پھر شکریتہ کان جووان سب کے لیے غیر ضروری سا ہو گیا۔ اس کی وجہ سے وہ وقت پر اپنے گھر سے رخصت نہ ہو سکی۔ ہر کوئی شکریتہ کو نصب حنیض کرتا اپنی اسکن پر توجہ دے۔ آج کل بن لڑکیوں کو زیادہ پسند کیا جاتا ہے جس کی اسکن اچھی اور فریش ہو۔ یہاں پھر

”شکریتہ بنی۔ اتراب تک تیار نہیں ہوئیں۔ وہ ایک کلن دیر سے آکر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مزید ان کو انتظار کرنا اچھا نہیں لگتا۔“ کوثر نے کمرے میں آکر فکر مندی سے اپنی بیٹی کو جتا دیا۔

وہ لپ اسٹک کے کئی شیڈ باری باری اپنے اوٹوں پر اتار رہی تھی اور لب اس کے ہونٹوں پر عجیب بد نما سا مسخ رنگ ظاہر ہونے لگا جیسے اس نے کسی کا تازہ خون پی کر اچھل دیا ہو۔ وہ ماں کی اچانک آمد پر گھبرائی گئی اور دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر ہاتھ روم کی طرف لپکی۔ کوثر اپنی بیٹی کی حرکت پر پریشان سی ہو گئیں۔

”اف یہ لڑکی بھی۔!“

وہ ہاتھ روم میں تیزی سے اپنے ہونٹوں کو پانی سے دگڑنے لگی۔ جیسے سچ میں اس نے کوئی انسانی خون پیا ہو اور وہ یہ راز چھپا رہی ہو۔ لب اسٹک کے مسخ جو بے صاف کرتے ہوئے اس نے اپنے چہرے کا بلور جاتہ لیا کہ کیا وہ بد صورت ہے یا پھر ان تمام رشتہ دیکھنے والوں کی نظریں گزرو گئیں۔ جنہیں وہ پسند نہ آسکی۔ آئینے سے توجہ کر دی۔ وہ ہر لحاظ سے ایک خوش شکل خوش مزاج لڑکی تھی۔ پھر کی کہاں وہ گئی؟ اس نے سوچتے سوچتے آئینے سے پوچھا جہاں سے جواب آتا یا مگر تھا۔

”شکریتہ۔ جلدی باہر تو یا پھر میں اندر آؤں۔“ کوثر نے لب کی بار فحقی سے کہا۔

”جی۔ جی۔ بس وہ منشد۔“ اس نے کانپتے ہونٹوں سے جواب دیا۔ ماں کی آواز پر وہ سسم سی گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

”یا اللہ۔ اس دفعہ میری مدد کرنا۔ میری بیٹی کا



کپڑے ملاؤں پہنوں نکاش لڑ لڑو لویا پھر محصوم بن کر  
رشتہ دیکھنے والوں کا چنگل بجا کر دل بیت لو وہ سب کی  
باتوں پر سرلا دیتی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اب  
خود بھی شادی سے لاپرواہی ہو گئی تھی۔ اس کا دل  
شادی کے لیے کچھ سا گیا۔

پھر شکرہ اپنے ہر آنے والے رشتے پر خود ہی انکار  
کرنے لگی۔ کوئی بھی کی حالت پر پریشان رہنے لگیں۔  
شکرہ کو بہتری نصیب نہیں کرتی رہتیں مگر اس پر کوئی  
اثر نہ ہوا۔ اثر ہوا تو اس کی وجہ اس کی چھوٹی بسن حنا  
تھی۔

وہ رات اس کی آنسوؤں میں گزری۔ وہ سو رہی تھی  
جب اسے اچانک اپنے کمرے میں آہٹ سنائی دی  
اس کی چھوٹی بسن حنا اس کا زیور نکال کر برس میں  
ڈال دی تھی۔ شکرہ کے توجیسے ہاتھ پاؤں گھنڈے

ہو گئے اس نے لائٹ آن کر دی۔ حنا یوں اچانک بسن  
کو سامنے دیکھ لکھرا سی گئی۔ شکرہ نے زور کا طمانچہ  
لے دے مارا وہ زمین پر جا گری اور پھوٹ پھوٹ کر  
روئے لگی۔ اس کا بیگ زمین پر گر گیا۔ زیور اور نقدی  
— جو اس نے اپنی ماں کی الماری سے نکالا تھا وہ بھی  
شکرہ کی آنکھوں کے سامنے تھا۔

"تپ تمہے کیا کر رہی تھیں حنا؟" شکرہ نے زمین  
پر موجود چیزوں کو دیکھتے حیرانی سے پوچھا۔  
"یہ سب تپ کی وجہ سے ہوا ہے۔" وہ روئے  
روتے تھمے سے بولی۔

"بھری وجہ سے؟" شکرہ کو اس کی بات پر جھٹکا سا  
لگا۔

"ہاں۔ تپ کی وجہ سے۔۔۔ تپ نے تو شادی نہ  
کرنے کی ضد لگا رکھی ہے۔ مگر اس میں میرا کیا قصور  
ہے جو جو اوکے کئی بار رشتہ بھیجے پر بھی ہائیس انتظار  
کرنے کے لیے کہہ دیا جاتا ہے۔ ای۔۔۔ اب۔۔۔  
بھائیوں کو صرف تپ کی زندگی کی فکر کھلنے جارہی  
ہے۔ میری کسی کو کوئی فکر نہیں ہے۔ تپ نے  
میرے لیے کوئی راستہ نہیں چھوڑا ہے۔" حنا نے رو

د کر اپنے دل کے اندر دلی باتیں اس کے منہ پر دے  
ماریں۔

وہ چپ چاپ اپنے بستر پر جا بیٹھی۔ شاید اس نے  
اپنا قصور مان لیا تھا۔ اسے اپنی چھوٹی بسن حنا کا سوچنا



چاہیے تھا۔ مگر ابھی بھی در نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے آگلی صبح ہی اس نے ماں کو کہا کہ وہ شادی کے لیے تیار ہے۔

نورین اور حرا نے تو یہاں تک اسے کہہ دیا کہ اب اسے کسی سے بھی آنکھیں بند کر کے شادی کر لینی چاہیے۔ جیسے شادی نہ ہو۔ تو یہاں ہونے لگی ہو۔ وہ دن رات اللہ سے مہر کی دعا مانگنے لگی۔ آخر یہ نصیب آسمان پر جوڑے۔ یہ سب ڈھونگ جب یا پھر حقیقت آئے۔ کیا وہ بھی دسمن کے روپ میں ہر لڑکی کی طرح اپنے گھر سے رخصت ہوگی۔ یا پھر اس کا جنازہ ہی اٹھایا جائے گا۔ وہ اللہ سے سوال پوچھتی آتو اس کے چہرے کو بھگوتے رہتے اور پھر اپنے نصیب پر رو لینے کے بعد جو سکون کی قیند اسے ملتی۔ اس کے اچھے دنوں میں بھی اسے نصیب نہیں ہوتی تھی۔

رشتہ دیکھنے والے آتے اور پھر یوں جلتے۔ جیسے وہ بھی شکر یہ کے گھر نہیں گئے۔ رشتے والی ماں بھی پریشان سی ہو گئی کہ کسی نے تو بڑھ کر کے شکر یہ کے لیے رشتے تو نہیں روک دیے۔ کوثر بیٹی کے نصیب پر چھپ چھپ کر روئی رہتیں مگر حنا کا رویہ بالکل نہیں بدلا اس کا صرف ایک مقصد تھا کہ شکر یہ جلد از جلد اس گھر سے چلی جائے اس دن وہ سالن بنانے کے بعد ماں کے گھر سے تک پہنچی تھی۔ جب کوثر کی آواز پر اس کے قدم چرک گئے۔

"پدینہ۔ یہ کس لیے میں سے بات کر رہی ہو؟ کوثر نے غصے سے حنا کو دیکھا جو اپنی ماں سے اپنی شادی کی بات کرنے آئی تھی۔

"شادی میرا حق ہے اور مجھے جواد سے ہی شادی کرنی ہے۔ اگر آپ نے میری شادی نہیں کی۔ تو میں کوئی بھی ایشلی قدم اٹھاؤں گی۔"

کوثر نے حنا کی جرات پر اسے زور کے طمانچہ مارے۔ "جیسے میری۔ اپنے لہا کی عزت کا خیال نہیں آیا۔ کم ظرف۔ بھائیوں، بہنوں کی محبت بھول

گئی۔ جو ایسا کہہ رہی ہے۔" کوثر نے روتے روتے اسے جھنجھوڑا۔ جس پر جواد کی محبت کا ایسا بھوت چڑھا ہوا تھا کہ وہ اپنی ماں کا رخ بھی بھول گئی۔

"آپ سب کو میری فکر ہے۔ آپ لوگوں کو آپ کی زندگی کی فکر ہے۔ اس کا دل نہ ٹوٹ جائے۔ اگر میری بھی شادی ہو گئی تو نورین اور حرا کے وقت تو کسی نے بھی کیا کا نہ سوچا۔ پھر میری ہونے کیوں۔ میری بھی شادی کیوں۔ اب انہیں کوئی پسند نہیں کر رہا۔ کیا یہ سچ نہیں۔ آپ نہیں چاہتیں کہ جلد از جلد ماں کا بوجھ آپ کے اور آپ کے بیٹوں کے کندھوں سے اتر جائے۔ حنا کی تو آواز لڑنے لگی۔ شاید اسے بھی دکھ تھا کہ کیوں شکر یہ کا نصیب ان سب میں ایسا تھا۔

کوثر بھی خاموش ہو گئیں۔ شکر یہ کے بھی آنسو بہنے لگے۔ کاش اس کی ماں ایک بار تو کہہ دیتی۔ کہ "وہ بوجھ نہیں۔ وہ ان کی سب سے پیاری بیٹی ہے۔" مگر اس کے کان ترستے نہ گئے۔

حنا نے اپنی شادی کے حوالے سے مدد حاصل کرنے کی کہ اگر اس سال کے آخر تک اس کی جواد سے شادی نہ ہوئی تو وہ کچھ بھی کر گزرے گی۔ اس ڈر سے شکر یہ نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ماں اور بھائیوں سے خود بات کر کے بہت جلد حنا کو رخصت کر دے گی۔

شکر یہ نے حنا کو کئی بار مطلقاً کہا مگر حنا کا رویہ بدل نہ سکا۔ شکر یہ اس کی محبت کا وہ پتھر تھا جسے پھلانے کے لیے اگر تیز زب کا استعمال بھی اسے کرنا پڑتا تو وہ پیچھے نہ ہوتی۔ محبت چیز ہی ایسی ہے جو اپنوں کو ہرا دیتی ہے۔ حنا اس کی وہ بہن تھی جو اس پر اپنی جان تک لٹانے سے گریز نہیں کرتی تھی۔ آج وہی بہن اس کے مرنے کی دعائیں مانگتی نظر آئی۔ شکر یہ کے پاس اپنا کوئی نہیں بچا تھا۔ اس کا کوئی تھا۔ تو صرف اللہ تھا۔

اللہ جس کو وہ اپنی ہر تکلیف پر پکارتی۔ تو وہ اسے لہا کی صورت میں سکون لوڑتا۔

وعدے تک آپ کے پاس ایک اچھا موقع تو آیا تھا۔ پھر کیوں واٹس روم میں بیٹھی رہ گئیں۔" حنا نے ٹیکھی نظروں سے وجہ جاننے کی کوشش کی۔

"میں بس شل۔ خود نہیں جانتی۔ کسے کہ اس سے بات کھل نہ ہو سکی۔ اس کے چہرے کا رنگ پیلا رہ گیا کہ کہیں اس کی چھوٹی بس نہ جان لے کہ بار بار لوگوں کے اٹکار کرنے پر اس — کھل میں ڈر بیٹھ گیا کہیں وہ ایک بار پھر زندہ و حیات کی جائے۔"

"آپ! کہیں آپ کسی سے محبت تو نہیں کرتیں۔ یا پھر آپ کو محبت میں ڈھونڈنا ہے۔" حنا نے سوچتے سوچتے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں۔ ایسا کچھ نہیں۔" وہ ٹھہری ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"ایسا نہیں ہے۔ تو پھر یہ آنسو کس بات پر؟" حنا نے مزید اسے آکلیف دئی۔ وہ ٹھہرے سے پھٹ پڑی تھی۔

"آنسو اس لیے۔ کہ مجھ سے سات سال چھوٹی میری بسن میں وہ تمیز نہ رہی جو برسوں پہلے اس میں موند تھی۔"

حنا کا چہرہ لال ہو گیا۔ بسن کے آنسوؤں پر وہ چپ کر کے کمرے سے باہر نکل گئی اور کئی گھنٹوں تک سوچتی رہ گئی کہ قصور جج میں شکر یہ کا نہیں۔ قصور صرف اس کی قسمت کا ہے۔ جو وہ ملعونوں کے لیے رہ گئی ہے۔



ایک ہفتہ گزرا تھا کہ وہ لوگ پھر ان کے گھر آئے۔ اب کی بار وہ شکر یہ کو دیکھنے کے لیے نہیں۔ بلکہ تمکنتی کی رسم کرنے آئے تھے۔ کوٹر کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے کہ یہ کیسا مہرزہ ہو گیا کہ اتنے اچھے گھرانے سے حور یہ کے لیے عزت سے رشتہ آ گیا ہے۔

وہ حور یہ سن کر حیران تھی کہ ان لوگوں نے اس دن کی حرکت کے باوجود رشتہ جوڑنا چاہا۔ حنا کا ردیہ —

وہ حنا کے کئی بار تو اڑ رہے پر بھی واٹس روم سے باہر نہ نکلی سکی۔ اسے ار تھا کہ آج پھر لوگ اس کا دل توڑ جائیں گے۔

اس نے حنا کے لیے فیصلہ کر لیا تھا مگر وہ اپنے نعلیے پر قائم نہ رہ سکی۔ اس کے اندر کا ڈر اس پر حاوی ہو گیا تھا۔ وہ واٹس روم لاک کر کے روتے روتے اللہ کو پکارنے لگی کہ معاشرے نے اسے کیسے بوجھ سمجھ لیا۔ حتیٰ کہ اس کے والدین — اس کی پیاری بہنیں — بھالی اس کے نہ رہیں۔ ظلم تھا اس کے ساتھ۔ اور اس ظلم کا احتجاج وہ اللہ کے سوا کسی اور سے کر بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ بہت دیر تک واٹس روم میں مدنی رہی۔ اور حنا روزانہ ہنسی بلکن ہو کر رہ گئی۔



رات کا وقت تھا۔ وہ بستر پر لیٹی اپنی حرکت پر شرمندہ تھی کہ حنا ٹھہرے سے اس کے پاس آئی۔

"آپ! یہ۔ آپ نے اچھا نہیں کیا۔ وہ لوگ دوسرے شہر سے آپ کو دیکھنے کے لیے آئے تھے اور آپ نے ان کی بے عزتی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ آخر آپ نے خود کو کیوں واٹس روم میں لاک کر لیا جبکہ آپ نے شادی کا فیصلہ کر لیا تھا۔" حنا نے لفظ چبا چبا کر وجہ پوچھی وہ خاموش نظر میں جھانکے بیٹھی رہی۔ سچ میں اپنی اس حرکت پر وہ خود بھی بہت حیران تھی کہ وہ کیوں اب لوگوں سے ڈرنے لگی ہے۔

حنا بسن کی خاموشی پر تپ سی گئی اور — سچ کر بولی۔

"مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ مجھے خوش رکھنا چاہتے ہیں چاہتیں آپ مجھ سے اور میری محبت سے جہاں ہیں۔ اس لیے ٹھہرے سے بسن پر الزام لگایا۔"

"نہیں۔ نہیں حنا ایسا کچھ نہیں۔ میں کہیں تمہیں خوش نہیں دیکھنا چاہتی۔ میں تو اس بات پر مطمئن ہوں کہ جو لو جیسا تمہارا نکار اختیار کرے۔ میں خود تمہاری شادی کے لیے اہل اور بھائیوں سے بات کرنے کا سوچ رہی تھی۔"

"بس آپ! رہنے دیں۔ اپنے بھونٹے



بھی بدل گیا۔ اور وہ شکر یہ کے ساتھ شاپنگ میں مصروف ہو گئی۔ شکر یہ کو یہ سب خواب جیسا لگ رہا تھا۔ اس کا دل اندر سے ڈرنا کہ کہیں کوئی اس سے یہ لمحہ چھین نہ لے۔ اور ایک ماہ کے بعد شکر یہ دلہن کے روپ میں فرید کی زندگی میں شامل ہو گئی۔

شادی کی پہلی رات وہ فرید کا انتظار بے صبری سے کر رہی تھی۔ وہ اس فرشتے کو دیکھنا چاہتی تھی کہ جس نے اسے اپنی زندگی میں شامل کر لیا تھا شادی پر سب اسے سمجھا رہے تھے۔ کہ فرید ایسا نیک شریف لڑکا قسمت سے ملتا ہے۔ اسے ہیٹ فرید کا خیال رکھنا ہو گا۔ اس نے دل میں سوچ لیا تھا کہ وہ کبھی بھی فرید کا دل نہیں دکھائے گی۔ وہ شاعر ہو ہی بن کر ہیٹ اس کی خدمت کرے گی۔

اچانک دروازے پر آہٹ ہوئی۔ اس نے بھت سے اپنی نظریں جھکا لیں۔ فرید شکر یہ کو دیکھتے ہوئے اس کے پاس بیڈ پر آ بیٹھا۔

شکر یہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا ہے مگر زبان ساتھ نہیں دے پارہی تھی۔ اس سے پہلے شکر یہ ہمت کر لیا۔ فرید نے ایک تھپی انگوٹھی اس کی انگلی میں پسنادی۔ اور پھر وہ یوں لہا ہی چلا گیا۔

”خوریہ! تمہارا بہت شکر یہ جو تم نے میرے رشتے کو قبول کر لیا۔ جب میرے گھر والوں کو تم نے انکار کر دیا تو میں سوچنے لگا کہ میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ پچھلے پانچ سال سے میں تمہارے حقیقی سوچ رہا تھا۔ تم جانتا چاہتی ہو۔ کہ میں تمہیں کیوں سوچتا تھا۔ تمہیں خالیہ بتول یاد ہوں گی۔ جو تمہارے محلے میں پہلے رہتی تھیں۔“ فرید نے پیار سے اس سے پوچھا۔ ”خالہ بتول۔۔۔ جی۔۔۔ جی۔۔۔ خالہ بتول۔۔۔“ اس نے یک دم سوچتے ہوئے جواب دیا۔ اور فرید کو حیرانی سے دیکھنے لگی۔

”خالہ بتول میرے دوست رحیم کی امی ہیں۔ جو اس وقت کیشیاں ڈال کر اپنی لور لاسوں کی بچت

کرتی تھیں۔ تمہیں یاد ہو گا۔ تم نے اپنی کبھی کسی کو ضرورت پڑنے پر دے دی تھی۔ وہ میں ہوں۔ خوریہ! اس دن اگر تم میری مدد نہ کرتیں۔ تو شاید میری زندگی کا کوئی مقصد پورا نہ ہوتا اور نہ ہی میں لندن جا کر اپنے قدموں پر کھڑا ہوتا۔ یہ ساری دولت تمہاری اس پھیلنا سی مدد کی وجہ سے میرے پاس آئی۔ میں نے خالہ بتول سے تمہاری بہت تعریفیں سنی تھیں۔ میرا دل چاہنے لگا کہ میں تمہیں دکھوں۔ تم سے بات کر لوں۔ اور تمہیں سوچتے سوچتے کب مجھے تم سے محبت ہو گئی۔ میں نہیں جانتا۔ خالہ بتول اللہ کو پکاری ہو گئیں۔ پھر رحیم کے دلچے میں نے تمہارا حال دریافت کیا۔ اور یوں اللہ کے کرم سے تم میرے سامنے پیش ہو۔“

فرید نے پھر۔۔۔ اپنے کوٹ کی جیب سے ایک مسخ پھول نکال لیا اور پیار سے دیکھتے ہوئے اپنی محبت کا اعتراف کیا۔

”خوریہ! میں نے تمہیں بہت چاہا ہے اور اللہ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ تمہیں کبھی مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو۔“

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ شکر یہ کو اللہ نے اتنا پیار تحفہ دے دیا تھا کہ شاید ہی اس کو کوئی شکوہ کرتی۔ اس کے ہونٹوں پر یہ سوچ کر مسکراہٹ بکھر گئی کہ اس کا اللہ چاہتا ہے کہ شکر یہ صرف اپنے اللہ کا شکر ادا کرتی رہے جیسا کہ فرید کا ہاتھ تھا۔ ہوتے وہ اللہ کا شکر لوار کر رہی تھی کہ اس کی اندھیری راتوں کو روشن کرنے کا جو تحفہ اس نے دے دیا ہے۔ وہ اسے جان سے پیارا ہے۔ اور پیارا ہی رہے گا۔



نبی اللہ ﷺ

دوسری کتاب

مادر مرتضیٰ جانانی بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فاروق کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ خاتون بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلتا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ ماہر اخوان و اہل علم اور ان کی لڑکی ہے۔ خاتون بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بلال اس کی ممتا کرتی ہیں۔

فاروق اپنی ٹیم خاتون کے بیٹے تھاق بیروالی سے منسوب ہے۔ وہ سال پہلے پہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فاروق سے تعلق لگاتار ہے۔ فاروق کی والدہ منورہ نیم اپنی بہن ثینہ بیروالی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ تھاق انہیں ایسے پورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً "سناٹا" کو جانا پڑتا ہے۔ وہ تھاق کی بدتمیزی پر غصہ ہو کر واپس چلی جاتی ہیں۔

منورہ ثینہ لور نیو کے بھائی اور منورہ کے دوست ہیں۔ تیمور حیدر لور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزرگس میں ہے اور سہیل حد شان دار برساتی کا مالک ہے۔ دلیر و ضمن اس کا بیٹا فرزند ہے۔ اس سے منیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹینس حاصل نہیں ہے۔ نیو کے بیٹے سے فاروق کی بہن حسنہ بیٹی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں ہم رحما کا ہونے دیکھ کر اپنے حواس کھو رہی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ عزت بھی ولید کے بارے میں سوچنے لگتی ہے اور اسے مجھے لفظوں میں ولید سے اپنی کیفیت کا اظہار بھی کر دیتی ہے مگر ولید انہیں سن جاتا ہے۔

تھاق فون کر کے فاروق سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فاروق مست روئی ہے۔ ثینہ اور اشتیاق بیروالی کو علم ہوتا ہے تو انہیں سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ثینہ کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔





WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM





اشتقاق ازدانی تعلق سے مدد دے گا تھا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ تعلق مجبور ہو کر شادی پر رضی ہو جاتا ہے۔ غارہ بل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ عزت تیمور کے مہارکن سے ولید کا نمبر لے کر اسے فون کرتی ہے مگر ولید اس کی دوسلہ انفرادی نہیں کرنا۔ رضا حیدر تیمور کو غارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔ غارہ اپنی تاریخ میں ماورا کو جھڑا سرارہ ہو کر رہا ہے۔ ماورا اعانہ جگمگ کی بارہ منی کے باوجود مل جاتی ہے۔ وہاں تیمور اور ماورا کی ملاقات ہو جاتی ہے۔ عزت اپنے دل کی کیفیت ساشا سے بیان کر دیتی ہے۔ ماورا اپنی گل کو بتاتی ہے کہ وہ رضا حیدر کے بیٹے تیمور حیدر سے ملی ہے۔ اپنی گل دم بخور ہو جاتی ہیں۔

شادی میں تیمور حیدر ماورا کے قریب تنے کی کانٹ کو شش کرنا ہے مگر ماورا کا سخت اور کھردرا رویہ جہاں اسے ناکام کرتا۔ تیمور ماورا سے رضا حیدر کو ملوانا ہے۔ رضا حیدر اسے دیکھ کر چونک جاتے ہیں مگر ماورا خود کو شش کہہ وہ سمجھ نہیں پاتے۔ غارہ کی ہی شادی میں عزت کی ملاقات قیام مرزا کے بیٹے مولس مرزا سے ہوتی ہے۔ وہ سخت ہزار ہوتی ہے جبکہ مولس خوب دلچسپی لیتا ہے۔

اتفاق تو مٹی رات کو عائب ہو جاتا ہے۔ غارہ پریشان ہوتی ہے۔ وہ صبح آکر بتاتا ہے کہ اس کے دوست کے ساتھ کوئی ایمر جنسی ہو گئی تھی۔ اس نے اس کے آرام کا خیال کرتے ہوئے وہ بغیر ہائے چلا گیا تھا۔ مگر ماورا اس کی بات پہ یقین نہیں کرتی۔ تیمور غارہ کے ذریعے ماورا کو اپنے آپس میں ایک شاندار بیکنج پر جا بگ کی پیشکش کرنا ہے جسے ماورا اکلنی میل جیت کرنے کے بعد قبول کرتی ہے۔

تیمور بن قریب

”یہ پاگل پن سے عزت۔ مرزا سوا گل دین اور میں اس کے حق میں بالکل بھی نہیں ہوں۔“ ولید نے اپنے تاثرات پر مشکل کنٹرول کرتے ہوئے اسے بھانسنے کی ہانگ سنی کی۔

”یعنی کہ تم میرے حق میں نہیں ہو۔“ عزت اپنے خون کی جنوں خیزی سے ٹھکی ولید بولا ”چپ ہو گیا۔“

”ہاؤنٹن ولید۔ تم میرے حق میں ہو یا نہیں ہو۔“ اس کا جنون منہ زوری کا اکتلاہ تھا۔

”ولید۔ تم چپ کیوں ہو۔“ وہ صبح اٹھی۔

”کیونکہ یہ سوال فضول ہے۔“ ولید کی مختصر سی چپ ٹوٹی۔

”اچھا۔ پھر بھی تم جواب دے۔ تم میرے حق میں ہو یا نہیں ہو۔“ اس کے سوال اور نظموں کا مرکز ولید رحمان کا چہرہ تھا اور سوال کی شدت اور جواب کی طلب میں ہرگز رتے بل کے حساب سے اضافہ ہو رہا تھا۔

”عزت! میں یہ سب نہیں چاہتا۔“ ولید نے سہلانے والا طریقہ اختیار کیا۔

”یعنی کہ تم مجھے نہیں چاہتے۔“ اس نے اس کی بات سے جواب اخذ کیا جو ولید کو تذبذب میں ڈال گیا۔

”عزت پلیز نہیں! یہاں سیدھے سوال کر رہی ہو۔“ ولید کے لہجے میں جنسٹراٹجٹ کا عنصر تھا۔

”کیونکہ تم انٹے سیدھے جواب دے رہے ہو۔ جبکہ میں ایک سیدھا سادہ جواب مانگ رہی ہوں۔ تم میرے حق میں ہو یا نہیں ہو؟ ہاں یا ناں بس ایک جواب۔“ عزت کے مزاج میں اس کی پرانی ہنٹ دھری کارنگ نمودار

آیا۔ اور ولید رحمان اپنے مزاج کی موج میں جا اترتا۔

”نہیں۔ میں تمہارے پاگل پن کے حق میں نہیں ہوں۔ ہرگز نہیں۔“

ولید کا سرنگی میں ہلا اور عزت کی پوری دنیا ہی لٹی میں مل گئی۔

اس کے چہرے پہ اک سرسٹی سلیہ سالہرایا اور دل کے اندر اک طوفانی اہل سا اٹھا جسے وہ بڑی مشکل مگر بڑی



امت سے دیا گئی۔

جنون جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور جسم ٹھنڈا بن گیا۔ برف کی مانند۔  
 اور زبان منہ میں ایسے ساکت ہو گئی تھی جیسے بے جان ہو اور وہ ایسی۔ دل میں اٹھتے ابلے۔ بچ جسم اید  
 ساکت ہوئی زبان کے ساتھ اپنا بیگ کندھے سے ڈالتے اور اچانک اٹھ کھڑی ہوئی اور پونہی اس کے قدم ایک پہل  
 کے لیے غیر متوازن تہ ہوئے مگر اس نے یکدم کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھتے ہوئے کرسی کا سہارا لے لیا۔  
 "عزت۔۔۔ میری بات سنو۔" ولید اسے یوں اٹھتے دیکھ کر ٹھٹکا۔ کیونکہ اسے عزت سے ایسے رد عمل کی  
 توقع نہیں تھی کہ وہ یوں بغیر کچھ کہے اٹھ کھڑی ہوگی۔ اور چل رہے گی۔  
 "عزت۔۔۔" جب وہ اس کے پکارنے پر بھی نہ رکی تو ولید نے یکدم بے اختیار اس کی کلائی پکڑ لی اور عزت  
 کے واپسی کے لیے اٹھتے قدم بھی یکدم ہرک گئے۔  
 "میرا ہاتھ چھوٹو۔" عزت کا لہجہ صدیوں کی اجنبیت لے ہوئے تھا۔ اس نے اضطرابی طور پر ہاتھ پکڑ لیا  
 تھا گھبرا کر چھوڑ دیا۔

"تم میری بات سنو۔" ولید نے اپنی بات پہ زور دیا۔  
 "میں کچھ نہیں سنتا چاہتی۔" عزت کا وہی لہجہ اور انداز تھا۔  
 "لیکن میں بات کرنا چاہتا ہوں۔" وہ بھی ایک سی بات پہ اڑ چکا تھا۔  
 "میں نے کہا۔" اس کی ہنسی صریح عروج پر تھی۔  
 "میں اپنی بات کے بغیر تمہیں جانے نہیں دے گا۔" ولید نے اس رنگ میں بات کی جس رنگ میں عزت سنتا  
 چاہتی تھی۔ مگر اب نہیں۔ اب وقت گزر چکا تھا۔ چند ساعتیں قبل۔

"تم مجھے نہیں روک سکتے۔۔۔ اس استحقاق کا وقت گزر گیا اب میری طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھو گے تو  
 مجھے ناگوار گزرے گا۔ اتنا ناگوار کہ میرا جی چاہے گا کہ تمہارے دیکھنے کے بعد اپنا آپس جلا ڈالوں۔"  
 عزت کی اتنی سنگین اور اتنی سناک بات پہ ولید کو بے ساختہ جھرجھری سی آئی اور وہ لرز اٹھا۔  
 "مگر عزت۔۔۔" اس نے پھر کچھ کہا۔  
 "اب عزت نہیں۔ بے عزت کو مجھے کیونکہ تمہاری نظروں میں خود کو اپنے مقام سے گرا کر اب ایسی ہی ہو  
 گئی ہوں۔" وہ بھی گرا خانی زہر شدہ لود تلخ سے لہجے میں۔ جو ولید کو بھی کاٹ کے رکھ گیا لیکن اس سے پہلے کہ  
 وہ مزید کچھ کہنے کی کوشش کرنا تو یکدم چلی اور ریسیورنٹ کی حدود سے ہی نکلتی چلی گئی تھی اور ولید بے بس جلا چار  
 سا کھڑا رہ گیا تھا۔



اس کے گاڑی اشارت کرنے کی دیر تھی کہ اس کے آنسو بھی اشارت ہو گئے۔  
 ولید رحمان کا جواب اسے اپنے چہرے پہ ایک زوردار تھپڑ کی طرح محسوس ہوا۔  
 جس کی تکلیف کی شدت اسے مدح تک ترسائی تھی اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔  
 گاڑی روپ ڈالتے ہی اس کی آنکھیں دھندلا گئی کیونکہ زار و قطار بے آنسوؤں میں روانی بہت تھی۔ وہ اپنی  
 پوری زندگی میں اس شدت سے اور ہچکچول سے نہیں مدلی تھی اور آج تاگر مدلی بھی تو ولید رحمان کی وجہ سے۔  
 اور عزت کو کچھ تکلیف اس چیز کی بھی تھی کہ وہ نظری طور پہ بہت ہی لا رواد اور آزاد خیال لڑکی تھی۔ اس نے

کبھی لڑکوں کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا، حالانکہ آج تک یونیورسٹی اور کالج میں رہتے ہوئے ہزاروں ہاتھ اس سے دوڑتی کے لیے لوہے کی لہریں لہرائی گئی ہیں۔ لیکن اس نے کسی کو لگت ہی نہیں کروائی تھی۔ اس چیز کا کوئی ٹولس لیا تھا۔

لیکن اب اچانک دلیر رحمان کی چاہ میں مبتلا ہو کر وہ عزت۔ عزت ہی نہیں رہی۔  
خود اپنی ہی نظروں میں گر گئی تھی۔

کیونکہ وہ اس سے محبت اور محبت کے جنون میں اپنے مقام سے بہت نیچے آئی تھی اور وہ سب اظہار کر ڈالتے جن کے بارے میں وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔  
لیکن پھر بھی حاصل کیا اور۔؟ نفی!

اور اب اس نفی کے بعد اس کے دل میں دکھ کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ اور یہی دکھ تمام راستے اسے رلاتے ہوئے گھرا لیا۔ کیونکہ دکھ دینے والا خود دلیر رحمان تھا، وہ اس کی محبت اور جذبات کی قدر نہیں کر سکا بلکہ اس نے پروا ہی نہیں کی اور یہی چیز عزت کو مار گئی۔  
لیکن گھر پہنچے ہی وہ ایک بار پھر غلطی۔  
ڈراننگ روم میں مولس مرزا پر لڑا جان تھا۔  
"عزت۔" رضاحیدر اسے دیکھ کر پکارے۔

مگر عزت کوئی بھی جواب دے بغیر بیڑھیوں کی طرف بھاگ گئی کیونکہ وہ ایسی حالت اور کیفیت میں ہی نہیں تھی کہ کسی کا اس وقت سامنا کر پائی۔ اس لیے نظروں سے اوجھل رہ کر بھرم ہی رکھ لیا جاتا تو بہتر تھا۔ رضاحیدر نہیں جانتے تھے کہ وہ کس محل میں ہے۔؟

جبکہ مولس مرزا اس کی آنکھوں کی سرخی ایک نظر میں ہی ہوا پ گیا۔ جس کو محسوس کر کے اس سے وہاں بیٹھنا

بھی محال ہو گیا اس لیے وہ بہت جلد رضاحیدر سے دعا سلام اور اللہ والی کلمات ادا کرنے کے بعد وہاں سے رخصت ہو گیا۔ مگر عزت حیدر کی بکھری بکھری حالت اس کے ذہن سے محو نہیں ہو سکی۔

شاید اس لیے کہ وہ ایسے تجربات سے بار بار گزر چکا تھا۔ اسی لیے وہ عزت کی ایسی کیفیت اور ایسی حالت کو سینکڑوں میں ہی سمجھ گیا مگر اب اصل وجہ سمجھنا پائی تھی۔!



مادر آن نیاں بیگم اور بی بی گل کو لے کر قبرستان تھی۔  
اور علی مرتضیٰ کی قبر۔ خاک کے عافیہ بیگم نے اپنے بیچیس سالوں کے تمام دکھ ایک ساتھ ہی رو دیے۔ جن کو سمیٹے سمیٹے اور اور بی بی گل ہانکا ہو گئی۔

اور پھر وہ ایسی میں جھٹکتی نہیں اپنے ساتھ لے کر گھرائی۔

"اے! یہ ٹیبلٹ کھا لیں۔ سر درد ٹھیک ہو جائے گا۔" مادر نے عشا کی نماز کے بعد انہیں میڈیسن دی اور انہیں بیڈ پر لٹانے کے بعد خود ان کے کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر نکل گئی اور تھکے تھکے قدموں سے چلتی بی بی باؤنچ کے صوفے پر آ بیٹھی۔

چند لمبے یونسی صوفے کی پشت سے سر نکالنے کے بعد اس نے اک گہری سانس کھینچی اور قریب ہی صوفے پر رکھا۔ موت اٹھا کر بی بی آن کر دیا۔ کوئی ڈرامہ آ رہا تھا۔



"میں تم سے محبت کرتا ہوں سکل۔! "ہیرو ٹھیکر دلا رہا تھا۔  
 "مگر مجھے تمہاری محبت کی کوئی ضرورت نہیں ہے سرور! "ہیرو ٹھیکر کی بے اعتباری اور بے درخی کمال کی تھی۔  
 "سکل۔ محبت سے منہ مت پھیرو۔ محبت کی ضرورت تو ہر انسان کو ہے۔ انسان لو جو وہاں ہے محبت کے بغیر۔"  
 ہیرو اپنے نڈانہ لہنگے اٹھا رہا تھا۔

"تمہاری محبت کے بغیر میں اوجھری ہوں تو اوجھری ہی ٹھیک ہوں۔ "ہیرو ٹھیکر نے ہی نہیں رہی تھی۔  
 "آخر تم تھا کیوں ہو۔ تم اپنے دل کی بات کہو نا۔ میں تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔ جو تم کہو گی  
 میں وہی کروں گا۔ تمہاری ہر خواہش چاہت پوری کروں گا۔ تم ایک بار کہو تو سہی۔"  
 وہ بار بار اصرار کر رہا تھا اور سورا لے نا کواری اور جسبلا ہٹ سے بے اختیار ریموٹ کنٹرول ہی پر سے پٹنیا۔  
 "ہو نہ محبت۔ نام نہاد محبت۔" وہ منہ ہی منہ میں پٹنیا۔

"ارے۔ اس کو دھتکار رہی ہو۔ محبت کو؟" لی گلی مٹھا کی نماز سے فاسخ ہو کر سب سے پہلے اپنے  
 کمرے میں جا رہی تھیں جب لی گلی مٹھا سے سٹالی دینی لی گلی کی آواز سن کر وہ بھی اوجھری آئیں کیونکہ انہیں  
 یقین تھا کہ لی گلی مٹھا میں ماورائی ہوگی۔  
 "محبت کو نہیں۔ محبت کے ڈرامے کو دھتکار رہی ہوں۔ جو محبت کے نام پر ہر دوسرے آدمی کا مشغلہ بن  
 چکا ہے۔" ماورائے کے لہجے میں آگ عجیب سی تھی۔ اور وہ اس چہرے سے انداز میں ان کی طرف متوجہ ہوئی۔  
 "یہ ڈرامہ تو تم خود بھی کر رہی ہو۔" لی گلی بڑی صاف گوئی سے کہتی پھیلی سائیز سے آکر اس کے برابر ہی  
 صوفیہ بیٹھ گئیں۔

"آپ سے یہ کس نے کہ دیا کہ میں۔ ایسے ڈرامے کر رہی ہوں؟" ماورائے کو ان کی بات سے بہت ہی طرح لگی۔  
 "کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں۔" لی گلی اطمینان سے کہہ رہی تھیں۔  
 "آپ نے نہ کھائی تو نہیں ہے لی گلی۔" لی گلی نے اس کی اور اگلی ڈرامہ نہیں کرلی۔ جو

بھی کر لی ہے۔ صاف سامنے کرتی ہے۔ "اس نے شک کے جواب دیا۔  
 "پھر بھی تیور حیدر تم سے محبت کر رہا ہے؟" اس نے حیرانی ہوئی۔

"وہ مجھ سے محبت نہیں کر رہا۔ بلکہ اپنے آپ کو دھتکار رہا ہے۔ ایسا دھتکارو آج کل ہر لاکڑی اپنے  
 آپ کو دے رہے ہیں۔ جانتے بھی ہیں کہ اس معاشرے میں محبت کا جو نام پڑا ہو چکا ہے پھر بھی محبت۔ محبت  
 کی رٹ لگانے پھر رہے ہیں۔ محبت آپ کے ہزار طرح کے چوچلوں سے ظاہر نہیں ہوتی بلکہ محبت تو انسان کے  
 کسی ایک عمل یا کسی ایک کیفیت سے ہی ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس کے لیے اپنے مقام اپنے مرتبے اور اپنی امانت کے  
 تحت سے نیچے آنے اور لظموں کے ہر پھیر سے اٹھنا کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ محبت نے محسوس ہونا ہوتا کسی بھی  
 عمل کسی بھی کیفیت اور کسی بھی اظہار کے بغیر ہی محسوس ہو جاتی ہے۔ بلکہ یہ شرط لازم ہے کہ محبت سچی ہو۔"  
 کھوت کا ترکانہ ہو۔"

ماورائے کا ہر چیز کے بارے میں اپنا ہی ایک فلسفہ ہوتا تھا اور لی گلی اس کے اس فلسفے۔ ہمیشہ ہی مسکراتی ہیو تک  
 کبھی کبھی ماورائے کی باتیں سن کر انہیں بھی لگتا کہ ان کے سامنے بھی اگلی گلی ہی بیٹھی ہے کبھی بڑی معصوم اور  
 کبھی بڑی جہادیدار۔

"ڈیکھو میرا بچہ۔ تمہاری باتوں سے مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم تیور حیدر کی محبت کو محسوس کر چکی ہو۔ اور  
 محبت کو کبھی بھی محسوس نہ کرنے والا۔ جب اسے اپنے اس پاس محسوس کرنے لگتا ہے تو اسے اسی طرح

دھکارے کی کوشش کرتا ہے جیسے کہ تم کر رہی ہو۔ محض اس ڈر سے کہ کہیں یہ تم سے ہی نہ چمٹ جائے۔ حالانکہ تم نہیں جانتیں کہ گل کے جذبوں پر یہ کوششیں بے اثر ہوتی ہیں۔

بی گل کا بھی اپنا ہی ایک فلسفہ زندگی تھا لیکن ماورا اکثر گل کے فلسفے کو ردِ آیات سے اختلاف کر جاتی۔

”مجھے ایسا کوئی ڈر نہیں ہے بی گل۔ میں اس معاملے میں پوری طرح سے بخیر ہوں۔ کیونکہ متقابل رضا حیدر کا بیٹا ہے۔ وہ نہ ہوتا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید میں آپ کے اس فلسفے سے اتفاق کرتی لیتی۔ لیکن یہاں پچویشن کچھ اور ہے۔“ اس نے سختی سے ان کی بات کی تردید کرتے ہوئے غلی میں سر ہلایا۔

”یہاں پچویشن کچھ اور ہے یہ میں بھی جانتی ہوں۔ لیکن میرا مشاہدہ کہتا ہے کہ محبت اتنی طاقت ور ہے کہ بڑے بڑوں کو جھکا لیتی ہے۔“

بی گل اسے ممکنہ حالات اور جذبات سے پہلے ہی آگاہ کر رہی تھیں۔ ماورا اجملا اٹھی۔

”میں تیمور حیدر نہیں ہوں بی گل۔ کہ اپنے مقام، مرتبے اور انا کے تحت سے نیچے آ جاؤں۔“ اس نے مسخرانہ کہا تھا۔

اور اس کے مسخرانہ بی گل اس سے بھی زیادہ مسکرائیں۔

”ایک ماورا مرتضیٰ سے ملنے سے پہلے تیمور حیدر بھی ایسا تیمور حیدر نہیں تھا اور نہ۔ اس کا بھی مقام تھا۔ مرتبہ تھا۔ اٹھا اٹھی۔ مگر افسوس کہ محبت گلے بڑھ گئی۔ اور اسے نیچے آنا پڑا۔“

بی گل کا کچھ بتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ محبت کے حق میں بول رہی ہیں یا تیمور حیدر کے حق میں۔؟ ”ہو نہ! تو یہ اتنا ہی کمزور تھا کہ محبت کے آگے چاروں بھی نہیں ڈرتا تھا۔ اور فوراً ہتھیار ڈال دیتے۔؟“ اس کا طنز اور مسخرانہ تو تھا مگر اس بار بی گل چند ثانیوں میں اسے دیکھتی رہیں پھر ڈرا تو وقف سے دو بار اٹھ گیا ہو گیا۔

”کوئی کسی سلطنت کا پادشاہ ہو یا بہت ہی امیر کبیر آدمی کوئی کسی جھگی میں رہنے والا غریب ہو یا اور اور پھر نے والا فقیر۔ مرض چلے کوئی بھی ہو انسان کو بے حال کر ہی دیتا ہے اسے اپنے مقام، مرتبے اور انا کے تحت سے مجبوراً نیچے آنا ہی پڑتا ہے اپنے حکیم کے لیے اور اپنے طبیب کے لیے۔ اور کچھ معالج تمہارے جیسے بھی ہوتے

ہیں جو کسی کا علاج نہیں کرنا چاہتے۔ مگر مرض زہرا (مریض) کو منت سماجت بھی کرنا پڑ جاتی ہے۔ جیسے کہ تیمور حیدر کو کرنا پڑ رہی ہے۔ بی گل نے۔۔۔ ذرا توقف لیا۔

”اس لیے تیمور حیدر کو الزام دینے والی تمہاری یہ منطق بالکل غلط ہے کہ وہ کمزور لگا۔ ڈٹ نہیں سکا۔ ہتھیار کیوں ڈال دیتے۔۔۔ مقام، مرتبے اور انا سے نیچے کیوں آیا۔؟ یہ کیوں کیا؟ وہ کیوں کیا۔؟ لیکن یہ وہ مقام ہے جہاں بڑے بڑوں کو سر جھکانا پڑتا ہے۔“ بی گل کہتے ہوئے بالآخر اٹھ کھڑی ہوئیں اور ماورا گل کی باتیں سن کر حول کی تپاں اپنی جگہ پہنچ گئی۔

”سو جاؤ شاہاں۔ بہت نام ہو گیا ہے۔ صبح پھر تمہیں محبت کی نوکری پہ بھی جانا ہے۔“ بی گل اس کا سر تھپک کر پلٹ گئیں۔

”آپ نے یہ ساری باتیں مجھے کیوں سنائیں بی گل۔؟“ وہ غلی وی لاؤنج سے نکل رہی تھیں جب بلور اکی حد درجہ سنجیدگی سے آواز پہنچا۔

”میں نے تمہیں محبت اور نظرت کی اونچ نیچ سمجھائی ہے۔ تاکہ تم سنبھل جاؤ۔ اور کوئی اور راستہ اختیار کر لو۔ کیونکہ ابھی تو شروعات ہے۔ ابھی بھی وقت ہے۔ یہ نہ ہو کہ پھر تمہیں وقت بھی نہ ملے۔“ وہ نرمی سے بولیں۔



"گھر سے راستہ خود اس لئے بچھایا ہے میرے سامنے۔" اس کا ہر الزام تیمور حیدر کے سر تھا۔  
 "وہ تو پلیس بھی بچھائے گا۔ پھر کیا کرو گی؟" اس کی گل کا سوال برکت تھا۔  
 "وہی کرو گی جو میں کرنا چاہتی ہوں۔" اس کا لہو اٹل ہو رہا تھا۔  
 "عجبت سے کھیل رہی ہے تو۔ اور عجت سے کھیلنا آگے کھینچنے کے برابر ہے۔" انہوں نے پھر سمجھایا

"جانتی ہوں۔! وہی ہش و مری۔"  
 "اللہ بدایت دے تجھے۔ میری تو یہی دعا ہے۔" وہ کہہ کر باہر نکل گئیں اور اورانے تھلا کر قریب پڑاں بموت  
 استعمال فیصے سے اٹھا کر دوسرے ڈیڑھا۔  
 "میں کھیلوں گی اور ضرور کھیلوں گی۔ اور اب تو پوری طرح سے کھیلوں گی۔ مگر اسے بھی چاہئے۔ اس کا  
 معالج کون ہے۔؟"  
 وہ فیصے سے بددیوانی ہوئی اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں آگئی۔!



رات کا ایک بج تھا جب اس کے سیل فون پر اک بے چمن سی رنگ آئی۔ لیکن وہ نظر ایز کیسے لاپرواہی پڑی  
 مگر فون کرنے والے نے مستقل مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک بار "فدہ دار" تین بار "اور پھر کئی بار ہی نکل  
 کرنے کا سلسلہ جاری رکھا اور اس نے تنگ آکر سیل فون آف کر کے برے اچھال دیا۔  
 "ہو نہ۔! اب نہیں ولید رحمان۔ اب نہیں۔" وہ وقت گزر چکا اب عزت نے دانت پیس کر  
 تھلائے ہوئے کہا اور کوئٹہ بدل کر لٹ گئی۔  
 لیکن سیل فون آف کر دینے کے بعد بھی اسے ساری رات ہی احساس ہو تا رہا کہ وہ ساری رات ہی اس کا نمبر  
 زانی کر رہا۔ اور اسی احساس کے تحت وہ ٹھیک طرح سے سو بھی نہیں پائی اور صبح چھ بجے ہی اٹھ کر اپنے بیڈ روم

سے باہر نکل آئی تھی۔  
 "عزت۔! کہاں جا رہی ہو چٹا؟" رابعہ بیگم نماز پڑھ کے باہر نکلیں تو عزت کو گیٹ کی طرف جاتے ہوئے  
 دیکھا۔  
 "جاگنگ کے لیے جا رہی ہوں بہت سستی ہو رہی ہے کچھ دنوں سے۔" اس نے ڈر کی ہڈر اپٹ کر جواب دیا  
 اور وہ بارہم قدم گیٹ کی طرف بڑھاویے۔  
 "تیمور بھی کچھ دیر پہلے ہی نکلا ہے۔" انہوں نے پیچھے سے آواز دی اور عزت سنی ان سنی کرتی گیٹ کراس کر  
 کے روڑے آگئی۔

جاگنگ ایریا ان کے گھر سے زیادہ دور نہیں تھا اس لیے عزت اکثر پیدل ہی اس ایریا تک آجاتی اور یہی حال  
 تیمور کا بھی تھا۔ وہ بھی پیدل ہی آتا اور نہ بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو زیادہ دور سے آتے اور اپنی گاڑیوں یا  
 بائیک پہ آتے تھے اور لڑکیاں تو اکثر سائیکل پر آتیں۔  
 "عزت۔! وہ جاگنگ ٹریک پہ بھاگتے بھاگتے کالی دور آ نکلی تھی جب اسے پیچھے سے تیمور کی آواز سنائی دی۔  
 اور اس نے بمشکل رک کر پیچھے پلٹ کے دیکھا۔

”تی بھائی۔؟“ وہ بھی اتنے میں قریب آپکا تھا۔  
 ”اتنا آگے کیوں جا رہی ہو۔؟“ وہ اپنی منہ دیر ہو جائے گی۔؟“ وہ قریب آکر رکھ  
 ”میں جتنا بھی آگے چلی جاؤں۔ مجھے واپسی میں دیر نہیں لگتی۔ فوراً پلٹ آتی ہوں۔“ عزت کا لہجہ عجیب  
 سا ہو گیا جسے تیمور اپنی بے حسیالی میں سمجھ نہیں سکا۔  
 ”اچھا۔ یعنی کہ بہت فاسٹ ہو تم۔؟“ تیمور مسکرایا۔  
 ”ہاں۔ اور فاسٹ لوگ اکثر بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔“ وہ بھی جواباً طنز سے مسکرائی۔  
 ”صبح صبح تمہاری ایسی عجیب و غریب اور الجھی الجھی باتیں میری سمجھ سے باہر تھیں اس لیے پلیز کوئی الجھی  
 سی بات کرو اور وہ اپنی کی راہ لو۔“ تیمور نے اسے ہلکی سے گھورا۔  
 ”صبح صبح میری باتیں تو الجھی الجھی ہی ہیں لیکن خلاف معمول آپ کا سوڈ بہت فریش نظر آیا ہے۔ اس  
 فریش نیس کا ریزن۔؟“ عزت نے اس کے ساتھ ساتھ واپسی کے لیے قدم پر چلائے۔  
 ”انسان کی فریش نیس کا ریزن اس کے دل کی خوشی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟“ تیمور بہت ریٹیکس اور مطمئن  
 نظر آ رہا تھا۔  
 ”اور آپ کے دل کی خوشی کا نام۔؟“ وہ دونوں بسن بھائی جاٹنگ ٹریک پہ بہت آہستہ رفتار سے بھاگ رہے  
 تھے۔

”تیمور امر تھی۔؟“ تیمور کو بھلا چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔  
 ”تاہم امر تھی۔ وہی جو فارہ کی۔“ عزت چونکی۔  
 ”ہاں۔ ابھی۔۔۔ تیمور نے اس کی مشکل آسان کی۔  
 ”کوئی بات چلی۔؟“ عزت کو تجسس ہوا۔  
 ”ہاں۔۔۔ تیمور اس کے سوال پہ تھمنا نہ کر پٹا اور عزت اسے سوائے نظروں سے دیکھنے لگی۔  
 ”بہت نہیں چلی۔۔۔ وہ لیصل آباد سے چلی اور کراچی آئی۔“ وہ خامسا لظفانہ روز ہو رہا تھا۔  
 ”واٹس۔ کراچی۔ مگر کیسے۔؟ کب۔؟“ عزت کی حیرانی اور تجسس بڑھ گیا۔  
 ”بس کسی کو قریب لانے کے لیے یا کسی کے قریب جانے کے لیے ٹر میں ٹکن ہونی چاہیے۔ فاصلے خود بخود

ہی سمٹ جاتے ہیں۔“ تیمور کو اپنے کارنامے پہ فخر ہو رہا تھا۔  
 ”لیکن بھائی کیسے۔؟“ وہ جانتا چاہتی تھی۔  
 ”وہ اتنی کمپنی کی ڈیر انٹرو کی سیٹ پر آئی ہے۔ میں نے اسے آنر کی تھی۔“ پالا اس نے بتایا۔  
 ”وہ اچھا۔ تو یہ سلسلہ ہے؟ ویسے ہے تو بہت خوب صورت۔ بہت اسٹرائنگ سی لڑکی ہے۔“ عزت کو ذورا  
 سے ملاقات اچھی طرح یاد تھی۔  
 ”بس کی چیز تو ہے جو ہمیں لڑو۔“ تیمور جانتا تھا کہ وہ کتنی اسٹرائنگ ہے اسی لیے ذرا آو بھر کے بولا۔  
 ”یہ صرف پسندیدگی ہے یا محبت۔؟“ عزت نے بھی وہی سوال کیا جس کا سامنا تیمور پہلے بھی کئی بار کر چکا تھا۔  
 ”بات پسندیدگی سے ہی شروع ہوتی ہے لیکن پھر رفتہ رفتہ یہی پسندیدگی محبت اور طلب کی حدود سے بھی آگے  
 نکل جاتی ہے اور میرے جیسے دل کے ہاتھوں مجبور ہو جانے والے لوگ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔“ تیمور نے وضاحت  
 ہی کچھ اس انداز میں دی تھی کہ عزت ساری سوشل سٹیج سمجھ گئی۔  
 ”ہوں۔ تو یہ معاملہ ہے؟“ وہ ذرا پر سوچ سے کہنے میں رہی۔



"وہی ہے اس کا رسپانس کیا ہے آپ کے اس معاملے کے حوالے سے۔؟" عزت کو ولید کا خیال آتے ہی باورا کے رسپانس کا بھی خیال آ گیا۔

"یہ بہت اچھا ہے۔ اور نہ ہی مست برا۔" تیمور کو لگی لپٹی رکھنے کی عادت نہیں تھی۔  
 "کیوں۔؟ ایسا کیوں ہے؟ کیا کی ہے آپ میں؟ اسے تو خوش ہونا چاہیے کہ تیمور حیدر اسے چاہتا ہے؟"  
 عزت آخر ایک من گھٹی فوراً "جی ہل میں بھائی کی محبت کا ایل لٹھا تھا۔"  
 "وہ اتنی عام سی بھی نہیں ہے کہ اس تو ہونے کی بات پر ہی خوش ہو جائے۔" تیمور فرمایا۔  
 "بھائی۔!" عزت غلطی سے بولا "جی لور تیمور نے مسکراتے ہوئے ذرا ٹھہر کر عزت کے کندھے کے گرد ہاتھ لگا دیا اور حائل کرتے ہوئے اسے اپنے قریب کر لیا۔

"ارے اونٹ وری میری جان۔۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ لی بالکل میرے لیے یہی بہت ہے کہ یہ میرے پاس جا ب کر رہی ہے میری دسترس میں اور میری نظروں کے سامنے ہے۔ ورنہ جب یہ لھلھلاہٹ میں تھی تب بہت بے سکوئی تھی میرا بس نہیں چلتا تھا کہ میں کیا کروں۔۔۔؟ مگر اب۔۔۔ اب سب کچھ ٹھیک ہے۔ رفتہ رفتہ سب میٹ ہو جائے گا۔"

تیمور نے اسے تسلی دی تھی اور عزت چپ کی چپ رہ گئی۔  
 "تو کیا بھائی کو بھی ان کے دل نے ویسے ہی مجبور کیا۔ جیسے مجھے کیا۔ ولید و زمان میری ذات سے انکاری۔ اور ماورا میری ذات سے انکاری۔۔۔ ان اللہ یہ کیسی آلائش ہے۔؟" عزت کا ہل کانپ گیا اور اس نے بے ساختہ تیمور کی ہل خوشی کے لیے دعا کی۔  
 "عزت۔۔۔!" گھر کے قریب پہنچ کر اس نے عزت کو متوجہ کیا۔

"جی۔؟" وہ چونکی۔  
 "کہاں گم ہو گئی ہو۔؟"  
 "نہیں۔۔۔ انہیں بھی نہیں۔" اس نے لنگھی میں سر ہلایا۔  
 "کیا بات ہے کچھ آپ میٹ سی لگ رہاں ہو۔؟ کوئی پراہلم تو نہیں ہے؟"  
 بالآخر تیمور کو محسوس ہوئی گیا۔  
 "تو پراہلم۔ اس تمل پرائٹ۔۔۔ پوڈونٹ وری۔۔۔ وہ آسٹری سے کبھی تیمور کے کندھے سے الگ ہو کر گیٹ کی طرف بڑھی۔

"عزت۔۔۔!" تیمور نے اسے پھر سے متوجہ کر دیا۔  
 "ارے بھائی۔۔۔ آپ کہیں پریشان ہو رہے ہیں۔؟ اس رات میں جاتی رہی ہوں اس لیے اب طبیعت کچھ ایسی ہو رہی ہے۔" وہ سستی سے بول۔  
 "رات میں کہیں جاتی رہی ہو۔؟" اس نے اگلا نکتہ اٹھایا۔  
 "ایک فریڈ پریشان تھی اس کے ساتھ چھٹ ہوئی رہی۔" عزت نے الٹا سیدھا بدلہ گنز کے اسے ہانکے کی کوشش کی۔

"آریو شیور۔۔۔ کیا بات ہے یا کچھ لور۔؟" وہ اسے سر تپا گھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔  
 "ہیں۔ شیور۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا اور تیمور اس کے سر ہلانے پر چپ ہو گیا۔  
 "اوکے جانی۔ ناشاکرو۔ اور یہ رات رات بھر جاگنا نہ کرو صحت خراب ہوتی ہے۔"

اس نے جاتے جاتے اسے ہدایت دی اور عزت پلٹ کر اندر آگئی اور اس کے پیچھے تیمور بھی آیا۔



”مے آئی کم این سب؟“ دروازے پہ ہلکی سی دستک کے بعد ماورا مرتضیٰ کی آواز ابھری تھی اور اپنے لیپ ٹاپ پہ بڑی تیمور حیدر اس کی آواز پہ چونک کر متوجہ ہوا۔

”اپس کم ان۔!“ وہ اجازت دے کر وہاں سے لیپ ٹاپ کی طرف مڑا۔ اور اپنی اک ضروری فائل کلوز کرنے لگا۔ اتنے میں ماورا اس کی نینل کے قریب آچکی تھی۔

”پلیز سٹ ڈاؤن۔“ تیمور نے اس کی طرف دیکھے بغیر اسے مقابل کر سی پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”تھینک یو۔“ ماورا فائل نینل پر رکھتے ہوئے خود کر سی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

جبکہ تیمور اپنے کام میں مصروف تھا اور ماورا اسے بڑی دیکھ کر کافی لاپرواہی سے لوہرا دھری دیکھنے لگی۔ اس کے آفس کی سٹینگ۔ کرسی نیشن۔ دیو ایل۔ گئی ہسٹنگز۔ پچھانا ہوا مارٹل فرش۔ گلاس وال گرسٹل نینل۔ فائلز اور لیپ ٹاپ۔ اور لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پر متحرک اس کے مضبوط ہاتھ لوہا تھوں سے بڑھتے بڑھتے اس کی نظر تیمور حیدر کے خوب صورت اور دیسہ چہرے پر جا کھری تھی۔ وہ اپنے کام اور اپنے حسیان میں پورے اشماک سے مصروف تھا۔

اور اس کی اسی مصروفیت نے ماورا کو بھی آنا دکر ڈالا تھا۔ وہ گہری نظموں سے اس کا چہرہ لینے لگی۔ جو تیمور بھی محسوس کر گیا۔ جب سی وہ اچانک اس کی سمت پلٹا اور لوہرا اپنی محویت پہ گزرا گئی۔

”پائنا مس اور امر تھی۔“ فرمایئے۔“ تیمور اس کے گزرنے پہ خاصا لطف اندوز ہوا مگر اپنی مسکراہٹ دبا گیا یہاں تک کہ لہجے کو بھی شبہ نہیں ہونے دیا۔

”آپ نے بلایا تھا ماما۔“ ماورا نے اسے یاد دلایا کہ وہ اس کے بلائے پہ آئی ہے۔

”اوہاں۔“ اور اصل میں چاہ رہا تھا کہ آپ خود ایک ہارڈ کوری کا ڈسک کریں۔ اور در کڈ کے ساتھ جو بھی ڈسکشن چاہتی ہیں وہ کریں۔ کیونکہ اس طرح فونز پہ یا آن لائن سمجھانے سے کچھ نہیں ہو گا آپ ابھی نئی ہیں اس لیے اپنے نوٹ کر ڈاؤن کو ٹیلز سے ملنا بہت ضروری ہے آپ کے لیے۔“

تیمور مکمل طور پر پاس کے روپ میں تھا اور انداز کے ساتھ ساتھ لہجہ بھی ویسا ہی تھا۔ پروفیشنل۔!

”اوسکے۔“ لیکن تو مے کھٹے بعد۔ کیونکہ فی الحال میری نینل پہ بھی کام اور ماورا پر ہے۔ مجھے آج ایک ڈیرٹائن

کھلیٹ کرنا تھا۔“ ماورا نے دونوں کنداز میں وقت مانگا۔

”ٹھیک ہے آپ کھلیٹ کر لیں تب تک میں بھی فارغ ہو جاتا ہوں۔“ تیمور نے اثبات میں سمجھایا اور ماورا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”یہ وہ فائل ہے جس پہ کل کام کیا تھا۔“ ماورا جاتے جاتے اسے چند سیٹل دے گئی بہن کو دیکھتے ہوئے تیمور کو وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔

”سب! گاڑی تیار ہے۔ اور مس ماورا بھی آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔“ پوچھنا کی آواز پہ تیمور بڑی طرح چونکا۔

”اوہ ہائی گائڈ ڈیرٹائن کھٹے گزر گیا؟“ وہ گھڑی دیکھتے ہوئے تیزی سے فائل سمیٹ کر اٹھا اور اپنا سوجا مل اور دیگر چیزیں لے کر آفس سے باہر نکل آیا۔

اور جیسے ہی آفس بلڈنگ سے نکل کر نیچے آیا اور آگواڑی کے پاس انتظار کرتے دیکھ کر قدم ٹھنک سے گھٹے وہ سبلی پنک ٹکر کے سوٹ میں ملبوس چہرے کے گرد ابھی طرح توپے کا بال بنائے جیک گلاسز لٹائے کھڑی اس



لمحے اسے بناؤ کلکس سی مگی اور اس پر اتفاق یہ کہ اس سے باہر نکلتے ہوئے خود بھی بلیک گلاسز پہن تیا۔  
 ”سر پلینٹ“ ڈرائیور نے آگے بڑھ کے دروازہ کھولتے ہوئے اسے متوجہ کیا تھا۔  
 ”آج مس سحرش نہیں آئیں؟“ بلور نے اس کے برابر گاڑی کی بلیک سیٹ پر بیٹھتے ہوئے جان بوجھ کر یہ ذکر  
 چیز اتھا کہ تھوڑی دیر پہلے والے احساس کا اثر زائل ہو جاتا۔  
 ”نہن کے 5 اور اسپتال میں ایڈمٹ ہیں اس لیے دو تین دن کی چھٹی ہے۔“ تیمور بھی سنبھل چکا تھا۔  
 ”اور قاری صا حسب؟“ نیا سوال موبہا۔  
 ”وہ آل ریڈی ٹیکسری میں ہی ہیں۔“ تیمور سمجھ گیا تھا کہ وہ خاموشی کے اس تسلسل کو قائم نہیں ہونے دے  
 رہی یا رہنا خود ہی خلل ڈالنے کی کوشش کر رہی ہے۔  
 ”اور پتہ؟“ تیمور نے نرا گلا سوال خود ہی کر دیا اور بلور اٹھک گئی کیونکہ وہ اس کے ”اور پتہ“ کا مجسمہ مضموم  
 سمجھ گئی تھی۔  
 ”میں ڈرائیونگ سیکھنا چاہتی ہوں۔“ بلور اکب سے لے کر کھانا چاہتی تھی مگر اسے موقع ہی نہیں مل رہا تھا کہ

وہ اس سے بات کر پاتی۔  
 ”رہیلہ؟“ تیمور کو اچھا ہوا کہ وہ سیریس ہے یا یونہی بات سے بات نکالنے کی غرض سے کہہ رہی ہے۔  
 ”ہاں۔۔۔ میں واقعی ڈرائیونگ سیکھنا چاہتی ہوں کیونکہ یہ میرے گھر کی ضرورت ہے۔“ کپڑی کی طرف سے  
 گاڑی کی سولت تو ہے مگر ایک ڈرائیور بلاوجہ میرے گھر کے باہر میرے انتظار میں کھڑا ہے مجھے یہ پسند نہیں ہے۔  
 ملازم بھی آخر انسان ہی ہوتے ہیں اس لیے ستر ہے کہ میں یہ کام خود سیکھ لوں اور سب کو تسلی بخش دلاں۔ آپ  
 کو بھی اور آپ کے ڈرائیور کو بھی۔“ بلور کو پتہ کرنے کے لیے ایک اچھا ٹاپک میسر آ گیا تھا۔  
 ”آپ کو میری یا میرے ڈرائیور کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ملازم آخر انسان ہی ہوتے ہیں بلور  
 انسان اپنے کام کے چسپے لیتے ہیں ایک ڈرائیور اگر آپ کے گھر کے باہر آپ کے انتظار میں بلاوجہ کھڑا رہتا ہے تو  
 یہ اس کا احسان نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس کٹھے رہنے کا بھی معاوضہ لیتا ہے۔ اور یہ کھڑا رہنا ہی اس کا کام ہے۔“  
 تیمور نے کہا تو وہ چند ثانیہ کے لیے دب سی ہو گئی تھی۔  
 ”یعنی مجھے ڈرائیونگ نہیں سیکھنی چاہیے؟“ وہ جان بوجھ کر اس کی بات کو الٹے رخ پر لے گئی تھی۔  
 ”میں نے یہ تو نہیں کہا؟“ تیمور ہنوز مسکرا رہا تھا۔  
 ”دلائل تو مجھ ایسے ہی دے رہے ہیں؟“ بلور کا انداز سنجیدگی لے ہوئے تھا۔

”میں نے سنا تھا کہ لڑکیاں دلائل سے قائل ہو جاتی ہیں اس لیے۔“ وہ حط اٹھا رہا تھا کچھ لڑکیوں کے تجربے  
 اور مشاہدے کی بنا پر سب کو ایک جیسا سمجھ لینا بہت بڑی بے وقوفی ہے کیونکہ اکثر تجربات غلط ثابت ہو جاتے  
 ہیں۔“ بلور کے لمبے میں استہزاء یہ سارنگ تھا۔  
 ”آپ کے معاملے میں تو کچھ زیادہ ہی غلط ثابت ہو رہے ہیں۔“ وہ جواباً آہستگی سے بولا مگر بلور اس کی یہ خود  
 گامی یا تسانی سن چکی تھی۔  
 ”سیر جلی جو میں نے بات کی وہ تو وہیں کی وہیں رہ گئی۔“ بلور نے پھر سے یاد دلایا۔  
 ”اوکے۔! آپ ڈرائیونگ سیکھنا چاہتی ہیں تو ٹھیک ہے میں آپ کا کسی ایسے ڈرائیونگ سینٹر میں ایڈمیشن  
 کروا دوں گا آپ ایک دو دن میں جوائن کر لیتے گا۔“  
 تیمور کو بھلا کیا یہ اہلم تھا اس نے فوراً ”ہاں بھری تھی۔“

”تھیک بھئی! اس نے بہت بے تے سے لہذا میں اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔“  
 ”تو وہ بھئی! اگر ایک بات بتائیں؟ جب آپ ڈرائیونگ سیکھ جائیں گی تو سب سے پہلے ڈرائیو پہ کس کو لے کر جائیں گی؟“  
 ”میں کسی فریڈ کو یا کسی قبلی ممبر کو۔“  
 ”تو پورے کٹنی، پورے سے پوچھا تھا اور گاڑی کی گلاس دنگو سے باہر دیکھتی ماورا نے بڑے تحمل سے گریں موڑ کر تیسرے حیدر کے چہرے کی سمت دیکھا اور ذرا توقف سے جواب سے نوازا۔“  
 ”آپ کو۔“  
 ”انتہائی سکون سے کہا آیا یہ لفظ تیسرے کو نیدم ٹھنکا گیا تھا اس نے فوراً ماورا کے چہرے کی طرف دیکھا تھا مگر گفتگو یہ تھا کہ دونوں ہی ایک دوسرے کی آنکھوں کے تیر نہیں بھانپ سکے تھے کیونکہ آنکھوں پہ گلاسز کا پورا تھا۔“

”بھئی! تیسرے کو پتا نہیں عجیب سا لگا تھا کہ زمین نہیں تیا۔ مگر پھر بھی دل میں ایک بگیا رہی جو پتی ہے۔“  
 ”اب آپ کو۔“  
 ”میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ آپ کے ساتھ اس طرح گاڑی کی بیک سیٹ پہ بیٹھ کر سفر کرنا اچھا لگتا ہے یا آگے فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ کر۔“  
 ”ماورا باتوں باتوں میں ہی کہیں سے کہیں پہنچ گئی تھی اور تیسرے نے دل کو الٹی میں سنبھل جانے کی سنیہہ کرنا شروع کیا تھا۔“

”سزا تو ہم ابھی کر سکتے ہیں اس ڈرائیونگ سیٹ میں جا سکتا ہوں۔ اور آپ۔“  
 ”لیکن یہ میری کامیابی کا دن نہیں ہے۔ میری کامیابی کا دن وہ ہوگا جب میں ڈرائیونگ سیکھوں گی۔ اور گاڑی کو ہواؤں پہ چھوڑ دوں گی۔ مگر آپ کو ساتھ لے کر کیونکہ میری ہر کامیابی میں اب آپ کا ہاتھ ہے۔ اور جس کام میں آپ کا ہاتھ میرے ساتھ ہے اس کام میں آپ کا ساتھ بھی تو میرے ساتھ ہونا۔ چاہیے نا؟“  
 ”بلور اسرا اس کے ساتھ کھیل گئی لیکن تیسرے کی طرح اس کے دماغ میں آگیا تھا۔“  
 ”سب! گاڑی فیکٹری کے پارکنگ ایریا میں رک چکی تھی اور ماورا نے اسے مخاطب کرتے ہوئے چونکا دیا تھا۔“  
 ”ہوں۔ آئیے۔“ وہ کہہ کر گاڑی سے اتر گیا اور پھر دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے فیکٹری کے اندر آگے جہاں فاروقی صاحب پہلے سے ہی ان کے انتظار میں کھڑے تھے۔“



”ولید! کیا بات ہے؟“  
 ”تیسرے نے روز سے صحت پریشان سے نظر آ رہے ہو؟“  
 ”جیسے ہی دو تیار ہونے کے بعد ناشتا کرنے کے لیے بیٹھا زید و بیگم نے اپنی تشویش کا اظہار کر دیا۔ وہ پچھلے دو تین روز سے اسے نوٹ کر رہی تھیں۔“  
 ”نہیں مہر کی کوئی بات نہیں ہے۔ بس ملکی حالات کی کشیدگی کے باعث ہر فیلڈ میں بہت سے کرائسٹس چل رہے ہیں۔ اسی وجہ سے ہمارا ذہن بھی پتھر ایسا ہی کشیدہ ہو جاتا ہے۔“  
 ”ولید نے بہت اچھے طریقے سے بات سنی۔“  
 ”ملکی حالت کی کشیدگی کے باعث۔ یا ذرا جذبات کی کشیدگی کے باعث؟“  
 ”زید و بیگم کا سوال بہت گہرا تھا۔“  
 ”ولید نے اسے نظر پر ایمان سے آیا تھا۔“  
 ”آپ سے پتہ کس نے کہا؟“  
 ”اس نے کہا بھی پتا ہی چاہتا تھا۔“



"تمہاری من گھلی کتاب ہی آنکھوں نے۔ روز بچا چلتا ہے کہ رات کو تارے گنتے ہو۔ سوتے نہیں ہو۔" زبیرہ بیگم اس کی کیفیت بیان کر رہی تھیں۔

"جس آدمی کے پاس کرنے کو کچھ نہیں ہو، وہ رات کو تارے ہی گنتا ہے۔" زبیرہ ہلکی سی سنجھی سے کہہ کر ناشتے کی طرف متوجہ ہوا تھا جبکہ زبیرہ بیگم کی دلچسپی اور تشویش میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔

"کیوں؟" تمہارے پاس کچھ کرنے کو کیوں نہیں ہے۔ صبح بھر کام کرتے ہو، بلکہ رات رات بھر کام میں بڑی رہتے ہو، تھک جاتے ہو پھر بھی تمہیں نیند نہیں آتی اور تم سوتے نہیں ہو۔" تلف ای۔! آپ سے کس نے کہا کہ میں سوتا نہیں ہوں۔؟" زبیرہ ان کی فکر مند یاد دہانی سے کی غرض سے موڑ بدلی کر بولا۔

"تمہاری آنکھوں کی سرخی کہتی ہے کہ تم سوتے نہیں ہو، وہ بھی اپنی بات پہ بند نہیں ہے، آنکھوں کی سرخی غلط کہتی ہے، کیونکہ میں سوتا ہوں، لیکن بس تھوڑی دیر۔ نیند پوری نہیں ہوتی اس لیے یہ کم بخت چوچا کر دیتی ہیں۔" زبیرہ نے اپنی آنکھوں کو کوسا۔

"وہ کچھ زبردانی بات ہے تو صاف صاف بتاؤ۔ اسوں سے چھپانا ٹھیک نہیں ہوتا۔" انہوں نے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"ہونٹ لہڑوں کو جمانا بھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ کیونکہ پھر رتہ جھکوں کی یہی سرخی ماؤں کی آنکھوں کو گھیر لیتی ہے اور پھر ماؤں کی نیند پوری نہیں ہوتی۔" زبیرہ بڑے سکون اور بڑے پیار سے کہتا چائے کا کپ واپس رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"زبیرہ! یہ سبیلیاں کیوں بھجوا رہے ہو تمہیں؟ اور ناشتا بھی ٹھیک سے نہیں کیا تم نے۔" زبیرہ بیگم تڑپ سی تو گئی تھیں، وہ صرف چائے پی کر ہی اٹھ گیا تھا۔

"بھوک نہیں ہے۔ رات کو کھانا کھاؤں گا گھر آکر۔" اور پھر تارے گنوں لگے۔ "لو کہ۔؟" وہ ان کو ٹالنے کے لیے اور بھلانے کے لیے کہتا ہوا ان کی پوچھنا شروع کران کے ہاتھ کو تھپکتا ہوا اپنا بگ لے کر تیزی سے گھر سے نکل گیا تھا۔



"زبیرہ رحمان کہاں ہے آج کل؟" میمنور شی کے گیٹ سے اگلتے ہوئے ساشا کو بے ساختہ زبیرہ کا خیال آیا۔ "جان بخش دی اس کی۔" عزت کا انداز لا پر اساتھا۔

"جان بخش دی اس کی؟ کیا مطلب۔؟" ساشا کو گاڑی کی طرف پوچھتے ہوئے جھجکا۔ "مطلب۔ آزاد کر دیا اسے۔" اس کی بوٹی ہانڈی مارا پر ادنیٰ ملاحظہ نہ تھی۔

"مگر کیوں عزت۔؟" اچانک یہ سب کہیں۔؟ "ساشا گاڑی کا لاگ کھولنا بھی بھول گئی۔" کیونکہ وہ میرے ساتھ چلنا نہیں چاہتا تھا اور میں اسے زبردستی گھسیٹ رہی تھی۔

"مگر عزت! وہ ایک اچھا آدمی تھا۔ ساشا پہلے زبیرہ کی ذات سے اختلاف ہی کرتی، آ رہی تھی مگر جب سے اسے قارہ کی شادی میں دیکھا اسے بھی بہت اچھا لگا تھا اور عزت کے ساتھ اس کی جوڑی پسند آئی تھی۔

"لیکن مجھے اتنا اچھا آدمی نہیں چاہیے جو اپنی ذات اپنی چاہ اور اپنے دل کے لیے بھی کچھ نہ کر سکے۔" عزت نے نفسے سے سر ہٹا۔

”کیا کرنا چاہیے تھا اسے۔؟“ ساشا کو حیرت ہوئی۔  
 ”مجھ سے اظہار کرنا چاہیے تھا مجھے پروپوز کرنا چاہیے تھا اسے۔ میری محبت کی قدر کرنی چاہیے تھی اسے“  
 ”نہ مگر اس نے کچھ بھی نہیں کیا۔ وہ ڈر رہا ہے۔ دنیا داری اور جو دنیا داری سے ڈرتے ہیں وہ دل داری بھی نہیں  
 کہتے۔“ عزت نے آک آک لفظ جیا کرنا دیکھا۔

وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھنے لگی تھی کہ اچانک ہی اسے ایک مردانہ آواز سنائی دی۔  
 ”عزت۔ آپ میرے ساتھ چلیں گی پلیز۔؟“ عزت نے یکدم گردن موڑ کر دیکھا اور سامنے کھڑے مولنس  
 مرزا کو دیکھ کر اس کے دل کی گھومتی ہوئی سوتلی ایک دم ہی ایک ہی نقطے پر رک گئی تھی۔  
 ”بس زیادہ دیر نہیں سچ کے بعد آپ کو ڈراپ کروں گا۔“ مولنس مرزا اس وقت کافی زیادہ شرافت کے  
 لہو سے شش کھڑا نظر آ رہا تھا۔

جبکہ عزت کو اچھی طرح علم تھا کہ وہ اتنا بھی شریف نہیں ہے اسی لیے وہ اسے انکار کرنے ہی والی تھی کہ اس کا  
 سیل فون بج اٹھا اور جیسے ہی سیل فون پر جھنگاتے تولید رحمان کے نمبر پر نظر پڑی اس کے اعصاب تن گئے اور اس  
 محض چند سیکنڈ سوچنے کے بعد اک نظر ساشا کو دیکھا اور اک نظر اپنے سیل فون تک اور پھر وہ سری نظر مولنس مرزا پر  
 ڈالتے ہوئے وہ انہی قدموں پر پلٹ گئی تھی۔ وہ بھی مولنس مرزا کی سمت۔  
 ”اوکے ساشا! تم گھر جاؤ۔ تم سے بعد میں بات ہوگی۔“ عزت ہنسی بنا بروائی سے کہتی مولنس مرزا کے ساتھ چل  
 دی تھی لیکن ساشا جن قدموں پر کھڑی تھی انہی پر جوں کی توں کھڑی رہ گئی۔ اور ان کی گاڑی زلتاے سے پاس سے  
 گزرتی گئی تھی۔

”بیلو مس ساشا! کسی نے اسے پکارا تھا۔“  
 ”ہوں۔“ ساشا نے تائبہ مافی سے بول کر کہا۔

”بس ولید تولید رحمان۔“ اس نے اپنا تھوڑا سا اور ساشا یکدم کرنٹ کھا کے رہ گئی۔  
 ”ولید رحمان۔؟“ اس نے پلٹ کر ولید کی طرف دیکھا اور زیر لب کہنے لگا کہ اس کا نام پورا تھا۔  
 ”آپ۔ آپ یہاں۔؟“ ساشا کو اپنے تاثرات کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا تھا۔  
 ”جی وہ دراصل مجھے عزت سے ملنا تھا۔ میں کافی دیر سے ان کے سیل پر ٹرائی کر رہا ہوں مگر کبھی کلر ریسیو ہی  
 نہیں ہوتی کبھی ملتی ہی نہیں۔“ وہ بائیک سے نیچے اتر آیا تھا۔

”لیکن وہ تو چلی گئی۔“ ساشا کو بتاتے ہوئے بہت عجیب سا محسوس ہوا۔  
 کیونکہ ولید رحمان کے چہرے۔ صاف لکھا تھا کہ اسے ڈھونڈتے ہوئے بڑی مشکلوں سے یہاں تک آیا ہے۔  
 ”کہاں چلی گئی؟“ ولید کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

”مولنس مرزا کے ساتھ۔“ ساشا کے منہ سے نکلے ہوئے اس جملے نے ولید رحمان کو یکدم دھجیوں میں بکھیر  
 کے رکھ دیا تھا اور اس کے برہنچے اڑ گئے تھے۔  
 ”مولنس مرزا کے ساتھ۔؟“ اب کی بار اس نے زیر لب دہرایا تھا لیکن اسے اپنی یہ دہم ہی تو آواز بھی کسی  
 گھر پائل میں سے آئی سنائی دی۔

اور اسے یوں لگا تھا کہ جیسے کچھ عرصہ پہلے یونیورسٹی کے اسی پارکنگ ایریا میں ہونے والی ایماٹ کنج ایک بار  
 پھر ایماٹ ہو گیا تھا اور اس کا نشانہ صرف ولید رحمان بنا تھا۔  
 اور اس کے دل وہاں ہی محسوس میں تقسیم ہو گئے تھے۔  
 شاید اس لیے بھی کہ عزت حیدر نے جہاں سے یہ سلسلہ شروع کیا تھا وہاں یہ یہ سلسلہ ختم کر گئی تھی اور ولید



رحمان کے پاس ازیت کے سوا کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا۔  
ساشا خاموشی سے گاڑی لے کر چلی گئی اور وہیں کھڑا دکھان گیا۔



ماورا اپنے کام میں مصروف تھی جب اس کے فون بیل ہوئی۔ سوبانٹل ٹکڑی کر کے کھا تو فارہ کا نمبر نظر آیا۔  
"ہیلو! اس لئے زور دیر کے لیے کام کا سلسلہ ترک کرتے ہوئے کل دریسو کر لیا۔"  
"مختصر ماورا مرتضیٰ زندہ ہیں کیا؟" فارہ جمل کر بولی تھی۔  
"گزر گئی ہوئی تو آپ کو بھی اطلاع پہنچ گئی ہوئی۔" ماورا نے بھی بڑے مزے سے جواب دیا تھا۔  
"لیکن اب میرا خیال ہے کہ میرے ہاتھوں گزر ہی جائے گی۔" فارہ نے دانت چکچکائے تھے۔  
"وجہ؟" ماورا ساتھ ساتھ اپنا کام بھی کر رہی تھی کیونکہ اسے تیمور کے آئے تک یہ کام ختم کرنا تھا۔  
"وجہ تم مجھ سے پوچھ رہی ہو؟" ایک سی شوشر رہتے ہوئے بند اس طرح غائب ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنا بھی نصیب نہ ہو؟ کیا اس لیے دعا میں مانگی تھیں میں نے؟"  
"اوکے یا راکے اکل منڈے ہے۔ کل ملتے ہیں۔" ماورا نے اسے تسلی دی۔  
"آج کیوں نہیں؟" فارہ پھر پوچھی۔  
"آج تھوڑی مصروفیت ہے اس کے بعد ڈرائیونگ سیکھنا ہے آج میرا سلاؤن ہے۔"  
"تو رے وہاں؟" تیمور اسے پوچھ رہی تھی۔  
"ہاں۔ اور ابھی پور بھی بہت کچھ سیکھنا ہے۔" ماورا کا لہجہ بدلا۔  
"اوکے۔ پھر ٹھیک ہے تم سیکھو اور کل لازمی ملنا ہے۔" فارہ نے بات ہی بدل دی۔  
"اوکے۔ اللہ حافظ۔" ماورا نے بھی فون رکھ لیا۔  
اور جیسے ہی بندر اس سیدھی ہوئی فاروقی صاحب کے ساتھ اندر داخل ہوتے رضاحیدر کو دیکھ کر ٹھک گئی اور  
"میںی حال رضاحیدر کا بھی ہوا اور اسے دیکھ کر یہی طرح جوئے اور ان کے چہرے کا رنگ متغیر سا ہو گیا۔"  
"سلام علیکم سر!" ماورا نے بڑے اعتماد سے پہل کی تھی۔  
لیکن رضاحیدر کی طرف سے جواب نہ ملا۔  
"سر! یہ ہمارے ہی ڈرائیونر ہیں ماورا! مرتضیٰ۔ فیصل آبد سے آئی ہیں۔"  
فاروقی صاحب نے تعارف کروایا تھا جبکہ رضاحیدر لب بچھے ٹھٹھ کر رہا تھا اور ان کا رخ غائب  
تیمور حیدر کے کمرے کی طرف تھا۔  
"تیمور!" ان کی آواز خاصی بلند تھی۔  
"جیک دم روڈ ان کھول کر اندر آگئے تھے جبکہ تیمور ان کی ایسی بلند آواز اور ایسے تیمور دیکھ کر اپنی جگہ سے  
ایک دم کھڑا ہو گیا تھا۔  
"جی ہاں جان غیر بہت۔" اس کے لہجے میں احترام اور تشویش دونوں کی آمیزش تھی۔  
"تو تم اس لڑکی کو فیصل آبد سے یہاں اٹھالائے۔" وہ بے لہجے میں فرمائے تھے۔  
(بقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

## سمیرا سمید



امرد کی پیدائش کے وقت اخلاقی طور پر رونما ہونے والے چند ناگوار اور نقصان دہ واقعات کے سبب وہ اپنے خاندان میں "شھوس" کی شہور ہو جاتی ہے۔ اس کے باپ، مائیں، دادی اور خنوں، بہن، بھائی، اسیب، بھرا اور غلی اسے اکثر "شھوس" کا لالی نظر اور کالی زبان کہتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی ممکنہ بھی ان ہی الفاظوں کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے۔ اپنی دوست کے صبح شام قہقہے سن کر امرد خود بھی ناخاکارہ ہو کر رہتی رہتی ہے۔

پورے گھر میں صرف دادا ہی اس کی دل چوٹی کرتے ہیں اور گھر والوں کی باتوں کو لغو قرار دیتے ہوئے امرد کو بھی ان پر کان دھرنے سے منع کرتے ہیں۔ امرد کی مینے دادا سے خوب ہنسی سے۔ وہ سنار، ان کے ساتھ پنجاب لاہور کی میں گزارتی ہے۔ جہاں وہ لاہور میں تھے دادا سے سمجھاتے ہیں کہ تم پر حالاً پردھیان اور گور اسکا لرشپ لے کر گیا ہر گنگ چلی جاؤ۔ امرد اپنے باپ، بہن، بھائیوں کی طرح برصغیر میں کمزور ہے مگر دادا کی بات پر وہ غائب کرنے کے لیے جدوجہد شروع کر دیتی ہے مگر پھر بھی بہت اچھے بہرہ حاصل نہیں کر پاتی۔ اسی دوران اس کی شادی کا سلسلہ چلتا ہے مگر چند روز قبل دلہنا کی جہاز میں اس کے بیوہ ہو جانے پر اس کی شادی رو جاتی ہے اور اس کی شوکت پر منہ لگ جاتا ہے۔ امرد دل پر رشتہ ہو کر نیند کی گولیاں کھا کر خود کشی کی کوشش کرتی ہے تاہم سچ جاتی ہے۔ اس واقعہ کے بعد امرد کی زندگی مزید بگڑ جاتی ہے۔ وہ مختلف چھوٹے ٹنگ کلنڈر اور بیوروٹیوں کے ہزاروں تین تین اسکا لرشپ فارم بھرنے سے نظر ہر جگہ سے انکار ہونا دیکھتا ہے۔ بالآخر ماہی بیوروٹی سے اسے اسکا لرشپ مل جاتا ہے جو اس بیوروٹی کی طلبا سوسائٹی اپنے ذاتی فنڈ سے دیتی ہے جس کی رو سے امرد کو تیس فیصد ادا کرنا ہوتا ہے باقی ستر فیصد بری ادائیگی کی طرف سے آوگی۔ اس کے علاوہ لاہور کی میزبانی کے

## مشکل ناول





WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM





بعد امرت کو اپنی رہائش اور اخراجات کا خود بندوبست کرنا ہو گا یہ سب باتیں اسے برطانیہ پہنچنے کے بعد راتم بتائیں۔ راتوں رات ہی امرت کے لیے پیسے اکٹھے کر کے اسے برطانیہ بھجوا دیتے ہیں۔ سبالی اسے خود اپنے بل بوتے پر کرنا ہو گا۔ خذرا شمن اپنی او اور لیلی کول سے اس کی ابتدائی ملاقات ہوتی ہے۔

امرت پڑھنے کے ساتھ ساتھ ایک کافی مشابہ میں جاہل کرنے لگتی ہے اور لیڈی مہر کے گھر اس کی رہائش کا بندوبست بھی ہو جاتا ہے۔ لیڈی مہر نے اولاد خاتون میں سائنسوں نے۔ سنٹل کاک بھی اپنے ہاسٹل نما گھر میں مختلف بچوں کو اولاد کی طرح رکھا ہے۔ ان ہی میں ایک عالیان مارگریٹ ہو آ ہے۔ وہیں سارہنا ڈیر اور امین اون سے اس کی دوستی ہو جاتی ہے۔ جاہل کے درمیان وہ بڑے بڑے کے ساتھ مل کر ڈاکٹر کو مٹھی میں لے لگتی ہے۔

اسی دوران امرت کے باپ جن کی اعظم ماریٹ میں کالین کی دکان ہوتی ہے، آگ لگ جاتی ہے جس سے ان کا بیس بیس لاکھ کا نقصان ہو جاتا ہے۔ انہیں ایک ہو جاتا ہے۔ امرت انہیں سلی دیتی ہے اور ڈاکٹر کو مٹھی میں لے لگنے والے پیسے ان کے اکاؤنٹ میں ترانسفر کر دیتی ہے۔ اس کے علاوہ لیڈی مہر بھی اسے ایک چیک دیتی ہیں۔ امرت وہ رقم بھی پاکستان بھجوا دیتی ہے۔ امرت کے والد بہت خوش ہوتے ہیں۔ امرت اپنی کمرے کی کھڑکی میں کھڑی ہوتی ہے جب عالیان مارگریٹ کسی اسپائیڈر مین کی طرح اس کی کھڑکی میں جھانکتا ہے۔ امرت کی چیخ نکل جاتی ہے۔

## دوسری قینطرب

اس کی رہائش گاہ کے گرد باغیچوں کی طرح کد پھرتا رہا تھا۔ امرت نے سر کو ذرا اور آگے کر کے کہا۔  
"تم کیا کر رہے ہو۔۔۔ چوہی میں سے۔"

اس کی آواز روہرک کر اسے دیکھنے لگا۔ جیسے بڑوں کے دلہن کی کمانی سنتے ہی سچے سچا تھا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگتے ہیں کہ کیا کوئی بڑی ان کے سروں کے اوپر اڑتی بلادی پنہری تھماری ہے۔ اگر نہیں تو میں نہیں آکر ہوں تو وہ نظر کیوں نہیں آتی۔ اچھا تو وہ نظر آگئی۔

وہ نیچے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ کھڑکی سے سر نکالے اس پر تھا ہوری تھی۔

"باگل ہو کیا؟" آواز کو وہی مہر کھڑکی سے پتلائی۔  
"باگل ہوں میں۔" لیکن ڈاکٹر کو اسے ابھرا دیا کہ مسکراہٹ دیا کہ اس نے سر ہایا۔

"اچھا تو یہ تمہارا گھر ہے۔" اپنی دانست میں وہ اسے چڑا رہی تھی تو پھر سیدھے راستے اندر آکر دکھا۔

"اچھا!" عالیان نے سینے پر ہاتھ پاندھ لیے اور اس کے اگلے حکم کا انتظار کرنے لگا۔

"تم یہاں سے؟" امرت بوجھتی تھی۔  
"تم یہاں سے؟" کھڑکی کی چونگت پکڑے وہ کرنے کے قریب ہوا پھر اس نے جلدی سے منبوطی سے کھڑکی کو تھام لیا۔

جنگل بیابانوں میں اندھیرے کے بستر میں بیٹھی بندھ سوئے سب ہی جگنو اس کی آنکھوں میں ایک ایک کر کے جاگنے لگے۔  
"یہ میرا گھر ہے۔"

"یہ میرا گھر ہے امرت!" مسکراہٹ بنا دینے کو گیا۔ کسی جنگل لنگور کی طرح جسے وہ اپنا گرو ماننا ہو گا۔

امرت نے بے طرح حیران ہو کر جیسے خود کو ہوش میں لانا چاہا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ابھی ابھی جو اس نے دیکھا وہ سچ تھا۔ حقیقت تھا خواب نہیں تھا۔ اس کا یقین قیلاویسے اس کے کمرے کی کھڑکی میں آکر اسے یہ بتا گیا تھا کہ یہ اس کا گھر ہے۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر کھڑکی سے سر باہر نکالا۔ وہ ذرا دور دوسری کھڑکی کی طرف لپک رہا تھا لور بار بار کھڑکی دیکھ رہا تھا۔

آخر وہ کیا کر رہا تھا اسے آدھی رات کے وقت



"کیا اور لانا ہے؟" امرود پوری قوت سے چلائی۔  
اس نے جھرمجھری لے کر ڈرنے کی لوٹاٹاری کی لور  
کلن میں انگلی گھملا لے لگا پھر سر کو جھکا کر کلن کو صاف  
کرنے کا عمل کیا۔ امرود کو کافی برا لگا۔ اس نے اپنے  
اسٹڈی ٹیبل پر رکھا ایک عدد موٹا میگزین اٹھا لیا اور  
اسے دے مارنے کے لیے ہاتھ بلند کیا۔ علیان کو برا لگا۔  
وہ سنجیدگی سے کھڑے ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا وہ کھڑکی میں کھڑی جوڑٹ ہے لور کیا وہ نیچے  
کھڑا رہتا ہے؟" ستاروں بھری رات نے وقت کے  
کلن میں سرگوشی کر کے پوچھا۔ وقت نے کندھے  
لپکائے اور مسکرا کر کہا "انتظار کرو۔"

امرود میگزین اسے دے مار لی تو تیزی سے گھری  
لاہری طرف چلا گیا۔ اس نے تقریباً خود کو آدھا  
کھڑکی سے باہر نکال کر اسے ڈھونڈنا چاہا لیکن اسے  
نظر نہیں آیا۔

کچھ ہی دیر میں اسے گھر کے اندر سے شور کی  
آوازیں آنے لگیں۔ رات کے اس وقت اس طرح  
کی آوازیں کاتا عیب تھا۔ خاص کر لیڈی مہر کی تو آواز  
کلن سے باہر آئی تو سلو حنا بھی اپنے کمرے  
سے اٹھ کر آچکی تھی۔ "کیا ہو رہا ہے؟"

"دیڈی کا بیٹا کیا ہے۔ انہیں سالگرہ دہن کرنے  
کا۔"

"کب آیا ہے؟"  
"ابھی۔ آؤ اندر چلیں۔" سلو حنا نے اس کا  
ہاتھ پکڑ لیا اور دونوں لیڈی مہر کے کمرے میں چلی  
گئیں۔

اور۔ اور لیڈی مہر کے بیڈ پر بیٹھا علیان انہیں منا  
ساہو بیک بیک کیک کھلا رہا تھا۔ کمرے کی کھڑکی کھلی  
تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ایسے مصروف  
تھے جیسے دنیا میں اکیلے وہ دو انسان ہی موجود ہوں۔  
امرود دیکھتی ہی رہ گئی۔

"میرا بیٹا بھی تمہاری یونیورسٹی میں ہی پڑھتا  
ہے۔" لیڈی مہر نے اسے ایک بار بتایا تھا۔

"یونیورسٹی کو فخر ہے اس پر اور مجھے اس پر۔ بڑا بس  
کے نئے رجحانات اور طریقوں پر اس نے جو سائنسٹ  
لکھی تھی اسے یونیورسٹی نے کتابچے کی صورت میں  
چھاپ کر لائبریری میں رکھا ہے۔"

سلو حنا نے آگے بڑھ کر لیڈی مہر کو گلے سے لگایا  
اور سالگرہ دہن کی۔ امرود بھی آگے بڑھی۔ علیان  
نے جلدی سے کیک چھپا لیا۔

"یہ بچا ہوا کیک میں ساتھ لے جاؤں؟"  
"اتنے سے کیک میں بھی تمہاری جان ہے۔"  
لیڈی مہر دست خوش تھیں۔

"نہیں۔ کیک میں جان نہیں رہی تب۔ ملا  
آپ کو معلوم ہے لوگ آپ کے گھر کو یونیورسٹی میں کیا  
کہتے ہیں؟"

"کیا کہتے ہیں؟"  
"شٹل ٹاک۔" کینا معصوم انسان تھا تو وہ کیسے  
بچ اٹھتا تھا۔

"کون کتنا ہے میرے واٹس پلاس کو شٹل ٹاک؟"

علیان نے امرود کی طرف دیکھا۔  
"میں نہیں کہتی۔ یونیورسٹی میں پہلے سے ہی یہ  
شٹل ٹاک کے نام سے مشہور تھا۔ میں نہیں  
کہتی۔" امرود گھبرا گئی۔ یہ ماں بیٹا دونوں کیسے بوکھلا  
دیتے تھے۔

"علیان! آج رات ہمیں رہنا چاہو۔" وہ اس کے  
ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیے بیٹھی تھی۔ علیان ہنسنے  
لگا۔

"آپ مجھے رہنے کے لیے کہہ رہی ہیں؟"  
"ٹھیک ہے جاؤ پھر۔"

وہ اپنا بیگ اٹھا کر کھڑکی کی طرف لپکا۔ امرود حیرت  
سے اسے دیکھنے لگی۔ یہ کیا طریقہ ہے آنے اور جانے  
کا۔

"آج میں دو واڑے کے راستے پر چلا جاتا ہوں۔"  
علیان لیڈی مہر سے مل کر کمرے سے باہر آیا۔

ہوئے ٹامس کے ہاتھ سے بنی گرل ایٹس ہنڈو "جیسے لگ رہی۔ بس تم ذرا غصے میں ہو۔ ٹامس کی گرل تو مسکراتی ہے۔" بیک کو سنبھاتا دونوں ٹانگوں کی تکی بجاتا وہ چلا گیا۔

"بندر۔!" اتنے پیارے اسپاٹڈر میں کو امرت بندر کہہ کر بیڑا نے لگی۔ اس کا وہ ایک سو گن میں رکھ تکی۔ اس کا کوئی موڈ نہیں تھا رات کے اس وقت کیک کھانے کا ملکیں وہ عالیان کے اس طرف آنے کے بارے میں نہ چاہتے ہوئے بھی رات گئے تک سوچتی رہی۔

یہ اس کا گھر ہے۔ یعنی عالیان بھی لیڈی سرکا وہ بچے سے جسے انہوں نے پالا ہے۔ عالیان سے مل کر اسے کبھی یہ کمان نہیں ہوا کہ وہ بھی کسی ایسے ادارے میں رہا ہے جہاں بے شمار اور ناچاڑنے کے پرورش پاتے ہیں۔ اس کے اندر وہ اظہار ایسے تھے کہ لگتا تھا کہ وہ کسی ہونے خانہ ان کا چشمہ چرائی ہے۔

امرد کو عجیب سا لگا۔ کیا یہاں ہر وہ سراسر شخص ایسا ہی ہے عجیب ظہیر خاندان کے پرورش پالنے والے ناچاڑ۔

اس کا نام عالیان تھا۔ اس کی ماں کا نام گریت تھا یہ سب کیا چکر تھا۔ شاید لیڈی سر نے اس کا نام عالیان رکھا ہو۔ اسے اور سو کھالی اور نہ شاید وہ چرچوڈ "آن یا ہر میں" وہ لیڈی سر اپنے سب ہی بچوں سے بہت پیار کرتی تھیں اور بچے ان سے تو ایک بچہ ان کے لیے اپنے نام تو بدل ہی سکتا ہے۔ ان کے بالی بچے بھی تھوڑی بہت اور بول لیتے تھے۔ تو عالیان کسی کی ناچاڑ اولاد ہے۔ اسے والدین کے نام پر صرف ملتی۔ اسی لیے اس کا سر نیمہ مار گریت ہے۔

عالیان اس کا اچھا دوست بنا جا رہا تھا اس کے بارے میں ایسی معلومات ہونے پر وہ اس کے لیے انسوس محسوس کر رہی تھی۔ صرف انسوس۔ اور کچھ نہیں۔

کھلی کھڑکی سے لہندی ہوا اندر آ رہی تھی۔ امرت کو اس وائٹ ہٹوس میں روزہ نامت اچھا لگ رہا تھا۔ اس کا

"تمہارا کمر کس طرف ہے؟" "کیوں؟" "مجھے اس کی کھڑکی دیکھنی ہے؟" "کیوں؟"

"اتنے کیوں؟ مجھے دیکھنا ہے کہ اوپر سے نیچے کھڑکی میں کیسا لگ رہا تھا۔" "جیسے سامنے سے کھڑے لگ رہے ہو۔" "کیسا لگ رہا ہوں؟"

"اف! امرت کو خاموش ہونا پڑا۔ اور کھلے دروازے سے اندر جھانک کر اس نے خود ہی اندازہ کر لیا کہ یہ اس کا کمر ہے۔" "تم لیڈی سر کے بیٹے ہو؟"

"بالکل! وہ کھڑکی میں سے سر باہر نکال کر تھیک اس طرف دیکھ رہا تھا جہاں کچھ دیر پہلے وہ خود کھڑا تھا۔ لیکن ان کا نام تو مارگریٹ نہیں ہے۔"

ایک دم سے عالیان کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ اس نے جلدی سے اپنی پشت سے بیک اتار اور جو چننا مٹا لیا کچھ لگایا تھا وہ کھل کر امرت کے آگے کیا۔ "یہ میں نے بیک کیا ہے۔" "تم لگ ہو۔"

"اوکے! میں چلا۔" اس نے ایک دم ایسے ہاتھ چھوڑ دیے جیسے وہ بیان نہ دینے پر گر گیا ہو۔ امرت کی باقی کھڑکی کی طرف لپکی لپنے جھانکا پتھپ سے بچو تا وہ زمین پر چھلانگ لگا چکا تھا۔ امرت نے سر کھڑکی سے باہر نکال لیا۔ "گڈ بائے کے لیے تھینکس۔ اب تم سو جاؤ۔"

دونوں ہاتھوں کو منہ کے دائیں بائیں رکھ کر ذرا سا پٹایا۔ "گڈ بائے کون کہہ رہا تھا۔" امرت تو اس بندر کے تڑپے دیکھ رہی تھی۔ غصے سے اس نے کھڑکی بند کر لی تھی۔

"میں نہیں جانتا کہ میں وہاں سے یہاں کھڑا کیا گیا۔" اس نے کہا۔ "میں نے تم کو کھڑکی سے جھانکنا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM



مشہور و مزاح نگار اور شاعر  
انشاء جنی کی خوبصورت تحریریں،  
کارٹونوں سے مزین  
آفسٹ مطالعت، مضبوط جلد، خوبصورت گروپوش



450/-	سفرنامہ	آدھے گز کی ملازمتی
450/-	سفرنامہ	دنیا گولہ ہے
450/-	سفرنامہ	ابن ابی اوس کے عقاب میں
275/-	سفرنامہ	چلنے والے تھیں کوچیلے
225/-	سفرنامہ	گہری گہری ہار سالہ
225/-	ظہر و مزاح	خدا گندم
225/-	ظہر و مزاح	تندو کی ان کی کتاب
300/-	مجموعہ کلام	اس ہستی کے کہ ہے میں
225/-	مجموعہ کلام	چاند گر
225/-	مجموعہ کلام	دل و دشتی
200/-	ایڈکریٹن پبلیکیشن	ادب کا کونسا
120/-	ادب جری انہماک	لاکھوں کا شہر
400/-	ظہر و مزاح	بانہی انہماک کی
400/-	ظہر و مزاح	آپ سے کیا ہوا

مکتبہ عمران ڈائجسٹ  
37، اردو بازار، کراچی

کمر اور لیڈی مرنے سے بدلتا تھا کافی بدلتا تھا۔ کمر کیلیاں قد  
آدم تھیں اور کمرے کی سب سے خوبصورت بات  
تھی کہ کمرے کے عین سامنے کی دیوار پر کسی نو آموز  
خطاط کے کلمے سے بھی "کن کن کون کن" کی ہلکے رنگوں  
سے بنی پیٹنگ لگی تھی۔

اس کی زندگی میں کئی اسی طرح واقعات ہو رہے تھے  
اجھے تھے یا برے تھے لیکن اس کے لیے سب کچھ وہ  
کمرے میں آکر کھڑی ہو گئی اور غیر ارادی طور پر اس  
طرف دیکھنے لگی جہاں عالیان کھڑا تھا وہ سمت خوب  
صورت اور زندگی سے بھرپور تھا۔ جس فریج انداز  
سے وہ خفا ہوتا تھا وہ اس کا ٹیڈ مارک تھا۔  
فرانسیسیوں کو سیکھنا چاہیے۔ خفا کیسے ہوا جا ہے۔  
لیکن امر یہ نہیں سوچ رہی تھی کہ وہ کتنا خوب  
صورت اور زندگی سے بھرپور ہے یا پوٹو پر اس کے  
کپڑے کو کتنا شکل میں لاتی ہے۔ وہ تو اس کے  
ناچار ہونے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔ کئی  
قدر کرہت سے۔



انگے سارا دن اور نکل بچتی رہی۔ لیڈی بھر کے  
لیے ان کے بچوں کی طرف سے دنیا بھر سے تحائف  
آتے رہے ان کا وقت تو ان کا رہتے ہوئے گزرا۔  
پور تو اور سب اپنے اپنے گھر۔ اپنی اپنی جگہ ٹیک  
رکھے بیٹھے تھے پور اس کا ٹپ پر لائو لیڈی بھر کو سامنے  
بٹھائے ٹیک کٹ رہے تھے۔ اور لیڈی ٹیک کٹ  
رہی تھیں۔ ہر ایک کٹتے بعد کوئی نہ کوئی تکیہ لاش ہو  
جانا۔ کم سے کم ہر ٹیک کٹتے۔ امر کے پیش  
تھے ٹیک کٹا کھا کر وہ تھک چکی تھی۔ تحائف کا کتا  
ڈھیر لگ چکا تھا کہ اسے لیڈی بھر رشک آنے لگا تھا۔  
کیسی اولاد ملی تھی انہیں۔ جیوں کی نہیں تھی پوران  
کی اپنی اولاد سے زیادہ ان کی تھی۔ جن میں قوم و  
نسل مذہب و روایات کا فرق تھا۔ فرق نہیں تھا تو  
ایک محبت میں فرق نہیں تھا لیڈی مرنے انہیں محبت  
دی تھی تو وہ بھی تجوس نہیں تھے۔

رات تک جب آخری تحفہ بھی آچکا تو لہن سب نے آتش دان کے پاس بیٹھ کر وہ تحائف کھولے۔ اتنے بیش قیمت تحائف تھے کہ امرتھ کی آنکھیں خیر ہو رہی تھیں۔ لیڈی امرتھ تحفے کو کھولتیں اسے کتنی ہی دیر چھوٹی رہتیں۔ اسے ہونٹوں سے لگا تیں اور اپنی آنکھوں پر رکھ لیتیں۔ وہ تحائف بڑا شبہ بہت قیمتی تھے کیونکہ انہیں محبت سے خرید آیا تھا۔ بے اولاد ہو کر بھی ایک خاتون نے اولادوں سے زیادہ خوش پائی تھی۔ اور یہ صرف اسی لیے ممکن ہوا تھا کہ انہوں نے انسانیت کی معراج کو چھو لیا تھا۔ انہوں نے رنج و نسل کو مٹا کر ان سب کے گلے سے لگایا تھا۔

وہ ایک ایک تحفے کو کھولتیں اور اسے بیٹے والے کے بارے میں انہیں بتاتی جاتیں۔

”دیکھو ذرا امور گن کو۔ اتنی مہنگی گھڑی مجھے بھیج دی۔ مجھے اس کی ضرورت ہے یا اسے۔ اب میں کچھ کہوں گی تو ناراض ہو جائے گی۔ ہر سال مجھے پہلے سے ہنگامہ تھا۔ وہی ہے۔ پارٹ ٹائم چاہ کر لے ہے۔ جب گھر آیا کرتی تھی تو میرے پاس کلن کے ساتھ اپنا پایاں کلن جوڑ کر سویا کرتی تھی اور اگر کبھی سوتے میں اس کا سر کھسک جاتا تو اٹھ کر پھر سے میرے کلن سے کلن ملا کر سو جاتی تھی۔ جانے اسے کیا خیال تھا۔ کتنی تھی رات میں خوابوں میں۔ وہ کچھ بھی آپ سنی ہیں۔ میں بھی وہ سننا چاہتی ہوں۔ اور اگلے دن اٹھ کر مجھے بتایا کرتی تھی کہ رات مجھے کسے والے سارے خواب اس نے بھی سنے ہیں۔“ ساتھ ساتھ لیڈی امرتھ آنکھوں کی نمی صاف کرتی رہیں۔

یہ باتیں سن کر جان کر تو امرتھ کو لگ رہا تھا اس نے ملک نہیں بدلا۔ دنیا ہی بدل لی ہے۔ کیا دنیا میں لیڈی امرتھ جیسے اور بھی لوگ ہیں۔

”یہ ڈیفنس لے خود بنایا ہے۔“ انہوں نے لکڑی کے ٹیس پختے کو ان سب کے سامنے کیا۔ پختے پر ایک تصویر کھدی تھی جس میں ایک عورت کرسی پر بیٹھی ہے اس کے سر پر فرشتوں کا ہالہ چمک رہا ہے اور وہ سچے اس فرشتہ صفت خاتون کے سامنے بیٹھے اسے

محبت بھری نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔

”یہ دیکھو کیا بنا ڈالا ڈیفنس نے مجھے۔ آج کل جرمنی میں ہوتا ہے۔ اپنا پرنس کر رہا ہے اور ایک این جی او بھی چلا رہا ہے۔ یہ بارہ سال کا تھا جب ایک رات میرے پاس رہا تو رات کے کسی پہر اپنے ستر سے نکل کر میرے پیڈ کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ نجانے کب تک کھڑا رہا۔ جب اچانک میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ یہ میرے پاس کھڑا مجھے منگنی پاندھے دیکھ رہا ہے۔ کیا مجھ سے زیادہ کوئی عورت اس کو زمین پر ایسی خوش قسمت ہوگی جسے اس کی اولاد راتوں کو ایسے اٹھ اٹھ کر محبت سے دیکھتی ہو۔“

بہت دیر تک لیڈی امرتھ کی باتیں کرتی رہیں۔ پھر امرتھ انہیں لہن کے کمرے میں لے آئی۔ پیڈ سائڈ ٹیبل پر ایک چھوٹی سی تصویر فریم میں رکھی تھی وہ پہلے وہاں موجود نہیں تھی۔

”یہ عالیان نے دی ہے۔ ہمیں کچھ تصویر کو ہاتھ میں لے کر اسے پوٹوں سے لگانے لگیں۔ تصویر ہاتھ سے ہٹائی گئی تھی جس میں عالیان نے اپنے خیال کو دکھایا تھا کہ وہ لیڈی امرتھ کو لہن اور خوب صورت لیسے دیکھنا چاہتا ہے۔“

”بہت پار کرتا ہے مجھ سے۔“ انہوں نے امرتھ کو پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے اپنے سب بچوں کے بارے میں بتایا تھا۔ اب وہ اس کے بارے میں کیوں نہ بتائیں۔

”اٹھارہ سال کا ہونے کے بعد جب یہ ادارے سے نکلا تو میں اسے گھر لے آئی۔ یہ میرے دو سرے سب بچوں میں سب سے چھوٹا تھا اور بچپن میں بہت رویا کرتا تھا۔ جب یہ ایک دن اور ایک رات میرے پاس رہ کر جاتا تو مجھے بتایا جا تا کہ وہ اپنے کمرے پر بہت مشترب ہو جاتا ہے۔ روتا ہے، رات رات بھر سوتا نہیں، کھانا نہیں کھاتا۔ پھر میں جا کر اسے مل کر آئی لیکن اسے گھر نہ بلاتی۔ پھر یہ بڑا ہو گیا تو میں نے سوچا اب اسے اپنے پاس رکھوں گی۔ وہ گھر آیا اور بہت خوش تھا بلکہ خوشی سے روتا رہا۔ کئی کئی گھنٹے گھر کی دیواروں کو

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM



عملی نہیں اپنی کئی تھی۔ اور تو اور اگر وہ سو رہے ہوتے اور دارا انہیں اٹھانے کی کوشش کرتے کہ بہت سوئے تو لہلہ اور دہلوی دارا سے لڑنے لگتیں کہ کیوں اٹھایا جا رہا ہے انہیں۔ بچے ہیں۔ سونے دیا جائے۔

”یہ بچے ہیں۔ دن کے دن جا رہے ہیں۔ کلم والوں نے اپنے دن کا تو حارثی کما لیا ہے۔ اس عمر میں میں نے اپنے گھر کی ذمہ داری اٹھائی تھی۔“ دارا کہتے۔

”بیوقوف اور تھے۔“ لہلہ براہمن جانتی تھی۔  
 ”وہ اچھے وقت تھے۔ میرے لہانہی مجھے سو جوتے لگاتے تھے اگر میری آنکھ اڑان بھر کے بعد کھلتی تھی۔ مسجد کے امام صاحب نے بچوں کو جلدی اٹھانے کی عادت ڈالنے کے لیے لہان بھرنے کی ذمہ داری ہماری باری سب پر لگائی تھی۔ کچھ دار لوگ تھے اس زمانے کے۔ حکمت سے تربیت کرتے تھے۔ میری ماں مندور پر روٹیاں لگاتی تو میرا باپ مجھے مندور کے پاس بٹھانے کا کہتا تھا مجھے بھی پتا چلتا جا رہے کہ تیری ماں کیسے جھلس کر تیرے لیے رطی پکا رہی ہے۔ میرے ابا دہی کے نہانے کی باتیں میری ماں مجھ سے بھولتی۔ کتنی تمہارے لیے محنت مشقت کر کے آتا ہے۔ اس کی دھول مٹی صاف کرنے کی مشقت تم کرو۔ اگر ہمارے ماں باپ ہمارے چاؤ چوٹھے ہی کرتے رہتے تو وقت کی کتنی نے ہمیں نہیں کر رکھا ہوتا اور ہم چلنے سے پہلے گرنے جیسے ہو جاتے۔“

”بس بس۔“ دہلوی کو ہمیشہ دارا کا لہجہ برا لگتا۔  
 دارا کے اس لہجہ کی سمجھ اب امرت کو آ رہی تھی۔  
 ”پھر کیا ہوا۔؟“ امرت کو بہت دلچسپی ہو رہی تھی اس قصے میں۔

”مجھے اتنا تو یقین تھا کہ وہ محفوظ ہو گا لیکن کبھی کبھی مجھے بہت ڈر لگتا۔ فون بجاتا تو میرا دل سمجھتا تھا۔ میرے کان ڈور تیل کی گواڑ پر لگے رہتے لیکن پورا سال بیت گیا۔ اس کی کوئی خبر نہ ملی۔ ایک رات میں سو رہی تھی تو کسی نے میرا لہان اٹھا کر پلاٹم کے

کروں کو دیکھا رہتا آتش بولوں کے قریب بیٹھا اور گھٹا رہتا اور پھر رات رات بھر بی بی پر ایکشن لگتے دیکھا رہتا۔ میں نے سوچا نہایت گھر کا ماحول طلب ہے شاید اس لیے لیکن کئی ہفتے گزر گئے اس کے معمولات میں تبدیلی نہ ہوئی دن بھر ہر کھیلا۔ رات کو فلم اور ریڈیو کیگز میں نے انتظار کیا کہ شاید وہ خود کو بدل لے۔ وہ بڑا ہو چکا تھا اب اسے کچھ واری کا منٹا چھو کرنا چاہیے تھا۔ زندگی میں آگے بڑھنا چاہیے تھا لیکن وہ مجھے باپوں کر رہا تھا۔ ایک دن جب شدید برف باری ہو رہی تھی میں نے اس کے چند گرم کپڑے بیگ میں رکھے اور اسے چند پائونڈوز دے کر گھر کے دروازے کے باہر کیا اور اس سے کہل۔

”انسن دین جاؤ تو آجاتا۔ اپنے گھر کو میں تمہیں بھواد کرنے نہیں دلاں گی۔“

”پھر؟“ امرت کو بے تحاشا حیرت ہوئی۔ لیڈی مر اتنی سختی سے کام لیتی رہتی تھی۔

”یہ تو ایک سال مجھے اس کی کوئی خبر نہیں ملی۔ یہ تو میں جانتی تھی کہ وہ بہت خمدی ہے۔ قصہ بھی بہت آتا ہے اسے لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ ایسے مجھ سے ناراض ہو جائے گا۔ مجھے دکھ ہوا کہ شاید میں نے اس کے ساتھ زیادتی سختی سے کلم لیا۔ لیکن میں کیا کر سکتی۔ میرے گھر کا آرام و آسائش اسے بہاد کر رہا تھا۔ میں اپنے گھر کو آگ لگا سکتی تھی لیکن عالیان کو ایسے کام ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔“

لیڈی مر کے بیٹے کے قریب کاؤچ پر بیٹھے امرت تھوڑی دیر کو چپ سی ہو گئی۔ اس کے دونوں بھائی لگا بڑھل ہوتے رہتے تھے اسکول بولنگ میں لیکن کبھی انہیں ڈانٹ کے علاوہ کچھ نہیں کہا گیا تھا۔ بابا ان کا بیب خرچ بند کر دیتے تو انہیں چپکے چپکے انہیں پیسے دیتی رہتیں۔ درندہ داری۔ آئے دن وہ اتنی سے نئی سوڑ سائیکل بدلتے۔ رات دن ہانچک چلاتے رات گئے گھرتے۔ اور نہیں تو کپھوٹھا موبائل کے ساتھ مصروف رہتے اور ماں بابا کے سامنے یہ سب کرتے۔ لیکن کبھی انہیں ٹھیک کرنے کے لیے کوئی حکمت

پہونے سے ایک بر ایک موسم ہی جلا کر میرے آگے  
کیا۔ وہ عالیان تھا۔ وہ کڑکی کے راستے میرے  
کمرے میں مجھے سر پر اڑھوٹے آیا تھا۔  
"لو تو یہ روایت اب تک قائم ہے۔"

"ہاں! میڈی سر مسکرائے لگیں لیکن اب کچھ  
ایسے کہ میں اپنا کمر بدل لیتی ہوں۔ وہ ایک ایک  
کڑکی پھلا تھا جھانکا آتا ہے۔ اس رات اس نے  
ماٹریس پر بیورٹی کا اسٹوڈنٹ کارڈ میرے آگے رکھا۔  
میں انسان بن پکا ہوں۔" اس نے فخر سے مجھے  
بتایا۔

"بیورٹی نے اسے اسکا رشب دیا تھا۔" میڈی سر  
نے اپنی آنکھوں کی نمی صاف کی۔ "اس نے مجھے  
مایوس نہیں کیا تھا۔ جب میں نے ان سب بچوں کو گود  
لیا تھا اس وقت میں نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ میں  
انہیں بہترین انسان بناؤں گی۔ مجھے کوئی بھی راستہ اپنانا  
پڑے ورنہ نہیں کھوں گی۔ ایک عورت کی گود میں  
جب بچہ آتا ہے تو اس پر نہیں اور وہ بولتی ہی بڑی ذمہ  
داری عائد ہوتی ہے۔ ایک ایسا فرض جس میں عظمت  
کی گنجائش نہیں ہے۔ جب ایک انسان کو پرورش  
کے لیے تربیت کے لیے ایک دور انسان بنا جاتا  
ہے تو جیسے کل انسانیت کی لگائیں اس کے ہاتھ میں  
دے دی جاتی ہیں کہ اسے انہیں بناو کہ کل انسانیت  
کے لیے وہاں بن جائے یا وہ بندہ بشر بنے آگے اور  
پہنچے اور وہاں میں گود پائیں خیر کی روشنی بکھیرا چلا جائے  
۔۔۔ سارے انسان خیر ہوتے ہیں امرد۔۔۔ بس ان کی  
پرورش کے جو گوارے ہوتے ہیں وہ انہیں کچھ کا کچھ  
بنادیتے ہیں۔ یہ سب بھول ہوتے ہیں بس ہم ہی  
انہیں توڑ کر مسل کر اپنی مرضی کے کپڑوں میں پہینک  
اےتے ہیں۔"

گوندھا پھرا سے ساتھ چلنے کے لیے کمد  
"میں سائیکل پر نہیں جاؤں گی۔"  
"کیوں۔ ابھی بھی ڈرنل ہو سائیکل پر بیٹھنے سے؟"

"جیسے تم چلاتی ہو کوئی بھی ہمیشہ کے لیے ڈر سکتا  
ہے۔ یونہی ر سکی تک ٹھیک ہے۔ کسے لور جانا ہے تو  
سب دے یا بس۔"

"ٹھیک ہے۔" دلوں بس سے Phalt Lane  
آگئیں۔ موسم بدل گیا تھا تو ویرا لائٹ شوٹ ہونے لگی  
تھی۔ چست جینز جیسے جنگل میں سیر کے شکار کے لیے  
جا رہی ہو۔ بالوں کے نت نئے اسٹائل بنائے ہوئے  
وہ اپنی آنکھوں کو ایسے خوبنار دکھ کر چلاتی جیسے کسی خضر  
انجینی کی لہجہ ہو۔ امرد کو اس کے ساتھ چلتے  
ہوئے ایسا احساس ہوتا جیسے وہ اس کی بلائی گارڈ ہے نور  
کوئی امرد کو کسی بھی طرح کا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔  
وہ دل ہی دل میں خواہش کرتی کہ کاش وہ بھی پورے جیسی  
ہو جائے۔

اس لے پورے سے پوچھا نہیں۔ خود سے ہی سوچ لیا  
کہ وہ خریداری کرنے جا رہی ہے کپڑوں کی لیکن  
گیلری پہنچ کر اسے اندازہ ہوا کہ شاید ویرا یہاں اپنے  
کسی کرائنگل کے لیے مواد اکٹھا کرنے آئی ہے یا اپنے  
بلاگ کے لیے کچھ تصویریں لینے۔ جس باریک جی  
سے وہ لمبوسات کا جائزہ لے رہی تھی وہ عام انداز نہیں  
تھا۔ وہی لہجہ کا سا انداز۔

"تمہارا یہاں چوری کرنے کا ارادہ تو نہیں ہے نا؟"  
کو از کو آہستہ رکھ کر امرد نے پوچھا  
"تم میرے بارے میں ایسے بھی سوچ سکتی ہو؟"  
ایجنٹ نے اسے ٹھہرا۔

"نہ۔ تم اسی قسم کی قسمیں دیکھتی ہو نا!"  
"مطلب جو فلموں میں دیکھتی ہوں وہی سب  
کرنے بھی لگوں۔ مجھے یقین دلانا کہ پاکستان میں  
سب تمہارے جیسے نہیں ہیں؟"

امرد نے منہ پھلا لیا اور ایسا انداز اپنا لیا کہ اب وہ  
ویرا سے کوئی بات نہیں کرے گی۔ شام تک۔



جب وہ جی بھر کر گیلری دکھ چکی تو ویرا کے پاس  
 آئی۔ وہ ایک وکٹوریئن شوکیس کے سامنے گھسی پٹیل  
 سے گفتگو پر اسکی ہنارتی تھی۔  
 ”اب یہ کیا کر رہی ہو؟“  
 ”اپنے لیے ڈریس بنا رہی ہوں۔“ اپنے کام میں  
 مصروف ہوئی۔

وہ ایک وکٹوریئن فرائگ کا اسکیچ بنا رہی تھی۔ جس  
 کے بازو گھسی تک تھے اور آگے جلیں لگی ہوئی تھی جو  
 کلائی پر ہتھ لگائی سائنت میں بند ہو جاتی تھی۔  
 فرائگ تین چار مختلف رنگ کے کپڑوں سے بنائی تھی۔  
 لیکن اس کا پرائم کلر بلاک نیلا تھا اور جاہا اس پر سفید جلیں  
 کے پارے لہریے دے کر چھوڑے گئے تھے۔ اس کا  
 گھیرا تھا کہ امرتھ کے پانچ شلواری سوٹ آرام سے بن  
 سکتے تھے۔

امرتھ نے ویرا کی بسند کی دلدی۔ بلاشبہ وہ ایک  
 بے حد نفیس فرائگ تھی اور اس کی خاص بات یہ تھی۔  
 کہ اسے دیکھنے سے ہی ایک شان کا احساس ہوتا تھا۔  
 مستحی اور اعلیٰ ذوق کا۔ وہ اپنا کام مکمل کر چکی تو وہ  
 دونوں باہر آگئے۔ امرتھ کے پاس مزید دو گھنٹے تھے پھر  
 اسے اپنی جاب پر جانا تھا۔  
 ”کیسا ہے؟“ ویرا نے اسکی اس کے آگے کیا۔  
 ”زبردست۔۔۔ پر اس کا کردی کیا؟“  
 ”بہت سی خاص دن پہنوں گی۔“  
 ”اپنی شادی پر۔۔۔؟“  
 ”اس سے بھی خاص دن۔۔۔“

”شادی سے بڑھ کر خاص دن اور کیا ہو سکتا ہے  
 ۔۔۔ کاؤ کیٹن پر۔۔۔؟“

”میرے نزدیک شادی سے بھی زیادہ ایک اور دن  
 بہت زیادہ خاص ہوتا ہے کسی لڑکی کے لیے۔ جب  
 اسے لگتا ہے کہ اسے دو زندگیوں کے ٹریکس کو ایک کر  
 دینا چاہیے۔۔۔ جب وہ یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اسے اپنی  
 زندگی میں کسی اور ایک اپنے ہی جیسے بے حد اہم اور  
 انکاوتے انسان کو شامل کرنا ہے۔ یعنی ولادت۔ جب وہ  
 لوگ بلا آخر یہ طے کر لیتے ہیں کہ ان میں بادشاہ کون ہے۔

بلکہ ولت تک۔۔۔  
 ”اپنا یہ منہ ایسے ہی پھلائے رکھنا لیکن کھولنا مت  
 میں یہاں مخصوص طرز کا ایک لباس ڈھونڈنے آئی  
 ہوں۔ جب وہ مل جائے گا تو باقی کی تفصیل بھی بتا دوں  
 گی۔ تم چاہو تو آگ سے گیلری کو دیکھ سکتی ہو۔ خاص ہو  
 کس میں تمہیں ڈھونڈ لوں گی۔“ ویرا چیوٹی کی رفتار سے  
 ایک ایک شوکیس کے آگے سے مرک بیٹھتی۔ وہ  
 ”لو اب اس وقت سے سیشن میں تھے۔“

نہ صرف پانچ سو بلکہ پورے برطانیہ میں ”نئی گیلری  
 آف کٹس ہاؤسز“ اپنی انفرادیت میں یگانا حیثیت کی  
 مالک گیلری ہے۔ گیلری میں ہزار سے زائد آٹم  
 رکھتی ہے۔ لیٹ 17s سے اب تک کے فیشن کے  
 نمونہ ’زبانہ‘ بچکانہ کپڑے جو تے ’زبورات اور ایسی  
 تکی وہ سری چیزیں بڑے پیمانے پر کاسیوم ہاؤس میں  
 نمائش کے لیے رکھے گئے ہیں۔ یعنی یہ ہاؤس ایسی  
 سب چیزوں کا جدید طرز سے سجا کباب گھر ہے۔ ظاہر  
 ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے خاص طور پر 17s-  
 18s-19s کے نمبے دیکھنے سے تعلق رکھتے  
 ہیں۔ یقین نہیں آتا کہ کبھی یورپ میں بھی خواہین  
 نے دستا لے پنے تھے اس کارف کے استعمال کو لباس  
 کی طرح ضروری سمجھا جاتا تھا۔ ایسے گھیرا اور لباس پنے  
 جاتے تھے کہ اصل جسامت کے پارے میں اندازہ  
 نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ تو پھر ایسے پارے بلوسات سے  
 انہوں نے کیونکر اپنی جان چھڑائی۔۔۔؟ ترک کیوں کر  
 لے لے؟

تغییر وقت کی روح ہے۔ اور بلاشبہ آنے والا وقت  
 گزر جانے والے وقت سے بدتر ہوتا ہے۔ ہوتا  
 رہے گا۔ ایسا ہی فرمایا گیا ہے۔

لن بلوسات نے امرتھ کو مبہوت کر دیا۔ وہ بے حد  
 نفاست سے سلائی کیے گئے تھے۔ انہیں پنے سے زیادہ  
 دیکھتے رہنے کو دل چاہتا۔ موی پتلے جو انہیں پنے  
 کھڑے تھے۔ سانس لینے لگتے اور دیکھنے والوں کو اپنے  
 ساتھ وقت کے تغیر کے سفر پر جانے پر مجبور کر دیتے۔  
 ۔۔۔ امرتھ نے لن کے ساتھ وقت کا سفر کیا۔

اور ملک کون۔ "آخری فقوہ ویرا نے نچلے لب کا کونا  
 داخل میں لے کر شرارت سے چھوڑتے ہوئے کہا۔  
 "جب کوئی تمہیں پرپوز کرے گا اس دن؟"  
 ویرا دل کھول کر ہنسی۔ "میں میں نے تھوڑی  
 سی تبدیلی کر دی ہے۔ جس دن میں اسے پرپوز  
 کروں گی۔ اس دن۔ جس دن تم مجھ سے ملے۔"  
 اس نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ "دیکھو، سمجھ لیتا میں  
 معرکہ سر کر آتی ہوں۔"

امرد کو اس کا اعتماد اچھا لگا۔ وہ جانتی تھی اسے  
 پرپوز کیا نہیں جائے گا بلکہ یہ اہم کلمہ خود کرنا پسند  
 کرے گی۔ ایک فراک امرد کو بھی بہت پسند تھی۔  
 وہ ہلکے گلابی رنگ کی تھی جس پر ہلکے نیلے مسخ  
 پیلے پردوں والی خیموں کو ایسے بنایا گیا تھا جسے وہ ایک  
 دوسرے کے آگے پیچھے بھاتی مدد داتی شرارت میں کرتی  
 کھیل کود کی حد کرتی ہوں۔

امرد اس فراک کو اپنے سب سے خاص دن اپنی  
 شادی کے دن زیب تن کرنے کی خواہش کو اپنے اندر  
 پیدا ہونے سے نہ روک سکی۔ یہ خواہش لپٹا تک اس  
 کے اندر جاگ اُور نہ اس نے بھی اپنی شادی کے بارے  
 میں کچھ بھی نہیں سوچا تھا اس نے تو کبھی اس شخص  
 کے بارے میں نہیں سوچا تھا جسے کبھی تو اس کی زندگی  
 میں آتا ہی تھا۔ اس کی منگنی ہوئی تو بھی اسے کوئی دلچسپی  
 پیدا نہیں ہوئی تھی کہ وہ کون شخص ہے اسے صرف  
 اپنے گھر کے باخول سے اپنے اس پاس کے ماحول سے  
 اُٹھنے میں دلچسپی تھی۔ جی کہ اس کی شادی بھی طے ہو  
 چکی تھی تب بھی اس نے یہ معلوم کرنے کی کوشش  
 نہیں کی کہ وہ کون ہے کیسا ہے۔

اس نے کئی بار اس بارے میں سوچا کہ ایک دلوا  
 کے علاوہ کیوں باقی سب سے لاشعق ہی رہتی ہے۔  
 ان کے ساتھ عشق کیوں نہیں بنا پاتی۔ اس کی  
 دوستیں دور دور سے دوستیں ہی کیوں رہتی ہیں وہ ان  
 کے اور قریب کیوں نہیں جا پاتی؟

اس نے دوا کو یہ سب بتایا تو وہ خاموش سے ہو  
 گئے اس وقت تو نہیں لیکن آگے والے دنوں میں دوا

نے اسے بتایا کہ وہ ایسا اس لیے کرتی ہے کیونکہ آج  
 تک سب نے اسے تکلیف ہی دی ہے اسے سب  
 انسان ایک جیسے لگتے ہیں صرف تکلیف دینے والے  
 ۔ اندر کے اس وہم اور خوف کی وجہ سے اسے کوئی  
 اتنا اچھا لگتا ہی نہیں کہ وہ اس کی ذات میں دلچسپی لے  
 اس سے اتنا اور بے کار لگا رہتا ہے۔

دوا اور ویرا Platt England پارک آگئے  
 سینڈویچز اور کوک ان کے ہاتھ میں تھی۔ چلتے چلتے  
 ایک دم سے ویرا اچھلی اور ساتھ ہی روسی زبان میں گل  
 دی۔ پھر تیزی سے بالکل سپرین کی طرح آواز کر حطائک  
 لگا کر سبکدوش کرتے ایک سپ ہو پوائے کو گردن  
 سے جالی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس پر لڑائیوں مونسوں اور  
 گالیوں کی بو چھاڑ کر دی پھر اس نے اس لڑکے کو کسی  
 پٹی کے بلو ٹکڑے کی طرح اٹھایا اور جمیل کے ٹھنڈے  
 پانی میں اچھا لایا۔ شوپ کی آواز آئی اور کنارے پر  
 لٹری دور اٹھتی اس بلو ٹکڑے کی طرف لہرا لہرا کر اسے  
 مزید انقلابات سے نوازتی رہی۔

ویرا کے غصے اور اٹلی ہرانے کی رفتار کو دیکھ کر امرد  
 اندازہ نہ لگا سکتی تھی کہ روسی زبان میں اس وقت کیا فشر کیا  
 جا رہا تھا۔ بلو ٹکڑے سے پانی میں ڈکی لگائی اور تیزی سے  
 ہاتھ چھوڑتا وہ سرے کنارے سے نکل کر بھاگ گیا۔  
 "کیا کیا تھا اس پہاڑی بکرے نے؟" امرد کو اس  
 کے بھانسنے کے انداز پر بہت ہنسی آئی۔  
 "میری کمر پر چکی بھر کر گیا تھا۔"

"تم نے کیسے اس پر تشدد کیا۔ اتنے ٹھنڈے پانی  
 میں پھینک دیا۔ کوئی مسئلہ ہو گیا تو وہ پولیس لے  
 آیا تو۔"

"پولیس لے آئے یا فوج میں تیار ہوں۔ ایک  
 بار اسکول گراؤنڈ میں میرے ایک کا اس فیلو نے مجھے  
 ہراساں کیا تھا۔ میں دس سال کی تھی اس وقت۔ وہ  
 ایک لوفرا اور گندالز کا تھا اور اسکول کی ہر کنوڑ لڑکی اس  
 سے ڈرتی تھی۔ اگلے دن خوف سے میں اسکول نہیں  
 گئی۔ میرے پاپا کو میرے اسکول نہ جانے کی وجہ معلوم  
 ہوئی تو انہوں نے مجھے گھر کے باہر پہاڑ کی طرح جی



برف میں گرہن تک دیا دیا۔ میرے بہن پر ایک بھی گرم کپڑا نہیں تھا۔ میں چیخنے اور چلانے لگی وہ خاموشی سے میرے پاس بیٹھے رہے۔ جب میں ہانکل مرنے کے قریب ہو گئی تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ برف کے اس اجیر میں رہنے رہنا بھاری ہے یا اسکول سے چھٹی کر لیتا ہے بھی ہم نملو فول اور بریو کی بنا پر۔۔۔ مجھ سے ہر بار یہی ایک سوال پوچھتے رہے۔ میرے ہونٹ خلیے بڑ گئے۔ اور میری جان نکلنے میں کچھ ہی وقت رہ گیا تو انہوں نے کہا کہ اگر تم نے ہائی ہانڈ زندگی بھی ایسے بڑوں میں کر گزائی ہے تو خود کو اسی برف میں دفن رہنے دو۔ مر جاؤ اس اجیر میں۔ بڑوں کو مر ہی جانا چاہیے۔

امرد دنگ پیرا کی شکل دکھ رہی تھی۔  
 "دس کی ٹھنڈ لور برف کے بارے میں جانتی ہو؟"

"ہاں۔۔۔! امرد نے ساتھ لور لور سے سر بھی ہلایا۔  
 "کیا؟"

"ٹھنڈ ٹھنڈ ہوتی ہے۔ برف برف ہوتی ہے۔ جیسا جو اب دیا تھا اس نے  
 "ٹھنڈ ٹھنڈ نہیں ہوتی برف برف نہیں ہوتی امرد۔ موت ہوتی ہے۔ سفید موت۔ سڑوں میں پانی پھینکو تو وہ وہیں ٹھنڈا میں ہی جم جائے۔ تمہارے گرم ٹکلیں کے لوگ وہاں جاتے ہی مرنے سے لگتے ہیں ویسے تمہاری دغا کے بارے میں معلومات اتنی کم کیوں ہے؟"

"میں جانتی ہوں دس کہاں ہے۔"

"دس میں کیا کیا ہے یہ جانتی ہو؟"

"پاکستان میں کیا کیا ہے تم جانتی ہو؟"

"پاکستان میں کیا کیا نہیں ہے۔ میں یہ بھی جانتی ہوں۔ تم کیا چاہتی ہو میں نیا سے ہلت شروع کروں یا عید اتھو رہے۔ کو تو میں کوئٹہ کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتی ہوں۔ میں تمہیں تمہارے ان چند شہروں کے نام بھی بتا سکتی ہوں جو زیر زمین ہونٹوں کے

دیرا رکھتے ہیں لیکن جن کے بارے میں خود پاکستانی نہیں جانتے۔ کیونکہ انہوں نے کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ صرف ان رپورٹوں کو لیتے ہیں جو انہیں ہم نملو غیر ملکی بنا کر دیتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ پاکستان ان ذرخیزوں کو استعمال میں لایا کرتی کرے۔ ایسا تب کریں گے جب انہیں یقین ہو جائے گا کہ ان ذرخیزوں کے نکلنے ہی انہیں ان کے ٹھیکے مل جائیں گے یا ان پر ان کا قبضہ ہو سکے گا۔۔۔ ہمارے دس میں ایک بات کہی جاتی ہے کہ پاکستانی اس وقت سیلوٹ کپے چلانے کے لائق تھے جب وہ ہندوستانی سے پاکستانی بنے تھے۔ اور تب جب وہ ایک ایسی طاقت بنے تھے۔ اور بس۔ پاکستانیوں نے یہ سیلوٹ دوبارہ نہیں لیا۔"

امرد جانتی تھی کہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ خود امرد کو یہ تک معلوم نہیں تھا کہ پاکستان ایسی طاقت کس سن میں بنا۔

"تم نے اس کے ساتھ کچھ ذرا ہی کرنا۔ امرد کو اسے برائے موضوع پر واپس لانا پڑا۔ وہ مزید دیرا کے سامنے شرمندہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر وہ پاکستان کو لے کر کوئی تمام سماجی سوال پوچھتی تو اسے اس کا بھی جواب نہ آتا تو۔ تو برا ہوتا۔ کم سے کم ایک پاکستانی کو تو پاکستان کے بارے میں معلوم ہونا چاہیے۔  
 "ذرا نہیں بلکہ ہانکل ٹھیک کیا ہے۔ ٹھنڈے پانی نے اس کی اندر کے گندے کپڑے کو بھگو بھگو کر چھل ڈالا ہوگا۔"

"تم بہت بھلور ہو پیرا۔"

"اگر مجھے ایسے برف میں دلیانا نہ جانا تو میں کبھی ایسی بھلور نہ ہوتی۔"

ایک لمحے کے لیے امرد ہانکل خاموش ہی ہو گئی۔ ایک دیر اٹھی جسے بھلور بتایا گیا تھا۔ ایک امرد جس نے مسلسل رلایا گیا تھا۔ وہ دونوں انسان تھیں۔ لڑکیاں۔ لیکن ان میں سے ایک کئی گنا مضبوط لور کئی قدم آگے تھی اور وہ سری کئی گنا کنور اور بہت پیچھے تھی۔ دونوں انسان ہی تھیں پھر بھی برابر نہیں

تھیں۔  
 "تو تمہارے ظہور تمہاری طاقت ہیں؟" امرتہ کو اس پر رشک آ رہا تھا۔  
 "میرے استاد ہیں۔ انہوں نے اپنی طاقت مجھے نہیں دی بلکہ میرے اندر کی طاقت کو میرے اندر بیدار کیا ہے۔ جب ایک باپ اپنی بیٹی کے اندر اس طاقت کو بیدار کرتا ہے تو وہ زندگی کے ہر بڑے میدان میں فتح بخشنے کے لیے اپنی بیٹی کو تیار کر لیتا ہے۔ اور یہ پلور صرف ایک باپ اپنی بیٹی کو دے سکتا ہے۔ انہوں نے مجھے سکھایا کہ بڑی اور بہادری دونوں کا تعلق دماغ سے ہے جسم سے نہیں۔ اگر دماغ کو غور بنا لیا جائے تو جسم پر گزڑ پوک نہیں بنتا۔ وہ کہتے ہیں نا کوئی آپ کو انگلی لہرا کر دھمکائے آپ اسے مکار کر خاموش کر دوس۔"  
 "تمہیں کوئی بھی رد عمل میں نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

ویرا پوچھ رہی تھی وہ باپ اس کے لیے واوانے تھے۔  
 "میں بارہ سال کی تھی اور یہی طرح سے روزی تھی۔ میرے واوانے مجھے ایک بہت بڑے پارک میں لے گئے۔ وہ سال کے گرم ترین دنوں میں سے ایک دن تھا۔ کیا تم گرم ترین دنوں کا مطلب سمجھتی ہو؟" امرتہ نے رک کر ویرا سے پوچھا۔  
 "ہاں! لگتا گرم کہ انسان کی موت واقع ہو سکتی ہے۔ تو یہ سب باقی تھی۔"  
 "ہاں یہ وہی دن تھے۔ پارک میں لے جا کر میرے واوانے مجھے وہ عورت پرندے دکھائے جو گرمی سے مر چکے تھے۔ وہ مجھے ایک درخت کے نیچے لے کر بیٹھ گئے اور انہوں نے مجھے پرندوں کو دیکھتے رہنے کے لیے کہا اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے ایک چڑیا گرمی کی تاب نہ لا کر مر گئی۔ میرے واوانے مجھے اس کے قریب لے گئے اور مجھ سے پوچھا۔

"ہاں ایسا ہو سکتا ہے تو کیا نقصان کے خوف سے میں بڑی بی بی رہوں خاموش رہوں۔ ایسا میں نہیں کر سکتی۔ ویسے تمہیں تمہارے پیانے کیا سکھایا ہے امرتہ؟"

"امرتہ! مرنے سے پہلے کیا تم نے اس چڑیا کو روکنے سے آہ دیکھا، شکوے شکایتیں کرتے دیکھا۔ گرمی سے اسے اتنی تکلیف دی۔ کیا اس کی میٹھی چوں چوں بھدی آواز میں بدلتا۔ بلکہ یہ بے چاری تو خاموش ہو گئی پھر تو یہ معصوم سی چڑیا انسانوں سے بڑھ کر ہو گئی۔"

ایک گھرا سلیہ امرتہ کے چہرے پر سے ہوا کر گزرا۔  
 "پلار ت گئے گھر آتے تھے انہیں دنیا میں ایک سی چیز کی فکر رہتی تھی، اپنی کارٹ شاپ کی۔ وہاں رہنے چھوٹے بڑے ہر کارٹ کی۔ وہ کمات کے گھر وقت پر ڈیلیوری کی۔ حتیٰ کہ شاپ پر نیوز ہو جانے والے امرتی سیور تک کی تھی۔ یونیفارم میں ایک دن صبح وہ لن کے سامنے اپنی دین کے لیے نکلنے لگی تو انہوں نے پوچھا۔

واوانے چند چھوٹے ٹکڑاٹھا کر پرندوں کو مارے۔ وہ خاموشی سے پھر سے اڑ گئے۔ انہوں نے اپنی جگہ بدل لی لیکن داؤطا نہیں کیا۔ نہ روئے نہ چائے۔ پھر انہوں نے مجھے بتایا کہ کائنات کی اپنی تخلیق مشرتا برعے اور دوسرے جانور کبھی انسان کی طرح آہ و بکا نہیں کرتے۔ انسان کی طرح روتے چلاتے نہیں، داؤطا نہیں چلاتے۔ لیکن کائنات کی ارفع و اعلیٰ تخلیق انسان یہ کام بہت شوق سے کرتا ہے، ایسے گاٹھاڑتا ہے سینہ گول کرتا ہے جیسے کائنات کے رب نے ظلم کے دکھوں کے سب ہی پہاڑ اس پر توڑ ڈالے ہیں۔ ایک اکیلا وہی تکلیف اٹھا رہا ہے۔ یہ نہیں دیکھتا کہ یہ دکھ یہ تکلیف اسے کتنا فائدہ دے رہی ہیں۔ اس کی استغنیٰ اسے کیا کیا کچھ سکھاد رہی ہے۔ بس وہ

"کتنے بچے ہنسی ہوتی ہے تمہاری اسکول سے؟"  
 "میں اسکول نہیں کالج جاتی ہوں اب۔" کہہ کر وہ دین میں آکر بیٹھ گئی اور بمشکل اپنے رونے پر قابو پا گئی۔ جس باب کو یہ تک معلوم نہیں تھا کہ اس کی بیٹی اسکول نہیں کالج جاتی ہے وہ باپ اس کی تکلیفوں کے بارے میں ایسے جان سکتا تھا۔ جس باپ کی بیات



روئے چلا جاتا ہے۔  
"تو تمہارے دادا کے پاس ساری مشقِ حکمت ہے!"  
"بڑے اچھے لوگ ہیں امرد! یہ سب تو۔" وہ بہت خوش ہوئے۔

"ہاں جی! بہت ہی ذہیان اچھے۔" وہ تہنجرنگا لگا۔  
اس نے دادا کو آس لینڈ کی وہ خاتون بھی دکھائی  
جو دو کم ستر سلاں کی عمر میں ماشرو کر رہی تھیں اور  
یونیورسٹی کے ہالی اسٹوڈنٹس اور اپنی کلاس کے  
مرفی فیز سے یہ درخواست کر لی جاتی تھیں کہ ان  
کی عمر کو ہٹائے طاق رکھ کر انہیں بھی دوسرے  
اسٹوڈنٹس کی طرح عام اسٹوڈنٹ سمجھا جائے انہیں  
کوئی رعایت نہ دی جائے۔ وہ اس وقت بھی برلن  
جاتی تھیں۔ جب لائپزیگ میں کوئی دن سے یہ کتاب لکھا  
کہ وہ چھپا آٹھ کتابوں پر مشتمل سیٹ کو ان کے اسٹل  
روم تک چھوڑ آتا ہے۔ یونیورسٹی اسٹاف کو ان سے  
بہت توقعات تھیں اور سب کا ماننا تھا کہ وہ ضرور دنیا بھر  
میں پامشٹرز یونیورسٹی کا نام روشن کریں گی اور کالوڈ کیشن  
اے ریٹینا "دنیا بھر کا میڈیا مسز جیل کی شاندار  
کامیابی کو کورنگون تافرض سمجھے گا۔"  
"دادا! آپ بھی آجائیں۔ یہاں چھوٹا موٹا کوئی  
کورس ہی کر لیں۔"

"اس عمر میں کیا کروں گا کورس کر کے"  
"یہی سوال میں نے بھی مسز جیل سے پوچھا تھا کہ  
اس عمر میں تاریخ کو کھنکھل کر اس میں کس گراؤد پھر  
اس میں ڈگری لے کر وہ کیا کریں گی تو انہوں نے کہا۔"  
عمر۔ کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اصل چیز زندگی ہوتی ہے  
۔ اور میرے وجود میں زندگی ایسے ہی لاڈلی ہے جیسے  
کسی لومبولو کے جسم میں۔ تو جب زندگی کا معنی  
ایک سے "زندہ رہنا" تو میں کسی شاندار مقصد کو لے  
کر زندہ کیوں نہ رہوں۔ اس سے پہلے میرا مقصد  
میرے بچوں میرے خاندان کی پرورش اور دیکھ بھال  
تھا جب میں اس سے فارغ ہوئی تو میں نے ایک نیا  
مقصد اپنایا۔ اس میں عمر کو بے نفع نقصان کی بات ہی  
نہیں ہے۔ یہ تو مقصد کو پالنے کی بات ہے جو میں پال  
رہی ہوں۔"

"نہیں۔۔۔ میں کے پاس صبر اور علم ہے تو وہ اسما۔  
وہ ایک اچھے استاد ہے ہیں اور میں ایک بری شاگرد  
۔ ہم اپنے استاد کو ہاں نا کام کر دیتے ہیں جب ہم اس  
کی سنتے ہیں لیکن ہانتے نہیں۔ ہر دن ہر رات وہ مجھے  
ایسی ہی باتیں سناتے لیکن میں نے تو اپنے وجود کو جیسے  
پتھر کا پتھرا لیا تھا۔ تھکاوٹ و سوجھ بوجھ کی کوئی بھی بوند اس  
پر اثر نہیں کر رہی تھی۔ لب تم سب کو دیکھتی ہوں تو  
خیال آتا ہے کہ اپنی زندگی کن اندھیوں میں گزارتی  
رہی ہوں۔ ذرا سی ہمت کرتی تو ان اندھیوں سے نکل  
سکتی تھی۔"  
"کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ ماہی میں؟ کچھ بہت  
پرا؟"

"تم سنو گی تو ہنسو گی۔"  
"میں ہنستا چاہتی ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے  
کہا۔  
"لیکن جانتے جانتے میں مد پڑوں گی۔" اس نے  
بھی سنجیدگی سے ہی کہا۔  
"جیل میں بطنیں ایسے سکون سے تیر رہی تھیں  
جس سکون سے انسان کلو اسٹل کہی پڑتا ہے۔"

"Skype is God send"

گورو اس کی قائل بھی تھی۔ دادا ہر دن اس سے  
بات کر کے اسے دیکھ کر ہی سوتے تھے۔ اس نے  
موبائل لے لیا تھا اور چلتے پھرتے ہر اوقات میں دادا  
سے اسکا ٹپ پر بات کر لیا کرتی انہیں دیکھ لیا کرتی  
موبائل کے ذریعے ہی اس نے دادا کو اپنی کلاس اپنی  
کلاس فیلو اور یونیورسٹی دکھائی تھی۔ کلاس میں سر  
کے آنے سے پہلے اس کی کلاس فیلو نے ہاتھ لہرا کر  
یک زبان ہو کر کہا تھا۔  
"ہیلو گرینڈا! گورو گرینڈا اتنے خوش ہوئے تھے کہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"لوہے سے سلوہنا نے۔ فون آیا تھا اس کا ایک  
 ہلے کی ترکیب پوچھ رہی تھی مجھ سے۔"  
 "آخر یہ برطانوی لوگوں کو گھر میں رکھنا کرنے کا  
 جنون کیوں ہے؟"  
 "سلوہنا بعد سہا ہے۔" اس نے اطاعت گزار  
 بچوں کی طرح ایسے کہا کہ اسے برائے لگے۔  
 امرد نے اس کے لائے گلہ سے میں سے جو کسی  
 بلخ سے توڑے لگتے تھے مفید لیے مسخ پھول جن  
 لیے اور پیلے پھول اسے واپس کر دیے۔ وہ سالیہ اسے  
 دیکھنے لگا۔ دونوں لب یونیورسٹی کی محراب کے پیچھے  
 کھڑے تھے سامنے آکسفورڈ روڈ والے وہاں تھی۔  
 "یہ واپس کیوں کیے؟" علیان کو برا لگا۔  
 "پیلے پھول کسی کو نہیں دیتے۔ یہ ناپسندیدگی اور  
 نفرت کی علامت ہوتے ہیں۔ ہم مت اچھے دوست  
 نہ سہی ایسے دشمن بھی کہیں ہیں کہ مجھے میری سالگرہ  
 کے دن یہ پھول دینے چاہیں لو۔"  
 "نفرت ناپسندیدگی کی علامت یہ پھول؟" وہ بھرپور  
 سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔  
 "ہاں بالکل!" وہ بھی مکمل سنجیدگی سے جواب دے  
 رہی تھی۔  
 "تم سے کس نے کہا یہ امرد؟"  
 "کیا مطلب ہے تمہارا کہ کس نے کہا؟"  
 یونیورسٹی کی تاریخی محراب کے نیچے ایک نئی کلاس گئی  
 تھی۔  
 "تم سے یہ کس نے کہا کہ یہ نفرت اور ناپسندیدگی  
 کی علامت ہیں؟"  
 "سب کو معلوم ہے یہ۔" اس نے ایسے کندھے  
 اچکانے جیسے اسے یہ جتا رہی ہو کہ کتنی ہی تمہیں اتنی ہی  
 بات نہیں معلوم۔ السوس۔ ویسے تم بڑے ماسٹر  
 مانتے بنے ہو۔  
 "سب کون؟"  
 "آف یہ ساری دنیا۔ سب۔ اور کون۔"  
 ایک دم سے امرد کے تاثرات میں فیسے اور کوفت  
 کا گراں بڑھنے لگا۔ بھرپور سے دل سے قہقہہ لگایا۔

دلوا سے سالگرہوش کر رہے تھے جب وہ کچن  
 میں سلوہنا کے ساتھ بیٹھا بنا رہی تھی۔ اس نے  
 موبائل اسٹینڈ میں موبائل ٹکا دیا تھا اور کام کرتے  
 ساتھ ان سے باتیں کر رہی تھی۔ سلوہنا نے سنا تو  
 اسے گلے سے لگایا اور نیک بنانے کا وعدہ کیا۔ ویرا  
 نے فی الحال ایک مسخ رنگ کاربن اس کی کلائی پر  
 ہاتھ دیا اور ایک اپنی کلائی میں کہ دونوں کو یاد رہے کہ  
 ایک نے گفت لینا ہے اور دوسرے نے دینا ہے۔ اس  
 اون نے بھی جیسے لینا علامتی جب کارونہ توڑا اور اسے  
 چھاپی گیت کا گوش کیا۔ نشست گاہ میں کسی پھولی بھی  
 کی طرح بل بل کر گیت گاتی وہ ان تین خواتین کو  
 حیران کر رہی تھی۔ لیڈی میرا سے ٹھوڑی تھے ہاتھ  
 دھو کھینچتی رہیں۔ جب وہ گاچکل ٹویڈی مرنے پر زور  
 سہا کر کلا۔  
 "مجھے امید تھی کہ تمہارے اندر بھی کوئی نہ کوئی کلا  
 ضرور موجود ہے۔ رات کو مجھے تم چند ایسے ہی گیت  
 سنا۔"  
 امرد کے ہاتھ پر کس کر کے اسے اولن پھر سے برائی  
 اسے لونا بن گئی جو سال میں ایک بار مشکل سے کوئی غیر  
 ضروری بات کیا کرتی تھی۔ لیڈی مرنے رات کے آخر  
 کے اہتمام کا امرد سے وعدہ کیا۔  
 اور یونیورسٹی میں رنگ پر تھے پھول لیے کہی اس کا  
 خطر تھا۔ وہ اپنی کلاسز لے چکی تھی اور اپنے لپا پارٹمنٹ  
 کی صلاح سے آئی تھی کہ علیان ایک دم سے اس  
 کے آگے آگیا۔ شاہد بھانجا تھا ہوا آتا تھا۔  
 "یہ لو۔ وقت تمہیں زندہ رکھے۔"  
 "وقت مجھے زندہ رکھے۔" وہ زرا نہ سمجھی۔  
 "تمہاری سالگرہ ہے نا آج تو تمہیں دعا دے رہا  
 ہوں جسے وقت زندہ رکھتا ہے اس کی عمر ہزاروں  
 سال۔ کئی صدیاں ہوتی ہے۔"  
 "مکراتے گئی۔" تمہیں کس نے بتایا؟"  
 "میں نے خود کو خود ہی بتایا۔" اسے لگا اس کی  
 تعریف کی گئی ہے۔  
 "میری سالگرہ کا کس نے بتایا پگل۔"



"تم اتنی سلیبی ہو امرد۔ یا تم ان لوگوں کی باتوں پر دھیان دیتی رہی ہو جو نفرت اور انتشار کے موجب ہیں جو بیٹہ قدرت کے قوانین میں کہتے ہیں اور پورے دلی سے ان قوانین میں رد و بدل کرنے چاہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایک پھول بھی خود نہیں بنا سکتے لیکن اسی پھول کو ناپسندیدہ 'کٹلی' نفرت ضرور بنا سکتے ہیں۔ یہ علامت آخر کیا چیز ہوتی ہے؟ یہ پھول ہے امرد! صرف پھول۔ اگر یہ اس سے زیادہ کچھ اور بھی ہے تو وہ یہ کہ یہ اپنے وجود میں کامل ہے۔ یہ خود کو خود ہی مکمل کرتا ہے۔ اس کا کھٹنا ہوا رنگ دیکھو! کتنا کامل ہے۔ یہ اپنے رنگ میں نہ کہیں کم نہ کہیں زیادہ۔ ایک جیسا۔ اس کی ہنکھٹی یاں کتنی نرم اور ملائم ہیں کتنی جاذب نظر۔ کوئی ملاوٹ نہیں ان میں دنیا کی سترن ٹیکسٹریوں میں بننے والا ریشم بھی اس جتنا ملائم نہیں ہو گا جتنا یہ زمین کے وجود سے نکل کر ہوا ہے۔ دیکھو قدرت کی کاملیت۔ دلوں اور قدرت کو تعریف کرو قدرت کی۔ اتنا تم اسے ناپسندیدہ غلاتیں دے رہی ہو تم نے اس کی خوب صورتی پر غور نہیں کیا اور اسے ناپسندیدہ جان لیا۔ سرفا کر آسمان کو دیکھو! اگر ساری دنیا اس آسمان کو کوئی حصول اور بکو اس علامت قرار دے دے گی تو تم اسے بھی برائے لگو گی۔ دیکھو مسند ریشمی بھلیں مسند سفید پھاڑتے کائنات ہیں۔ اگر انہیں بھی غلاتیں دے دی گئیں تو کیا نفرت کرنے لگو گی ان سے۔ اپنی تخلیق میں یہ پھول کسی سے کم نہیں۔ کائنات کی کسی بھی شے سے۔

یہ اپنے مقام پر پلوشہ ہے۔ اس کے سر پر تاج ہے۔ اس کی تخلیق کامل ہے کہ تمہاری تخلیق جیسی ہوتی منصور پائی بھی تمہاری ہی ہو۔ یہ کسی بھی طرح بیچا نہیں آس میں کوئی گی نہیں۔ کی ہے تو ان ماحول میں جن میں یہ لٹور پیدا ہوتا ہے۔ کوئی پھول کوئی رنگ قدرت کی بنائی کوئی چیز کامل نفرت نہیں ہوتی۔ یہ شیطانی لوگوں کی باتیں ہیں۔ تمہہ سنتی کیوں بڑھ رہی ہو جو دنیا کے مخلوق ان لوگوں نے غائب مافی میں لکھا ہے۔ قدرت کے خلاف جا کر لکھا ہے۔

قدرت کو ناخوش کرنے کے لیے لکھا ہے قدرت کو بیچ کرنے کے لیے لکھا ہے۔"

امرد حقیقتاً "چپ ہو چکی تھی۔ اس کی ساری زندگی پہلے پھول کو نفرت کی علامت سمجھتے گزر جاتی۔ اگر اسے یہ سب نہ بتایا جا رہا ہوتا۔ آخر اس نے آج تک یہ بات خود کیوں نہ سوجھی۔ وارغ تو اس کے پاس بھی تھا۔

"میرا ذاتی خیال ہے کہ پھولوں کے دو تاجروں کے کاروباری حسد کا نتیجہ ہے یہ سب۔ ایک تاجر کے پاس۔۔۔ پہلے پھول ہوں گے اور وہ کاروبار میں بہت ترقی کر رہا ہو گا۔ اس کے پہلے پھولوں کا بیغ تیزی سے پھل پھول رہا ہو گا۔ دوسرے کے کسی دوسرے رنگ کے ہوں گے چلو سرخ نکالو۔ اب سرخ پھول کے مانگ نے یہ سوچا ہو گا کہ پھول کو کسی ایسے جذبے کے ساتھ جوڑ دیا جائے کہ راتوں رات اس کی مانگ میں اضافہ ہو جائے اور اپنے کاروباری حلیف کے پھولوں کو کسی ایسے جذبے سے منسلک کر دیا جائے کہ لوگ اسے لیتا ہی پسند نہ کریں۔ اور پھر اس نے یہ کیا اور وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ دیکھو! تم نے کیسے میرے ہاتھ میں میرے پھول واہیں کر دیے۔ وہی پھول جو مجھ سے شاہکار ہیں۔"

امرد نے اس کے ہاتھ سے پھول واہیں لے لیے۔ اور تیزی سے بس کی طرف بھاگی جس میں بیٹھ کر اسے جانتا تھا۔ عالیان اس سے چند قد مہرور تھا۔

"یہ بات تمہیں کس نے بتائی ہے عالیان؟" بس کی کھڑکی سے سر نکال کر اس نے پھولوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"میرا ہے۔" عالیان نے تیز آواز میں کہا۔ بس وہ رہی گئی تھی لیکن وہ وہیں کھڑا بس کی گزر گاہ کو دیکھتا رہا۔

رات کے ڈنر کا اہتمام ٹھیک ٹھاک تھا۔ دادا کو تن لائن دیکھ کر اس نے سادھنا کا ہاتھ ایک کٹ لیا تھا۔ لیڈی مہرے اسے یونیورسٹی کی تصویر والا کراہیں بیگ دیا تھا۔ سادھنا نے باریک سی پاز سب اور این اٹن نے

www.paksociety.com

www.paksociety.com

کا جواب نہیں تھا کہ وہ مسلمان ہے اور مسلمان ایسا نہیں سوچتے اس کا جواب اس کی بولوی اس کی ماں اور خاندان کے پائی لوگوں کے پاس تھا وہی بتا سکتے تھے کہ قرآن و حدیث میں تو ایسا کچھ نہیں لکھا پھر وہ کہیں سے سیکھ سیکھ کر یہ سب کہتے اور کرتے ہیں اور یہ سب کرتے ہوئے کیا وہ بھول جاتے ہیں کہ ایک بن ان کے کے ایک ایک لفظ کا حساب کتاب بھی ہو گا۔ جو کہا ہو گا اس کے بارے میں پوچھا جائے گا وہ کون سا جواب گھڑ کر دیں گے۔ کیا کہہ سکتے ہیں اور انجان تھے اور ان کے جواب کو درست نہیں مانا جائے گا کیونکہ جو کلام پاک پڑھتا ہے وہ نہ کم نہ عمل ہو تا ہے نہ ہی انجان رہتا ہے اگر وہ ٹھیک ٹھیک پڑھتا ہے تو۔

راتھ سے بنی ایک بھولی ہی گھڑا جو اس کی ماں نے اس کے بیگ میں ایک درجن سے زیادہ رکھ دی تھیں کہ یونیورسٹی میں اسے جو جو اچھا لگے انہیں دینا جائے ایک اس نے لیڈی مہر کو دی۔  
 مرد نے اس گھڑا کو یونیورسٹی بیگ کی اوپری سلاپر لگا لیا۔ سب کو معلوم ہونا چاہیے تاکہ این اون اسے پسند کرتی ہے۔  
 اس نے اپنے گھر میں کبھی ساگر نہیں کی تھی۔ کیونکہ اسے اپنے دنیا میں آنے کی کوئی خوشی نہیں تھی۔ بلکہ اسے یہ سوچ کر ہی کوفت ہوتی تھی کہ وہ آج کے دن پیدا ہوئی تھی۔ ایک ایسی تاریخ جسے راوی سال میں کتنی ہی بار دہرائی تھیں کہ اس دن یہ ہوئی تو یہ یہ ہوا۔ اس نے ساوہنا کو ایک بار ایسے ہی یہ سب بتایا تو وہ حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگی۔



”کیا مسئلہ ہے آپ کا؟“ انہیں پوچھا۔  
 ”میں فریشر فلو کا شکار ہوں۔“ نیا اسٹوڈنٹ۔  
 ”لو۔۔۔ لیکن اس کا کوئی علاج نہیں۔ پر سکون رہیں۔ وقت اس فلو کو نارمل کر دے گا۔“  
 وقت نے اس فلو کو نارمل کر دیا تھا اور کمپویشن سب نئے آنے والوں میں سے اس کے اثرات زائل ہو چکے تھے۔ وہ یکم دیک کے بعد انہیں گاہے گاہے یہ اصطلاح اپنے سینئرز اور پروفیسرز سے سننے کو ملی۔ کبھی طعنا ”اور زیادہ تر نفاقا“۔ یونیورسٹی میں نئے آنے والے اسٹوڈنٹس کو مائچسٹر ہونی اور شہر کا جو بخار چڑھتا ہے اسے فریشر فلو کہا جاتا ہے۔ اس فلو کے حامل فریشرز بہت بولتے ہیں۔ ایک جہم سے سب جان لینا چاہتے ہیں۔ رات رات بھر جاتے ہیں۔ بہت کھاتے ہیں۔ بلاوجہ ہی یونی اور شہر میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ مائچسٹر ٹائٹ لائف سے ایسے لطف اندوز ہوتے ہیں جیسے پڑھنے نہیں سیاحت کر لے گھر سے نکلے ہیں۔  
 شروع شروع میں جب وہ مائچسٹر ہونی کا ایک پکڑ لگایا کرتی اور بلاوجہ ہی مختلف زیار مشن میں گھومتی پھرتی تو وہ ایم وغیرہ کا گروپ اسے بہت شجیدگی سے کہا

”لیکن تم تو مسلمان ہو اور مسلمانوں میں تو یہ سب باتیں نہیں ہوتیں۔“  
 مرد اسے کیا بتائی کہ لب مسلمانوں میں بھی کیا کیا ہونے لگا ہے۔  
 ”ہازے محلے میں ایک مسلمان خاندان آباد تھا۔ مجید بھائی تھے۔ اسکول میں رہتے تھے اور اپنا نیوٹن سینٹر بھی چلاتے تھے ان کی بیٹی بی شادی ہوئی تو انہیں نوکری سے نکال دیا گیا۔ پھر اسی بیٹے ان کے نیوٹن سینٹر میں آگ لگ گئی اور پھر چند ہی دنوں بعد ان کے مکان کی بچت کر گئی۔ سب نے کہا۔ ”بسو بسو قدم ہے“ لیکن ان کی ماں اور وہ آگ سے بچتے رہتے۔ کہتے جو ہوتا ہے اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ دو تین سال برابر ان کے ساتھ ایسا ہی کچھ ہونا رہا لیکن انہوں نے کبھی ایک بار بھی لوگوں کی باتوں پر کان نہیں دھرے کہ یہ سب ان کی شادی کے بعد ان کی بیوی کے قدموں سے ہوا ہے وہ سب سے یہی کہتے کہ ہمارے مذہب نے ہمیں ایسا کہنے اور سوچنے سے منع کیا ہے۔“  
 ساوہنا آتش دان کے قریب بیٹھی آریان کے موزے بن رہی تھی اور بہت مدلل انداز سے اسے سب بتا رہی تھی۔ اس کے پاس ساوہنا کے اس سوال



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھی۔ یعنی اچھی طرح کام کرنے کے لیے اسے معمول سے زیادہ محنت کرنے کی ضرورت تھی۔

اسائنمنٹ مکمل کرنے اور جمع کروانے کے اس دوران میں یونی کے ہراسٹوڈنٹ کو دیکھ کر لگتا کہ اس بے چارے کا کچھ کھو گیا ہے۔ اور وہ پوری جان لگا کر اسے تلاش کر رہا ہے یا ایک ذہنی پتھرن کے سوا کچھ لنگ رہا کسی بھی وقت گر سکتا ہے۔ ان دنوں اگر کوئی فضول کہیں پائٹا کہیں نظر آجاتا تو اس پر جی بھر کر رشک آتا کیونکہ وہ تکلن لائق فائق اسٹوڈنٹس اپنی اسائنمنٹ مکمل کر چکا ہوتا ہے دیکھ کر یہ عہد کیا جاتا کہ اگلے سمسٹر تک ہم بھی خود کو اسے ہی لائق فائق بنائیں گے کہ دوسرے نہیں دیکھ کر رشک کیا کریں گے۔ اور یہ عہد پھر اگلے سمسٹر بھی کیے جاتے۔

امرد کو ہر حال میں اپنی کارکردگی بہتر کرنی تھی اسے انگلش لٹریچر اور لسانیات میں ماسٹرز کرنا مشکل لگ رہا تھا بلکہ بہت مشکل لیکن وہ اپنے ہائی کلاس فیوز کو دیکھتی تو سوچتی کہ یہ بھی تو تن وہی سے بڑھ ہی رہے ہیں نا۔ تو اسے بھی پڑھنا تھا۔ کیسے بھی کر کے پختہ نصاب تو اسے ہر حال میں پہلے سمسٹر میں لینے ہی تھے۔ یونی میں اس کی پہلی کلاس تھی سرورایٹ لے کلاس میں آکر اپنا تعارف کروایا اور ان سب کے سامنے ہاتھ سے بے گلڈز رکھ دیے۔

کارڈ پریل رنگ کے تھے جس پر پہلے رنگ سے UOM فرسٹ سمسٹر فرسٹ ڈے فرسٹ کلاس لکھا تھا اور کونے میں سرورایٹ کے دستخط تھے۔

”اس پر آپ سب اپنا نام اپنا تعارف لکھیں اور یہ بھی لکھیں کہ آپ سولیفیو میں سے کتنے فیصد کو پہنچ کرتے ہیں۔ اسی پہنچ پر اپنا مولو بھی لکھیں اور کارڈز مجھوا لیں کہیں۔“

سب نے کارڈز لکھے اور پھر باری باری سرورایٹ نے کارڈز پڑھنے شروع کیے۔ جس کا کارڈ پڑھتے تو کھڑا ہو جاتا اور ہاتھ ہلا کر سب کو ہائے کرتا۔

”یہ عملی کس نے لکھی ہے۔“  
امرد نے گردن جھما کر ایک نظر کلاس پر ڈال دیا۔

”تھوڑا وقت لگے گا لیکن ٹھیک ہو جاؤ گی۔ یونی بھانگی نہیں جا رہی۔ دوسرے ہیں تمہارے پاس آرام سے ایک ایک پروڈیوسر اسٹوڈنٹ ڈیپارٹمنٹ کارڈز لائبریری میوزیم گھوم پھر کر دیکھ لیتا۔ اپنے اس فلو کو تھوڑا کم کرنے کی کوشش کرو۔“

اتنی سنجیدگی سے کی گئی اس نصیحت کے باوجود وہ ہفتے میں دو بار تو ضروری یونی میوزیم جاتا۔ فاسٹ فوڈ مٹا تو دوسرے ڈیپارٹمنٹس اور پبلنگ دیکھتی رہتی۔ لیکن لب چ نکد اس فلو کے اثرات زائل ہو چکے تھے اب تو اپنے ڈیپارٹمنٹ تک ہی چلی جاتی تھی تو بڑی بات لگتی تھی۔

جب جب اسے اسائنمنٹ ملتی اس کی جان پرہن جاتی۔ اسے لگتا اس سے اسائنمنٹ نہیں ہوگی اور اسے یونی سے نکلنا پڑ جائے گا۔ فی الحال ابھی تک نکلا تو نہیں گیا تھا لیکن وہ اس نکالنے کے بارے میں سوچتی ضرور رہتی تھی۔ ایسے وقت میں پڑھائی ایک اور دھابن جاتی جو ہرپ کر جانے کے لیے تیار نظر آتی۔ پہلا سمسٹر اپنے انتظام کے قریب تھا۔ ہر ایک کے ہاتھ میں کتب اور ریڈنگ کوک نظر آتی۔ لائبریری کی طرف آمد و رفت ایسے تھی جیسے وہاں بے پائے اسائنمنٹ مل رہے ہیں۔ ایک دوسرے کی شکل دیکھتے ہی پھلا سوال کیا جاتا۔

”اسائنمنٹ مکمل ہو گئی؟“  
زیادہ لڑکے نہ میں سہانے نظر آتے۔  
”سراسوال“ کتنے فیصد ہو گئی؟“

امرد کی کل ملا کر چھ اسائنمنٹس تھیں۔ چار پر وہ کام مکمل کر چکی تھی پانچویں پر کام مکمل ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ جو جون ملٹن کی لوسٹ ہیڈ لائنز کے کردار ’مائیکل‘ ’رائیل‘ اور شیطان کے مجولے پر مشتمل تھا۔ جون ملٹن کے کرداروں کو بڑھ لیتا کسی معرکے سے کم نہیں تھا۔ کہاں ان کے تجربے لکھنا۔ جسے اچھی طرح اس Poem کی ہی سمجھ نہیں آتی تھی وہ اچھی طرح اس پر کام کیسے کر سکتی

# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety1](https://twitter.com/paksociety1)



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سیونٹی ٹائیو کا سر۔  
بھنے بھی کلراڑ میں نے اب تک پڑھے ہیں۔  
انہوں نے خود کو سو فیصد کاروبار ہے، آپ نے خود کو  
سیونٹی ٹائیو کا کیوں دیا ہے؟

”یہ سب بہت ذہین ہوں گے۔ مجھے ذہین  
ہونے میں تھوڑا وقت لگے گا۔ اس نے بیوی  
مخصوصیت سے کہا اور ساری کلاس مل کھول کر اس کی  
مخصوصیت پر تھی۔

”آپ ذہین ہونے میں وقت کیوں لے رہی ہیں؟“  
سر رابرٹ نے اپنی بیوی کو چھپاتے اس سے پوچھا۔  
”میری بے وقوفی جانے میں وقت لے رہی ہے  
سر۔“

اس بار کلاس کے قہقہے فلک شکستہ تھے۔  
”مجھے لگتا ہے آپ مجھے بہت جھگ کرنے والی  
ہیں۔ مجھے ہر سیشن میں ہی کوئی نہ کوئی ایسا ضرور ملتا  
ہے۔“

”کیسا سر؟“  
”جس کی بے وقوفی جانے میں وقت لیتی ہے۔“  
جس کے فوائد کا ایک اور نم پھوٹا۔ وہ اپنی میٹ  
پر آکر بیٹھ گئی۔

”آپ نے اپنا سونو ٹیو نہیں بتایا۔“  
وہ اپنی میٹ پر کھڑی ہو گئی۔ اس کا اٹھنا پوچھتا ہی  
جا رہا تھا۔ ”پاکستان کے بنی کتے ہیں کام۔ کام۔  
کام۔ میرا بھی یہی مودو ہے سر۔“ نظروں لگے کیا  
انداز تھا مرد کل۔

”آپ کسی اور کاموں کو اپنا رہی ہیں۔ آپ کو اپنی  
سوچ کو اجاگر کرنا چاہیے یہی آپ کو میں سکھایا جائے  
گا۔“

”سر! میں نے خود سے زیادہ عقل مند شخص کاموں کو  
اپنا لیا ہے۔ اس پر عمل کر کے میں سب سیکھ جاؤں  
گی جو مجھے یہاں سکھایا جائے گا۔“

”آپ کا پہلا تعارف مجھے اچھا لگا۔“  
سر رابرٹ کے اس جملے کو سن کر اسے ایسا لگا جیسے  
اس نے کوئی بیوی مسم مر کر لی ہو۔ ٹھیک ہے اسے

وہاں اسے تو کوئی اسٹوڈنٹ عرب سے نظر نہیں آ رہا  
تھوڑا کھڑی ہو گئی۔  
”یہ اردو ہوگی سر!“ مرد نے کارڈ کی اشارہ کیا۔ سر  
رابرٹ نے کارڈ کا رخ اس کی طرف کیا کہ وہ پہچان  
لے۔

”تم ہی میرا ہی کارڈ ہے۔“  
”لیکن مجھے اردو پڑھنی نہیں آتی۔“ سر رابرٹ  
نے مسکرا کر فری سے کہا۔

”آپ نے ہی تو کہا ہے سر! یہ ہمارا پہلا تعارف ہے  
اور میری ملواری زبان میرا پہلا تعارف ہے۔“ ”اردو۔“  
مجھے اردو کا استعمال ہی کرنا چاہیے تھا سب۔؟  
سر رابرٹ متاثر نظر آنے لگے۔

”یہ کارڈ یہاں آکر پڑھ کر سناویں۔ میں محذرت  
چاہتا ہوں میں فریج اور اٹلین جانتا ہوں۔ اردو نہیں  
ہے۔“

وہ سر رابرٹ سے تھوڑا سا فاصلہ رکھ کر کھڑی ہو  
گئی۔ وہ اپنے قومی لباس شلوار قمیص میں ملبوس تھی۔  
وہ اور پاکستانی لڑکیوں کے کارڈز سر رابرٹ پڑھ چکے تھے  
اور انہوں نے انگلش میں ہی کارڈز لکھے تھے۔ ولوانے

اس سے وعدہ لیا تھا کہ اپنی نئی کلاسز میں وہ اپنے تعارف  
پہلے اردو میں کروائے گی پھر ترجمہ کر کے انہیں انگلش  
میں اپنے کے کا مطلب بتائے گی۔ ولوانے اسے بار بار  
یہی کہا تھا کہ زندگی میں سب کرنا۔ لیکن اپنی زبان کو  
”سرے فسر لالے کی کستانی نہ کرنا۔“  
وہ کارڈ پڑھنے لگی۔

”میں امرتھ ہوں۔ میرا ملک پاکستان ہے جس  
کے تاریخی شہر لاہور کی میں رہائشی ہوں، مجھے ماچیسٹر  
یونیورسٹی پاکستان اسٹوڈنٹ سوسائٹی نے اسٹار شپ دے  
کر میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع دیا ہے۔ ماچیسٹر یونی

ورسٹی میں پہلے غیر ملکی دور رس گاہ ہے میں نے یہاں آکر پڑھنے  
کے بارے میں سبھی نہیں سوجھا تھا۔ میری پہلی کلاس  
دو ٹیم ویک تھی جنہاں مجھے سکھایا گیا کہ مجھے اپنے کام  
خود کرنے ہیں۔ ”پڑھ کر مسکرائے گی۔“

”ویل! آپ نے خود کو کتنے فیصد کا چیلنج دیا ہے؟“

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں آئے اور وہ اٹھ کر بیٹھ جاہلی لیب ٹاپ پر اپنی  
اسائنمنٹ چیک کرتی۔ کیا اس نے طواب میں آئے  
پھر اگر ارف کو اسائنمنٹ میں شامل کیا ہے۔ اگر کیا  
ہے تو ٹھیک کیا ہے نا۔ اگر نہیں کیا تو کیا کرے کیا نہ۔

ڈرنے کی گھبراہٹ کی ضرورت نہیں تھی وہ اپنی سوچ کو  
تاکو میں کر سکتی تھی۔ سر رابرٹ نے اس کی تعریف  
کی۔ اسے بہت اچھا لگا کہ اسے سراہا گیا ہے۔ تو کانہیں  
گیلہ اگر کبھی وہ وہاں میں اردو بول جاہلی تو سر رابرٹ  
بہت معذرت خواہانہ عرض کرتے۔

وہ اپنے بیڈ پر کھم کرتے کرتے سو جاہلی۔ آنکھ کھلتی تو  
پہن میں جا کر کلن بناہلی تاکہ ٹیبلٹ آئے اور پھر سے آ  
کر کام کرنے لگی۔

”امرد! کیا آپ اپنی بات کو انگلش میں دہرائیں گی؟“

جس رات اس نے سلاہ اکام بمشکل مکمل کیا اس  
سے اگلا دن اسائنمنٹ جمع کروانے کا آخری دن تھا۔  
ویر اپنی اسائنمنٹ پہلے ہی جمع کروا چکی تھی اس لیے  
کچ بڑی سو رہی تھی۔ اسے ویر سے بولی جانا تھا۔

امرد سر رابرٹ کی اسی خوبی کی بہت قدر کرتی تھی  
کہ اگر وہ اپنی زبان کی عزت کرتے ہیں تو اس کی زبان  
کی بھی کرتے ہیں۔ دنیا میں وہ تو میں بے مثال ترقی  
ماصل کرتی ہیں جو اپنی قوی زبان کا وارمن ہاتھ سے  
چھوٹنے نہیں دیتیں پھر وہ عرش ہو یا فرش ہر جگہ ان  
کے نام کے جھنڈے کڑے ہوتے ہیں۔

خیند سے پورے اپنی آنکھوں کو مسلتے وہ بس سے  
یونی کے لیے اگلے۔ بس میں بیٹھی اور کھینے لگی اور ایک  
انشاپ آگے چلی گئی۔ وہاں اتر کر پیچھے بھاگتے وہ یونی  
آئی۔ بھاگتے ہوئے یونی پارک اور فائل جمع کروانے  
کے لیے ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھی۔ ہر ایک کو جلدی  
تھی کہ اس کی اسائنمنٹ جمع ہو جائے۔ ایک دم سے وہ

سر رابرٹ نے وہ سب کارڈز سنبھال کر اپنے پاس  
محفوظ کر لیے تھے۔ لن کا کمرہ تھا کہ وہ اپنے ہر نئے  
اسٹوڈنٹ کو ایسے کارڈ کی شکل میں اپنے پاس سنبھال کر  
رکھ لیتے ہیں اور جب وہ بوڑھے ہو کر رٹائرڈ ہو جائیں  
گے تو وہ ان کارڈز کو نکال نکال کر اپنے ہر اسٹوڈنٹ کو یاد  
کیا کریں گے۔

جملہ کی تہاں رہ گئی۔ اس کی فائل کہاں تھی جو وہ گھر  
سے لے کر نکلی تھی۔ وہ اتنی بافر اتفری میں تھی کہ اس  
نے اپنے ہل بھی ٹھیک سے برش نہیں کیے تھے لیکن  
اسے یاد تھا کہ وہ موٹی فائل کو گھر سے لے کر نکالی تھی۔

اتنی سی بات سن کر امرد کی آنکھیں نم ہو  
گئیں۔ اس نے جیسے بیٹھے سر رابرٹ کو جو بمشکل  
پینتیس سال کے لگتے تھے موڑھا ہوتے اور یونی سے  
رٹائرڈ ہوتے دیکھ لیا اور اپنی ڈگری کو ہاتھ میں لیے خود  
کو یونی سے رخصت ہونے لگی۔

پوری یونی اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگی۔  
وہ کئی راتوں سے نہیں سوئی تھی۔ آنکھوں کے نیچے  
گہرے حلقے بن چکے تھے۔ سر میں ہلکا سا درد رہنے لگا  
تھا اور آنکھوں کی پتلیاں کسی ایک چیز کو ذرا سی دیر  
دیکھتے رہنے کے بعد جھکنے لگتی تھیں۔ اس کا دل  
بازو سا ہو گیا۔ وہ جہاں کھڑی تھی وہاں سے اس نے

”کلف۔ کتنے جذباتی لوگ ہیں نا ہم۔ ہاں لیکن  
کچھ بھی ہے بہت اچھے لوگ ہیں ہم۔ سو اور  
شعور نہیں ہیں نرم اور پر جوش ہیں۔“

دور دور تک نظرس لگاوائیں۔ فائل کہاں کہیں  
تھی۔ آنکھوں کو مسلتے سر کو تھامتے وہ ایک جگہ بیٹھ گئی  
اور سوچنے لگی کہ فائل کے ساتھ کیا ہوا۔ وہ کہاں گئی  
۔ سلاوہنا کو لون کیا۔ اس نے اس کا کمرہ۔ پورا گھر  
دیکھ لیا لیکن فائل نہیں ملی۔ حتیٰ کہ وہ گھر سے بس  
انشاپ کے راستے تک بھی دیکھ آئی۔

پہلی کلاس کے پہلے وہ دے کو امرد کو ہر صورت  
پورا کرنا تھا خود کو پچھتر ٹھہر کا چیلنج دے چکی تھی اسے  
ہر حال میں اس چیلنج میں کامیاب ہونا تھا۔ پڑھالی اور  
پھر صاب سے لگا تھا وہ ایک دووشدن بھی ہے۔  
ہر وقت اس کے جامع میں مار کو اور جلسن گھومتے  
رہتے۔

کتبوں کے بڑے بڑے پیر اگر ارف اس کے خواہوں



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

یونیورسٹی کے مسئلہ دن دو یکم ویک ہوا تم نے اس کو کس الفاظ میں دیکھ کیا تھا۔ وائٹ کا ایک پتھر من کر اس نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ وہ مثالی کامیابی حاصل کرے گی لیکن وہ کیا کر رہی تھی۔ اس نے مثالی منت نہیں کی تھی۔ اس نے کالی کا منظر ہوا کیا تھا۔ اسے اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا۔ اس کی بری علامتیں اب تک اس کے ساتھ تھیں۔

"تم پھولنی پھولنی باتوں پر ایسے بولتی کیوں ہو؟"  
 "یہ پھولنی بات ہے؟" اس نے بولتی بولتی کہاں آنکھوں کو گور گرا۔

"یونیورسٹی میں تمہیں پھولنی ہوا چلی نکال؟"  
 اس نے ہلکی سی سڑک لیا اس کی آواز زندہ رہی تھی۔ اس لیے وہ کم سے کم بولنا چاہتی تھی۔ عالیان اسے ڈیپارٹمنٹ سے باہر لے آیا اور سبزے پر لے کر بیٹھ گیا۔

"تمہاری قائل مل جائے گی امرد! پر مجھے تمہارے رونے پر دکھ ہو رہا ہے۔ تم اتنی کم ہمت ہو؟"

"ہاں میں بہت کم ہمت ہوں۔ میرے تم لوگوں جیسے مضبوط اعصاب نہیں ہیں۔"

"اور تمہیں نظر بھی ہے کہ تم ایسی ہو۔ میں یونیورسٹی آفس جا رہا ہوں تم بیٹھیں جینٹو۔ اگر کسی اسٹوڈنٹ کو وہ قائل ملی ہوگی تو اس نے آفس میں جمع کروادی ہوگی۔"

"کوئی اسٹوڈنٹ میرے ساتھ ایسی نکلی کیوں کرے گا بھلا؟"

"کیونکہ وہ قائل اس کے کسی کام کی نہیں ہوگی اور اس کی تم سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہوگی۔" کہہ کر عالیان چلا گیا۔

اسے یقین تھا کہ قائل بس میں رہ گئی ہے اور بھلا ٹرانسپورٹ میں نہ جانے والی چیزیں بھی کبھی کسی کو ملی ہیں۔ اس نے دھواں دھار آواز کیے بغیر دل لگا کر رونا شروع کر دیا۔

عالیان داپس آچکا تھا اور اس کے سر پر کھڑا خاموشی

ٹپ ٹپ آنسو اس کی آنکھوں سے گرنے لگے۔ اسے لگنے لگا کہ اس کی تعلیم پر اس کی اپنی نحوست کا سہارہ پڑا ہے۔ وہ بیٹھے بیٹھے دقیا نوسی ہی ہو گئی۔ آنکھوں کے آگے اس نے ہاتھ رکھ لیا کہ کوئی اسے دیکھ نہ سکے۔ بہت دلوں بعد اس کا حواس بارے کو مل گیا ہوا تھا۔ اگر وہ ساتھ ساتھ جا پ نہ کر رہی ہوتی تو لب تک اسائنمنٹ مکمل کر کے دے چکی ہوتی۔ زندگی اتنی مشکل ہو گئی تھی کہ اسے ٹھیک سے کھانا کھانے کا بھی وقت نہیں ملتا تھا۔ اسے ایسی زندگی کی عادت نہیں تھی۔ اس لیے بھی وہ تازان نہیں رکھ پا رہی تھی اور دوسرے اس میں بائیک پری عادت تھی کہ وہ کلم کو اگلے دن پر تالی رہتی تھی۔ وہ چند گھنٹے اسائنمنٹ پر کام کرتی اور یہ سوچ کر کہ ڈیڈ لائن کے ختم ہونے میں ابھی دن ہیں اگلے دن پر کلم چھوڑ دیتی۔ کرتے کرتے وہ ڈیڈ لائن کے آخری گھنٹوں تک آ جاتی۔

وہ اپنی سستی کو لے کر رونے لگی کہ اگر وہ بھی باقی سب کی طرح دن رات ایک کر کے کسی بھی طرح کم سے کم دن پہلے اپنی اسائنمنٹ جمع کروا دیتی تو افزائری میں یہ سب نہ ہوتا۔ اٹھ کر اس نے اس راستے کو بھی دیکھ لیا تھا جس پر سے چل کر وہ آئی تھی۔ اپنے آنسوؤں کو صاف کر کے عالیان کے ڈیپارٹمنٹ گئی۔

"کیا ہوا امرد؟" اس کی شکل دیکھتے ہی وہ حیران سا ہو گیا۔

"میری اسائنمنٹ نہیں مل رہی شاید میں بس میں پھول آئی ہوں۔"  
 "تو تم بولتی رہی ہو؟"

اس کے پھر سے آنسو نکل آئے "میں ٹیل ہو جاؤں گی نا۔ میں ٹیل ہونا نہیں چاہتی عالیان۔"  
 وہ خاموشی سے اسے دیکھا رہا۔ "کس نے کہا تم ٹیل ہو جاؤ گی۔"

وہ آنسوؤں کے ریلے کو اپنی آنکھوں کے پیچھے دھکیٹنے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ اسے کیا بتائی کہ

سے دیکھ رہا تھا۔  
"میں ٹرانسپورٹ آفس جا رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے وہاں سے ضرور تمہاری فائل مل جائے گی۔"

امرد نے عالیان کو ایسے دکھا جیسے کہ رہا ہو پاگل ہوتا تھا۔  
"اگر تم بس میں ہی بھولی ہو ضرور مل جائے گی۔ میرا یقین کرو۔"

"تو کیوں میری فائل سنبھال کر رکھیں گے؟"  
"یہ یونورٹی میں ہے امرت آباد اور یہ گھبراہٹ میں ہے یونورٹی میں رکھتا ہے اکثر اسٹوڈنٹس تمہاری طرح اپنی بہت سی چیزیں سب دیر "ترہم لور بسوں میں بھول جاتے ہیں۔ کیونکہ ریٹورنٹ اور سنیما میں بھی۔ ان کی چیزیں ان تک پہنچ جاتی ہیں اکثر۔"

"میں نہیں مانتی کہ ایسا ہو تا ہو گا۔"  
"ہاں! ایسا تب نہیں ہوتا جب ہم ان چیزوں کو ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کرتے۔ کم ہو جانے والی چیزیں بیٹھ گہری رہتی ہیں جب تک انہیں ڈھونڈنے کی کوشش نہ کی جائے۔ برا مت مانتا یہ تمہارا کٹھن نہیں ہے جہاں تم کچھ بس میں بھول جاؤ تو وہ تمہیں دلہن بنے۔"

"تمہیں اتنے تحفے سے میرے ٹک کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔" امرت آباد نے قائل کے کم ہو جانے کا غصہ اس پر اٹھایا۔  
"میں نے تحفے سے ذکر نہیں کیا۔ میں حقیقت بتا رہا ہوں۔"

"مجھے نہیں جانتی کوئی حقیقت؟"  
"ہر لوگ سچ حقیقتیں جانتے کی کوشش نہیں کرتے وہ انہیں بدلنے کی اہلیت بھی نہیں رکھتے۔"

"ٹھیک ہے۔ ساری اہلیت تم لوگوں کے پاس ہی ہے۔ ہم سب ناکارہ ہی ہیں۔ رہنے دو ہمیں ناکارہ ہی۔"  
"میں نے کوئی ایسی بات نہیں کی کہ تم ایسے ناراض ہو۔"

"تم ایسی باتیں بھی نہیں کرو ہے کہ میں خوش ہوں۔"

ابول۔ "دانش کر ملی گئی۔"  
"وہاں تم کس پاس جا رہی تھی۔"  
"میں کون سے کھتے میں آتا ہوں امرت آباد عالیان نے پیچھے سے گواڑی۔"

وہ دانش کے پاس گئی۔ اس نے اسے ٹرانسپورٹ کے آفس جانے کے لیے کہا۔ ظاہر ہے دانش تو جانے سے پہلے ہی جانا تھا اس میں تو اتنی بہت نہیں تھی کہ یونورٹی کے مین گیٹ تک پہنچ جائے۔

"اگر ٹرانسپورٹ کے آفس سے بھی نہ ملے گی تو اس خیال کو سوچ سوچ کر فائل رہی تھی لیکن اپنی جگہ سے اٹھ نہیں رہی تھی۔"

تھوڑی دیر بعد جب عالیان گیٹ سے بس اسٹاپ کی طرف جا رہی تھی تو اسے عالیان کی آواز سنائی دی۔ وہ رک کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ چیزی سے سائیکل چلاتا اس کے پاس آ رہا تھا۔ بری طرح سے ہنس رہا تھا۔

"یہ لول گئی۔" اس نے قائل اس کے آگے کی۔  
"قائل کو ہاتھ میں لے کر بھی امرت آباد کو جیسے نہیں نہیں آیا۔"

"کہاں سے ملی؟"  
"ٹرانسپورٹ کے آفس سے۔ اگلی بار قائل پر اپنا نام 'فلن ٹمبر' اور لیڈر بس ضرور لکھتا۔ اگر تم نے پہلے سے ہی لکھا ہوتا تو تمہیں اب تک یہ مل چکی ہوتی۔" تیز سائیکل چلانے کی وجہ سے اس کا سانس پھولنا ہوا تھا۔

امرد اسے دیکھنے لگی۔ دانش کی طرح اس نے اسے نہیں کہا تھا کہ وہ جائے اور اپنا کام خود کرے۔ وہ گیا اور اس نے اس کا کام کر دیا۔

اس کا شکریہ ادا کر کے وہ قائل جمع کروانے چلی گئی۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کا انداز ٹھیک نہیں تھا عالیان سے بات کرنے کا۔

جب ہم بارے ہوئے تو کئی یا ابوس ہوتے ہیں تو ہم لہجے بد مزاج کیوں ہو جاتے ہیں۔ ہر اسارا اخلاق کہاں رخصت ہو جاتا ہے۔ ہم روٹے ہیں تو ہم اپنی سب ہشتے ہوؤں کو رلاتا کیوں چاہتے ہیں۔



دیکھا۔ "بمبھی بمبھی تم حد سے زیادہ بے وقوفی کر جاتی ہو۔"

"میں حد سے زیادہ بے وقوف ہوں۔"  
"یہ کوئی قابلِ اعتراض نہیں ہے۔" ماں اور بیٹا دونوں ایک ہی بات کرتے تھے۔  
"جانتی ہوں۔"

"میں آگئی۔" ویرا نے نشست جگہ میں اکر چلا کر کہا۔ ویرا اصل طور کو دیکھا کر کہا۔ اس نے نیلے گلابی رنگ کی فرناک پٹی تھی۔ اپنے لیے بالوں و ٹیل کی صورت پر اندھا تھا۔ ہاکی میک اپ کیا تھا اور خود کو اور پیار لہائی تھا۔

"اسے کسی کلب نہ لے جائے۔" لیڈی مرنے لگی۔  
"میں غلام ہے مجھے تو بے بھی یہ کلب میٹرل نہیں ہے۔"

"تو تم بھی نہیں ہو۔"  
"سب ہی جاتے ہیں۔ ایک یہ امرجی نہیں جاتی۔" ویرا اس قدر خچرتی۔  
"جائے گی بھی نہیں۔ اس کے باپ ولور کی ہدایات نہیں سنیں۔"

"تو برائی کیا ہے اس میں؟"  
"مجھے اس بحث میں نہیں پڑنا ویرا۔ تم جاؤ، اللہم دیکھو اور گھرواؤ اپنی آنک۔"

لب ویرا کا یہ پہلے سے ارلن تھا اور صرف شرارت کر رہی تھی۔ وہ اسے کلب لے آئی۔ اس نے شی سینٹر میں واقع دی پرنٹ ورک کو کئی بار باہر سے دیکھا تھا۔ لیکن ابھی اندر نہیں گئی تھی۔ لیڈی مرنے کے اشاروں میں کی پسندیدہ جگہوں میں سے ایک جگہ تھی۔ یہاں مختلف کیفے، بار، کلب، ریستورانٹ، جم اور اپنی طرف میں یگانا ایک سینما موجود تھا۔ ویرا اسی سینما میں اسے فلم دکھانے لاری تھی۔ وہی پرنٹ ورک ایک چھوٹا سا میٹل شہر لگتا، رنگا رنگ، چمک چمک اور مختلف ٹکڑوں کے افراد کی بھیڑ سے سراسر سورا۔ ہم سے ہے نہ کہ "کاغذ لگانا تھا۔"

اساتذہ متحسین جمع کروانے کے بعد امرجی عالیان کو احوال پوچھتی رہی لیکن وہ اسے نہیں ملا۔ وہ جاچکا تھا۔ اس کا کلام ہو گیا تو اسے اپنے دماغ پر انگوس ہوا۔ اس کی فائن نہ تھی تو وہ ایسے ہی بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتی رہتی؟  
"یہ کمزور اعصاب کے مالک ہونے کی نشانی ہے۔ اور بلاشبہ یہ کوئی اچھی نشانی نہیں ہے۔"



"عالیان سے ملاقات ہوتی ہے تمہاری؟" لیڈی مرنے پوچھ رہی تھیں۔ سب آتش و لہجہ کے پاس بیٹھے تھے۔ ویرا اسے اپنے ساتھ دی پرنٹ ورک لے کر جا رہی تھی۔ وہ تیار ہو کر بیٹھی تھی۔ ویرا تو تیار ہو رہی تھی۔

"جی ہوتی ہے۔"  
"دوست ہے تمہارا۔ سب سے اچھا دوست نا۔ میرا بیٹا اچھا دوست بنتا ہے۔"  
"ہاں۔ نہیں۔"

"تو کہہ رہا تھا تم اس کی دوست ہو۔ سب سے اچھی دوست۔"  
امرد سوچنے لگی کہ کیا وہ اس کا سب سے اچھا دوست ہے۔

"تمہارے باپا کیسے ہیں، ان کی شاپ جیٹ ہوئی؟"

"جی۔ وہ جلد ہی آپ کا قرض واپس۔"  
"بدمعہ ہو۔ قرض کی بات کون کر رہا ہے۔ تمہیں لگتا ہے میں نے اس کے تمہارے پاپا کا تم سے پوچھا ہے۔ مجھے لگتا ہے مجھے قلمبوش ہو جانا چاہیے۔"

امرد شرمندہ سی ہو کر اٹھیں دیکھنے لگی۔ چینل تبدیل کر کے انہوں نے چارل چپلن کی سووی ڈنگلی اور ایسے دیکھنے لگیں جیسے اسکول سے پھنسی نہ کروائے جانے پر بچے خفا ہو کر والدین کو دیکھتے ہیں۔

"اگر آپ ایسے ہی خفا رہیں تو میں ویرا کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔"

انہوں نے بھولے منہ سے اسے ناراض سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اندروں جاتے تو لگتا باہر کوئی اور دنیا ہے ہی نہیں۔  
باہر آتے تو لگتا دنیا تو ساری اندر تھی۔ پہلے دیر اسے  
لے کر گھومتی رہی۔

تسارے ہی ڈیپارٹمنٹ کا ہے ہاتھوں کی پونی بنا نا  
ہے۔

یہ جو وہ گورے سامنے کھڑے ہیں انہیں دیکھ کر بتاؤ  
کس قومیت کے ہیں؟ تویرانے وہ گورے جسے لڑکوں  
کی طرف اشارہ کرتے اس سے پوچھا یونی میں بھی اکثر  
پوچھتی رہتی تھی۔

تو ان سارے معاملات میں دیر اس کی ایک اچھی  
استدعا تھی اور وہ خود بھی دیر اسے متاثر سی رہتی تھی۔  
چلتے چلتے دیر ایک ٹھنڈے کے سامنے رکھے ایک  
بندے سے کارٹون کے پاس کھڑی ہو گئی جو زبان باہر  
نکال کر آنے چلنے والوں کو تڑا رہا تھا۔ اس جن جیسی  
ہی دیر اچھی زبان نکال کر اس کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔  
"ٹھنڈی با مرد۔" (جیسی تصویر بناؤ۔)

"دولوں انگریز ہیں۔" اس بار اسے یقین تھا اس کا  
جواب ٹھیک ہو گا۔

امرد نے بے طبعی دہتے اس کی تصویریں بنائیں۔  
پھر دیرانے ٹھیک ویسے ہی امرد کو کھڑے ہونے کے  
لئے کہا۔

دیرانے تھکے لگایا۔ "دولوں انگریز کیسے ہوتے؟"  
"کیونکہ دولوں گورے ہیں اور۔" وہ ایک اور وجہ  
ڈھونڈتی رہی تھی کہ دیر ان کا ایک اور بلند بانگ تھکے  
جھنگ کر رہی گزر گھنٹی شمن بنا۔

امرد نے خود کو دیر اسے بہت چاہا تھا لیکن اس  
نے اسے اس جن کے ساتھ کھڑا کر دیا تو زبان باہر  
نکالنے کو کہا۔ ہاں انہیں یہ سب کرتے کوئی نہیں دیکھ  
رہا تھا۔ لیکن امرد کو لگتا تھا۔ سب اسے ہی دیکھ رہے  
ہیں۔ سب اپنے آپ میں مگن تھے دیکھنے کا وہاں وہاں  
نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ ایک سرسری نظر ڈال لیتے۔  
اسی جن کے پاس کھڑے ہو کر دیرانے وہ انگلیوں کو  
زبان کے نیچے دے کر سٹی، بھلی، سر سے اوپر ہاتھ لے  
جا کر تالی، بھلی اور ہاتھیں ہاتھ کو ہونٹوں کے کنارے رکھ  
کر کہتے۔ "کی جن ہاس جیسی آواز بڑے شوق  
اور تالیں جنگلی انداز سے نکالی۔

"ایک امریکی ہے اور وہ سراسر انڈیا۔ تم پھر سے غلط  
ہو۔"  
"تمہیں کیسے پتا؟"

"یہ کیا کر رہی ہو؟"  
"یہ پرنٹ ورک میں آنے کا اعلان ہے۔ میں  
یہاں ایسے ہی انٹری دیتی ہوں۔" وہ ایسے انٹری دے  
سکتی تھی اور دیر اچھی بنا۔  
"تم جنگلی ہو۔"

"پتا چل جاتا ہے۔ تمہیں لگتا تو معلوم ہے نا  
انڈیا کے کتے ہیں؟"  
امرد نے ہاں میں سر ہلایا جبکہ وہ نہیں جانتی  
تھی۔ وہ اسے کیا بتائی کہ اس کے یہاں سب گورے  
رنگ والوں کو انگریز ہی جانتا اور کہا جاتا ہے۔ اب محلے  
سے وہ کینیڈا کا ہوا یا فرانس کا پانچویں میں رہ کر اسے  
انڈیا تو ہو چکا تھا کہ وہاں قومیت کا حوصلہ دے کر کالی  
بات کی جالی ہے۔ بلکہ بات ہی قومیت سے شروع کی  
جاتی ہے۔

"کبھی کسی ادوی کو جنگلی نہ کہتا۔ ہم لوہا لاند زندگی  
سے جیسے زندہ جلی کے کر سٹل ہیں زندگی کا سوچ ہم  
میں سے ہو کر رنگوں کو چمک دیکھتا ہے ہم موت  
کی یلف میں دفن سر بننے اہکا ہوں کے تھکے لگاتے  
ہیں۔ یہ صرف ہم ہی کر سکتے ہیں۔ ہم جنگلی کیسے  
ہوتے۔"

"ملاں امریکی کا کالی سیف۔"  
"ملاں علی کی خلا فل شاپ۔"  
"ملاں جرمین سر کا پیکچر۔"

اسے کوفت ہوتی تھی جب اس شخص کا ہم بند  
میں لیا جاتا اور قومیت پہلے دیر اپنے گلاس لیوڈ کا  
ذکر کرتی تو ان کی قومیت سے شروع کرتی اور سب سے  
دیر ان کو کوئی بات چینی ہوتی تو کہتی۔

"ملاں جس کے ہاں لے ہیں۔ پتلا سا ہاس۔  
جس کی گھری بنز آنکھیں ہیں۔ مشکل سا نام ہے۔"



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

”ہم یونہی یونہی پانی سے جسے زمین دلا کے کر سکتے ہیں۔“

امرد نے ذرا لب اس قوت بخش جملے کو دہرایا اور وہ کھل کر مسکرانے لگی۔

وہ راک کی باتیں ایسی ہی ہوتی تھیں۔ ان میں سے احساس کمتری جھلکتی تھی نہ ہی مایوسی۔ وہ جاکھ اس انداز سے چلتی پھرتی مسکراتی اور باتیں کرتی تھی جیسے دنیا اس کے استقبال کے لیے تیار کھڑی ہے اور اگر یہ دنیا اسے خوش آمدید کہنے پر آمادہ نہیں ہے تو وہ ہر حال اس کی پروا کرنے والی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اپنی انگلی دنیا کو تخلیق کرنے کا وصف جانتی تھی۔

پرنٹ ورک کا ایک راؤنڈ لینے کے بعد وہ اسے پارٹ راک کہنے لے آئی۔ جس کی بیرونی دیوار کے باہر ایک بڑا سا گٹار لگا جس پر سفید روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ”کیسے ہے؟“

وہ براؤن بڑھ گئی۔ ”میں کیسے بھی ہے اندر۔ اور بھی بہت کچھ ہے۔ تمہارے جی پارٹ راک نہیں گئیں۔“

”میں اس کا نام کبھی پارٹ راک ہی نہیں ہوں۔“

”تمہارے ملک میں نہیں ہے یہ۔“

”یہ کیا ہر ملک میں ہے۔“

”دنیا کا کون سا ایسا بد نصیب ملک ہو گا جو پارٹ راک سے محروم ہو گا۔“

”ہے کیا اس میں؟“

”آجاؤ اندر۔“ ویرا اسے اپنے ساتھ لے آئی۔

دیواروں پر چاہے جگمگا رہے تھے کچھ پرانے فیشن کے کاؤ بوائے بیٹ بھی دیواروں پر آویزاں تھے۔ کیسے کی سجاوٹ دیکھنے لائیں گی۔ اندر جاتے ہی اسے کئی جگہ پہلے یونیورسٹی کے چہرے نظر آئے۔ پھر اسے اپنی یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس کا ہجوم نظر آیا۔ ان سارے کھلبوز اور ہارڈ میں اسٹوڈنٹس کو رعایتی قیمت پر ڈرنکس اور کھانے ملتے ہیں۔

ویرا اسے پارٹینڈر کے پاس بٹھا کر ضروری کام کا کہہ کر چلی گئی۔ جاتے جاتے وہ اس کے لیے ایک سوئف ڈرنک کا آرڈر دے گئی تھی۔ پارٹینڈر نے اسے

ڈرنک سے وہی لور ٹاک ٹیل بنانے لگا۔ اس کے دونوں ہاتھوں پر کھینچوں سے اوپر تک نیو کھدے تھے۔ اس میں ہاتھ پر کھینچی جھاڑیوں میں سے ایک خوشخوار بھیڑیا دانٹ ٹکو سے آٹھویں چمکائے شکار پر جست لگانے کی تیاری کر رہا تھا اور بائیں ہاتھ پر وہی بھیڑیا اپنے شکار کی گردن پر پوچھے فرما رہا تھا۔

”اس کا شکار ایک انسانی کھوپڑی تھا۔“

امرد نے گراہیت سے اپنی نظریں پھیر کر ٹاک ٹیل بناتے اس نے تڑپھی نظریں سے امرد کو دیکھا اور ذرا لب ہنسنے لگا۔

”تمہیں یہ پسند آیا؟“ اس نے پھلے کی طرف اشارہ کیا۔

امرد نے منہ ہلایا۔ ”بالکل نہیں ذہر لگ رہے ہیں۔“

اپنی صاف گوئی کی شاید اسے توقع نہیں تھی۔ اس نے خود کو کام میں مصروف کرنا چاہا اور ذرا لب بیڑی لگ

لھیک دس منٹ بعد ڈی جے نے فل وایوم میں ڈسک بے کی۔ پہلے صرف ہلکا سا میوزک بج رہا تھا۔ باہر شام گہری ہو رہی تھی۔ پارٹ راک کے کونے کھدوں میں سے ہوا واؤ کرنا ہجوم ڈی جے کے آگے جمع ہونے لگا۔ ڈسکو لائٹس تیزی سے حرکت کرنے لگیں۔ امرد گھبرا گئی۔ اس نے آس پاس دیکھا۔ وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ اصل میں یہ کون سی جگہ ہے۔ وہ میڑھیوں اتر کر لور دو تین راہ داریاں پار کر کے یہاں تک آئی تھی۔

وہ جلدی سے اٹھی اور اپنی دانست میں راہ داریاں پار کر کے میڑھیوں اتر کر پارٹ سے باہر آگئی۔ لیکن وہ واصل پارٹ راک کے ہی ایک دوسرے حصے میں آئی تھی جہاں جوا کھیلا جا رہا تھا اور جہاں جوئے کی بڑی بڑی مشین رکھی تھیں۔ وہ اور وہاں بافت سی ہو گئی۔ واؤ کو اگر یہ سب معلوم ہو جائے تو اسے لینے خود پچھتر آجاؤں۔ وہ وہاں اس جگہ آئی جہاں ویرا اسے پھوڑ کر گئی تھی۔ لیکن ویرا ابھی تک نہیں آئی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

علاقہ کوئی جگہ نہیں تھی۔ بدو کے بھیکے تھے جو دم گھوٹ رہے تھے۔

دروازہ دھڑ سے بند ہوا۔ پھر فوری لاک ہو اور چلا کر اس نے حواس جاہر کا راستہ دکھانے لایا تھا کہ۔  
"اب یہاں کئی بھٹیہیے آئیں گے تمہاری گردن دوپٹے۔"

دور اوپر ڈی جے نے انسانی خود ساختہ چیزوں کے ساتھ ایک دوسرے میوزک کو گھس کر کے چلایا۔ فل ایوم سے۔ ہارٹ راک کیفے کا کلب بار اپنے عروج پر آگیا۔ امرجہ کی چیخ اس عروج میں دب گئی۔

اگر کوئی اس وقت اس کی شکل دیکھ لیتا تو جان جاتا کہ موت سے بھی زیادہ ہوشیار تاک اگر کوئی چیز مگر تو وہ اس وقت اس کی شکل پر چھائے خوف کے علاقہ کوئی اور نہیں تھی۔ اندھیرے کا رٹا اس کی آنکھوں میں گھستا چلا گیا۔ اسے نظر آتا بند ہو گیا تیز سٹی کی آواز اس کے دونوں کانوں سے سر کے اندر گھسی کر دینا تاک اندازت سے گونجنے لگی۔ وہ جہاں کی تھیں وہ تھی۔

جس کھوپڑی کو پارٹینڈر کے بازو پر بنے بھیلے نے منہ میں دوپٹے رکھا تھا۔ وہ وہی کھوپڑی بن گئی۔ عرصہ۔ شکار کی گئی۔ شکار ہو چکی۔

اس نے سر کو ہٹا دیا۔ اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ دماغ سوچ نہیں رہا تھا۔ اس نے سر کو مسلسل لادائین جھٹکے دیے۔ اسے وحندلا وحندلا نظر آنے لگا تھا۔ سر کو جھٹکے دینے سے اس کے سر میں نہیں سی اٹھی اور وہ دیوار کا سارا لے کر بیٹھے ٹوکھڑی ہوئی بوتلوں کے ڈھیر پر بیٹھ گئی۔ ٹھنڈ میں بھی وہ بیٹھے سے بھیک چنگی تھی۔ سانی سی دیر میں ہی۔

اس کا ہاتھ کر اس بیک پر لگا۔ اس کا بیک اس کے ساتھ تھا۔ اس کے پاس فون تھا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے فون اٹکالا۔

وہ دیر آ کو فون کرنے لگی۔ بیل جا رہی تھی۔ بیل جاتی رہی، لیکن اس نے فون نہیں اٹھایا۔ اس نے مسیج لکھنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کی انگلیوں کی کپکپاہٹ نے اسے ایسا نہیں کرنے دیا۔ وہ سلاہٹا کو

"میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں۔" پارٹینڈر نے بہت شرارت سے مسکرا کر امرجہ سے پوچھا۔

"مجھے باہر جانا ہے۔ کس طرف سے جانا ہے؟"  
"فرنٹ ڈور تو بند ہو چکا ہے، تمہیں بیک ڈور سے جانا ہوگا۔"

"بیک ڈور کہاں ہے؟" اسے کیا معلوم تھا کہ ان پارٹ راک میں کیا اصول و ضوابط تھے آنے جانے کے اور کہاں ان کے بیک ڈور تھے۔

ہاتھوں کو تیزی سے نچا کر اس نے اسے بتایا کہ پچھلا دروازہ کس طرف ہے۔ امرجہ کو ان بھیلے کھدے ہاتھوں کی حرکات کی قطعاً سمجھ نہیں آئی۔ ڈی جے ساؤنڈ بدل چکا تھا۔ اس نے جانوروں کے چٹھاڑنے کی آوازیں کو لادین ہپ ہپ میوزک کے ساتھ گھس کر کے فل ایوم کر دیا تھا۔  
امرد کے رنگ تیزی سے بدلنے لگے۔ تیزی سے ٹاک ٹیل بناتے۔

"We Love to Serre" کی ٹی شرٹ پہنے اس نے امرجہ کی طرف دیکھا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" اس نے خود سے ہی کہا۔ امرجہ گواہی پہلی نظر میں ہی پسند کر چکی تھی، لیکن اس کے ساتھ جانے سے خود کو روک نہ سکی۔ لڑی ہے کامیابی سے وہ میوزک بجارہا تھا جو سب کو جانوروں کی طرح چٹھاڑنے پر مجبور کر رہا تھا۔

وہ آگے چلنے لگا۔ وہ اس کے ساتھ تھوڑا فاصلہ رکھ کر پیچھے چلنے لگی۔ تین چار روک داریاں چلی کر دو تین بار میڑھیاں اتر کر اس نے ایک دروازہ کھول کر کہا۔  
"یہ ہے بیک ڈور تمہیں سے جا سکتی ہو۔"

"شکریہ۔" وہ تیزی سے آگے بڑھی اور دروازے کے بار ہو گئی۔

لیکن وہ تو وہ تو باہر کا راستہ ہی نہیں تھا۔ فوری شاک کے زیر اثر آنے سے پہلے اس نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹا سا کم روشنی والا کمرہ ہے جو مختلف چیزوں سے اٹا رہا تھا۔ اس کے پیروں کے پاس بہت سی خالی بوتلیں پڑی تھیں اور وہاں وہ قدم کھڑے ہونے کے



فون نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پولیس کو تو ہرگز نہیں۔ ان کے علاوہ اس کے پاس صرف چند لوہے سرے لوگوں کے نمبرز تھے۔ وہ اپنی فون بک چیک کرنے لگی اور

عالیان پر اگر رک گئی۔  
وہ ایک کلب کے کسی بڑے خانے میں بند کر دی گئی تھی اور خوف سے کانپ رہی تھی۔ فون گل کے منہ کو پھنس کرنے کے لیے اس نے اپنے جسم کی ہر ہڈی ہڈی کو قابو میں کیا۔

”ہیلو عالیان۔ میں۔ امرد۔ مجھے کسی نے یہاں بند کر دیا ہے۔“ اپنے دل پر قابو پاتے اس نے ہستہ ہرنگا کر حملہ کھل کیا۔

”ٹھیک ہے تم ابھی وہیں رہو۔ بے بی۔ کونے میں خالی بوتلوں کے کڑھنوں کے چیمے ڈنکا رہی ہے۔ تم اسے لے سکتی ہو۔ پولیس کو فون کرنے کی حماقت ہرگز نہ کرنا ورنہ تمہاری ڈیڈ بڈی بھی ان کے ہاتھ نہیں آئے گی۔“

امرد کے ہاتھ سے فون گر گیا اور اس کی ہڈیوں پر ٹکڑے کر دوڑ جا گری۔ عالیان کے فون پر باریک اعصاب پھڑپھڑیے والی خوف کی لہر نے اس کے وجود کا احاطہ کیا۔ اب اس کے پاس ایک ہی حل تھا کہ وہ پولیس کو فون کرے۔ عالیان ڈیر اور وہ لڑکا کون تھے۔ اس سوال کے بارے میں سوچتے ہی اس کی جان پیروں کی انگلیوں میں آئے لگتی تھی۔ ویرا اسے بہانے سے لائی تھی پر کیوں۔ ایسے اسے بند کرنے کے لیے۔ وہ اس کے ساتھ کیا کرنا چاہتے تھے اور عالیان۔ یہ سب کیا تھا۔

سب کچھ پاتے ہاتھوں سے اس نے ہڈیوں کو فون میں ڈالا اور فون ہاتھ میں لے کر بیٹھ گئی۔ اگر پولیس آئے گی۔ اس کلب میں سے اسے برآمد کرے گی تو یہ خبر اخبارات تک بھی جائے گی۔ یونیورسٹی کے ایک ایک اسٹوڈنٹ کو معلوم ہو جائے گا۔ وہ تماشائین جانے لگی۔ فون کو ہاتھ میں پکڑ کر گھنٹوں کو جوڑ کر وہ دھنکے لگی۔ ماہی گیری میں ہلکی بار پوری شدت سے۔ دھنکے رہی۔ دھنکے رہی۔ اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی

چاہا نہیں تھا کہ وہ پولیس کو فون کرے اور بعد کا سوچ کر وہ رو رہی تھی۔ ایسے پولیس میں۔ کسی کلب میں بند کیے جانے پر۔ اپنی کم عقلی پر۔ اتنی اور پولیس میں پڑھنے والی لب تک باہر جانے کے اندر آنے کے راستے ہی ٹھیک سے یاد نہیں کر سکی۔

گھر سے باہر نکلنے کے لیے صرف وہ جوتے ہی ضروری نہیں ہوتے جو پہن کر باہر جایا جاتا ہے۔ وہ ہوش مند اور پھرتی بھی ضروری ہوتی ہے جو کرنے نہ دے۔ چوٹ تو ہرگز نہ لگنے دے۔ اس اسٹور میں ہیلو بڈی اسے پاگل کیے دے رہی تھی۔ ڈی جے کے میوزک بے لگے کر لے کر وہ اتنا گھبرا گئی تھی اس نے اس گھبراہٹ پر قابو کیوں نہ پایا۔ ایسا بھی ہوتا ہے کیا کہ پولیس میں تعلیم کی غرض سے آبدار کی ایسے گھبرا لگی اور بو کھانی پھرتے۔

”اسے خدا میری مدد کر کسی کو بھیج میرے لیے۔“  
وہ دعا کر رہی تھی اساتھ ساتھ وہ اپنی فون کر رہی تھی کہ ایک دم سے دروازہ کھلا۔ اور سامنے خدا کی بیٹی بند کھڑی تھی۔ ”عالیان“

”امرد!“ اس نے ابھی۔ کہا ہی تھا کہ وہ حکما ر کر اسے چیمے ہٹائی تیزی سے بھاگ کر اوپر گئی۔ کاؤنٹر کے چیمے گھڑے مسکراتے ہوئے اس منگوس انسان کو اس نے تیزی سے جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ لوگوں کے ساتھ ٹکرائی گرتی پڑی پارٹ براک سے باہر لگی۔

”امرد! بات سنو۔“ عالیان تیزی سے اس کے چیمے بھاگتا ہوا تھا تھا۔ اسے آوازیں دے دیا تھا۔ لیکن وہ رکی نہیں کیوں رکی۔  
”گالیاں جارہی ہو؟ میری بات سنو۔“

اس نے ایک دم سے لپک کر اس کا ہانڈ تھام لیا۔ امرد پر جیسے کسی نے جتا ہوا تیل یا تیل پھینکا۔ اس نے اپنے ہانڈ کو جھٹکے سے اس سے چھڑا کر اس کے منہ پر ایک پھٹوڑے مارا۔ ”وی پرنٹ ورک کی مصروف ترین ریلو گزیر کھڑے ہو کر“ تم سے کم پاس یونیورسٹی اسٹوڈنٹس کو گولہ بنا کر تم تینوں نے مل کر مجھ سے جو گھسیا بات کیا ہے یہ اس کے لیے۔“

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کیا کتنا چاہتے ہو مجھ سے اب؟" وہ چلائی۔  
 "کارل تھا۔ تمہیں کیسے تاؤں میرا دست بھی  
 چارو دشمن بھی۔ وہ جانتا ہے تم میری دوست ہو۔  
 اسٹوڈنٹ ہارٹی میں وہ بھی تھا مجھے یہ نہیں معلوم کہ  
 اس نے تمہیں بند کیوں کیا۔ لیکن میں میرے پاس  
 آیا اور میرا فون مانگا اور وہ مشت بعد اس نے مجھے بتایا کہ  
 اس نے تمہیں اسٹور میں لاک کیا ہے۔ اس سے  
 تفصیل جانے لائیر میں جلدی سے تمہارے پاس آیا  
 کیونکہ میں جانتا تھا تم کتنی جلدی پریشان ہو جاؤ گی۔  
 اس سب میں میرا تصور کمال ہے امرد!"

امرد کے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ "تم لوگ  
 کس قدر ظالم ہو۔ کس طرح کی شرارتیں کرتے  
 ہو۔ کیسے لکھوں میں مذاق بنا کر دکھا دیتے ہو۔ جن  
 نکل لیتے ہو۔ یہ سب ایسے کرتے ذرا نہیں  
 جہ جہکتے۔"

"میں ظالم نہیں ہوں امرد۔ تم مجھے ایک اور  
 تھپڑ مار سکتی ہو، لیکن تم ایسے دوا نہیں۔ میں کامل  
 سے نپٹ لوں گا۔"

امرد نے بیگ سے چابی نکل کر دروازہ کھولا اور  
 ہتھیل کی پشت سے آنکھیں مٹا کر لائی اندر چلی گئی۔  
 علیان باہری کھڑا ہو گیا۔ جب ٹھیک لائٹس بجے بعد  
 امرد کے کمرے کی بجلی گل ہوئی تو وہ چلا گیا۔ کلرل  
 کے پاس جا رہا تھا اسے ایک گونسا لارے۔



بارت راگ کہنے کے ڈانگ فلٹر جب میوزک  
 اپنے عروج پر تھا اور سب انس کرتے کرتے پانگل سے  
 ہو رہے تھے۔ اس وقت جا کر اس نے کارل ہائی لڑکے  
 کے منہ پر زور وار گھونسا مارا۔ لڑکھڑا کر کر اور ہنستے  
 ہوئے اٹھ کھڑا ہو گیا۔

"اس نے میرے ڈیڑھ کو برا کہا تھا۔" کارل نے  
 اپنے ٹیوٹی طرف اشارہ کیا۔  
 "اس سے داور رہنا کارل۔" علیان کی آنکھیں اور  
 سرخ ہو گئیں۔

اس نے تھپڑ کی طرف اشارہ کیا اور اسے گھورتی  
 تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ سڑک پر آ کر اسے لے چکی  
 رکھنے لگی۔ لمبے سے اس کا فون کھول رہا تھا۔ دکھ سے  
 اس کی آنکھیں دھواں دھواں اور ہی تھیں۔ "ویرا"  
 علیان کی کلاس فیلو تھی اور وہ تیسرا بھی لن کارل کی کلاس  
 فیلو ہو گا سے نہیں معلوم تھا کہ یہ سب کیوں کیا گیا۔  
 اسے یہ معلوم تھا کہ اس کے ساتھ کر دیا گیا۔ بس یہ  
 اس نے ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھنے ہی لگی تھی  
 کہ علیان نے اپنے پیر کو ٹیکسی کے دروازے میں  
 پھنسا لیا۔

"میری بات سن کر جاؤ امرد!" اس نے جھل سے  
 کہا اس کا چہرہ مسخ ہو رہا تھا۔  
 امرد نے منہ پھیر لیا اور سختی سے اس کے پیر کو  
 پیرے کر کے دروازہ بند کر دیا اور ڈرائیور کو چلنے کے لیے  
 کہا۔

وگھر پہلی تو علیان پہلے سے ہی دروازے پر موجود  
 تھا۔

"میری بات سن لو امرد۔ شور مت کرنا بلکہ نہیں  
 گی تو انہیں دکھ ہو گا۔"  
 "ہاں ہو گا دکھ انہیں کہ ان کے بیٹے نے کیا شان  
 وار حرکت کی ہے۔"

"انہیں دکھ ہو گا کہ تم نے مجھے تھپڑ مارا۔ ساری  
 دنیا بھی گولہ بین کر آجائے گی توں کہی یہ نہیں مانیں گی  
 کہ میں نے کچھ برا کیا ہے۔"

"چھوڑو حمل جو ٹک رہے ہو پھر ان کی آنکھوں  
 میں۔" اسے برے وہ حکیمانہ انداز میں لگی۔ "ان  
 میں سے کسی کو نکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔"  
 "انسان زندگی میں اس وقت زیادہ تکلیف اٹھاتا  
 ہے جب حقیقت جانے بغیر خود کو اندھا کر لیتا ہے۔  
 اور اپنے اس اندھے پن کا علاج بھی نہیں کروانا  
 چاہتا۔"

علیان اپنے چوڑے مضبوط جین سے اس کا راستہ  
 روکے کھڑا تھا۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ ایک لمبے  
 عرصے تک ایسے کھڑا ہو سکتا ہے۔



"تمہاری گنل فریڈ ہے وہ۔" وہ مسکرا رہا تھا۔  
 "میں سب بیس ختم کرنا ہوں۔ بس ہمت ہوں۔"  
 "کیا ختم کرتے ہو۔"  
 "جو کچھ بھی سناؤں سے ہمارے درمیان چلنا آ رہا  
 ہے۔ ہمیں یہ بچکانہ کھیل سب بند کرنا چاہیے۔"  
 "ایک دم سے تمہارا موہا کیسے بدل گیا۔ ہنس لڑکی  
 کے لیے۔"

تھی۔ اس میں کافی کا گاڑھا مخلول سیاہی اور بیل گم  
 چھا کر ڈال دی۔ مشین سے نکلنے کے بعد کپڑے نا قابل  
 استعمال کی عملی شکل اختیار کر چکے تھے۔ اسے مزید کچھ  
 بھی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ سب  
 جانتے تھے کہ لکڑی ہر وقت بیل کھلایا کرتا ہے۔  
 عالیان نے یہ بدلہ ٹھیک آٹھ ماہ بعد لیا تھا۔ وہ کارل  
 کے پاس جسے پورا ایک ہفتہ باستر کے نشین پر سولے کی  
 سڑالی مگی گیا اور اسے کھل

"حساب برابر ہو گیا نا کارل۔"  
 کارل نے پوری ہنس لٹکی کر دکھائی۔  
 "بافل۔"

"تو یہ حساب برابر ہو گیا نا؟" وہ ہر جہہ سمت میں  
 بعد ایک دو سرے کو گھومتے۔ ایک دو سرے کی ماگ  
 میں رہتے۔ اسکول سے کالج کالج سے یونیورسٹی سے  
 سلسلہ نوٹ نوٹ کر جتا رہا۔

عالیان نے اس کا بیک اپ کروا دیا تھا۔ ایش سے  
 ایش سے مختلف طاقتوں کے دوران وہ اسے جتا رہتا  
 کہ کارل کبھی کبھی اتنا جنٹیل ہو جاتا ہے کہ اپنے کپڑے  
 تک پھاڑ لیتا ہے۔ صابن کھانے لگتا ہے۔ میپو پیسے  
 لگتا ہے۔ اپنے سارے جوتوں کو بند پر بچھا لیتا ہے اور  
 ان پر سوتا ہے اور تو اور پھندہ اڈال کر کم سے کم پانچ  
 منٹ تک لٹکا رہتا ہے کہتا ہے کہتا ہے موت کا مزالے رہا  
 ہوں۔

لش کی شکل دیکھنے لائق ہوتی۔ وہ جانتی تھی  
 عالیان اور کارل ایک ہی جگہ رہے ہیں تو اب عالیان  
 سے زیادہ بستر کارل کو اور کون جان سکتا ہے بھلا۔ وہ  
 کیسا جنونی ہے یہ عالیان سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔  
 دونوں میں ہر ایک اب ہو گیا۔

"وہ مجھے واقعی اچھی لگتی تھی۔" کارل نے اس کے  
 روم میں آکر صرف اتنا کہا۔ وہ فوڈنگ حد تک سنجیدہ  
 تھا۔

"تمہیں سارہ بھی اچھی لگتی تھی۔" عالیان نے  
 کندھے اچکائے۔ "ویسے کیا تم چاہتے ہو کہ میں ایش  
 کے پاس جاؤں اور اس سے یہ کہوں کہ جو میں نے کہا"

"وہ میری دوست ہے۔"  
 "لاشیں تو تمہاری اور بھی ہمت ہیں۔ یہ کون سی  
 دوست ہے جس کے لیے تم نے مجھے گھونسا مارا  
 ہے۔"

"وہ مشرق سے آئی ہے۔ اسے ہمارے یہاں کے  
 ماحول کی عادت نہیں ہے۔ وہ ڈر جاتی ہے۔"  
 "محو وائے اسٹوڈنٹ ہارل میں اسے ڈرتے میں نے  
 بھی دیکھا تھا۔ کہاں کا ڈرتی ہے وہ۔ ہمت مزا آتا ہے  
 اسے ڈرانے میں۔؟ تب میں روزانہ بند کر رہا تھا تو اس  
 کی شکل دیکھنے لائق تھی۔ ویسے تم کب سے مشرق کو  
 بھجتے گئے ہو؟"

اسے وہیں چھوڑ کر عالیان واپس کچن میں گیا۔ وہ  
 کچن کا ہیڈ تھا۔ امرتہ کے پیچھے گھر تک جاسکے ہوئے  
 اس نے اپنے سینئر کو فون کرنے بتا دیا تھا کہ وہ ضروری  
 کام سے جا رہا ہے۔ ایک دو گھنٹے میں واپس آجائے گا۔  
 کارل بھی اسی سینئر میں رہا تھا۔ جن میں عالیان  
 نے پرورش پالی تھی۔ اچھے دوست بھی تھے اور ہوتے  
 دشمن بھی۔ ایسا کارل نے کی تھی۔ اس نے سینئر میں  
 موجود ایک دو سرے لڑکے کے سوتے میں ہاتھ پاؤں  
 باندھ دیے تھے اور منہ پر کپڑا پیٹ دیا تھا۔ لڑکا بے  
 ہوش ہو گیا تھا۔ جب اس سلسلے کی تفتیش کی گئی تو  
 کارل نے معصومیت سے ہاتھ عالیان کی طرف اٹھا کر  
 کہا۔

"اس نے میں نے خود اسے یہ کرتے دیکھا تھا۔"  
 عالیان اس کا منہ دیکھا اور گیا اور سڑک کے طور پر اسے  
 پورا ایک مہینہ ایک وقت کا کھانا لگتا رہا۔

پھر عالیان نے کارل کے ذمے جولا بندری ہوا کرتی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

عالیان نے اس کے ہاتھ کے اشارے کی سمت دیکھا۔  
 Withworth پارک۔ (اسٹوڈنٹس کی رہائش گاہ) کے گراؤنڈ میں کوئی چیز جل رہی تھی۔  
 آگ کے قطرے اٹھ رہے تھے اس میں سے۔  
 وہ عالیان کی مستقبل قریب میں آنے والی کتاب تھی جو اب آگ کے حوالے تھی۔  
 عالیان نے لب خلق سے بچنے کے لیے۔

"پہلے میں اس سوسے کو اپنے نام سے پھرانے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ لیکن ابھی کھڑے کھڑے میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ چند ہزار پونڈ کا نقصان کچھ زیادہ تو نہیں۔" کارل کہہ کر چلا گیا۔  
 کارل بیٹھ اسے چڑی چوٹ دے کر جاتا تھا اس کا بڑا نقصان کرتا تھا۔ وہ انوں بھدی تھے اور وہ لوہے ہی پار نہیں آتے تھے۔ لیکن لب عالیان سب ختم کر آیا تھا۔ وہ اپنے منہ سے کہہ گیا تھا کہ اسے اب یہ کھیل اور نہیں کھیلنا۔ ماضی میں یہ سب کرتے اس نے بھی آگے کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ کارل کا بریک اپ کروانے بھی نہیں۔ لیکن اب وہ خوف زدہ ہو گیا تھا۔ کیسے لکھوں میں اس نے امرتہ کو لاک کر رکھا تھا۔ اسے کوئی بڑا نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ لیکن کیا معلوم کسی چھوٹے نقصان کسی معمولی شرارت میں ہی بڑا نقصان چھپا ہو۔

کارل چھپ کر اور کیا کرتا تھا۔ بظاہر ایسے ظاہر کرتا جیسے سب ٹھیک ہے اور وہ کچھل چوٹ بھول چکا ہے۔ لیکن پھر نئی چوٹ دے کر وہ ایسے مسکراتا جیسے کہہ رہا ہو۔  
 "ہر زندگی کا اصل مزا ہی کھیل میں ہے۔ اور جس چیز میں مزا ہو۔ اسے چھوڑنے کو کس کا دل چاہتا ہے۔"



پھر وہ اپنے اس کے کمرے میں آئے ہی اس کا لحاف کھینچ کر اتار اور چونک کر رہ گئی۔  
 "تمہارا تھم رہی رہی ہو۔"

سب جھوٹ تھا۔  
 "ایک اچھا کھلاڑی کبھی ایسی ٹاش لگتی نہیں کرے گا۔ وہ کبھی منت اور درخواست نہیں کرے گا۔ وہ صرف توجہ سے اپنا کھیل کھیلے گا۔"  
 "اگر تم میری پرو جیکٹ فائل مجھوا پس کہہ دو تو میں لٹش کے پاس جا سکتا ہوں۔"  
 "نہیں نے کہا ایک اچھا کھلاڑی کبھی منت نہیں کرتا۔"

وہ کمرے کی چوٹ سے لپک نکائے کھڑا تھا۔ وہ ہنسنے لگے وہ اس کی ایک اہم فائل لے اڑا تھا جو اس نے کئی مہینوں کی انتھک محنت کے بعد تیار کی تھی۔ بزنس مشورہ کو لے کر یہ ایک چھوٹی سی کتاب تھی۔ جس کے لیے اس نے پشور سے بھی بات کر لی تھی۔ یہ کام اس نے بہت چھپا کر کیا تھا۔ لیکن کھل اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اس نے پہلے کمرے سے اس کی فائل غائب کی۔ پھر لپ ٹاپ کا پاس ورڈ توڑ کر کیمپائر کو کرپٹ کیا اور اس میں وائرس چھوڑ دیا کہ لپ ٹاپ ٹھیک ہونے کے بعد بھی اس کی مرنے والی فائلوں کو مرنی کو روکا گیا جاسکے۔

ایک بڑا کھلاڑی ہونے کی حیثیت سے عالیان نے اس کی کٹنی منت کی کہ وہ اسے اس کی فائل دے دے۔ لیکن اس نے نہیں دی۔ بدلے میں اسے لٹش کو بھڑکانا پڑا۔ وہ جانتا تھا۔ کارل لٹش کو بہت پسند کرتا ہے اور اس کے ساتھ فلوچ پلاننگ کر رہا ہے۔ اس نے لٹش کے سامنے اسے لے کر کال پر کھو ڈال دیا تھا۔  
 اس سے بھی بڑھ کر اس نے یہ کیا کہ اپنے قیمتی وقت میں سے وقت نکال کر لٹش کو پنا شروع کر دیا۔ ایک جتنی کے مقابلے میں اسے عالیان جیسا لائق فاتح لڑکا لڑیا۔ اچھا لگا۔ ایک ہی ہفتے میں دس چند رہا ہار لڑ کر وہ انوں الگ ہو گئے اور ظاہر ہے کامل جانتا تھا یہ سب کیوں ہوا کس نے کیا۔

کارل کمرے سے چلا گیا اور ٹھیک پانچ منٹ بعد واپس آیا اور کہا۔  
 "وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر نہ نکلو۔"



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

مجھے وہاں دیکھ لیتا "کارل نے دھوکے سے مجھے اسٹور میں بند کر دیا۔"

"تیز میڈک نے تمہارے کانوں کے پروے ہلا ڈالے ہوں گے تمہاری عقل کے نہیں۔ تم حمل کا مظاہرہ بھی کر سکتی تھیں۔"

وہ برا ٹھیک کہہ رہی تھی۔ وہ حمل کا مظاہرہ بھی کر سکتی تھی۔  
"میں نے عالیان کو تھپتھپا کر "اصل بات تو اس نے اب کی تھی۔"

وہ اپنے اہلکاروں کو اسے دیکھا ہونے پر خائف کے ڈھیر میں ہل بیٹھی تھی۔  
"عالیان کہاں سے آیا یہاں۔"

"میں نے اسے فون کیا مدد کے لیے اور فون کا بل نے اٹھا لیا۔ میں سمجھی دونوں نے مل کر میرے ساتھ یہ کیا ہے۔"

"تو کتنی ذہین ہو تم احمد۔ پہلے تم اتنی حواس باختہ ہو گئیں کہ اسٹور میں لاک ہو گئیں پھر ایک دم سے تمہارا ذہن اتنا کلام کرنے لگا کہ تم نے وہاں ساری کاپی سمجھ لی کہ کس نے کیا کیا کیا ہے۔ بے وقوف کی عقل ہمیشہ نقصان کے بعد حرکت میں آتی ہے۔ ہر بار۔"

اب تم عالیان سے سو رہی کر لینگ بھگے تو آج شاپنگ کے لیے جاتا ہے پھر مجھے اپنے ٹور کے لیے کچھ تیاریاں کرنی ہے۔ کون تو تمہیں بولا پھوٹو لے لو؟"

"میں بس سے چلی جاؤں گی۔" اس نے اپنے نم گل صدف کیے۔  
امت کر کے وہ اٹھی۔ تیار ہوئی۔ مدلی مدلی آنکھوں کے گرد ہلکے میک اپ کی تڑپنائی اور ہونٹیں آئنی۔ وہ ابھی بھی یہ سوچ کر دہل سی جاتی تھی کہ اگر اسے اسٹور میں لاک کیا جانا صرف ایک مذاق ہے صرف اسے ٹھک کیا جانا نہ ہوتا تو؟

یہ لفظ تھا یا وہ شخص اس کے پیچھے ہی تھا۔ پونی میں داخل ہوتے ہی اس نے کارل کو اپنے ساتھ چلتے ہوئے پایا۔

"گڈ مارنگ جنٹل کوئین؟"

"تمہیں اس سے کیا؟" اس نے پھر سے نم آنکھیں دکھائیں۔  
"دنا تمہیں ہر مسئلے کا حل لگتا ہے۔" وہ افسے سے ہولی۔

"میں نے تم سے صرف مذاق کیا تھا اور تمہیں ہارٹ بریک کے اس حصے میں لے جا کر بٹھا دیا تھا۔ ورنہ میرا راز صرف تمہیں ہارٹ بریک کو اندر سے دکھانے کا تھا۔ میں صرف تھوڑی سی دیر کے لیے وہاں سے غائب ہوئی تھی۔ وہاں بہت سے اہلکارے پونیورسٹی فیلو تھے۔ ایسی کوئی گھبراہٹ کی بات تو نہیں تھی۔ میں واپس آئی تو تمہارا نہیں تھیں۔"

"میں تمہیں فون کر رہی تھی۔"

"معلوم ہے مجھے۔ میں نہیں رہی تھی کہ تم اتنی جلدی گھبرا گئی ہو کہ تمہیں گھبرا نہیں گئی تھی۔ میں بے حد خوف زدہ ہو چکی تھی۔ کیونکہ میں اس کیفے کے اسٹور میں بند تھی۔"

"کیا تم نے؟" وہ اگلا مذاق کر رہی ہے۔  
"میں کبھی نیچے کیفے کے اسٹور میں بند تھی۔ اس بار ٹینڈر نے مجھے لاک کیا تھا۔"

"کلہاں نے؟" وہ براہری طرح سے چونکی۔  
"لوہ۔ تم نے اسے کچھ کہا تھا کیا؟ وہ ایسے ہی بھڑک اٹھا ہے۔"

"تم جانتی ہو اسے؟" احمد وہ اسے فریاد چونکی۔  
"پولی میں کالی جلا جاتا ہے اسے۔ اس پلوے میں ہم بعد میں بات کریں گے۔ میں نے تمہارے ساتھ مذاق کیا اس کے لیے میں معذرت چاہتی ہوں لیکن احمد! تم وہاں اس منٹ بھی بیٹھی کیوں نہیں رہ سکتیں۔ تم اتنی حواس باختہ کیوں ہو جاتی ہو؟"

"کیونکہ میں تم سب جیسی نڈر نہیں ہوں۔" بندھے گلے کے ساتھ وہ چلائی۔  
"تو ہو جاؤ۔ ہم جیسی ہو جاؤ۔ تم اتنی بڑی ہو چکی ہو تو اب بڑی بن کیوں نہیں جاتیں۔ تمہیں کیسے اسٹور میں لاک کر دیا گیا؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

امرد نے اسے مکمل نظر انداز کیا اور بزنس اسکول کی طرف چلے گئی۔

”مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں زیادہ دیر تک اسٹور میں نہیں رکھ سکتی تھی ڈر تھا کہ تم پولیس کو فون کر دیا کرتی۔“

امرد کو افسوس ہوا اسے کر لینا چاہیے تھا۔  
 ”وہی تم کو بھی لیتیں تو تم کبھی یہ ثابت نہیں کر سکتی تھیں کہ میں تمہیں وہاں تک لے گیا تھا بلکہ ہانا میں تم پر یہ الزام ثابت کر سکتا تھا کہ تم جوڑی کی غرض سے وہاں آئی تھیں اور انجانے میں ہلاک ہو گئیں۔“  
 ایک دم۔۔۔ تمہیں سے نکل کر عالیان نے اسے اپریچ چکیا۔ کارل مسکراتا ہوا کھسک گیا۔

”کارل کیا کہہ رہا تھا تم سے؟“  
 ”میں نے سننا مناسب نہیں سمجھا۔“  
 ”وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا بے فکر رہو۔ وہ تمہارا شرارتی ہے۔ یوں کا کوئی اسٹوڈنٹ کبھی کوئی ایسی حرکت نہیں کرے گا کہ اسے یونی سے نکال دیا جائے۔ اس کا مسئلہ مجھ سے تھا۔ تم سے نہیں۔“  
 ”مجھے اس کے بارے میں بات نہیں کرنی۔ میں نے آج تک کبھی کسی کو ایسے ہٹ نہیں کیا۔ بہت کر کے اس نے جلدی سے کہہ دیا۔“

”مطلب وہ خوش نصیب صرف میں ہی ہوں۔“  
 ”میں تم سے شرمندہ ہوں۔“

عالیان نے اس کی سرخی مائل آنکھوں کی طرف دیکھا۔ وہ جب جب ان آنکھوں کی طرف دیکھتا تھا اسے لگتا تھا کہ جیسے بس ابھی ان میں سے آنسوؤں کا دریا نکلے گا اور سب بھگ بھگ جائے گا۔  
 ”تم شرمندہ نظر تو نہیں آرہی۔“

”کسے نظر آیا جاتا ہے شرمندہ؟ یعنی معافی بھی وہ مانگنے آتی تھی اور غصہ بھی وہی کر رہی تھی۔“  
 ”اول۔ ایسے تو نہیں جیسے تم ہو۔“

”تھیک ہے میں جا رہی ہوں۔“ وہ معافی مانگنے آئی تھی تو بدلے میں یہ سننے لگی تھی کہ ”کوئی بات نہیں غلط نہیں ہو جاتی ہے غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے“

و غیر وہ غصوب لیکن وہ تو۔۔۔  
 ”تم اتنی جلدی جلدی مداخلت کیوں ہوتی ہو؟“  
 وہ خاموش رہی۔

”اچھا شو۔ لو مہر مجھ کو کھو تمہیں سواری کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔“  
 وہ اسے دیکھنے لگی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں منہ میں کچھ بوڑھلے لگا۔ پھر آنکھیں کھولیں پتھن پر پھونکے ساری اور پتھن کو جاو کی چھڑی کی طرح گول گول کھما دیا۔

”یہ کیا ہے؟“  
 ”جلد۔ لب پھر سے سب پیلے جیسا ہو گیا ہے۔ میں نے وقت پر اپنا جلد چلا دیا ہے۔ اس نے گل کی رات کو ہماری زندگی میں سے نکل دیا ہے۔ لب سب ٹھیک ہے سب ٹھیک ہی رہے گا۔“  
 امرد کو نہیں آئی۔ ”تم سب اتنے عجیب و غریب کیوں ہو؟“

”پور تمہاری سمجھ دار کیوں ہو؟“ اس نے ہاتھ میں پکڑے جلد کے چین کو اپنی ناک پر رکھتے ہوئے پوچھا۔  
 ”ہم سب باہم کھاتے ہیں۔ ہم سب سمجھ دار۔“  
 ”تو منہ کسی والے انسان ہیں۔ کیا اتر اہٹ تھی امرد کی۔“

”ہم سب بلیاں اور چوہے کھاتے ہیں اسی لیے اتنے عجیب و غریب ہیں۔“

”بلی چوہے۔ آخ۔“ امرد اپنی اتر اہٹ جھٹ بھول گئی۔ عالیان نے خواہش کی کہ کاش اس کے ہاتھ میں پکڑا پتھن واقعی جلد کا ہوتا وہ اس کے ”آخ“ کو ہمیں روک لیتا۔ امرد کو فریب کرنا۔ پھر اس کی ناک کو پکڑ کر بائیں بائیں کرتا۔ کاش یہ جاو سے آسٹک۔  
 ”پھر سے کرنا۔“

”کیا۔“  
 ”وہی جو بلی چوہے کے ہمارے کیا تھا۔“  
 ”لف۔ تم سب بائیں ہو۔“ گتے امرد جانے لگی۔  
 ”تم نے کبھی کسی کو چھینچ کیا ہے؟“ وہ بھاگ کر اس کے پیچھے تیا۔



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"نہیں۔" "تارک گئی۔"

"میں نہیں کروں؟" "تنگو کو لہا کر رہا تھا یاد ت کو"

امرد نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دکھا کیا چاہتے ہو؟

"Do or Die"

"اب یہ کون سا نیا گل پن ہے۔"

"ہم سب دست کرتے ہیں۔ سارا باپ بھڑکنا ہے۔"

"سب کریک ہو گیا؟"

"کریک؟ ایسے تم چاہو تو میں تمہیں کوئی آسان سا ہانگ دے سکتا ہوں۔ سوننگ، رنگ، سائیکلنگ، کچھ بھی لور خطرہ بھی۔" "امرد خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔" "ایسے تم بیٹھ ایسا باتیں کرتے ہو؟"

"اچھی ہیں نا میری باتیں۔ ویسے تم ڈر رہی ہو؟"

"تم بے وقوف ہو۔" "امرد استہزائیہ ہنس۔"

"تم خوف زدہ ہو۔" "وہ بھی استہزائیہ ہی ہنس۔"

"پہلے اپنا علاج کرواؤ۔"

"ڈر کا کوئی علاج نہیں۔"

"میں لوٹ ہانگ کر تیں نہیں کرتی۔"

"ایسے لوگ خوف کو کلی نام دے دیتے ہیں۔"

"تم بہت زیادہ بھلی ہو۔" "وہ چلنے لگی مطلب جاؤ۔"

"وہ سہول کو اترام دیتے ہیں؟" "وہ اس کے ساتھ چلنے کا مطلب نہیں۔"

"لوہ خدایا! تم لوگ۔ تمہاری تیز مرچ بھی زبان۔"

"نہیں جلدی غصہ آجاتا ہے۔"

"خدا کے لیے بس کرو۔"

"وہ دوسلے دینے پر آجاتے ہیں۔"

"کیا چیخ ہے تمہارا؟"

"ہکا۔"

"وہ جلدی پھیل جاتے ہیں۔" "امرد کا قہقہہ بلند

ہانگ تھا۔

"عالیان کاجاؤ گا میں آخر کام کیوں نہیں کرتا۔" "یہ سوننگ، سائیکلنگ وغیرہ مجھے نہیں آتی تم کچھ لور کرو۔"

"یعنی آسان سا؟" "اس سے چڑا رہا تھا۔"

"جو مجھے آتا ہو لور میں کر سکتوں۔"

"یہاں تو بی بی Dog Bowl ہے۔"

"مجھے نہیں کرنا کچھ ڈوگنوں کے ساتھ۔"

"وہاں ڈوگز نہیں ہیں ایک گیند ہے، بوتل ہے،

تمہیں گیند سے بوتلوں کو کرانا ہوگا۔ تم تین بار

پریکٹس کر سکتی ہو پھر تمہیں گیند سے ساری بوتلوں کو

کرانا ہوگا۔ ویسے میں نے لائف میں اتنا آسان چیخ

کسی کو نہیں دیا۔ تم مشرق سے ہوتی۔"

امرد سوچنے لگی۔ "ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔"

مشرق والے سب کر سکتے ہیں۔"

"وہ سی ٹائیگر کو ساتھ لادو گی۔"

"بالکل ضرور۔"

"ٹھیک ہے۔ پہلے یہ جانو کہ کن دنوں میں تیار ہوتی

ہے۔ سیزن کیا میں اس کے لاچار ہونے کے؟"

"وہ ہمیشہ چلتی رہتی رہتی ہے۔"

"اسے ضروری کام کب کب ہوتے ہیں۔"

"میرے لیے وہ ہمیشہ فائدہ رکھتی ہے۔"

"تم دنوں میں کیت ٹائٹ کب کب ہوتی ہے۔"

"ہم میں بہت اچھی ڈانسی آتی ہے۔ وہ ایک اچھی

لڑکی ہے۔"

"وہ کب تک بری بن جائے گی۔"

"نہ۔"

"اچھا۔ اچھا۔ آجاتا ہوں۔"

لیکن بدیر اس کے ساتھ نہیں آسکی۔ اسے نوز بہرے کے آفس جانا تھا۔ لیکن اس نے امرد کو بڑی درنگا کر

یہ سمجھا دیا تھا کہ گیند کو کس طرح سے ہاتھ میں پکڑنا ہے اور کیسے ٹھیک سے پھینکنا ہے۔

Dog Bowl میں بونورشی اسٹوڈنٹس کا کافی رش تھا۔ امرد نے اپنی پریکٹس شروع کی۔ اس

بھنویں تن گئیں۔  
 "پھر سب جھوٹ گئے لگتا ہے" کالی آنکھیں  
 جھلک کر نے لگیں۔  
 "تم ایک بار پھر کرو۔"  
 "پھر ہارنے والے ہارنے بیٹاتے ہیں۔"  
 "تم نے ضرور چھینک کی ہے۔"  
 "پھر وہ قاتل قاتل چلاتے ہیں۔"  
 "تم۔"  
 "ہیں۔"  
 "تم۔"

"میں دگر ہوں۔ مجھے جیت چلنے والے کہا جاتا ہے۔"  
 "تم نے میرا نقصان کر دیا۔ مجھے یقین تھا تم ہار جاؤ گی پھر میں تمہیں سزا دیتا۔" کتار تمہیں انسان تھا۔ وہ اسے سزا دینے کے چکر میں تھا۔  
 "کیسے سزا؟"

"میں تمہیں باتیں سناتا ہوں۔"  
 "باتیں۔ یہ کیسی سزا ہے؟"  
 "یہ سزا سننے والے کے لیے ہوتی ہے بونے والے کے لیے نہیں۔ تمہیں سب سنا پڑتا ہے۔ وہ رومن اکھاڑے کے قے ہوتے یا اسکول کے دنوں کی سزا نہیں۔ دندو شاپنگ کی فضول تفصیلات ہوتی یا سب ویز میں ملنے والے سیپوں کی عجیب و غریب حرکتیں۔ بولنے والے کا جب تک تم جی چاہے گا وہ بولے گا۔ سارا دن۔ رات۔ اگلا طبقہ اگلی رات۔ سننے والے کو سننا ہوگا۔ بولنے والے پر کم ہی قسمت اتنی مہربان ہوتی ہے تاکہ اسے ایسا سننے والا کوئی ملے؟"

"تم تو میرے بولتے رہنے والا پاگل ہی ہوگا۔"  
 "مجھے ہونا تھا نا پاگل۔" اس کا شاید راتے میں بڑا نقصان ہو چکا تھا۔  
 "اس سب کو چھوٹا۔ یعنی اب مجھے تمہیں چیلنج دینا ہے۔ کوئی سزا ہے نہ۔"  
 "ہاں۔ ایسا کرو مجھے کہہ دو کہ میں ابھی یہاں

نے کبھی یہ کھیل نہیں کھیلا تھا۔ گیند اسے ضرورت سے زیادہ دلتی تھی۔ ویرا ٹھیک کہتی ہے۔ ایک انسان میں اتنی طاقت ہونی چاہیے کہ وہ ایک عام وزن کے انسان کو اٹھا کر پھینک سکے اور اس سے گیند نہیں اٹھائی جا رہی تھی پاکستان میں انہیں ایک سو فٹ یا ایسی ہی کوئی عام سی چیز اوھر سے اوھر کر لی پڑ جاتی تو وہ زمین لوگ مل کر یہ سب کرتے اور پھر ایسے ہانپے لگتے جیسے کسی باگھی کو ٹھنڈے رہے ہوں۔

پہلی کوشش میں اس کی گیند ایک بھی بوتل نہیں گرا سکی اور بوتلوں سے دور زمین کے درمیان میں ہی کنارے پر جا کر رک گئی۔ دوسری کوشش میں اس نے کامیابی سے دو بوتلیں گرائیں اور تیسری میں پھر سے ایک بھی نہیں۔  
 "یہ تمہاری آخری کوشش ہے۔" عالیان نے ہنسی کو چھپا کر کہا۔

امرد نے اس کی ہنسی دیکھی تھی اور وہ پڑ گئی۔ اس بار اس نے گیند کو ایسے پکڑا جیسے میدان جنگ میں سپہ سالار باڑی مات یا ہاتھ کے تحت تلوار کو بلند کرتا ہے اور پوری قوت سے وار کرتا ہے۔ امرد نے مکمل قوت سے اپنی پوری قوت سے گیند کو پھینکا۔  
 اور پھر وہ ایسے چٹاں کہ اس پاس موجود بہت سارے لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ بھلے سے دیکھتے رہیں وہ چلائی ہی رہی۔ ساری بوتلیں پت ہو چکی تھی۔ مشقی لڑکی امرد جیت چکی تھی۔  
 "تم نے تو کہا تھا تم نے یہ کھیل پہلے کبھی نہیں کھیلا؟"

"بے شک یہ پہلی بار ہے۔"  
 "تم نے کسی پرو ٹیسٹل کی طرح گیند پھینکی۔ پہلے تم مجھے دکھانے کے لیے گیند کو اوپر لاکھڑائی رہی ہو۔"  
 "قسمت ساتھ ہو تو کوئی باڑی مات نہیں ہوتی۔"  
 اس نے ایسے کہا جیسے اس نے لیٹا اور لڈ کپ کی ٹرائی بیٹلی ہو۔  
 "تم جھوٹ بول رہی ہو۔" بصوری آنکھوں کی



گفتگوں کے بل جھک جاؤں۔  
 "تم ہی معمولی سزا۔ ہمیں کیوں کیوں یہ تم  
 سزا۔"  
 "یہ معمولی نہیں ہے۔ ہرگز نہیں۔ ایسے نہ  
 کہو۔" اس نے تپتی پتھری طرح گرایا جس کی جوہری  
 نے بہت کم قیمت لگادی ہو۔  
 امرتھ گہری سوچ میں پئی "تم ایک پلٹے تک اپنی  
 کلاسز اینڈ نہیں کرو گے"  
 "تم جانتی ہو میں آج رات ہی خود کشی کر لوں۔؟"  
 "تو تم مرنا چاہتے ہو۔؟"  
 "میں مرناؤں گا اپنی کلاسز نہیں چھوڑوں گا۔  
 کچھ اور کہو۔"  
 وہ دونوں Dog Bowl سے باہر آچکے تھے اور  
 سڑک کے کنارے چل رہے تھے۔  
 "تم سسز ایگز ایمنٹس دلا گے؟"  
 "یعنی تم ہر صورت کی جانتی ہو کہ میں خود کشی  
 کر لوں۔"  
 "میں نے تمہارا نتیجہ پورا کیا۔ تمہیں بھی کتنا  
 چاہیے۔"  
 "کہا تو ہے کر لوں گا خود کشی۔ اس سے بچنے کو اور  
 کیا ہوگا۔؟"  
 دونوں میں دھڑ بھڑا چکے تھے اور سڑک کے کنارے  
 چل رہے تھے۔ سڑک پر کئی رش تھا۔ لڑا لڑا پونیور شی  
 اسٹوڈنٹس کا ہی اجروم تھا۔  
 "اچھا کچھ اور کہو۔"  
 امرتھ نے سڑک کی طرف دیکھا جہاں وہ کھڑے  
 تھے۔ اس سے چند قدم آگے زبیر اکرا سنگ بھی جو کافی  
 طویل تھی۔ وہ دونوں بھی اٹھا بند ہونے کا انتظار  
 کر رہے تھے۔  
 "تمہیں بہت شوق ہے نا بندر کی طرح چھلا نکلیں  
 نگانے کا۔ تو تمہیں اس گراسنگ کو ہاتھوں کے بل  
 تھاپاؤں گا کہ اس کرنا ہے۔"  
 "پہلی فرصت میں اپنے دل کا علاج کراؤ امرتھ۔ کہ  
 کون رہا تھا جس کا اپنا علاج ہونے والا تھا۔"

"اب تمہارے کچھے کیوں ہٹ رہے ہو پاکستان میں  
 میری دوست نے بھی ایک بار ایسے ہی کیا تھا۔ میں نے  
 وہ سو ایک گول گپے کھائے اور میں جیت گئی۔ بدلے  
 میں میں نے اسے بس لٹائی کہا کہ اسے صرف پانچ  
 منٹ تک اپنے ٹیڈی کی کار چلانی ہے۔"  
 "پس میں کیا مشکل تھا۔ یہ تو بہت آسان ہے۔  
 تم نے اسے آسان بنا کر دیا۔"  
 "وہ کلر چلانا نہیں جانتی تھی۔"  
 "آہ۔ لو۔ واؤ کس بلال کی کار تھی؟"  
 "یہ تم لڑکے کاو کے نام پر ماڈل پونچھے کیوں بیٹھ  
 جاتے ہو۔ یہ ایک کار تھی۔ بس۔ ایک  
 کار۔"  
 "یہ تم لڑکیوں کا زبوں کے بلاؤ پر دھین کیوں  
 نہیں دیتیں۔ اپنی لڑکے پر۔؟"  
 "میں صرف چار منٹ کار چلا سکی۔ اگلے پانچ منٹ  
 کاو اور کشاپ میں رہا اور اس پر پورے پچاس ہزار  
 لگے۔ اور۔ بس۔"  
 "بس۔؟" عالیان نے ایسے پوچھا جیسے کہ رہا اور  
 اسے سب پر بھی ایسے بس کہہ رہی ہو۔  
 "ہاں۔ اور۔ اور۔ میرا ادا اللہ لن کے گھر  
 بنے۔ بس۔"  
 "تمہارا ادا اللہ بند۔" اس نے گہری کو بکا سا نم  
 دے کر نہیں کو ہونٹوں کے پیچھے روک کر پوچھا۔ اگر  
 اسے بے تحاشا نہیں تو ہی تھی تو اسے کھل کر نہیں لینا  
 چاہیے تھا کیونکہ وہ ہماری طرح سے ناکام ہو۔ نظر آ رہا  
 تھا اپنی نہیں کو قابو میں رکھنے میں اس نے امرتھ سے  
 اپنا رخ پھیر لیا اب اس کو شش میں تھا کہ وہ اتنی بری  
 طرح سے نہ ہنسنے کہ امرتھ برا مان جائے۔ لیکن ملاری  
 کو شش بیکار تھی۔ اس نے سر کو اٹھایا یا پھینک کے کھلے  
 آسمان کو دیکھا جس کے پیچھے وہ دونوں کھڑے تھے اور  
 خود کو بے قابو ہو جانے لگا۔  
 وہ ایک خوبصورت انسان تھا۔ ہنسنے ہونے اچھا  
 لگتا تھا جیسے سب لگا کرتے ہیں۔ لیکن ایسے بے قابو  
 ہو کر ہنسنے وہ ایک عام نارمل انسان نہیں لگ رہا تھا۔

امرد نے ہاتھ باندھ لیے اور اسے گھورنے لگی۔ لیکن کرسی اچھڑ کر تھ کی سی آنکھیں رکھنے والی ابھی یہ نہیں دیکھ رہا تھا کہ کالی چلیوں والی وہ آنکھیں اسے خفا ہو کر گھور رہی ہیں۔ وہی آنکھیں جنہیں قریب سے دیکھتے وہ اپنی رات سے بہت دور چلا گیا تھا۔ وہ صرف عالمیان نہیں رہا تھا۔

بہتے بہتے وہ چند قدم آگے چلا جاتا تبھی چند قدم پیچھے اپنی آنکھوں کی کمی کو صاف کرنا اور امرد کو دیکھ کر کہتا۔

"اور بس۔ تمہارا واٹلہ بند۔"

اس نے ایسا دو تین بار کیل امرد شرمندہ ہی ہو کر اس میں دیکھنے لگی۔ اس میں اتنی کوئی جینے کی بات نہیں تھی۔ اس کے کھلے بال ہلکی ہوا سے اڑ رہے تھے۔ اس نے غصے سے بالوں کی لٹوں کو پیشانی سے پیچھے کیا اور پیش سے بالوں میں ہاتھ چلانے لگی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی اسے لگ رہا تھا کہ وہ اس کی بے عزتی کر رہا ہے جیسے پانکوں کی طرح جس رہا ہے۔ رونے کے لیے ہر وقت تیار رہنے والا امرد نے ایک اور بار رونے کی تیاری کر لی۔

کچھ ہی دیر میں جب بمشکل عالمیان خوب چھپا سکا تو اس نے امرد کے غصے رونے پر تکان چل کر غور کیا اور اس وقت امرد تیزی سے اس کے آگے الٹ سے چلنے لگی۔

"امرد۔" عالمیان اس کے پیچھے لگا لیکن وہ جیسے ہوا کے گھوڑے پر سوار تھی۔ تیز تیز چلتی ہی جا رہی تھی۔ سمجھ گیا کہ وہ ایسے کیوں جا رہی ہے۔

"امرد! اوھر جھے دکھو۔ میں تمہارا چیلنج قبول کرتا ہوں۔"

امرد کو اپنے پیچھے تیز چلانے کی توجہ تھی اس نے رک کر ڈراما پلیٹ گرد و کھل اٹھا، بند ہو چکا تھا۔ ٹریک رک چکی تھی۔ سڑک کو پار کرنے والے سڑک پار کر رہے تھے اور ان میں بزنس اسکول کا اسٹوڈنٹ عالمیان مارگرٹ ہاتھوں کو سڑک پر ٹکانے کی تیاری کر رہا تھا۔

امرد کو لگا وہ مذاق کر رہا ہے۔ وہ کبھی فلا ہارڈ نہیں کھائے گا کیونکہ اس نے مذاق میں کما تھا۔ اصل میں اسے جیز مرچ سالے سے لے کر سورے کی چند پلیٹیں کھانا چاہتی تھی۔ اور وہ جانتی تھی وہ ایک پلیٹ سے زیادہ کھا ہی نہیں سکے گا۔ اسے اپنی زبان کو ٹولنی پڑ جائے گی۔ لیکن وہ فلا ہارڈ لگا رہا تھا۔ اسے ایسا گرتے سڑک پر سے گزرتے یونیورسٹی اسٹوڈنٹس نے بھی دیکھا۔ وہ اتنا حیران نہیں تھے۔ کیونکہ اتنی بڑی یونیورسٹی اس طرح کے اگلے پلٹے اسٹوڈنٹس سے بھری پڑی تھی۔

پھول چول کی نشن سے پھونکا ہے۔  
 محبت کے سائے میں وہ اسیا بنا ہے۔  
 انسان دو حالتوں میں اپنی جون بدل لیتا ہے۔  
 ایک کرب کی حالت میں۔ دوسری محبت کی حالت میں۔

اور سڑک کے اس پار کٹر عالمیان کرب کی حالت میں تو ہرگز نہیں تھا۔ اس کی جون بدل چکی تھی۔ اور یہ کام سڑک کے اس پار مشرق سے آئی۔ تھی دنیا کو حیرت سے دیکھتی لڑکی نے کیا تھا۔ ہانچسٹر کے کھلے آسمان تلے دونوں اس اور اس پار کھڑے تھے۔ فاصلہ تھا۔ کم تھا۔ زیادہ بھی ہو سکتا تھا۔



"Keep Calm and love Fridays"  
 (پر سکون رہیں اور جمعوں سے محبت کریں) اور یورپین جمعوں سے اتنا پار کرتے ہیں کہ کھلیڈ ریٹورنٹس ہولڈز کافی شکریں اور ایسی ہی دوسری جگہوں کے نام اولی گاڈ اس فرائیڈے وی لو فرائیڈینے یا ڈائل فاڈ فرائیڈے جیسے رکھتے اور اولی لو اوڈ فرائیڈے جیسے بھی۔

تو اولی گاڈ تاہن اولی فرائیڈے یو لو میرے خدا یا لب سب دن جنت کے دن ہیں) کا موسم شروع تھا۔ موسم جس کا سہارا لہلہا انتظار کیا جا رہا ہے۔ موسم جسے مسکراہٹوں کا اطمینان کا خوشیوں کا اور محبتوں کا موسم



کہا جاتا ہے۔ مخالف کا۔ سیاحت کا۔ اور گھنٹیوں کا بھی۔

دنیا بھر کے رنگ برنگے پرندوں سے آپرہا پمپسز خالی ہونے لگا۔ باد و صبر سے تھوڑی جھڑکی تک کے لیے اپنی بندھی و تھوڑی پارک ہل اسٹوڈنٹس کی رہائش (Oak ہاؤس اور اس پاس کی دوسری اسٹوڈنٹس کی رہائش گاہیں خالی ہونے لگیں اور برطانیہ کے Stereotype موسم نے اپنے رنگ ڈھنگ دکھانے شروع کر دیئے۔

دوسرے سہولتوں سے آئے اسٹوڈنٹس اپنے گھروں کو چلے گئے۔ دوسرے ملکوں سے آئے کچھ ماچسز میں جلب کی وجہ سے وہ گھنے کچھ اپنے دوستوں کے ساتھ لن کے گھروں کو چلے گئے اور کچھ دوسرے ملکوں کی سیاحت کی تیاری کرنے لگے۔ پکاڈل اسٹیٹ سے یونیورسٹی کیسپس تک آئے والی مفت بس سروس بند ہونے لگی۔ امرت نے آکسفورڈ روڈ کو سنسان ہوتے دیکھا جہاں پر صبح اسٹوڈنٹس کا ہجوم تیزی سے حرکت کرتا نظر آیا کرتا تھا۔ امرت ایک دم سے سب کو اس کرنے لگی تھی جنہیں وہ جانتی تھی اور جنہیں قطعاً نہیں جانتی تھی سب کو۔ اتنے ہزاروں اسٹوڈنٹس کے ہم غیر کو۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ اس ماحول سے اتنی وابستہ ہو چکی ہے کہ کہہ نہیں سکتی کہ بدل جانے سے ایسے لوہاں ہو جائے گی۔ آکسفورڈ روڈ کو ایسے خالی خالی دیکھ کر اسے ہول پڑے۔ وہ اتنی جذباتی ہے۔ اسے اب معلوم ہو رہا تھا۔ پونی بند ہوتے ہی اسٹوڈنٹس ہزاروں کی طرف بھاگے۔ ڈیویوں وغیر خریداری کرتے۔

اس کے اسٹور میں سپرسل کی تیاری تقریباً مکمل ہو چکی تھی۔ اب ایک پورا مہینہ وہ دن رات کام کر سکتی تھی ان کی ٹی گمنانہ اجرت بھی بڑھادی تھی تھی۔ وہ اتنے دنوں میں زیادہ سے زیادہ دنوں کے لیے کالی پونڈہ کما سکتے تھے اور امرت یہ پونڈہ کمانا چاہتی تھی۔ شرابا تم وغیرہ کا گروپ یورپ کی سیاحت کے لیے جا رہا تھا۔ اور عالیان بھی۔ اسے حیرت تھی کہ

وہ دوسرے ملکوں میں اتنی آسانی سے گھومنے پھرنے کے لیے کیسے جا سکتے ہیں پاکستان میں تو لوگ ایسے دوسرے شہروں میں نہیں جاتے۔ وائٹ نے اسے بھی جاننے کے لیے کہا تھا، لیکن اس نے انکار کر دیا تھا اسے ایک ایک پونڈ جمع کرنا تھا۔

”تم غلط سمجھ رہی ہو اتنے پیسے نہیں لگتے جتنے تم سمجھ رہی ہو۔ ہم ٹرین یا بس سے جائیں گے ہم نے خاص ڈسکاؤنٹس پاس کیے ہیں جن سے ہمارے بہت کم پیسے خرچ ہوں گے۔ ہم کسی لکڑی ہوٹل میں نہیں رہیں گے بلکہ ہوسٹل میں رہیں گے یا بہت کم قیمت والے ہوٹل میں۔“ شرابا نے اسے حائل کیا۔

”میں پھر بھی نہیں جا سکتی“ مجھے ایک ایک پونڈ بچانا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ تمہارا ایجنڈہ بھی معقول ہے۔“

”ہم پہلے سوچیں گے جائیں گے پھر فرانس۔ کیا کوئی ایسا ہونے میں جو بیروں کو اتنا آرام دین کہ گئے ہی تاکہ ہم انہیں پس کر آتھیں اس میل چلتے رہیں گے۔“

جلانے سے پہلے رات کو عالیان اس کے اسٹور آیا۔

”میں مل رہا ہوں دو تے نہیں۔“

”ہو توں کی دکان میں کام تو کر لی ہونا۔“

”میں سیلز مین نہیں ہوں۔ تم سیلز مین کے پاس جاؤ۔“

”مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم نے صبح سے اب کم از کم سے دس کپ کڑوی کافی کے پیے ہیں۔ زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔“

”کافی کڑوی ہی ہوتی ہے۔“ کلوشٹر رکھے کیپیوٹر کے ساتھ وہ مصروف تھی اور ایسے ظاہر کر رہی تھی جیسے اتنے بڑے اسٹور کا کام وہ اکیلی ہی کرتی ہے۔

”کافی اس وقت کڑوی ہوتی ہے جب وہ زبان کو بھی کڑوا کر دے۔“

”شاید تم سیاحت کر کے واپس آؤ تو ایسی کم عینی کی باتیں کرنا چھوڑو۔ سننا ہے دوسری سرزمینوں کا پانڈہ پینے سے لور نفسا میں سانس لینے سے بہت سی مائی بیماریاں ٹھیک ہو جاتی ہیں۔“

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہو کہ خدا کے لیے جلا میرا ملوڑ کھاؤ۔  
 "ٹھیک ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ لیکن تقریر موجود ہے تم مجھے فون کر کے بتا سکتی ہو۔ ہمیں صبح لگانا ہے۔ تم ہمارے لگنے سے ایک منٹ پہلے بھی بتا سکتی ہو۔"  
 "ٹھیک ہے۔ میرا فون ہوا تو میں ایک منٹ پہلے فون کروں گی۔"  
 "ہاں ہاں۔"

وہ جا رہا ہونے صرف دیکھ کر تھوہ پون کھنڈ مزید اسٹور میں گزار کر وہ چلا گیا۔ امرجہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ دیر اور ابن اور بھی جا چکی تھیں جتنے اس کے دوست تھے اور جن جن سے اس کی ہائے پہلو تھی سب پاری باری جا چکے تھے۔ وہ بھی جانا چاہتی تھی بلکہ وہی تو جانا چاہتی تھی۔ وہ جس نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ بھی پاکستان کے چند شہروں کے علاوہ کہیں اور محوم پھر سکے گی اس کو تو جانا چاہیے تھا۔ دیر ابن اور ابن اور ایسے ہی دوسرے لوگ کتنے کتنے ملک محوم پھر چکے تھے یہ لوگ سارا عمل کام کرتے اور ان دنوں میں سیاحت کے لیے نکل کھڑے ہوتے۔ اس نے بھی کام کر کے پیسے اکٹھے کیے تھے لیکن وہ پیسے وہ قائم کو دلہن کرنے کے لیے جمع کر رہی تھی۔ اگر پلاہا کی دکان میں آگ نہ لگتی اور اس نے اپنے پیسے دلاوا کو نہ دے دینے ہوتے تو وہ بھی دیرا کے ساتھ نکل چکی ہوتی۔ اس کی آنکھیں نم تھیں اس لیے کیونکہ زندگی شاید اسے چند مواقع دے دے گی دوسرے ملکوں کی سیاحت کے لیکن وہ اسے یہ سب دوست شاید نہیں دے سکے گی۔ خیر دل کو مضبوط کرتے اور قائم کرنی رہی اور ہنسنے میں ایک بار یونیورسٹی تک پہنچ جاتی ضرور جاتی۔ خوش آئند بات یہ تھی کہ تھوہ منوری سے سب پہلے جیسا ہونے والا تھا۔ یونی کھنڈ ہی ایگز امز شروع تھے اس لیے سب نیو ایئر کے بعد تازا شروع ہو جائیں گے۔ یونیورسٹی کے ہزاروں اسٹوڈنٹس کو کبھی یہ خبر نہیں ہو سکتی تھی کہ لاہور کی رہنے والی۔ دادا کی گود میں

"لگتا ہے تم پر کام کا بہت بوجھ ہے امرجہ۔" اس نے انداز کو افسوسہ بنایا۔  
 "میں مضبوط اعصاب کی مالک ہوں۔" امرجہ نے انداز کو مضبوط بنایا۔  
 "لیکن تمہاری شکل کچھ اور ہی کہہ رہی ہے اگر تم کو تو میں سوئڈن چلا جانا ہوں فرانس نہیں۔ بلکہ اگر تم کو تو میں جانا ہی نہیں۔ میرا خیال ہے میرے جانے سے پہلے ہی تم مجھے بہت مس کرنے لگی ہو۔"

"مجھے انتظار رہے گا یہ دیکھنے کے لیے سوئڈن فرانس کی ہوا اس نے تم پر سے پاگل پن کے اثرات کچھ کم کیے یا اور پڑھا ہے۔"  
 "نہیں میرا انتظار نہیں رہے گا۔" اس نے چند قدم آگے بڑھ کر جوتوں کے ٹیک کی طرف دیکھتے ہوئے خود کو لا پرواہ ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

امرد خاموشی سے اپنا کام کرتی رہی۔  
 "تو میں جا رہا ہوں۔" اس نے کہا تو لیکن وہ جانے کے لیے اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔  
 "مگر اس نے ایک سیلز مین کو حیرت کیا۔"  
 "نہیں ایسے ہوتے چاہئیں جنہیں نہیں کر یہ اڑ سکیں سیلز مین کی بدد کریں۔"

عالیان نے چونک کر امرجہ کی طرف دیکھا۔  
 شرارت سے مسکراتی تھی۔  
 "یہ جوتوں کی دوکان ہے بیک نوڈی بیوچ فلم کا سیٹ نہیں۔ یہاں کچھ اڈیشنل ڈانس والے نہیں ملنا۔" مگر پر کام کا کل بوجھ لگتا تھا۔

"تمہارے اس سیلز مین نے بھی کڑوی کٹلی پی ہے اور اس کپ سے زیادہ پی ہے۔" منہ بسور تا عالیان چلا گیا۔ پانچ منٹ بعد وہ پھر سے اس کے پاس موجود تھا۔  
 "میں نے کچھ پیسے جمع کیے ہیں تم مجھ سے ادھار لے سکتی ہو اور ان کی واپسی کی کوئی جلدی نہیں۔ جب تمہاری شادی ہو جائے گی تو ہم حساب ٹھیک کر لیں گے۔"

امرد نے اپنے سر پر ایسے ہاتھ رکھ لیا جیسے کہہ رہی



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

شہر ہونے والا میلہ سو سے زائد اشعار کے ساتھ شی  
سینئر میں سچ چکا تھا جہاں راتیں جگمگ کرتی تھیں  
اور دن قفقاریاں بھرتے تھے۔ جہاں رکھی سئل کی  
چشم گدگدی کرتی تھیں کہ آخر مجھے اٹھا کر اپنے نرم  
گرم گھروں میں کیوں نہیں لے جاتے۔ زیادہ جھنجھلی تو  
نہیں ہیں ہم۔

کلام کی زیادتی نے اسے تھکا ڈالا تھا۔ بل بناتے  
بناتے اس کی انگلیاں نوٹنے سے ہو جاتی تھیں۔ ہر گھر کو  
کافی کے ساتھ بھٹنڈل اندر کرتی تھی۔ گھر جا کر چند گھنٹے  
سولی لور پھر سے کام پر آجاتی۔ دلوا سے بات ناممکن  
ہو گئی تھی۔

”کتنی کمزور ہو گئی ہو تم۔“ دلوا سے کافی دلوں بعد  
بات ہوئی تو وہ لو اس ہو گئے۔

”تمہو تمہارے باپ کو دکھاتا ہوں تمہاری یہ  
حالت۔۔۔ باؤ اسے تم کتنے گھنٹے روز کام کرتی ہو۔  
جتنے پیسے تم وہاں اتنی محنت کر کے کما رہی ہو اس سے  
لوہا پیسے یہ لوگ اپنی فضول خرچیوں میں اڑا دیتے ہیں  
وہ کاموں لیاں آتی ہیں گھر تمہاری ماں سے کہا کہ ایک گھو  
فاریا کرو پیسے پہلو لیکن کہیں سنا۔ ایک گھر کے کام ہی  
کتنے ہوتے ہیں مرد۔! جہاں تم رہتی ہو وہاں بھی تو  
لوگ کام والیوں کے بغیر رہتے ہی ہیں اور وہ کھو کتنے  
کامیاب تر لیانتے ہیں۔ ہم سے تو بحیثیت قوم آگے  
ہی ہیں۔“

وہ خاموشی سے دلوا کو منہ دیکھ کر کہا کہ  
”اگلے دن بابا کا فون آیا۔“ چھوڑ دو جاہ۔ میں جیسے  
تیسے کر کے نہیں پیسے بیچ لاؤں گا۔ اب حالات پہلے  
سے بہتر ہیں۔“

”تمہیں باپ کا بھٹے علات نہیں ہے اس لیے تھک  
جاتی ہوں جب عادت ہو جائے گی تو سب ٹھیک  
ہو جائے گا۔“

”تمہیں کوئی خاندان نہیں پانا کہ تم ایک ایک  
روپے کے لیے ایسے پریشان ہو۔“

”مجھے خود کو پانا ہے بابا۔ مجھے خود کو مضبوط کرنا  
ہے۔ میں اب تک مضبوط نہیں ہو سکی تو اس میں

گھنٹوں سر رکھ کر دوڑنے والی ان سب کو کتنا یاد کر رہی  
ہے۔ وہ یونیورسٹی پر گرنے والی برف کو گھورتی ہے لور  
سکرانے کی سٹی کرتی ہے۔ وہ اولڈ کیسپس کی  
یونیورسٹی آدک کے پاس آکر کھڑی ہو جاتی ہے اور آتی  
جاتی ٹریفک کو دیکھتی ہے۔ اس کے منہ سے بھاپ نکلتی  
ہے اور آنکھیں سلی سلی سی ہو جاتی ہیں۔ وہ دادا کو  
ماچھڑ میں پھیل برف دکھاتی ہے۔ سکرانے کی  
کوشش کرتی ہے۔ ان سے باتوں میں دل بھلائی  
ہے۔

”تم ملی جاتیں میری بچی۔ جتنے پیسے تمہارے  
پاس تھے۔ پیسے تو تمہا میں گے وقت نہیں آئے گا۔“  
”میں اگلے سال چلی جاؤں گی۔ اگلے سال تک تو  
میں یہیں ہوں گا۔“ اس نے دادا سے کہا اور خود کو بھی  
تسل دے۔

”ذمگی نے جتنے بھولے اپنی پانہوں میں تمام  
رکھے ہیں وہ سب وقت کے اشارے سے چلتے ہیں۔  
ان میں بھولنے کے لیے وقت کے اشارے کا انتظار  
کرنا ہی پڑتا ہے۔“



لور کہا جاتا ہے کہ  
کہ کیا پاری چیز ہے کر مس کینڈل  
نہیں کرتی شور و غوغا...

لیکن نرمی سے خود کو بچھا دے کرتی ہے  
بے غرضی سے۔ یہ ختم ہوا دل چاہی ہے  
اور یہ بھی تو کہا جاتا ہے کہ جب کر مس آتا ہے تو  
گھر کی یاد ستاتی ہے حتیٰ کہ آپ گھر میں ہی ہوتے  
ہیں۔“

سارا ماچھڑ اور سارا برطانیہ۔ لور سارے کا  
سارا اور پ کر مس فلو کا شکار ہو چکا تھا کوئی چھینکتا ہوا  
نظر نہیں آتا تھا لیکن مسکراتا ہوا ضرور آتا تھا۔ شی  
سینئر کر مس مارکیٹ میں اونچے ستون پر بہت بڑے  
سے سانا کلاز کو بٹھارایا گیا تھا جو لیٹین پائونڈز مسکراہٹ  
سب پر بچھا دے کرتا تھا۔ کر مس کے بڑے میلوں میں

میرا تصور ہے "آپ کا ہے ہمارے نظام کا ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ میرے جیسی بہت سی لڑکیاں مجھ سے زیادہ سخت کام کر رہی ہیں۔ میری توجہ اب ہی بہت آسان ہے۔ آپ حملو ٹکی لور وائیہ کی طرف توجہ دیں۔ میرا دل چاہتا ہے وہ سروں کی طرح وہ بھی زندگی میں آگے بڑھیں۔ محنت کریں اور کامیاب ہوں۔"

پاپا نے اس کے اکاؤنٹ میں تھوڑے پیسے ٹرانسفر کر دئیے جنہیں اس نے ہاتھ بھی نہیں لگایا "زندگی میں ملنے والے اسی آرام و آسائش نے اسے ایسا بنا دیا تھا۔ ریڈی میڈ کھانا کھانے کو ہمارے تو خود کھانا پکانے کی زحمت کوئی بھی نہیں کرتا۔"

ایک بار وہ ڈیرک کے ساتھ Dranson مٹی تھی ان دونوں کی مٹائی ڈاکو مٹھی کو لے کر ان کی ایک نمائندے سے ملاقات ملے گی۔ ملاقات کے بعد جب نما سجدہ چلا گیا اور بل کیا تو ڈیرک نے وہ پتھر سے کہا کہ "اس بل کو آفس میں بھجوا دے۔ بل کے نیچے ڈیرک نے سائن کر دیے تھے۔"

"کس کے آفس؟"

ڈیرک ہنسنے لگا "میرے پاپا کے آفس۔"

"مٹل اتنی دور ان کے آفس جائے گا۔ تھوڑے سے پیسے ہیں۔ میں بے کردتی ہوں۔"

"میرے پاپا کا آفس ہیں اسی ریٹورنٹ میں ہے Dranson کے قیصرے صعدار ہیں۔"

"تمہارے پاپا یہاں کے تیسرے صعدار ہیں تو وہ پتھر تمہیں مل کے لگتا ہے؟"

"ان لیکٹ مجھے پتھی سے منع کیا گیا ہے کہ میں یہاں نہ کیا کروں۔ میں یہاں تب آتا ہوں جب بالکل خالی جیب ہو چکا ہوتا ہوں۔ کبھی کبھار زیادہ نہیں مل پر میں سائن کر دیتا ہوں اور جب میرے پاس پیسے ہوتے ہیں میں یہاں آکر پے کر جاتا ہوں۔ اتنی سی رعایت مجھے مل جاتی ہے۔"

"تم کہہ رہے ہو یہ تمہارے پاپا کا ریٹورنٹ ہے پھر بھی تمہارے ساتھ یہ سب؟"

"میرے نادر امریکا سے یہاں کام کے لیے آئے تھے دس سال تک انہوں نے گاڑیوں کی ایک فیکٹری کی مشینوں کی صفائی کا کام کیا ہے ان کے جسم سے مستقل کیمیکل کی بو آتی تھی بلن کا کہنا ہے کہ ان دس سالوں میں انہوں نے اپنی سگریٹ پینے کی خواہش کو دبائے رکھا اور ایک سگریٹ کی لڑیہ جب انہیں تھلے میں ملی تو انہوں نے اسے چلا دیا کہ اگر انہوں نے وہ ڈاکو لپٹی تو دس سالوں میں کھائے گئے سارے پونڈ ڈھونڈ میں کی نذر ہو جائیں گے جس کے نادر کا ایسا ماضی رہا ہو اس کے بیٹے پر یہ سوٹ نہیں کرنا کہ وہ پانچ ستر جیسی بڑی پونٹی میں بڑھے بھی اور باپ کی نکالی پر ایسے پیش بھی کرے اسکول کی چھٹیوں میں انہیں نے اسی ریٹورنٹ میں کام کیا ہے ایک بار میں نے فیس میں اسٹاف کے ایک ورکر کو دیکھا وہ دیا تھا مجھے اسی وقت جاب سے نکال دیا گیا تھا اب میں ڈاکو مٹریز بنا کر اپنا خرچ نکالتا ہوں۔"

"آخوند بدین اپنی اولاد کے لیے ہی کہتے ہیں۔"

"ہاں تو میں اتنا بڑا ہو گیا ہوں جس بہت کھلی ان کی نکالی مگر سارے والدین صرف اولاد کا ہی سوچتے رہیں گے تو انسانیت کا کون سوچے گا۔"

"انسانیت کا؟" ایک ہزار ایک لور سوالی امرت کے ذہن میں اس بات کو سن کر ہنسنے لگے تھے۔

"ہاں۔ اگر وہ لوگ ساری زندگی کما کما کر صرف اپنی اولاد کا ہی سوچتے رہیں گے تو کل انسانیت کے بارے میں کون سوچے گا۔ ہمیں اپنی زندگی کے دائرے اتنے محدود نہیں کر لینے چاہئیں کہ ہماری ساری زندگی کا حاصل صرف چند افراد کو ہی قائم رکھیں۔"

امرت ڈیرک کے اس جواب کو اچھی طرح سے سمجھ چکی تھی اسی لیے اگلا سوال نہیں کر سکی۔

"لا جواب ہو چکی تھی۔"

کرشمس سے ایک دن پہلے وہ سادھنا کے ساتھ کرشمس مارکیٹ گئی اور دونوں نے لیڈی سر کی نقالی ڈھولوں ڈھیر خریداری کی انہوں نے اپنے سب بچوں



کے لیے مخالف عقائد تھے۔ اس کے بدلے میں مورگن کی شاہی بھی تھی۔ یہ اس سلسلے کی خریداری بھی تھی۔

برف گر کر جم رہی تھی۔ وہ بار بار انہیں جھاڑ رہا تھا۔ اس نے گردن کو خم دے کر امر دے کو دیکھا اور اپنا چکر مکرایا۔

سلاہتا کو کمر چھوڑ کر اپنی یونی آئی اور آکر لوڈ کیسپس کی تورک کے نیچے کھڑی ہو گئی۔ موسم کے تیور صبح سے ہی بدل رہے تھے تیز ہوا چل رہی تھی اور لیٹی کی نیوز نے برف باری کی خبر دی تھی وہ عمارت کی دیوار کے ساتھ تک کر کھڑی دھندلے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ دھند بڑھتی ہی جا رہی تھی اور کچھ دور آگے کی چیزیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ اسے یہ سب اچھا لگ رہا تھا۔ اسے برف باری کا انتظار تھا اس کے پاس ایک گھنٹہ تھا پھر اسے واپس اپنی جگہ پر جانا تھا وہ اپنی یونی کے آگے برف باری کو ہوتے دیکھتا چاہتی تھی ہوا اور تیز ہو گئی دھند اور بڑھنے لگی۔ ٹولے کے گالے ماں کے چار کی طرح نرمی سے نشن پر برسنے لگے۔ ہوا اور تیز ہو گئی امر دے نے اپنے سرخ دستوں والے ہاتھوں کو پھیلا لیا۔ برف باری بلاشبہ وہ منظر ہے جو پہلی بار دیکھنے والوں کو متاثر سا کرتا ہے سفید پھول برف بنے امر دے سے شرارتیں کرنے لگے۔ ٹولے میں روختی ہو رہی تھی اور دھند میں اس نے دیکھا کہ کوئی آ رہا ہے وہ عالیان تھا۔ قریب آیا اور دور ہوتا چلا گیا۔

تیز ہوا کا جھونکا آیا اور اس شیبہ کو اڑا کر نے گیا۔ امر دے نے سم کر آس پاس دیکھا ٹرٹک نہ ہونے کے برابر تھی اکاؤنٹ لوگ بیٹھے بس اور امر دے نے وہاں سے تیز تیز بیدل چنا شروع کر دیا۔ اس کا دل خوف سے سم رہا تھا۔ وہ اور تیز چلنے لگی اور پھر وہ بھاگنے لگی۔ آکسفورڈ روڈ پر یونی کو اپنے پیچھے چھوڑ کر۔ خوف اس کے وجود میں سرایت کر رہا تھا۔ عالیان اس کے واپس آیا اس کے پیچھے ہر جگہ تھا۔ وہ سامنے سے اس کی طرف آ رہا تھا۔ وہ پیچھے سے اسے پکار رہا تھا۔

یہ سب کیا تھا۔ یہ سب ٹھیک نہیں تھا۔ اسے اپنے تعاقب میں عالیان نہیں چاہیے تھا۔ برف پر بھاگتے بھاگتے وہ پھسل کر گر گئی۔ یہ عالیان کون تھا جس نے اسے گرا دیا تھا۔ لٹھڑی ہانگ سے درو کی لہر پھولی۔ اٹھ کر اس نے اپنے کپڑے جھاڑے۔ گردن سے لینے منظر کو کھول کر اس نے اچھی طرح جھاڑا اور گردن کے گروپٹ لیا۔ برف اس کے وجود میں باترقی اسے لٹھڑا کر رہی تھی۔

وہ عالیان نہیں تھا۔ بریلیے ریشوں کو سمیٹتے اپنے سرخ دستوں پر اتارتے وہ جہاں کی تھیں کھڑی رہ گئی۔ "اسے عالیان آتا اور جانا کیوں نظر آیا تھا؟" گرم کوٹ کے اندر اس کے وجود نے سم کر جم کر جمی لی۔

اور اسے تکلیف ہو رہی تھی۔ سفید کے ماحول میں سرمئی کوٹ اور سرخ منظر میں وہ خزاں میں کھلی اس گلی کی مانند تھی جو بے وقت چلنے پر آبدیدہ ہو جاتی ہے۔ یونی کو اپنے پیچھے چھوڑتے وہ آہستہ آہستہ چلی جا رہی تھی۔ ٹولے کے گالے ابھی بھی گر رہے تھے اس کے کھلے ہاتھوں میں ایک رہے تھے۔ وہ برف باری کو دیکھنے لگی تھی لیکن اس نے یہ کیسی برف باری دیکھی تھی۔ جس نے اس کے اندر کی ہماروں کو ختم کر ڈالا تھا۔ سارا سبزہ سفید سے میں بدلتا جا رہا تھا۔ "اور خزاں کتنی جمی خوب صورت کیوں نہ ہو وہ ہمارے کونگس لے تو صورت ہوتی ہے۔"

دھند کو جیر تا پھر کوئی آ رہا تھا آکسفورڈ روڈ کو بھاگ کر پار کرنا ہوا یونی کی طرف بڑھتا ہوا امر دے عمارت کی دیوار کے ساتھ سمت سی گئی۔ برف باری میں تیزی آئی تھی۔ اس کے سرخ دستا نے نم ہو رہے تھے۔ برف کی پھوار کو دیکھتے اس کی آنکھیں نہیں تھک رہی تھیں اور یہ کون اس کی طرف آ رہا تھا اس کے ہاتھ میں نیلے پیلے سفید پھول تھے۔ پھول بہت زیادہ تھے لیکن پر

(پال آئینہ ماہان شاعرانہ)

## قِرَّةُ الْعَيْنِ حُرْمٌ بَاشِي



مکروقت کی سب سے بڑی خوبی یا خالی یہ ہے کہ وہ سدا ایک سانس میں رہتا ہے۔ اور اسی وجہ سے چھانوں جیسے موسموں سے اپنے لود پر اسے رشتوں کی پہچان ہوتی ہے۔



بعض مہینے گزرتے تو نوزہت نے اپنے رنگ و ہنک، دیکھنا شروع کر دیے۔ وہ حد سے زیادہ خود سراور ضدی لڑکی تھی۔ کام کے معاملے میں انتہائی ست اور لڑپوا۔ شوہر مکمل طور پر اس کی ٹھی میں تھا۔ اسی لیے اسے کسی بلور کاٹہ ڈر تھا اور نہ خوف تھا۔ محبت لگاتے سانس مسرت اسے خدا واسطے کا پیر تھا۔ خاص کر اپنی خالہ یعنی سانس رشیدہ بیگم سے۔ کیونکہ سانس نے میں مکمل اجارہ داری ملن کی تھی۔ جو نوزہت کے لیے ناقابل برداشت تھی۔



فاتر زور اس آگے ہو کر دروازے سے جھانکتا اور دلو کو اپنی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر بھاگ جاتا۔ چار سالہ گولن مٹول خوبصورت سے فاتر میں رشیدہ بیگم یعنی دلو کی جان تھی۔ اس سے ایک سال پہلے پھوٹا رضا اور دو سالہ کرن بھی رشیدہ بیگم کے بہت لگاؤ لے تھے۔ مگر فاتر پہلا بچہ ہونے کی وجہ سے ان کے زیادہ قریب رہا تھا۔

کچھ نوزہت کا بھی یہ پہلا تجربہ تھا۔ سو وہ بھولی بھولی باتوں پہ گھبرا جاتی تھی اور فاتر کو اپنی سانس کو تھماتی۔ جسے سنبھالتے اور مٹلاتے رشیدہ بیگم بھی نہیں تھکتی تھیں۔ احمد بشیر اکثر اپنی زوجہ محترمہ کی پوتے کے لیے یہ وارفتگی دیکھ کر جس بڑے تھے اور مذاق ہی مذاق میں کئی بار انہیں منع بھی کرتے تھے۔ جسے رشیدہ بیگم ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتی تھیں۔

مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے تاں کہ ذرا سی مذاق میں کئی باتیں حقیقت کا لہاؤ اور نہ کر ہمارے سامنے آنکھڑی ہوتی ہیں۔ اور ہم سوچتے رہ جاتے ہیں کہ اکثر باتوں کا ”سچ“ ہو جانا کتنا تکلیف دہ بھی ہوتا ہے!

رشیدہ بیگم کو اپنے ایف۔ اے پاس انکو دتہ بیٹے ریاض کے لیے اپنی بہن کی نازگ اندام سی آنکھوں میں پاس میں نوزہت پسند آئی تھی۔ ان دنوں حلیم کا اتنا مداح نہیں تھا۔ اس لیے نوزہت کا آٹھ جماعتیں پاس ہونا رشیدہ بیگم کے لیے بہت بڑی بات تھی۔ سونے پہ سنا کہ نوزہت خوبصورت بھی بہت تھی اور ناز و خرد اس سے بھی بڑھ کر تھا۔

رشیدہ بیگم بہت چٹو اور ملن کے ساتھ نوزہت کو بیاہ کر لائی تھیں۔ کئی مہینے تک اس کے ناز و خردے اٹھائے کہ اس پاس اور ملنے ملانے والوں نے اعتراضات شروع کر دیے تھے کہ رشیدہ بیگم نے اپنی بہو کا داغ ساتویں آسمان پر پہنچا دیا ہے۔ رشیدہ بیگم سنتیں اور جس کے گلے دیتیں۔ ان کو اپنے چھوٹے سے گھر کا سکون اور اطمینان بہت عزیز تھا۔



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

دردانہ سے جھانک کر واپس جانے لگا تو رشیدہ بیگم بے اختیار ہو کر ہاتھ اس کی طرف پھیلاتے ہوئے محبت سے پکڑیں۔

فائزر رک گیا اور خوفزدہ نظروں سے دلوں کے پھیلے بانڈوں کو دیکھنے لگا اور ایک نظر اپنے پیچھے بھی ڈال لیتا۔ کبھی ایسی نہ آجائیں۔

”دردانہ! ایسی کہتی ہیں کہ آپ گندی ہیں۔ آپ اچھی نہیں ہو۔ میں نہیں آؤں گا آپ کے پاس۔ دردانہ گندی ہیں۔“

فائزر نے رستے رستے طوطے کی طرح ہلکا سا کھایا سبق سنایا۔ پورے تیزی سے واپس بھاگ گیا۔

رشیدہ بیگم کے بانڈے دم ہو کر ان کی گود میں آکر گئے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ان کی محبت اور مہماخت گایہ جملہ ملا تھا آج انہیں۔ زہت نے اپنے اندر کا زہر ان بچوں میں اتارنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے ڈر اور خوف کی وجہ سے وہ اپنی ماں کی ہر بات ماننے پر مجبور تھے۔

”میں تمہیں پہلے ہی سمجھاتا تھا۔ مجھے وقت کے تیور نظر آتے تھے۔ مگر تم۔“

احمد بشیر کے افسردہ سی بیٹھیں اپنی شریک حیات کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

”مگر وہ بچوں کو ہمارے خلاف سکھا کر ہم سے انگ کر کے کیا حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اب تو میں نے اس کے کسی معاملے میں بولنا ہی نہیں چاہتا ہے۔ میں اتنے چلو اور ملن سے اسے بیاہ کر لائی تھی کہ ایک تو میرا اپنا خون ہے اور وہ میرا پڑھی لکھی ہے، کچھ نہ کچھ تو سمجھدار ہوگی کہ ہماری آنے والی نسلیں سنوار دے گی مگر۔“

رشیدہ بیگم نے افسردگی سے گہری سانس لی۔  
”اسے اپنے آنسوؤں میں ڈبوئے گا تا کہ تم سے کہ مجھے جھٹل کر دیتی ہے۔ میری ہر بات کی انہیں اڑانی ہے۔ کیا آج میں تعلیم بندے کو بھولنے بڑے کا احترام بھلا دیتی ہے؟ اس میں لگا غور و فکر بھرتی ہے کہ وہ

رشیدہ بیگم اسے پیار اور محبت سے کچھ بھی سمجھائیں تو اس کے برعکس کر لیں۔ جان کر ان کو نوج کر لیں۔ ہر چیز میں نقص نکالتی اور اعتراضات کر لیں پورا اب تو اکثر زبان درازی کرنے لگی تھی۔

زہت کے یہ رنگ ہنسنا اور تیور دیکھ کر رشیدہ بیگم صدمے سے گنگسی رہ گئیں۔ ان کا رشتہ خاندان بھائی کا بھی تھا۔ اس کے ہاں خود زہت ملن سے سخت چڑھ سکتی تھی۔

کیوں؟ اس کیوں کا جواب ان کے پاس نہیں تھا۔ مگر وقت کے پاس ہر سوال کا جواب ہوتا ہے۔ مگر افسوس کہ ”وقت“ پہ نہیں ہوتا۔!!!



وقت اپنی مخصوص رفتار سے گزرنا رہا۔ اس گھر کے آئین میں بچوں کی تقلیدیں گونجتی لگیں۔ رشیدہ بیگم نے تینوں بچوں کی ہر حرکت کا بہت خیال رکھا۔ بیڈ پر بیٹھا بیٹھا کر ہر چیز پیش کی۔ حالانکہ اب ان کی صحت دن بدن گرتی جا رہی تھی۔ مگر پوتے پوتیوں کی محبت میں وہ سب بھلا کر پھر سے جیت جاتی تھیں۔ اس لیے تینوں بچے ایک طرح سے والدی کی گمشدگی ہی مٹاتے تھے۔

مگر اب پچھلے کچھ عرصے سے گھر میں عجیب صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ زہت کو اپنے بچوں کی صورت میں ایک اور نکل لیا تھا۔ جہاں پہ وہ بہت آسانی کے ساتھ اپنی ساس رشیدہ بیگم کو شکست دے سکتی تھی۔

مخصوص بچے اپنی ماں کی سیاست میں شامل ہونے لگے تھے۔ ان کی ماں جو زہر ان کی رنگوں میں قہر و قہر کر کے اتار رہی تھی اس کا پھیل بھی اس نے کھانا تھا۔ وہ یہ بھول چکی تھی۔ مگر ”وقت“ کچھ نہیں بھولتا اور نہ ”بھولنے“ جانتا ہے۔!!!

”فائزر! بیٹا! اور آجاک۔ داد کی جان!!!“  
پھنسی بار بھی جب فائزر کمرے کے لہو کھٹے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

”جہاں، گنوار، عورت نے میرے بچے بھی بگاڑ لیے ہیں۔ ہا نہیں کب جان چھٹے گی اس غزلب سے۔“

مونا ٹھہرے اور نفرت سے بڑھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

دروازے کے اس طرف بیٹھی جیل، بیمار کنوڑ اور باڈیاں عورت بہت حسرت اور بے چارگی سے اس منظر کو دیکھ رہی تھی۔

کبھی وہ بھی اسی غور و ملاحظہ سے نشن پہ چلتی لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتی تھی، لیکن صرف اتنا ہے کہ آج وہ خود اس جگہ پہ کھڑی ہوئی تھی جہاں کبھی اس کی ساس رشیدہ بیگم کھڑی تھیں۔

اپنے زمانے کی آنکھوں پاس، خوبصورت نازک اندام، شوہر کے دل پہ راج کرنے والی ساس مسرکی اکلوتی اور چینی بہن، نزہت، آج کے زمانے کے حساب سے جاہل اور گنوار کھلائی گئی۔ اس کے میلے اور نعدے چلیے کی وجہ سے کوئی اس کے پاس نہیں آتا تھا۔

تھی کہ وہ بیٹے بھی نہیں جن پہ اسے بہت مہن تھا کبھی اس کے بیٹے اپنے بچپن سے اپنے گھر کے بزرگوں کے ساتھ ناروا سلوک دیکھ رہے تھے۔ اسی لیے آج جب ان کی ماں اس اسٹیج پہ پہنچی اور ان کی بیویوں نے وہی سلوک، ان کی ماں کے ساتھ کیا تو انہیں کچھ الگ یا برا محسوس نہیں ہوا۔

فرق صرف اتنا ہے کہ رشیدہ بیگم کے دکھ سکھ ہنسنے والا ان کا ساس بھی اور شریک حیات زندہ تھا۔ جبکہ اپنے ضمیر کی عدالت میں روز کوڑے کھانے والی نزہت کو اپنے شوہر کی وفات کے بعد یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑ رہا تھا۔

آپ ”وقت“ کو جو لاگے ”وقت“ آپ کو وہ ہی لوٹائے گا۔ سو سمیٹ۔

کاش ہر عورت اپنے بچوں کو نفرت کا زہر پانے سے سلیب سوچ لے کہ کل کو یہ زہر اس کا خلیب بھی بن سکتا ہے۔

اجہالی اور برائی کی تیز بھول جاتا ہے۔

اس سے بہتر تو میں کسی لہن پڑھ لڑکی کو اپنی بہن بنا لیتی۔ کم از کم میری طرح کی ان بڑھ عورت کو رشتوں کا احترام تو ہوتا ہے۔ رشتہ بنانا تو جانتی ہاں۔

رشیدہ بیگم نے اپنی چادر کے پلو سے اپنی آنکھیں پونچھیں۔ دونوں میاں بیوی گزری راست کے پہلو میں تو اس کوور غمگین سے بیٹھے تھے۔ عمر کی نقدی تیزی سے ختم ہونے کو تھی۔ اور وقت کا پیہہ تیزی سے گھومتا منظر پہ منظر بدل رہا تھا۔

بوائے سے گھر کے خوبصورت سالان میں دنوں بچے اور گھر سے لوہر بھاگ رہے تھے۔

باغ میں رنگ رنگ کے پھول تھے جن پہ شوخ رنگ کی تتلیاں اڑتی، ان کی خوبصورتی کو بڑھا رہی تھیں۔

راس نے ایک تعلق ہاتھ میں پکڑی اور خوشی سے چہنچہا ہوا داد داد پکارنا اندر کی طرف بھاگ۔ داد کا کمرہ بائی گھر سے ہٹ کر تھا۔ جہاں ہر وقت اکیلی پڑی وہ کسی کی آہٹ کی منتظر رہتی تھیں۔

سات سالہ راس اور چار سالہ طینت سب سے نظر بچا کر کبھی کبھار ان کے پاس چلے جاتے تھے۔ مگر ایسا بہت کم ہی ہوا کرتا تھا۔

ابھی راس لے داد کے گھرے گا اور داد کھولائی تھا کہ کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سختی سے روکا۔

”راس! میں نے منع کیا تھا میں کہ یہاں نہیں آنا ہے۔ آپ کی داد بیمار ہیں۔ جراثیم لگ جائیں گے آپ کو۔ چلو میاں سے۔“

مونا راس کا بازو پکڑے اسے کھینچتے ہوئے وہاں سے لے کر جا رہی تھی۔ جبکہ راس مسلسل شور مچا رہا تھا۔

”میرا مجھے داد کے پاس جانا ہے انہیں تنہی دکھانی ہے۔ ماما میں انہی واپس آجوں گے۔ پلیز ماما!“

راس منت کرتے کرتے آخر میں داد لے لگا مگر مونا اسے کھینچتے ہوئے وہاں سے لے گئی۔



چاند تالاب میں جب رقص کیا کرتا ہے  
میری آنکھوں میں تراکس ہوا کرتا ہے

جن دنوں تجھ کو میسر نہیں ہوتی فرصت  
ان دنوں مجھ میں بہت جیس رہا کرتا ہے

ایسے اتری ہے سرے دل پہ محبت کی وحی  
جیسے تجھ سے میں کوئی ریب جلا کرتا ہے

یہ بڑا حسن ہمیشہ یوں نہیں شاداب رہے  
جا بڑے واسطے ددویس دُعا کرتا ہے

اے مری پہلی محبت اے میرے پہلے جوں  
دل تمہیں آج ہمیشہ کو رہا کرتا ہے

میں تیرے ترک تعلق پہ بھی حیران نہیں  
رشتِ غریب میں کوئی کتنی وفا کرتا ہے

میشم علی آغا

جیس عشق میں آسرا دینے والے  
مجھے بھیڑ میں راستہ دینے والے

کرم جبر حالات کا ہے یہ درد  
بڑے باؤں ساتھ دغا دینے والے

اب اک اک سے خود ہی دہرا لیتے ہیں  
مجھے ددو دل کی دوا دینے والے

بشر تھا میں کیسے نہ کرتا خطا میں  
سنبھل کے سزا و جزا دینے والے

مروں اور دہر تو بدظن نہ ہونا  
مجھے اپنے دسے اٹھا دینے والے

مری زندگی ہی تو میرا عرف ہے  
مجھے زہر دے دے دلا دینے والے

خدا اور ترک سے ناب تو بہ!  
سلامت رہیں مشورہ دینے والے

خدا بدو بکوی



## کالا پیٹھر

میرا چہرہ آئینہ ہے  
 آئینے پر داغ جو ہوتے  
 لہو کی برکھا سے میں دھوتا  
 اپنے اندر جہانکس کے دیکھو  
 دل کے پتھر میں کالک کی کتلی پر تیں جہی  
 ہوئی ہیں  
 جن سے ہر نقرہ استغرا منظر کجلا سا گیا  
 دیا سوکھ گئے ہیں شرم کے مارے  
 کوٹلے پر سے کالک کون اتارے  
 شکیب جلالی

کبھی کہیں تو یہ حالت میں کی جنت نے  
 ٹڈھال کر دیا مجھ کو تری جنت نے

تری یہ پہلی جنت ہے تجھ کو کیا معلوم  
 گھلا دیا مجھے اس آخری جنت نے

وہ یوں بھی طیر سے سرما کا چاند تھی لیکن  
 اسے اُجال دیا اور بھی جنت نے

یہ تم جو میرے لیے خواب چھوڑاں ہو  
 تبیں جگایا تو ہوا مری جنت نے

میں جس کو پہلے پہل دل لگی سمھتا تھا  
 مجھے تو مار دیا اس تھی جنت نے

جنت اور عبادت میں فرق تو ہے ناں  
 سو نہیں لی ہے تری دوستی جنت نے

افتخار منگل

شعر اگست 2014 261



# مہمان خصوصی

## ایمانی سگسٹریں

### مجبوری

سکے گی۔ اپنے گھر کی بہت سی خوبیاں گنوانے کے بعد  
 ماکن نے کہا۔

"اور یہاں بچے بھی نہیں ہیں جو تمہیں تنگ  
 کریں۔"

"ارے بیگم صاحبہ! بچوں سے میں بالکل تنگ  
 نہیں ہوتی، آپ میری وجہ سے خولہ، نولہ، عیسیٰ پلاننگ کا  
 تکلف مت کیجئے گا۔"

متوقع ملازمت کے لیے تکلفی سے جواب دیا۔

الماس خوریہ۔ ہزارہ

### پیشگی اطلاع

ایک دولت مند شخص نے قیمتی پار اپنی سیکرٹری کو  
 دیکھ کر توجہ پیش کیا اور ایک پارک میں سیر کا پروگرام  
 بنایا۔ جب وہ سیکرٹری کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے گھوم رہا  
 تھا تو اچانک وہاں اس کی بیوی آ پہنچی اور دونوں کو ایک  
 ساتھ دیکھ کر عرصے میں وہاں پہنچی گئی۔ گھر پہنچ کر اس نے  
 مقامی اخبار کے ایڈیٹر کو فون کیا۔

"کل کے اخبار میں میرے شوہر کی موت کی خبر  
 شائع فرمادیں۔"

"ان کا انتقال کب ہوا؟" ایڈیٹر نے اظہار غم کرتے  
 ہوئے پوچھا۔

"نہ شام کو ہو گا۔" بیوی نے جواب دیا۔

کو کب دیکھیں۔ رولینڈی

### رفقاری گھنٹہ

ایک نئے ٹریڈنگ سارجنٹ نے اپنی کار گرونگ  
 دکھاتے ہوئے ایک تیز رفتار کار سوار کو روک لیا  
 "جناب! میرا قصور کیا ہے؟" کار ڈرائیور نے  
 حیرت سے پوچھا۔

ایک شرابی ریلوے بنگلہ آفس پر ایک شخص کو  
 اپنے کندھے پر سوار کیے پینچا اور ٹکٹ بیچنے والے سے  
 کہا۔

"مجھے روپڑی کا ایک ٹکٹ دے دو۔" ٹکٹ بیچنے  
 والے نے حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

"اس شخص کا ٹکٹ نہیں لوگے جو تمہارے  
 کندھوں پر سوار ہے؟"

"یہ شخص۔" شرابی نے جواب دیا۔ "یہ تو میرا بچہ  
 ہے اور ابھی اس کی عمر چھ سال سے زیادہ نہیں ہوئی  
 ہے۔"

"چھ سال سے کم عمر کا بچہ ہے؟" ٹکٹ بیچنے والے  
 نے کہا۔

"کیوں بے وقوف بناتے ہو۔ یہ شخص نو فٹ لمبا  
 ہے اس کا وزن کم سے کم ستر کلو ہو گا اور اس کی بازو میں  
 کسی سال میں بھی تین انچ سے کم نہیں ہے، پھر بھی تم  
 اسے بچہ کہہ رہے ہو؟"

شرابی نے کندھے پر سوار شخص کو زمین پر دے پٹا  
 اور آنکھیں نکال کر بولا۔

"گدھے ایں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا اٹی واڑھی  
 منڈھو لاساب بچہ را" مجھے تمہارا بھی ٹکٹ لیا پڑے  
 گا۔"

فاکھ سہیل۔ بفرزدان

تکلف بر طرف

گھر کی ماکن نئی متوقع ملازمت کو یہ احساس دلانے کی  
 کوشش کر رہی تھی کہ ان کے یہاں ملازمت کرنا اس  
 کے لیے بہت آسان ہو گا اور اس گھر میں وہ خوش رہا

مذہب! ہمیں جناب والا میں نے سچ بولنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔  
 زیادہ بہتر یہ ہے کہ اپنا منہ بند رکھو اور لوگوں کو سمجھنا کہ تم بے وقوف ہو۔ یہ نسبت اس کے کہ اپنا منہ کھولو اور لوگوں کے شہادت ختم کرو۔"  
 "تمہارا بھائی اکثر مجھ سے رقم اوہار لیتا رہتا ہے مگر آج تک اس نے ایک روپیہ بھی واپس نہیں کیا۔"  
 "ہاں ہاں بچپن سے ہی بچت کرنے کا عادی ہے۔"  
 ایمن سنگھ۔ شاہراہ فیصل

احساس

"تج میں چھتری لے جانا ہی بھول گیا۔" پرو فیسر صاحب نے گہراہیں آکر اپنی بیگم کو بتایا۔  
 "پھر کب کو کب بنا چلا کہ چھتری آپ کے پاس نہیں ہے۔" بیگم نے دلچسپی سے پوچھا۔  
 "جب بارش بند ہونے کے بعد میں نے چھتری بند کرنے کے لیے ہاتھ بند کیا تو۔" پرو فیسر صاحب نے جواب دیا۔

شازیہ شکیل۔ نیف ٹین

شوگر کوڈ

میچ سے پہلے ایک نیم کا پتلن اسپاٹ سے باتیں کر رہا تھا۔  
 "دیکھئے جناب! میں چاہتا ہوں کہ اسپاٹنگ لینڈ اور قوانین کے مطابق ہو۔ لیکن میں آپ کو یہ بھی بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس گرنوڈ کے ایک طرف اسپتال ہے۔ دوسری طرف قبرستان ہے۔ عقب میں سرسبز رہی ہے اور ہم نے اس سیزن میں اب تک کوئی میچ نہیں بارا ہے۔"  
 سرین شاہ۔ لاہور

قرآن خوانی

لسکٹ لینڈ کے باشندے ضرورت سے زیادہ سنجوس مشہور ہیں۔ پچھلے دنوں لسکٹ لینڈ کی فٹ بال ٹیم کے میجر نے سینئر فارورڈ کو اپنے دفتر میں طلب کیا

"آپ کا تصور یہ ہے کہ آپ اسی کلو میٹر کی رفتار سے جا رہے تھے جبکہ اس سڑک پر چاس کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے زیادہ تیز گاڑی نہیں چلائی جاسکتی۔" ٹریفک سمار جنٹ نے خوبصورت جوش سے کہا۔  
 "مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" سوار نے احتجاجی لہجے میں کہا۔ "میں اسی کلو میٹر کی رفتار سے گاڑی کیسے چلا سکتا ہوں جبکہ مجھے تو گھر سے نکلے ہوئے صرف توہاٹھنڈی ہوا ہے ابھی۔"

کار سوار کی بات سن کر ٹریفک سمار جنٹ نے ایک اتار کر سر کھینچا۔ مگر کچھ دیر سوچا اور پھر کار سوار کو جانے دیا۔

نازش کمال۔ کماریاں

مطلوبہ کتاب

لندن میں ایک خاتون نے ایک کتاب فروش سے موبیلا کم کرنے کے طریقے اور دواؤں والی کتاب مومنڈ نے کو کہا۔ کچھ عرصے بعد وہ خاتون اسی دکان میں دوبارہ آئیں تو کتب فروش خوش ہو کر کہنے لگا۔  
 "یہ لیجئے آپ کی مطلوبہ کتاب مگر آپ تو پہلے ہی خاصی دلی نظر آ رہی ہیں۔"

"جی ہاں۔" خاتون بولیں۔ "دراصل میرے شوہر کم ہو گئے ہیں۔ میں اسی پریشانی میں دلی ہوئی ہوں۔"  
 "لوگ پھر آپ نے پولیس کو اطلاع دی؟" دکان دار نے فکر مند لہجے میں پوچھا۔  
 "نہیں ابھی نہیں۔ سزا اصل میں چاہ رہی تھی۔ میں اپنا میں پونڈ وزن مزید کم کروں تو پھر پولیس کو اطلاع دوں۔" خاتون نے سمجھ داری سے جواب دیا۔  
 ٹوبیہ فیصل۔ ڈی ایچ اے

چیلہ چیلہ

جو شخص اتنا ست ہو جائے کہ وہ سوچ بھی نہ سکے تو اس شخص کو فوراً شادی کرنی چاہیے۔  
 "جی ہاں! تمہارا کوئی وکیل نہیں ہے؟"



مرزا صاحب نے بے ساختہ کہا۔ "نہیں صاحبہ! باہر سے آجاتے ہیں۔" مولانا فیض الحسن فیض سہارنپوری جینپ کر خاموش ہو گئے۔  
حوا قریشی۔ مکن

ابھی تک۔

"وہ کھو۔ وہ آدمی جو ڈانس کر رہا ہے۔" پارل میں بیوی نے اپنے شوہر سے کہا۔  
"ہاں۔ کون ہے وہ؟" شوہر نے پوچھا۔  
"وہ سبیل پٹنے میں ہے۔" شوہر نے پوچھا۔  
"یہ شوخی سے کہا۔" شوہر نے اسے روکنا کہا۔  
تھا۔"

"لوہ بلی گاڑ۔" شوہر نے حیرت سے سر پر ہاتھ مارا۔  
"یہ ابھی تک خوشی میں مانج رہا ہے؟"  
صندل شمس۔ اسلام آباد

سوا میر

بیوی نے صے کے عالم میں اپنے شوہر سے کہا۔  
"مجھے ایسے لوگوں سے کوئی آمدروئی نہیں جو روز رات کو شراب کے نشے میں دھت ہو کر گھرتے ہیں۔"  
شوہر نے اخبار پڑھتے پڑھتے سر اٹھایا اور سنجیدگی سے بولا۔  
"جو لوگ رات کو نشے میں دھت ہو کر گھرتے ہیں وہ کسی کی آمدروئی کی ضرورت محسوس کرتے بھی نہیں ہیں۔"

رشیدہ تنول۔ اور گل ناؤن



اور اس سے کہا۔  
"وہیم! اس میٹن میں تم نے اتنے اچھے کھیل کا مظاہرہ کیا ہے کہ بورڈ نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں اسٹیل بکس دیا جائے۔ یہ لوہم تمہیں سو پونڈ کا چیک دیتے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔" گھلاڑی نے کہا۔ "میں بورڈ کا تہ دل سے ممنون ہوں۔"  
ٹیم کے نمبر نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔  
"اور اگر تم اگلے میٹن میں بھی اتنے ہی اچھے کھیل کا مظاہرہ کرتے رہے تو جیترین صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس چیک پر دو سٹاک بھی کر دیں گے۔"  
نازیہ نجم۔ تین ہٹی

پرستار

ایک تقریب میں ایک مشہور مصنف کا تعارف ایک خاتون سے کر دیا گیا تو وہ انہیں متاثر کرنے کے لیے بولیں۔

"ارے ہاں۔ تب تو بہت مشہور شخصیت ہیں۔ مجھے آپ کے سب ناول بے حد پسند آئے۔ خاص طور پر وہ ناول تو بہت ہی اچھا تھا۔ کیا نام تھا اس کا۔ یاد نہیں آ رہا۔ کمالی بھی یاد نہیں آ رہی۔ بہت اچھا نام تھا۔ اس وقت ذہن میں نہیں آ رہا۔ ارے بھئی وہی ناول جس کے اسٹیل پر لڑکی نے گلن رنگ کی لیس پہن رکھی تھی اور اس کے کانوں میں ڈائمنڈ کے جھمکے تھے۔"

قائمہ سلطان الدین۔ میٹروپول

گدھے

ایک بارہا میں رات گئے کسی مشاعرے سے مرزا صاحب مولانا فیض الحسن فیض سہارنپوری کے ہمراہ واپس آ رہے تھے۔ راستے میں ایک تنگ و تاریک گلی سے گزر رہے تھے کہ آگے ایک گدھا کھڑا تھا۔ مولانا فیض نے یہ دیکھ کر کہا۔

"مرزا صاحب! ابھی میں گدھے بہت ہیں۔"

# سنتیں ایمان و عمل

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔  
"برتن ڈھانپ دیا کرو، دبا کرو، مشکیزے کا منہ باندھ دیا کرو،  
ہوا کو بچھا دیا کرو اور دروازہ بند کر دیا کرو کیونکہ شیطان  
(منہ بند) مشک کر نہیں کھولتا۔ دروازہ نہیں کھولتا اور  
ڈھانپے ہوئے برتن کو نہیں کھولتا۔ اگر کسی کو برتن پر  
دکھنے کے لیے کڑی اور سخت کی جتنی شراب وغینو کے ہوا  
کہ نہ ملتا ہے ہی اللہ کا نام لے کر دکھ دے (پھر اسے بچھ  
دیا کرو) اس لیے کہ نھی شراب پھر بہا گھر کو آگ لگے گا (خوف  
کو یا گھر والوں کو) جلا دیتی ہے۔

(صحیح مسلم)

### فوائد و مسائل

- 1۔ شریعت اسلامیہ اس قدر کامل ہے کہ اس کی  
روزمرہ کے ان معاملات میں بھی رہنمائی دی گئی ہے  
جن کی طرف عام طور پر توجہ نہیں دی جاتی۔
- 2۔ یہ بات ملت کے سوتے وقت عمل کرنے کے لیے  
دی گئی ہے۔
- 3۔ دروازہ بند کرنے وقت برتن ڈھانکنے وقت  
اور مشک کا منہ باندھنے وقت بسم اللہ کہنا ہے  
اس کی برکت سے شیطان کی شرارت سے حفاظت  
دیتا ہے۔
- 4۔ حرام عمل کرنے میں نکتہ ہے کہ جو بیاہلی ہی  
لے کر چھت میں ملی جاتی ہے جس سے کڑی کی چھت  
کو آگ لگ جاتی ہے اس لیے تیس کے حرارت  
یا موسم میں وغینو کو بچھ کر منہ بند کر کے  
بھل کا ہل روٹنی والا لٹب روشن رکھا جاسکتا  
ہے کیونکہ اس میں یہ خطرہ نہیں۔

## چند باتیں شاید آپ کے لیے

آگہ و ابودہ ہے جو اپنے آپ کو دیکھے۔  
(کنفیوٹیشن)  
عزیز چیزوں کے بندھن سے جو آواز سے اس  
مہرے نہ خوف کیونکہ عزیز چیزوں سے ہی عزیمت  
ہوتا ہے اور عزیز چیزوں سے ہی خوف۔  
(توتم بدھ)  
عاموشی اظہارِ نفرت کا بہترین طریقہ ہے۔  
(برنارڈ شا)  
پھل گناہ پر لطف معلوم ہوتا ہے۔ پھر وہ  
آسٹن ہر جاتا ہے پھر اس سے سرت ہونے  
لگتی ہے۔ پھر بار بار کیا جاتا ہے۔ پھر وہ عادت  
بن جاتی ہے۔ پھر آدمی گستاخ بن جاتا ہے  
اور کبھی نہ بچتا ہے کا تہیت کر لیتا ہے اور پھر وہ  
تباہ ہو جاتا ہے۔

(جان سنن)

اچھی سیرت برائیوں سے بچنے کا نام نہیں بلکہ ذہن  
میں برائی نہ کرنے کی خواہش پیدا ہونے کا نام  
ہے۔  
(برنارڈ شا)  
زندگی کیا ہے؟ صرف وقت۔ پس اگر تم وقت  
مضائع کرتے ہیں تو گویا زندگی بہا دیتے ہیں۔  
(ہربرٹ اسپنسر)  
غصے کی منقلد بات چیت میں اتنی ہونی چاہیے  
جیسے کہانے میں نمک کہ جب تک انداز پر رہتا ہے  
تو باہم ویرت قائم رہے۔ (افلاطون)  
آپ خواہ کوئی اور کچھ بھی ہوں اس چیز سے فزول  
الغافل کر رہی گئے کہ جہاں ہر شخص پر ظلم خود کچھ  
ہوتا ہے وہاں دوسرا کوئی کچھ نہیں ہوتا۔  
(گبرٹ)



ایسا فرمان ہے جس کی تعمیل سے رعایا کو کسی طرح کا فائدہ پہنچتا ہو تو اس کی فوراً تعمیل کر دیا اور جو فرمان ایسا ہو کہ اس کی تعمیل سے رعایا کو کسی قسم کے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس کی تعمیل میں جلدی نہ کیا کرے۔ پھر میں نے مجھے ایک دفعہ توجہ دلا یا کر۔ کیونکہ دل اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ شاید دوسرے وقت کسی اور جوا میں ہو اور اس فرمان کو بدل دیا جائے!

**تنگینے**

- ۱۔ کوئی شخص روزی اپنی بیعت اور حالت سے حاصل نہیں کرتا۔ اللہ سب کا مالک ہے۔
- ۲۔ بڑے بڑے حکمران اور سرکشوں کو بھی اللہ کے سامنے جھکے بغیر چل رہے ہیں۔
- ۳۔ خداوند تعالیٰ تحمل نہیں ہے اور رحیم و کریم بھی۔ وہ گناہ گاروں کو توبہ کے لیے سہلت دیتا ہے اور توبہ کرنے والوں کو دامن رحمت میں ڈھال دیتا ہے۔
- ۴۔ جب قرآن سے مغفرت و عطا کا طالب ہے تو جن لوگوں کی امیدیں تیری ذات سے وابستہ ہیں تو انہیں بھی محروم و مایوس نہ کر۔
- ۵۔ جیسا سلوک تو مخلوق خدا سے کرے گا ویسا ہی سلوک اللہ تیرے ساتھ کرے گا۔
- ۶۔ حقیقی بڑا نوروہ ہے جو اپنے ہر چہوٹے کو پہچانتا ہو اور اس کی ہر ضروریات کا خیال رکھتا ہو۔
- ۷۔ جس مظلوم کو بادشاہ سے انصاف نہ مل سکے اسے خدا انصاف دلاتا ہے۔

حما قریشی۔ ملتان

<b>سردہق کی شخصیت</b>	
بذل	قریب
میک اپ	روز ہونی پارہ
فونڈ رائز	سوقی رہنا

۶۔ دلدار کا ہر ایک پتھر خزاہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہوا اپنی قیمت لگتا ہے۔ (لاٹنگ ٹیلو)

۷۔ کوئی آئینہ انسان کی اتنی حقیقی تصویر نہیں پیش کر سکتا جتنی اس کی بات چیت۔ (جونس)

۸۔ کڑواں ایک ایک جلاؤ تو ڈھول دیتی ہیں۔ اکٹھی جلاؤ تو درد شنی پیدا ہوتی ہے۔ (کابلین)

۹۔ اس دُنیا میں کسی کام کے اندر اس وقت تک تبدیلی پیدا نہیں ہوتی جب تک کوئی شخص اس میں خود تبدیلی پیدا نہیں کرتا۔ (جہاد فیلڈ)

ستیدہ نسبت زہرا کہہ دینا

**حکمران کا راز**

امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: آپ ہیں امیر (گورنر) کے عہدے پر فائز رہیں پھر آپ کو خلیفہ ہونے بھی نہیں ہوسکتے تو کیا آپ اتنا لباغرمہ آپ نے لوگوں پر حکومت کی۔ اس کا جواب آپ نے کیا ہے؟ وہ کیا طریقہ ہے جسے اپنا کر آپ اپنے بریں حکمران بنے؟

وہ کہنے لگے: میرے اور رعایا کے درمیان ایک رشتی ہے جس کا ایک سر میرے ہاتھ میں اور دوسرا ان کے ہاتھ میں ہے۔ جب وہ ادھر سے رتی کھینچے ہیں تو میں ادھر سے ڈھیل کر دیتا ہوں تاکہ تنگ نہ پائے اور جب ادھر سے ڈھیل دیتے ہیں تو میں ادھر سے رتی کھینچ دیتا ہوں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ واقعی جواب تھا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ دو مشغلی مزاج میاں بڑی کبھی پر سکون زندگی نہیں گزار سکتے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ دو مغلوب العقب آدمیوں کی دوستی زیادہ دیر قائم رہ سکے۔

**متوکل کا ایک حکم**

احمد مدبولی کہتے ہیں کہ امیر المومنین متوکل نے مجھے حکم دے رکھا تھا کہ جس دولت تیرے پاس میرا کوئی

خالد بیگانی

# عید کا خوشبو کا گلاب

خاندانِ حق \_\_\_\_\_ شکارِ لود  
ہر کسی کے لیے کہاں ہوتی ہیں عید کی خوشیاں  
نستون لاتا ہے کہاں سے لے عید کا چاند

بجگتِ امن \_\_\_\_\_ پورے دانا  
سنو الخالو کم ہیں اور تمنا میں ہزاروں ہیں  
مبارک ہو میری جانب سے تم کو عید کی خوشین

شہدائے امن \_\_\_\_\_ کبر و دان  
شام تک ان کے لیے دروازہ کھلا رکھا  
شاید وہ کہنے آجائیں عید مبارک

عالیہ عرفان \_\_\_\_\_ دو بھری  
میں نے چاہا کہ تجھے عید پر کچھ پیش کروں  
جس میں تاجندہ ستاروں کی چمک شامل ہو  
جس میں گزرتے ہوئے طوالت کی تصویریں ہوں  
جس میں انہماک جزیروں کی مہک شامل ہو

مقیس فرید \_\_\_\_\_ کبر و الا  
میری جانب سے بھی عید مبارک ہو تمہیں  
لوگ کہتے ہیں عید آئی ہے

غابدہ پروین \_\_\_\_\_ ریحہ پارخان  
تمہارے ساتھ گزارا بہت ہر عیدِ عظم میں نے  
تجھے بھی عید کی خوشیوں میں یاد کر لیتا

سویا مہین \_\_\_\_\_ موہرہ دھیان  
تری دُوری و حضور کی کاسے یہ عجیب عالم  
ابھی زندگی حقیقت، ابھی زندگی فسانہ



غزیرین صابر \_\_\_\_\_ فیصل آباد  
عید آئی ہے تو آنکھوں میں اتر آئے ہیں  
بجس کی اوس میں بھیجے ہوئے پنچس کتے  
شہادہ ریحان \_\_\_\_\_ کراچی

نظر کا چین \_\_\_\_\_ دل کا سرور ہوتے ہیں  
جہاں میں لوگ کچھ ایسے مزور ہوتے ہیں  
سدا چمکتا رہے ان کی عید کا تہولہ  
قریب رہ کے بھی جو ہم سے دور ہوتے ہیں

راشدہ نور \_\_\_\_\_ لاہور  
مکمل چاند ہو ہو تم جیسا تھا محسن  
وہی حسن، وہی غزور، وہی دُوری

مدیہ سلیم \_\_\_\_\_ سکھر  
انتظار یاد بھی بنے خوشیوں کا ہوا بھی ہے  
پکھڑنے کا غم بھی ہے نسلے کی امید بھی ہے  
غلابوں کی اے لہاشاں بکر تجیر مل جاتے تھے  
تمہاری دید بھی ہے اور ہماری عید بھی ہے

مائدہ قرم \_\_\_\_\_ گجرانوالہ  
اس عید پر بھی نہ مل سکے ہم تو کیا ہوا  
مذہبوں میں ہو غلوں تو عیدیں ہزار ہیں  
نسرین انور \_\_\_\_\_ خاتونال

عید کا چاند دیکھ کر ہم سنے  
تیرے دیدار کی دُعا مانگی

سلطان جاوید \_\_\_\_\_ لاہور  
عید آئی، تم آئے، کیا مزاج عید کا  
عید ہی تو نام ہے اک دور سے گن وید کا  
آمنہ زلیخا \_\_\_\_\_ مشکان

ہنسی خوشی تیرے تیوں کا ہر سفر گزرتے  
میری دُعا ہے کہ تیری عید خوب تر گزرتے



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

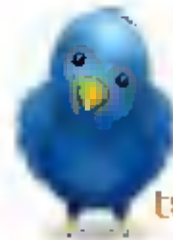
# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

شہین! اسلام \_\_\_\_\_ قائم پور  
بساطِ زلیست پر گھومیری ہی شکست ہے  
ہیں بھی نانا پرست ہوں، وہ بھی نانا پرست ہے

معدنہ حمید \_\_\_\_\_ جنگ صدر  
پھول خوشبو کے لئے ہی میں کھڑے ہوں  
لوگ پہچان ملتے ہوئے مرتبے ہیں  
ہم ہواؤں میں بھی ملتے ہیں چھاؤں کی طرح  
اور آگے بھی ہر اک راہ میں دھر جاتے ہیں

منزلِ نہ عمل سکی، یہ مقتدر کی بات ہے  
صد شکر ہم سے ذوقِ منہ تو نہیں گیا  
ذوالعالم بخاری \_\_\_\_\_ چھوڑ وطن  
دوستوں پر نہ کھلتا تھا، وہ درگیا تھا  
نام لکھا تھا جس پر میرا، وہ گھر گیا تھا

علیہ حق نواز \_\_\_\_\_ شاہ پور ہاکر  
جنہیں فرصت نہیں ملتی ذرا بھی یاد کرنے کی  
اتھیں کہہ دو ہم ان کی یاد میں فرصت بیٹھے ہیں  
نمرہ، افسر \_\_\_\_\_ کراچی  
عزت نفس جس سے ذہنی ہو  
وہ خوب بہتر ہے ایسی چھاؤں سے

بہا ایوب شیخ \_\_\_\_\_ عارف خانا  
جو کہ رہا تھا روشنی سے زندگی میری  
وہ شخص اپنے گھر کے چھاؤں سے ڈگلیا  
ماہِ فرخان \_\_\_\_\_ فیصل آباد  
جو بات کرتے ہیں کم اور مختصر سی قسم  
وہ لوگ کتنے قرینت کی بات کرتے ہیں

علیہ نواز \_\_\_\_\_ ایٹک  
جو بات میں کہہ نہیں سکتا وہ بات میں فرض کرتا ہوں  
پلو میں فرض کرتا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے  
حراذینب \_\_\_\_\_ بھول

ایمن اللہ \_\_\_\_\_ کراچی  
جن کی خاطر شہر بھی چھوڑا، جینا کیلئے بدنام ہوئے  
آج وہی ہم سے بیگانے بیگانے رہتے ہیں  
حیرا عروش \_\_\_\_\_ کراچی  
لاکھ پتھر ہوں، مگر لو کی ہوں  
پھول ہی پھول ہیں اند میرے

میں ہنسیوں کا عروج تھا  
میرا کیا تعلق تھا شام سے  
تو قدا ہوا فوہت چلا  
میرا نام تھا تیرے نام سے  
فوزیہ سعید \_\_\_\_\_ کراچی  
روشنی سے ملال ٹھٹ گیا ہے  
بلوں تھا برسی کے چھٹ گیا ہے

انعم علی \_\_\_\_\_ کراچی  
جب ہو کے تو عجب دنیا رخسارِ دل کی  
کہ محبتوں کا اصول ہیں مدد گزیر کرنا  
تیرے طرزِ انخلاف سے عجب تو نہیں  
ہیں آنا نہ تھا دلوں میں گھر کرنا

شازیرہ ہاشم \_\_\_\_\_ تصور  
کتاب مادہ ہے کی کس تک کہیں تو آغا زہاب ہو گا  
جنہوں نے ہستی اجاڑ ڈالی ہمیں تو ان کا حساب ہو گا  
سکوتِ محراب میں بسے والوں، ذرا زقون کا مزاج گھو  
جو آج کا موسم سکوں سے گزرا تو گل کا موسم خراب ہو گا  
فائزہ عباس شیخ \_\_\_\_\_ لیاری کراچی

آمنہ اہلا \_\_\_\_\_ ڈھیر کی  
کوئی نئی چوٹ کھاؤ، پھر سے آداس لوگو  
کیا کس نے کہ مسکراؤ آداس لوگو  
کہاں تک بامِ دودر چراغاں کیسے کھو گے  
پھرنے والوں کو بھول جاؤ آداس لوگو  
افشاں خان \_\_\_\_\_ شاہ پور ہاکر

اے شخص تیسری جہنم سے  
بے زار نہیں، تنگ گیا ہوں  
مختارہ یعقوب \_\_\_\_\_ کراچی  
اس قدر عشق جنوں خیز کہاں ہوتا ہے  
کہ اتر موسمِ گل کا بھی ہے دلہانوں پر

جن کی نظروں میں ہم نہیں اچھے  
کہہ لو وہ لوگ بھی برے ہوں گے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM



لونی یہ لونی سا بڑا نام تھا۔ ابھی لیس اپریل 2012ء  
خواتین میں عمل ہونے "ایک میں اور ایک تم" تھی۔  
ریاضی۔ اس کے انعام۔

دراصل پیاری بہنو! یہ ہوں میرے پسندیدہ ناٹرز میں  
سے ایک ہے۔ مجھے اس کے ہنر سے نظر نگاری۔ مکانے  
غرض ہر شے پیشہ یار رہی۔ میں شاید ایسا کبھی بھی نہ لکھ  
سکوں۔

دراصل میں نگہداری سے بس ایک قاری بھی تو ہوں  
ہیں۔ سو میری بھی پسند پسند ہے۔ جیسے آپ پتہ ناولوں کو  
دیکھ کر مہووم آتی ہیں۔ میں بھی۔ چھ عموماً پتہ  
ناولوں کے ہاتھ پونے اول کرتا ہوں۔ میرا بھی۔ پتہ  
عمروں آپ کو جگہ کر دیتی ہیں۔ مجھے بھی۔

ان میں ایک ہم حویلیہ ریاض کا بھی ہے۔ (باقی بھی باقی  
ہوں ابھی) مگر حویلیہ طبعاً بڑا ناول ہے۔

گزشتہ دنوں پتہ نشستیں ایک ایجنٹ کے ساتھ  
گزر رہی۔ ان سے گفتگو کرتے ہوئے پتہ کہ میں پکارا  
گھر وہ کیا ہے۔ ان کے تجربات یا دانشیں واقعات ان کے  
پتہ نے پتہ تھے ایجنٹ بیان خود ان کی اپنی زندگی۔ انو  
میرے پاس ایجنٹ فلم کے والے سے کہانیوں کا پتہ لگ  
یا۔ عموماً ہی ہوں۔

"کیا ایسا لکھ سکوں گی جو بعد بڑگ سے اچھا ہو۔ اس  
کے برابر کا ہی ہو جائے یا۔ یا بس ایک ٹھیک سوچوں کو  
تعمیر ہونے ہی نہیں دیتی۔ اور اب خواتین واقعات میں  
شائع ہونے والا سلسلہ "میرا پتہ" ہے۔"

جب تھی۔ دین اور دنیا کی تقسیم کرتی ہیں۔ دنیا اللہ کی  
ہے اور دین بندے کے ہے۔ دنیا اللہ والوں کے لئے ہے  
دین بندے کی ملکیت ہے۔ آپ یقین کریں پتہ سے بڑے عالم  
اور فقہاء جس حقیقت کو ہانکے کے لئے خطبہ پہ خطبہ دیتے  
ہیں۔ تھی۔ ہمارا نہیں کہہ کر یہ جاوے یا۔ مثلاً اللہ۔

عمل جاتی ہیں۔ میں ڈائجسٹ کا حرف حرف ہستی  
ہوں۔ بیشہ سے (اب تک پیسے پورے وصول نہیں ہو  
جاتے)

میرا امید کو پڑھتے وقت میں چونکی جلی ہو جاتی ہوں۔  
(کھڑے جلی) اگلا بلکہ کچھ بھی ہو سکتا ہے آپ کی سوچ  
سے پسند۔ شاندار۔

قاری نہیں میرا اور میرا کا ہم آگے پیچھے کرتی رہتی



مجلات کے لیے پتہ  
دیباچہ شعاع - 37 - ازبہ بازار، کوہا پٹی۔

Email: info@paksociety.com | www.paksociety.com

آپ کے خط اور ان کے جوابات لیے حاضر ہیں  
اللہ تعالیٰ سے آپ کی ملاحتی خلیت اور خوشیوں کے لیے  
دعا میں۔

اب تے ہیں آپ کے خطوں کی طرف پتہ اللہ تعالیٰ کی  
پسندیدہ عنانہ ماورہ رسالت ہے۔ کلمتی ہیں

یعنی مجھے بچپن ہی سے شوق تھا کہ میں کولی کار نامہ  
انہم ہوں جس کے ہون بیلاش میں کرائے اور مجھ پر انعام  
را کر ہم کی برکت ہو جائے۔ مگر ایسا پتہ نہ ہو سکا۔  
مگر جیسے ہی اس ہوا کا شعاع ہو گیا گا کہی تو وہوں تھا اس کا  
مجھے انتظار تھا۔ نکت نور میں اللہ نے پتہ دین پورہ  
سیا لکھتے سے پتہ نہیں بتا کر پوچھا۔

یہ تھی۔ ریاض کے کس ناول سے متعلق ہیں؟  
ایڈیٹر نے کہا۔

"صرف ایک مٹریا کر ناول کے بارے میں پتا ہوتا  
مشکل ہے۔ اگر کسی قاری ہوں نے یہ کہاں کر دیکھا تو  
شور و شاع کریں گے۔"

ہیں۔ ان کی مرضی مگر میں میرا کو خود سے بہت الگ اور  
آگے بکھیتی ہوں۔

اور وہ سرے میرا ان کا طرز تحریر قلمنا تلف ہے ہے  
ہاں؟

اب مجھے "کساری کا گھر" بہت اچھی لگی۔ ایمل رضا  
کی "جموں گریپ" میں نے سانس روک کر پڑھی۔ اتنے  
سارے اچھے نئے اور شبہات۔ بل خوش آؤ گیل۔

ڈائجسٹ میں نیر۔ ناز۔ شینہ۔ عظمت۔ عالیہ۔ ظہاری  
عائشہ فیاض کے نام ہوں تو میری جلد از جلد پڑھ لینے کی  
بے پنی حدت سوا آؤتی ہے۔

کاش میں کسی دن پچا کھوں اور اس میں راحت ماہد  
چار کاغذ ہوں۔

نمروانہ کے نئے ناول نے مجھے پکڑ لیا ہے۔ اگر آگے  
بھی اتنا شاندار باتوں تو پھر بکڑ لیا۔

رخسانہ نگار آج کل میرا سانس خشک کرنے کا کام کر  
رہی ہیں۔ بس یہ بتاؤں میرا پڑھتے وقت جتنا دل دکھتا  
ہے۔ بلکہ بار بار بند ہونے لگتا ہے کیا آپ کا لگتے ہوئے  
ایسا ہوتا ہے؟

عنبیزہ سید کے ماہ نور اور سعد کی صاف سخی حجت  
مجھے بے حد پسند ہے۔ دراصل خفا کرتے ہیں سو لوگوں پر  
ٹیفٹ سید میرا سن کے سچ سینٹی ٹیبل کی موجودگی میرے

نزدیک از حد ضروری ہے۔ بلاوجہ کا چھوٹا اور مجھے ہنسنے نہ  
مجھے اپنی ذات کے حوالے سے پسند ہیں اور نہ ہی گروادوں  
کے لیے سو یہ اچھا مچھا انداز۔ لفظ اور روایات کا پاس  
عنبیزہ خوب لگتی ہیں۔

گزشتہ مہینوں میں کچھ لڑکیوں نے لکھا کہ وہ بے چاریاں  
طوالت کے باعث مجھے پڑھتی ہی نہیں۔ یا اب آپ  
لوگ ایسا تو نہ کریں ناں۔ تمہوڑا تمہوڑا کر کے پڑھتی  
جائیں۔ کبھی نہ کبھی تو پورا ہو گا۔

تپ یحییٰ کریں۔ "صحبت دل" کی صورت "کے  
صفحات" جب سے لوہے کے تو مجھے فوراً "یہ ہمیں یاد آ  
گئیں کہ بی بی سائے ہاتھوں کی تو خبر نہیں ان چاروں نے تو  
تمہیں اب پڑھنا ہی نہیں ہے۔

صحفحات پڑھتے تھے تو مجھے ایڈیٹر کے بجائے آپ لوگ  
حق یاد آتی رہیں۔

ہاں بہت مشکل کی تعریف بھی کروں گی۔ دیر ہی گزرتی ہے۔

خانہ۔  
ہر بار پڑھتے پڑھ لینے کے بعد میں ایمل کو فون کرتی ہوں  
یا صبح کرتی ہوں۔ تعریف اور تنقید دونوں۔ مگر سادہ  
کو پڑھ کر میں نے ایمل سے کہا سچی زبردست تحریر۔  
ایمل پکڑ لیں مگر کو ہانٹے نہ پائے۔

اور پلیز مہر بخاری ایک بڑا سا طویل کچھ مزاجیہ کچھ  
دکھی ناول لکھ دیں اگر آپ پڑھتے ہیں تو ہاں سب کا نمبر  
بعد میں آگے۔

سودا انٹیمس کی تعریف پسند ہیں۔ اسے میں فون پر  
راے دست دیتی ہوں۔ خصوصاً "بک ٹوبک" مکالمے۔

میرے خیال میں مجھ میں یہ خبر نہیں ہے۔  
آپ نے یوں کے کہوں پڑھتے تھے سموت کر دیتے  
ہیں۔ اگر میرے پاس اتنے لفظ کا ذخیرہ ہو تو آج میں کیا  
سے کیا ہوتی۔ بار بار پڑھنے پر بھی یہ فیصلہ مشکل لگتا ہے۔  
کتاب کے حوالے خوب سموت ہیں یا آگے کے لکھے  
نمبر کے جملے۔

سودا! ہم تو پہلے ہی اعتراف کر چکے ہیں کہ تپ  
"باکمان" ہیں۔ آپ نے یہ کہاں بھی کر لکھا تو یہ آپ ہی  
کر سکتی تھیں کہاں کی بات تو یہ بھی ہے کہ آپ لکھنے کے  
ساتھ ساتھ ہر بار پڑھنے کی تمام عمریں پڑھتی ہیں۔ ان پر  
تبعہ کرتی ہیں تنقید کرتی ہیں اور پھر انہیں یاد بھی رکھتی  
ہیں۔ آپ کا خط شائع کر رہے ہیں کچھ مصنفین کو شکایت

ہو گی کہ سائے نے ان کا نام نہیں لکھا۔ تو ایسی بات ہرگز  
نہیں۔ ہر بار پڑھتے آتے کے بعد جب سائے سے بات ہوتی  
ہے تو وہ ہر اچھی تحریر کا ذکر ضرور کرتی ہیں اور اپنے بہترین  
مشوروں سے بھی نوازتی ہیں۔ اسی طرح رخسانہ لکھ جب  
سے لڑکی پر مصروف ہوتی ہیں اس سے کہ بات ہوتی ہے  
لیکن وہ بھی نئی مصنفین کے بارے میں ضرور رائے دیتی  
ہیں۔ جو نیل مگر سادہ کے بارے میں سائے نے کہے تھے وہ  
میرا حید کے لیے رخسانہ انکار نے کہے تھے۔ سینئر  
مصنفین کی یہ فراخ دل اپنی چیلہ قابل تعریف ہے۔

ایمل رضا کی یہ دوسری تحریر تھی۔ ہمیں بھی ان سے  
بہت توقعات ہیں۔ عالیہ بخاری توئی وی کو بخاری ہو چکی  
ہیں۔ امید ہے کہ شاید کبھی پرانے دوستوں کو بھی یاد کر  
لیں۔



صفیہ عباس کثور لعل بیسن لید سے لکھتی ہیں  
کئی عرصے بعد شعاع میں خط لکھ رہی ہوں۔ لیکن ہم  
جیسے غیر ذہم لوگوں کی کئی کون محسوس کرتا ہے؟ سب سے  
پہلے تو میری طرف سے تمام معتمدین، قارئین اور شعاع  
کے اشخاص کو داور رمضان اور شعاع کی سالگرہ بہت بہت  
مبارک ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو خوشیوں و مسرتوں کا گوارا  
بنائے (آمین)

جولائی کے شعاع کا ناسل اچھا تھا، بلکہ سے میکا پ  
اور سہ پہر کے ساتھ ہائیں اچھی لگی۔ ماہ مبارک کے  
حوالے سے پیارے نبی کی پیاری باتیں اچھی لگیں۔ مگر  
ادبکھ کے حوالے سے کوئی بات شامل نہیں کی گئی۔

تاریخ کے حصوں کے بہت خوب صورت سلسلہ ہے۔  
ایک نئی مثال پہلے سے اچھا ہو گیا ہے مگر آخری سیریا  
بڑھ کے ہل ڈوب گیا۔ پلیز رخصانہ تی مشن پہلے ہی بہت  
مشکل زندگی گزار رہی ہے اس کے ساتھ اور کچھ برانہ  
ہونے دیتے گا۔ پلیز ہمیں نیک بھی بہت خوب صورتی  
سے آگے بڑھ رہا ہے۔ منم سے ہر تک میں حیا کے ساتھ

بہت برا ہوا۔ اسے نئی محبت کرنے کی اتنی بڑی سزا کیوں  
دی گئی؟ ان کے والدین نے جو کچھ کیا اس میں حیا کا کوئی  
قصور نہیں تھا؟ صدف آصف کے باؤٹ نے ثابت کیا کہ  
مسد کرنے والے کبھی خوش نہیں رہتے۔ خائشہ نسیر کا  
ناول بھی اچھا تھا۔ "یارم" پر تبھی محفوظ ہے۔ انسانوں

میں نیلہ القدر اور پادش کے بعد اچھا ہے۔ فوریہ بیاب کا  
شعر اچھا لگ رہا تو اب کی طرفیں ذرا مست تھی۔

ج : صوفیہ! آپ باطل حیرانہ نہیں ہیں آپ کا شمار  
ہماری ان قارئین میں ہوتا ہے جو بالکل سب سے خط لکھتی  
ہیں تو پھر ہمیں آپ کی کئی کیلنا نہ محسوس ہوتی ہمیں اپنی  
تمام قارئین مست عزیز ہیں اور خصوصاً وہ جو ہمیں خط لکھ  
کر ہماری حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ ہماری غلطیوں کی نشان  
دہی کرتی ہیں۔ آپ کو بھی ہماری جانب سے عید مبارک ہو

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت میں رکھے۔ آمین  
شعاع کی پسندیدگی کے لیے تمہارے شکر ہے۔

شہزادہ ہاشم کھدیاں خاص طبع تصور سے شریک محفل  
ہیں

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتوں کو نہ کھا  
رہنمان المبارک کی فضیلت پڑھ کر یک گونہ سکون ہو!  
کہ تمام اسلامی باتیں ان باتوں کو پڑھ کر رمضان  
المبارک کی قدر کے بارے میں جان سکیں گی۔ اس کے بعد  
سب سے پہلے "منم سے صبر" تک پڑھنا گالی۔ جب پڑھنا تو  
آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے۔ "حیا حسین" کا صبر  
رکھ کر بے حد حیران ہوئی اللہ عزوجل سب سے منفرد اور  
لکھتی ہیں۔ مجھے اس میں کچھ فقرات بے حد پسند آئے جن  
میں سے ایک لکھ رہی ہوں۔

"اللہ کی محبت کے سوا اور کچھ نہیں۔"

"جو بھائی طرف روزانہ کامیاب ہو تو ان کی طرف زیادہ  
ناکام دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔"

لقد نذرک اللہ تعالیٰ کثیر نبوی کو خوش رکھے۔

اس کے بعد ذرا دل کیا جبر کا دل صدف آصف نے اچھا  
لکھا تھا۔ پھر سلسلہ دار ناول پڑھے جس میں "ایک نئی  
مشن" بہت سے رولہری نے نکل رہا ہے۔ براہ مہربانی  
اس کو جلد از جلد وائٹ اپ کریں کیونکہ ایک ہی بات چل  
رہی ہے۔ جس سے قارئین میں کئی کئی کئی پیاری ہے۔  
اس دن کچھ نیا آیا ہے۔ جیلہ عزیز کا ناول نیک پڑھا۔  
جس میں ملہر انکا گوارا بے حد اچھا لگا ہے۔ سیرا حید کا

"یارم" پڑھا تو یہ مجھے بے حد منفرد لگا۔ اس میں امرت اور  
اس کے دادا جان بے حد اچھے لگے۔ رائے نے پڑے جسے  
طریقے سے وہم پرستی اور لفظ عقائد پر روشنی ڈالی ہے۔  
اسد علی نے اعلیٰ قسط میں کیا ہونا ہے۔ قاتلہ واقعہ کا افسانہ  
ایلیت القدر "پڑھ کر دل کو روحانی تقویت ملی۔" پادش کے  
بعد "اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہوں کی بناؤ انہوں کی وجہ سے  
پھولوں کے درمیان تک نہیں نہیں ڈالنی چاہئیں" پھولوں  
ہوا "لوہر ایک تیرا لسانے بھی اتھے تھے باؤٹ عاتشہ نسیر  
احمد کا "کوئی نہ جانے بات" پڑھا تو آخر کا چپکے چپکے پیار  
بھرے جذبات رکھنا اچھا لگا۔ ہلنی سارے سلسلے بھی  
پڑھے۔ تاریخ کے حصوں کے ہر پارہ کی طرح چل چسپن تھا۔

ایک شعر کے ساتھ اجازت۔  
اک لہو ملا تھا کہنے کو  
زندگی بھر کی کیا بات کرتے  
ج : پیاری شازیہ! ایک خط میں زندگی بھر کی باتیں ہو بھی

مجھ اس کو حفظ کرنا اور اس پر عمل کرنا بہت بڑی خوش نصیبی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو علم کے ساتھ عمل کی توفیق بھی عطا کرے۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہذیب سے شکریہ۔ آپ کہانیاں لکھنا چاہتی ہیں۔ ضرور لکھیں۔ ہماری رائے اور اجازت کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ابھی ہوئیں تو ضرور شائع ہوں گی۔

کوثر تاز نے حیدرآباد سے لکھا ہے

ایک بات کہوں کہ آپ کی محبت نہیں ہے فریب نہیں ہے اور بات یہ ہے کہ آپ مجھے اپنی اپنی ہی لکھنے لگتی ہیں۔

ہوں تو آتے ہیں شمارت کی سمت۔ مہن میں لاپہ خانہ کابیت شکر، ختم ہو، لاپہ میں نے آپ کو شاید پہلے بار پڑھا ہے مگر امیزنگ باؤنڈ۔ کمال کا لکھتی ہیں آپ۔ میرا حیدر کمال لکھتی ہیں آپ بھی۔ سلسلے دار ناول میں، ابھی ابھی تھے۔

ج: پیاری کوثر! آپ ہماری اپنی ہی ہیں غیر نہیں ہیں اور اپنی محبت کا یہ رشتہ ہماری ہر قاری کے ساتھ ہے ہماری نگاہ میں اتنی محبت سے خط لکھتی ہیں اتنی مشکل سے پوسٹ کرواتے ہیں۔ ہمارے دن میں ان محبتوں کی بہت ہی قدر ہے۔ آپ کی کہانیاں ابھی پڑھی نہیں ہیں۔ پڑھ کر رائے دلاؤ گی۔

عظمیٰ مشتق نے جہلم سے لکھا ہے

ان دفعہ بھی شعاع اے دن تھا۔ میرے خط لکھنے کی وجہ میرا حیدر کا ناول بارم ہے۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ میرا کے ناول انسانوں کے نام بہت مغرب ہوتے ہیں اور اسٹوری کی تو کیا ہی بات ہوتی ہے۔ باقی ناول انسانی بھی ازیر دست تھے۔  
ج: بہت شکریہ عظمیٰ!

سارہ اود اور فرحہ محبوب نے جاہ مجرولہ چوسہ بہت سے سرگت کی ہے لکھتی ہیں  
ماڈل مدرسہ تک لکھ کر کے لاپہ سرور اوڑھے بہت اچھی

نہیں سنتیں! آپ ہمیں ہر ماہ خط لکھیں۔ آپ کا تفصیلی تبصرہ بہت اچھا تھا۔ آپ جو قرآن پاک کی تفسیر کا نیک کام انجام دے رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے اور علم کے ساتھ ساتھ عمل کی بھی توفیق عطا کرے۔ آمین  
شعاع پر تفصیلی تبصرے کے لیے تہذیب سے شکریہ۔

زر انشاں انصاری۔ کراچی

ماٹیل دیکھ کر روح افزا اور روح کے شربت کی یاد آتی۔ انسا نے سہنی اٹھے تھے پر رنگ جیب لور قاتلہ راجو کے انسا نے بیٹ تھے۔ صدف آصف کے نکلنے میں راحت کا کروار بہت اچھا تھا۔ کنیز نبوی صاحبہ لطف چیا کی اتنی ہی محبت اور بدلہ لانا الٹ۔ رخسانہ آبی! آپ نے تو سارے شکوت ایک ہی قسط میں دور کر لیے مزا آ گیا پڑھ کر۔ نبیلہ تہلی پلیز تھوڑی اسپینڈ پکڑیں۔

ج: زر انشاں! آپ کی تعریف اور تنقید متعلقہ مصنفین تک پہنچانی چاہی ہے۔ چاکو کی محبت کا بہت اچھا صلہ ملا اسے خالق حقیقی کی محبت نصیب ہوئی اس سے بڑھ کر کیا بات ہو سکتی ہے۔

حافظ لور آتے نے گلشن اقبال رحیمپار خان سے لکھا ہے

ماٹیل لاجوب تھا کیونکہ یہ فکر میرا فیورٹ ہے ایک قسم میں کی طرف چھلانگ ماری۔ بہت اچھی جا رہی ہے صدف آصف کی کہانی بھی پڑھی میرا حیدر چھا لکھیں۔ انسانوں میں ایلت اتقد زلور پارش کے بعد بہتری کے نہیں۔ کنیز نبوی کی یہ پہلی اسٹوری میں نے پڑھی ہے جیسا پڑھا تھا اس سے زیادہ لاجوب آتے ہے ان کا اسٹوری لکھنے کا۔  
رفتات کی جوڑنے کا۔

میرا تعلق حافظوں کے خاندان میں سے ہے۔ ہم اپنے گھر میں 3 حافظ ہیں لیکن میں بنانا اب نے پڑھنا لکھنا سکھایا تھا شروع کی کلاسز ٹیوشن سے پڑھیں 8th سے باقاعدہ اسکول میں پڑھا اور ساتھ حفظ کا امتحان بھی دیا اب 10th سے ایم اے ایجوکیشن کی اسٹوڈنٹ۔

ج: حافظ نور آتے! آپ نے قرآن پاک حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی اور اب ایم اے ایجوکیشن کی طالب علم ہیں یہ جان کر بہت خوش ہوئی۔ قرآن پاک پڑھنا اس کو



نگ رہی تھی۔ سب سے پہلے تو نینر نیوی کو بہت مبارکباد جنوں نے اتنا خوب صورت بلبل (قسم سے صدمہ تک) لکھ کر دل خوش کر دیا۔ لیڈ بہت اچھا تھا۔ میرا امید کا بلبل پارم بہت اچھا لگا ویلڈن میرا تلی اٹایا میں کا افسانہ بھی اچھا تھا۔ واقعی شکر بہت بڑا لگا ہے۔ میں فی الحال لگا تو میں بڑھی ہیں پھپھپھپھ کے بڑھنا بڑا ہے۔ ہم دونوں کی ماں یہ بہت بھتیجی ہیں کہ سالہ سال کی عمر ڈائجسٹ پڑھنے کے لیے بہت معمول ہے لیکن ہم بھی اپنے نام کی ایک ہیں۔ جب بھی موقع ملتا ہے کورس کی کتابوں میں بلبل چھپا کر بڑھتی ہیں یا پھر بہت بڑا کر پڑھتی ہیں سحر انصاری کی غزل راج جس بہت پسند تھی۔ بھارتی نوکارہ مونیکا کے مسلمان ہونے کی خبر بڑھ کر کتنا خوشی ہوئی نفلوں میں بیان نہیں ہو سکتی۔ ویسے ہماری بھی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ ہم بھی کسی نان مسلم کو اپنا بائبل سے متاثر کر کے مسلمان بنائیں۔

ج : سائڈ لور فریج! آپ نے خط لکھا بہت خوشی ہوئی۔ ڈائجسٹ پڑھنے کے لیے عمر کا تعین ضروری نہیں اچھے برسے صحیح غلط کی تیز ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ بڑی عمر میں بھی اچھالی برائن میں تیز نہیں کرتے اور کچھ لوگوں میں فطری طور پر یہ صلاحیت پائی جاتی ہے۔ ویسے اس میں لکھ کے ماحول اور تربیت کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔ ہمیں تو اب بہت کچھ یاد لگتی ہیں ڈائجسٹ پڑھیں لیکن اپنی تعلیم کو نظر انداز نہ کریں اور کھڑے کا دل میں اعلیٰ ای کو شکایت کا موقع نہ دیں پھر وہ آپ کو منع نہیں کریں گے۔

غیر مسلموں کو مسلمان بنانے کی کوششیں ہیں مسلمان تو آپس کے اختلافات ختم کر کے ایک ہو جائیں۔ فری گل نے نونوں سے شرکت کی ہے، کلمتی ہیں

اس بلو کا شعاع زبردست تھا۔ کینیڈا نیوی کا ناول پڑا بہترین تھا۔ میرا امید کا نیا انداز بہت پسند آیا۔ بائبل کے سارے افسانے بھی بہت اچھے تھے۔ بہت شکر ہے فری! آپ نے ہماری محفل میں شرکت کی بہت خوشی ہوئی۔

قد سید خالد نے سرگودھا سے لکھا ہے  
السلام و علیکم میں 93:94 سے خوانین اور شعاع

بڑھ رہی ہوں اور اب وہ سن سٹن سے ایک مقامی کالج میں انگریزی کی استاد ہوں۔ ان دونوں رسالوں کی ایک مستقل قاری گنا تو زیادتی ہوگی۔ لیکن منتخب کتابیں پڑھتی ہوں۔ کہانی "قسم سے صدمہ تک" بڑھی اور خوشی ہوئی کہ کینیڈا نیوی نے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ پہلی کردار تو کھلے گناہ گار مگر حیا کا غلط بھی واضح کر دیا۔ کہ حیا (بیروٹین) نے زبردستی کسی کو اپنا بیٹا بننے کی کوشش کی اور اس سے تو بھی لگائی۔ جذبات میں اتنا بھی نہیں بسنا چاہیے کہ خود بھی اور اگلے کو بھی گناہ گار بنا دیا جائے۔ اسی طرح ایک کہانی پر لکھی جس میں بیوی کی بیوی بیوی اور اس کی ماں کے رشتے کو غلط سمجھتی ہے۔ کہ تک وہ نہیں جانتی "اصل رشتہ" اس کی ماں کے باپ کی کیا ہے اور وہ ہی کون سے تباہات اور میں حیران رہ گئی کہ میری کزن نے اس کی بیوی کو برا بھلا کہا ہے۔ اصل رشتہ نہ بتانا بھی گناہ ہے۔ شکر یہ کہ لکھنا بھی گناہ ہے۔ خاص طور پر رشتوں سے جیسے ماں باپ بیٹا، بہن بھائی میاں بیوی۔ اگر کوئی بھی بے شک دروس سے بڑھ کر آئے مگر اپنی ہی بھائی کو سچ نہ بتائے۔ تو کیا بل یا بھائی کو شک نہیں کرنا چاہیے۔ ہر چیز واضح (بے شک دشواری پیش آئے) ہونی چاہیے۔ چہ غلطی بھی غلط اور شک پیدا کرنا اس سے بھی غلط اور بھائی بیوی کا رشتہ تو ویسے ہی اعتبار اور سچ کا ہوتا ہے۔ جو چھاننے کا وہ غلط ہو گا۔ اور ہاں مجھے کلاس میں شاکر نے کہا کہ اس نے آپ کے رسالے میں پڑھا کہ خینڈے نے بغیر توجہ نہیں ہوتی تو میں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ اگر پریشانی کی زیادتی کی وجہ سے خینڈہ آئے یا بیماری کی وجہ سے تو وہ توجہ

پڑا سکتی ہیں، پاپی عام حالات میں خینڈ ضرور لیں اور اس کو عزت مت بنائیں۔ اگر کسی کو انسوسینیا کی بیماری ہے۔ تو اس کا مطلب ہے وہ ساری زندگی توجہ سے غور م ہو گیا۔ (خدا انخواست) مگر کسی کے قریبی رشتہ دار کا سچ آپریشن ہے۔ نور پریشانی سے خینڈ میں آ رہی تو توجہ اثناء اللہ تعالیٰ قبول ہوگی بس جیسے بھی حالات ہوں۔ اللہ سے دور نہ ہوں اور نہ غم و سوگواری میں زیادہ پڑیں۔

ج : ہاں ہاں! ہم نے تھمکی تعریف لکھی تھی کہ تھوڑی سی خینڈ کے کراٹھیں پھر پڑھیں۔ لیکن جس قسم کے حالات آپ نے لکھے ہیں ان میں درست ہے جیسے نماز کے لیے وضو شرط ہے۔ لیکن بائبل نے تو تھم سے ہی نماز ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کچھ لوگوں کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے

ایک بات اپنے تجربے سے ہم بھی آپ کو بتاویں کہ فائدہ اور نقصان قسمت سے ہوتا ہے۔ کہیں بڑے نقصان میں رہتے ہیں اور کہیں مہموں کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

آپ کی اس بات سے ہم متفق نہیں ہیں کہ ہمارے ہاں روایتی کمائیاں ہوتی ہیں۔ ہزاری نئی مصنفین بہت اچھے اور نئے انداز سے لکھ رہی ہیں۔ میرا امید کی کمائیاں ان کے موضوعات بہت مختلف اور ہٹ کر ہوتے ہیں۔ ساتھ ساتھ بھی ہمارے موضوع کا انتخاب کرتی ہیں۔

ابہا مسکن سعید نے قلعہ دیدار سنگھ سے لکھا ہے میرا ملازمہ صرف اور صرف شعل کی حد تک محدود ہے جو کچھ سیکھا چاہا اور پڑھا صرف اور صرف شعل سے بچپن سے لے کر اب تک سنی ہم بولی کی طرح قلم قلم ہے میرے ساتھ چل کر رہنا ہی کر رہا ہے۔ میں نے دنیا شعل کی نظر سے ہی دیکھی ہے۔ میں نے اونچ نیچ ہی رسالے سے دیکھی ہے۔

آئی سٹپٹیں چار سو ہیں۔ چیریں خود بخود ہی بگڑ رہی ہیں۔ حالات سدھارت کی کوشش میں اپنی ہی ذات بکھر رہی ہے۔ امیدوں کا مرکز صرف اور صرف کمائیاں ہیں۔ ڈولائرس سے زندگی کے کسی موڑ پر اتنی کامیاب ہو جاؤں کہ رسالے کی تک جا پہنچے۔

مریم عزیز فورٹ رائٹرز ہیں لیکن یہ شہر بخاری کہہ رہی ہیں؟ انہیں کیا تارنی یاد نہیں آئی۔ انہیں کہیں جولوہی اور شعل کی حاضری گوارا نہیں۔ بٹے ہوئے کالی عرصہ بیت گیا ہے۔ فائزہ اور عمیرہ اتنی سے میں ناراض ہوں وہ دل دی کی ہو کر رہ گئی ہیں۔

راجہ بیاری ایسا مشکل کے بعد آسانی ہے۔ ملاقات سدھر جائیں گے بس اہمیت نہ باہر رہا رہا میں آپ کے ساتھ ہیں آپ رائٹرز ضرور بنیں گی۔ کوشش کرتی رہیں۔ لفظ تغلی کسی کی کوششوں کو برا بھلا نہیں کرتا۔ شعل کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ شہر بخاری کی تحریر اس بلڈ شامل ہے۔

شمن وقاص دیونہ منڈی گجرات سے تشریف لائی ہیں لکھا ہے

ہمارے ہی کہ ہم کی بیاری باتیں خاص کر تراویح کے

تو وہ تہجد ادا کر سکتے ہیں۔ آپ نے بہت اچھی بات لکھی جیسے بھی حالات ہوں بس اللہ سے ڈر نہ ہوں اصل بات یہی ہے۔ ایک بات کی وضاحت کریں 'حیا' کے فطری طور پر اپنا ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ فطرت اس کے باپ کا لازم تھا۔ وہ اسے پسند کرتی تھی۔ اس کے باپ کو اس کی پسند کا پتا چلا تو انہوں نے شادی کر دی کیونکہ وہ جانتے تھے۔ فطرت ان کا جیسا ہے فطرت نے بھی اپنی مرضی سے حیا کی شادی کی تھی۔ بعد میں جب اسے حالات پتا چلے تو وہ حیا سے بدظن ہو گیا۔ حیا نے اپنے شوہر سے محبت اور وفا بھائی تو کیا یہ اس کی فطرت تھی؟

قدیرہ آپ نے بہت اچھا خط لکھا آئندہ بھی خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کرتی رہے گی۔

اصباح سنہاس نے ڈیڑھ گاڑی خان سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں

میں رائٹرز بنا جاتی ہوں یہ بات ڈیڑھ سال پہلے پتا چلی اور میں حیران ہوں کہ ابھی تک اسی پر قائم ہوں۔ ویسے میں PSC کر رہی ہوں فائنل لیٹر کے پیپر دیے ہیں۔ ونا کہتے گا کہ فرسٹ ڈیویژن آجائے۔ ہم لوگ پانچ ہسٹن بھلے ہیں اور میرا نمبر لا سرا ہے۔ لا سرا کے نمبر کے جو تفصیلات ہیں ان پر انگ سے تبصرہ کرنے کی ہائے خط میں ان شاء اللہ۔

اس ماہ کے رسالے میں سب کمائیاں انہیں نہیں سہت ابھی تھی رشک۔ چیب کی ایک تیر ایک تیر میں بتائی ہوں کہیں۔۔۔ بات تو انہوں نے Typical کی مگر ان کا

انداز نیا تھا۔ ذرا ہٹ کے تو مجھے بہت اچھا لگا۔ نوج کل کی سوچ بدل گئی ہے۔ عمر جو گھنٹیاں ہوتی ہیں وہ سب کو نیپیکل کی نیپیکل مطلب یہ کہ تھوڑا الگ انداز لپٹا میں تو اچھا ہو گا۔

میں نے کمائیاں اس لیے نہیں بھیجیں کیونکہ آپ وہی جواب دیں گی کہ "انہوں کے لیے معذرت کی اللہ! صرف ملاحظہ پر توجہ دیں"

راجہ : اصباح! ضروری نہیں سب کو ایک جیسا جواب ملے۔ آپ کمائیاں بھجوا دیں۔ ویسے خط سے اندازہ ہوتا ہے آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے۔ آئندہ خط لکھیں تو لا سرا کے نمبر ہونے کے تفصیلات ضرور بتائیں۔ ویسے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بارے میں پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ ”رخص بھل“ بھول پڑھ کر اس واقعہ ذہن کے ورثے میں کئی سوال برآمد ہوئے ہیں۔ ”ایک مٹی مثال“ میں غصہ کی نشیون تو دور ہوئی انہیوں کی شادی کی ”مستم“ سے صدمہ تک ”بھول بھنے“ کا حق کثیر نبوی پورا پورا لو لیا کر رہی ہیں۔ اصل کیا ہے کائنات کھلی بھول صدف آصف کا پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ اپنی ساری کتابیاں بھی بہت بہت تھیں۔

ج : پیاری ترین! شعاع کی پسندیدگی کے لیے تمہارا سے ممنون ہیں۔ امید ہے آئندہ بھی خط لکھ کر اپنی رائے سے آگاہ کر رہیں گی۔

ج : پیاری آہو! زندگی میں ہر طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ صرف اپنے لیے جیتے ہیں لیکن کچھ دوسروں کے لیے اپنی ہستی منادیتے ہیں۔ باہم کی فطرت میں خود غرضی اور حیا کی فطرت میں محبت تھی۔ ”وہ سر لیا محبت تھی“ ایک اچھی مٹی۔ ایک اچھی دیوی انسانیت سے محبت کرنے والی۔ اس نے محبت کے ہر روپ کو نبھا لیا اور پھر اسے حقیقی محبت نصیب ہوئی۔ جو بہت ہی سعادت تھی۔ اور جن لوگوں نے اس کے ساتھ برائی کیا وہ ضمیر کی خلش اور بچھڑتوں سے کاٹھا رہے خصوصاً مسکھڑ حسین۔

### طوبی سلیمان سے شریک محفل ہیں لکھا ہے

دعوت کے لحاظ سے پانچ بھرت اچھا لگا۔ سب سے پہلے رخص بھل پڑھا بہت خوب صورتی سے نبیلہ عزیز آگے بڑھا رہی ہیں پھر مستم سے صدمہ تک کثیر نبوی نے کیا خوب لکھا ہے کہ تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ لفظوں کا چناؤ بہت اعلیٰ تھا۔ میرا حید نے اس دفعہ ”یارم“ میں مختلف موضوع کا چناؤ کیا ہے صدف آصف نے بھی بہت اچھا لکھا ہے۔ میں تقریباً ”نوسال“ سے ان تمام ڈائجسٹ کی قاری ہوں اور یہ ڈائجسٹ ہمارے لیے ہمیں کلام کرتے ہیں۔ ایسی باتیں بھی سمجھ میں آتی ہیں جو شاید ان میں نہ سمجھا سکتے۔

### دثر کوڑچک نمبر 632 TDA/چوک سرود شہید سے لکھتی ہیں

میں شعاع کی دس سالہ خاموش قاری ہوں۔ اصل میں میری اپنی دس سالے پڑھا کرتی تھیں تب میں شاید دس سال کی تھی۔ تب سیکنڈ ایمر کے پھر دس چھ دنوں۔ مجھے اچھی تر بننے کا بہت شوق تھا مگر اجازت نہ ملی۔ ہم گاؤں میں رہتے ہیں اور وہاں نہ شہر جاتے ہیں نہ پڑھنے کے لیے۔ پتھر ہر میں ایک یا اپنی ہی لڑکی اور لڑکیوں کی سوچ ہانت ہے اور یہ سب ان گھروں نے مجھے دیا ہے جو میں پڑھتی ہوں۔ نمبر ۱۰۰ کا میں شعاع کے ذریعے شکر ہے لہذا اگر ناچا ہوں گی کیونکہ ان کے ناول ”جنت کے تے“ کی بدولت مجھے پردہ کرنے کی تلقین ملی ہے۔ انیس استاد گورجہ دیتی ہوں۔ شعاع میں مجھے بھی پردہ کرنے میں حیا سلیمان کی طرف کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر اب سب کچھ ٹھیک ہے۔

ج : پیاری طوبی! شعاع کی محفل میں خوش آمدید اور دعا میں۔ آپ کی تعریف اور تجویز حلقہ ”مستغین“ تک پہنچائی جا رہی ہے۔

### آہو ملک کے بچوں سے لکھا ہے

سب سے پہلے ایک مٹی مثال کو پڑھا۔ آہی اب نال صحیح علاج پر آیا ہے۔ اب تو مٹن کا امتحان ختم ہو جانا چاہیے۔ میرے خط لکھنے کی اصل وجہ کثیر نبوی کا بھول مستم سے صدمہ ”تک ہے۔“ آہی! حیا تو محبت کی دیوی تھی۔ اس کے ساتھ اتنا برا کیوں ہوا؟ مجھے سب سے زیادہ نفرت ماہم سے ہوئی اور ماموں حید سے۔ وہی تھے شکر کو بھٹکانے والے۔ یہ ناول بیٹہ باور ہے گا۔ ”اصل گیا“ ہجر کائن ”ایک اچھا ناول تھا۔ مگر موضوع وہی پرانا تھا۔ ”تاریخ کے بھوکے“ میں حضرت لیا علیہ السلام کے بارے میں پڑھ کر بہت زیادہ اچھا لگا۔ یہ سب سے زیادہ اچھا سلسلہ

تمام قارئین سے التجا ہے کہ وہ میرے لیے دعا کریں کہ میرے گھر والے مجھے آگے بڑھنے دیں۔

ج : پیاری دثر! ہماری دعا میں تب کے ساتھ ہیں۔ آپ کو پڑھنے کا شوق ہے تو آپ کے گھر والوں کو آپ کا ساتھ دینا چاہیے لیکن اگر یہ ممکن نہیں ہے تو آپ بھلا پڑھنا شروع نہ ہوں پڑھیو بیٹ تعلیم جاری رکھ سکتی ہیں۔ آپ کے گھر والے آپ کو امتحان دینے کی اجازت تو دے ہی دیں گے۔ ویسے بھی ہماری نظر میں علم ڈگریاں حاصل کرنے کا ہم نہیں ہے۔ جو 15 کتابیاں آپ نے لکھی ہیں ہمیں بھجوادیں۔ قابل اشاعت ہو میں تو ضرور شائع ہوں گی۔

حفصت علی اور علیرا حسین راولپنڈی سے شریک محفل ہیں لکھا ہے



بہت اچھی رہنمائی کی اور ایک تیز ایک تیز شو رنگ جیب کی قابل تقلید ہے۔ تاریخ کے مجموعے میں بہت زبردست سلسلہ ہے آپ سے درخواست ہے کہ اس میں زیادہ تر مسلمانوں اور لہجہ کراہ اور علاقہ کے بارے میں بتایا کریں

میں آپ کے تینوں مرحلوں کی پرلنی کاری ہوں۔ 1991ء سے پرامنا شروع کیا۔ پڑھنے کا سفر جاری رہا۔ جو کہ مایہ نابی سے "کوہ گراں تھے ہم" تک آپینچل شعاع اور خواتین نے زندگی کے سب موسموں میں میرا اور میری باقی کا ساتھ دیا۔ ہم کمانیوں سے لطف انداز ہونے کے ساتھ ساتھ جیتنا بہت کچھ سیکھتے بھی رہے۔

"جنت کے پتے پر کمال" مصنف "اور بھی بے شمار ہونے بہت سے لوگوں خاص طور پر نوجوان بچیوں کے ذہنوں پر بہت اچھے اثرات چھوڑے "جنت کے پتے" پڑھ کر بہت سی بچیوں نے باقاعدہ حجاب کرنا شروع کر دیا۔

اس میں یقیناً "نمو احمد اور آپ کے ادارے کی کامیابی ہے۔ (یزاک اللہ) آپ سے پوچھنا ہے کہ گنت سیمکاٹاٹول (زمین کے آسوا) کتنا ہی شکل میں آپنا سہیا نہیں؟ ج : عفت اور عذر ایک طویل عرصہ سے آپ ہمارے پرستہ پڑھ رہی ہیں تو خط لکھنے میں اتنی تاخیر کیوں؟ نمو احمد کا نیا ٹول شامل خواتین میں شروع ہوا ہے۔ گنت سیمکاٹاٹول نیشن کے آسوا شروع ہو چکا ہے۔ آپ اس کے بارے میں 021-32735021 پر فون کر کے پتا کر لیں۔

عالیہ عثمان نے چکرال سے لکھا ہے

سورق کے بارے میں ہمارے الفاظ بالکل سہا یہ ہیں اتنا پتا کہ رنگ گائی ہو جو مچایا۔ پہل شعاع نے دل جکڑا اور کسی حد تک عمل یہ بھی آگیا۔ حمد نعت نے دل اثر چھوڑا اور سیدھی جھلا تک ناکی "منہم سے میر تک" یعنی کنیز آبی کے بولے۔ اقل انسان منہم حکم کرنا کھانے میں ہے اور اگر پچان کے رب کہم کی ذات کو تو یہی معراج ہے اس کی ہم ایک نھی مثل اس کے بعد عمل کیا اجر کا دن کوئی نہ جائے بات پڑھا صرف آصف کی ویڈیو بہت اچھا اب آتے ہیں جنابین لیڈا رتی میرا حید یارم کی جانب یہ تحریر میرا تھی کی ہالی تحریروں سے مشغول تھی۔ ہالی بھرو ایڈر انہوں نے ہالی ہالی کو بہت اچھے طریقے سے ختم ہوتے دکھایا۔ افسانوں میں تکتہ رہا جی نے



گاہرین متوجہ ہوں!

- 1 شعاع ڈائجسٹ کے لیے تمام سلسلے ایک ہی لفافے میں بھجوانے چکتے ہیں۔ تاہم ہر سلسلے کے لیے الگ الگ استعمال کریں۔
  - 2 انسانے یا نعلی لکھنے کے لیے کوئی بھی لائف استعمال کر سکتے ہیں۔
  - 3 ایک سطر چھوڑ کر خوش خط لکھیں اور صفحے کی پشت پر یعنی صفحے کی دوسری طرف ہرگز نہ لکھیں۔
  - 4 کہانی کے شروع میں اپنا نام اور کہانی کا نام لکھیں اور اختتام پر اپنا مکمل لیڈریس اور فون نمبر ضرور لکھیں۔
  - 5 سووے کی ایک کہانی اپنے پاس ضرور رکھیں۔ ناقابل اشاعت صورت میں تحریر کی واپسی ممکن نہیں ہوگی۔
  - 6 تحریر روانہ کرنے کے دو ماہ بعد صرف پانچ تاریخ کو اپنی کہانی کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔
  - 7 شعاع ڈائجسٹ کے لیے افسانے خط یا سلسلوں کے لیے انتخاب "شعاع وغیرہ" میں قبول پتے پر رجسٹری کروائیں۔
- ہفتادہ شعاع۔ 37 اور بازار کراچی۔

ہفتادہ خواتین ڈائجسٹ اور لوہا ڈائجسٹ ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے مرحلوں ہفتادہ شعاع اور ہفتادہ کہن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نشر بحق لوہا محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ذیلی جہت سے اور لا اور اخلاقی لکھنے اور سلسلہ و قلم کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے بلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قائل ہونا چھوڑا اور رخصت ہے۔



# ہندی کے ڈیزائن

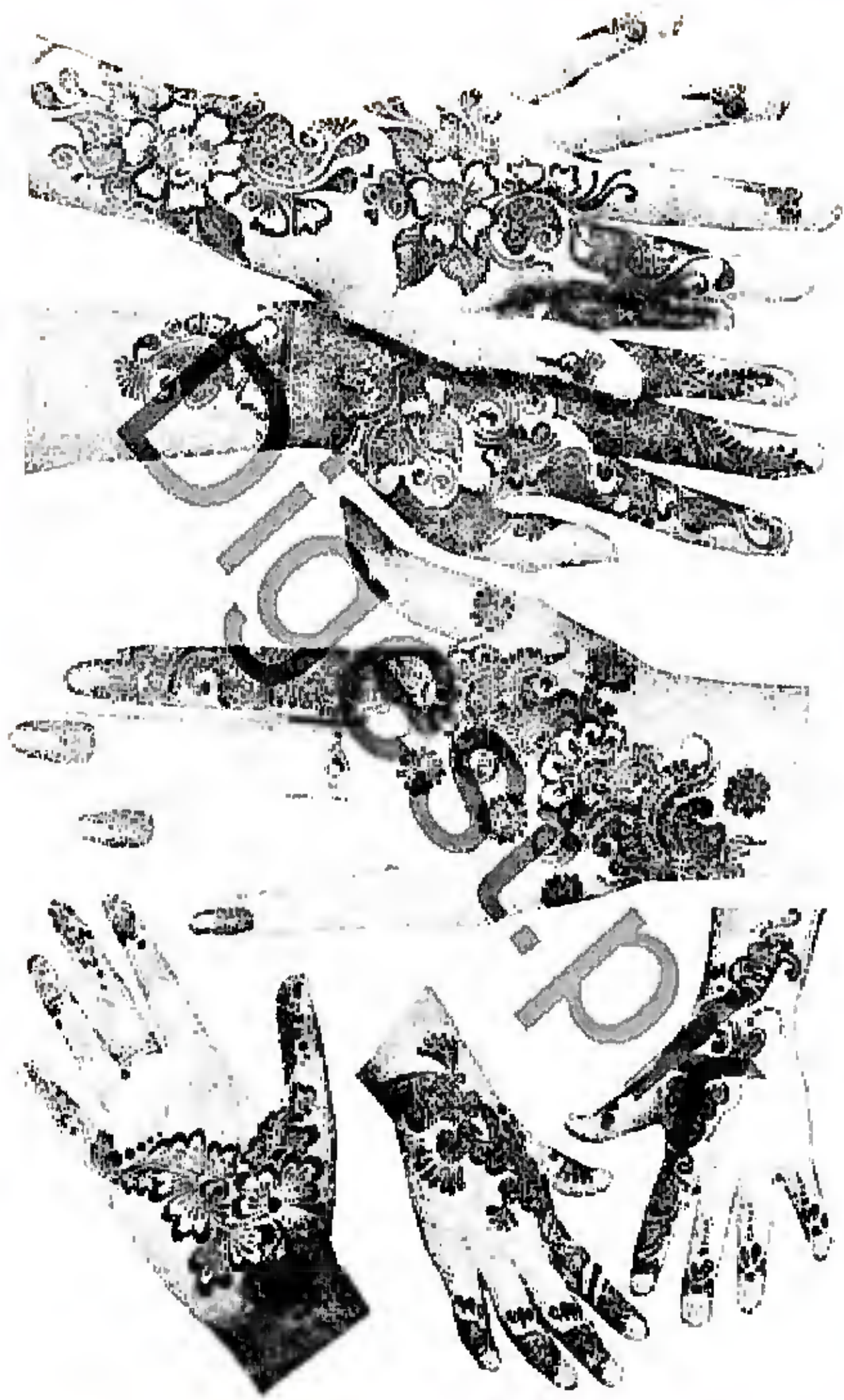
ادارہ



اپریل 2014 278

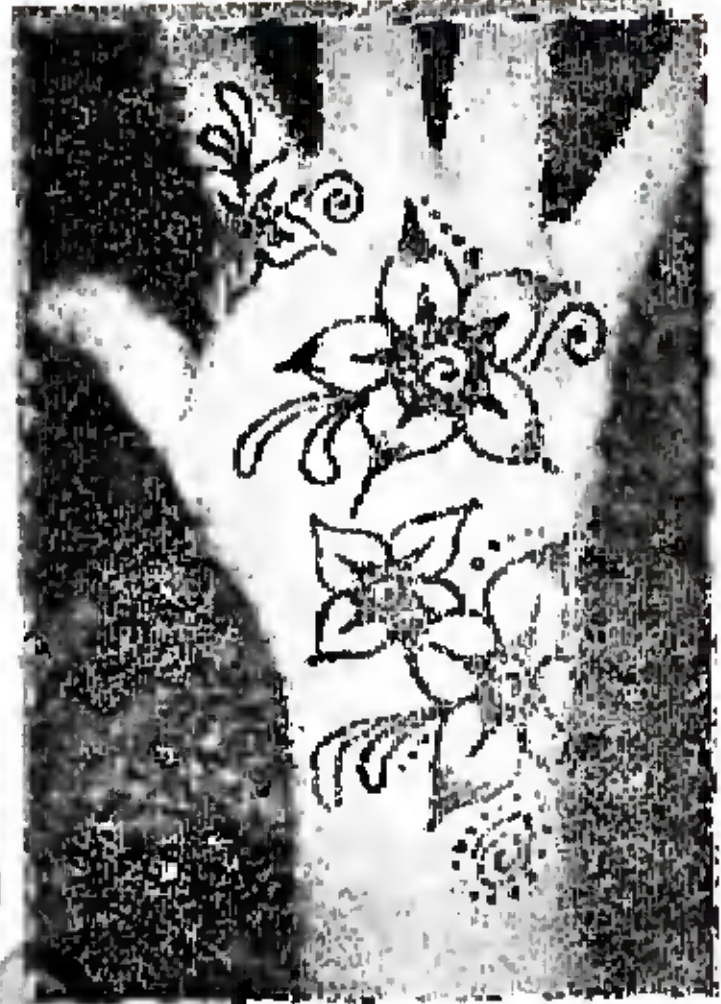
WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM



279 2014 اہتمام شعاع اگست





اپنی شہنائی اگست 2014

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM



گستاخیں



مشعل راہ

شاعرہ لویب پروفسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال آٹھ سال کی عمر میں پاپیٹا ہوئے تھے۔ ان کے بعد ان کی ایک بہن اور دو بھائی بھی بصارت کھو بیٹھے تھے۔ جوان ہمت پروفسر شیخ محمد اقبال لے جایا۔

”میرے والد خوشاب میں پھر تھے۔ جب میرے بعد میرے دو لور بھائی اور ایک بہن بھی بیٹلی سے غروم ہوئے تو انہوں نے گھبرا کر دریائے سندھ میں کودنا پایا لوگوں نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ میں نے کہا کہ جس اللہ نے بصارت سے محروم کیا ہے اس نے ہمت بھی عطا فرمائی ہے۔ انہوں نے نعت اذہور میں شیراں والے لکنت کے تار پتوں کے اسکول میں دانش کراویا۔ جہاں سے میں نے بی بی سی سیکھی۔“

ڈاکٹر صاحب نے مزید بتایا کہ بی بی اے کے بعد جب میں نے انگلش لٹریچر میں ماسٹرز کرنا چاہا تو میرے پیچرز نے مجھے سمجھایا کہ یہ خاصا مشکل مضمون ہے پھر بھی اللہ کی مہربانی سے میری پوزیشن آئی ایم نل میں ٹاپ کیا اپنی ایچ ڈی کیا۔ پاکستان بھر میں ایفوز ٹیچرز منتخب ہونے والا مسالا ٹاپیٹا فرزند ہوں۔ میرے بعد میرا چھوٹا بھائی بھی انگریزی ٹیچر منتخب ہوا۔

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال نے کہا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ لوگ ترس کھا کر تلخ نگوں کو پھینک دیں روپے کی خیرات نہ دیں انہیں بھکاری نہ بنائیں بلکہ انہیں ان کے پیروں پر کھڑا ہونے میں مدد کریں۔

ڈاکٹر اقبال جیسے لوگوں کو ماتے لانے کی ضرورت ہے تاکہ عزم و ہمت کی اس مثال سے دوسروں کو بھی حوصلہ مل سکے لیکن ہمارے مینڈیا کو مخصوص چرب زبان جیسے مداری اچھے لگتے ہیں جو اسکرین پر اپنی خوش حالی اور منہذب زبان سے تماشا لگاتے ہیں۔

عروغ

بہن کی خوب صورت لواکارہ بابرا شریف نے کہا ہے کہ ”ظلم انڈسٹری میں اگر پروٹیشنلزم آجائے تو کوئی وجہ نہیں کہ تھری انڈسٹری دوبارہ عروج حاصل نہ کر سکتے۔ (جون سامعین؟) اور ظلم انڈسٹری میں یہ ذوال کبیس باہر سے نہیں آیا بلکہ انڈسٹری سے وابستہ لوگ ہی اس کے ذمہ دار ہیں۔ (جی جیسے آپ! کیونکہ اسی انڈسٹری نے آپ کو عروغ دیا تھا اگر آپ اس وقت اسے نہ چھوڑتیں تو ہو سکتا ہے کہ آج اس کا یہ حال نہ ہوتا۔) بد قسمتی سے ہماری کسی حکومت نے ظلم انڈسٹری کی جانب سنجیدگی سے توجہ نہیں دی (تو کیا کسی







ہمارے پاکستانی بھائی بہن ہیں لوہا کی مدد کرنا ہمارا اولین فرض ہے (کاش یہ رسم ہمیں سوچ ہماری اینڈسٹری میں عام ہو جائے) ویسے رسم ان دنوں مختلف ڈراما سپرٹ میں اہم کردار نبھا رہی ہیں۔ ہمیں نہیں چھوڑیے ہمیں رسم نے فلم اینڈسٹری چھوڑی نہیں، بلکہ وہ کہتی ہیں کہ معیاری فلموں میں تو اب بھی وہ فلم کرنے کے لیے تیار ہیں۔

### مشکل

مکوکارہ فریڈ پرویز نے کہا ہے کہ نور جہاں کے گائے ہوئے گانوں کو گائے ہوئے زیادہ منہ آتا ہے (جی ہاں کیا پکلی جو مل جاتی ہے) میری کلمیالی میں میرے والدین کی دعا میں اور حوصلہ افزائی کا اہم کردار ہے (بھئی کس کے ماں باپ اولاد کو بدو عادیتے ہیں؟) جب میں نے اپنے کیریئر کا آغاز کیا تھا تو اس وقت جنید جمشید علی حیدر اور جنون گروپ جیسے لوگ اینڈسٹری میں موجود تھے (یا اللہ آپ اتنی پرانی ہیں؟) لوہا کے درمیان اپنے آپ کو عنوان بہت مشکل تھا۔ لیکن میرے والد نے مجھے بھرپور سپورٹ کیا۔ نے فنکاروں کو بھی چاہیے کہ جب وہ کام کرنے کے لیے نکلیں تو

لوہا اینڈسٹری کی طرف دی ہے؟) یوں حالت بد سے بدتر ہوتے گئے۔ لیکن میں اینڈسٹری سے ہٹاؤں نہیں ہوں مجھے یقین ہے کہ ایک دن اینڈسٹری اپنا کھویا ہوا مقام ضرور حاصل کرے گی۔ اور اس کی مدد نہیں پھر سے بحال ہو سکیں گی۔ (ہاں نہیں سب یہی کہتے ہیں لیکن؟)

### اکیلا

معمراٹا نے اپورٹو اسٹوڈیو میں ایک فلم کی شوٹنگ کے بعد انتقال کر گئے ہوئے کہا کہ انہیں اسٹوڈیو کی حالت دیکھ کر بہت افسوس سے یہ کہنا پڑا ہے کہ جب وہ اسٹوڈیو تیار کرتے تھے تو یہاں بہت مدد تھی ہوا کرتی تھی مختلف فلورز پر مختلف فلموں کی شوٹنگز ہوا کرتی تھیں (معمرا! وقت بھی ایک سا نہیں رہتا) لیکن آج یہاں ایک آدھ فلم کی ہی شوٹنگ ہوتی ہے میں نے اس فلم کو اس لیے کیا ہے کہ ان لوگوں کو سٹوڈیو اور ہنرمندوں کے گھروں کے چولے جل سکیں جو ظلمی بحران کی زد میں آچکے ہیں (واہ بھئی اسے کہتے ہیں کہ وہ راہی فلم میں کچھ جان نہیں ہے اس لیے ہمارے ہیرو نے یہ بیان دیا ہے کہ۔۔۔) اسی اسٹوڈیو سے بڑے بڑے لوگوں نے اپنے معاملات اور کوٹھیں بنائیں۔ (ویسے آپ کا گھر بھی کسی محل سے کم نہیں ہے) اور آج انہوں نے فلم اینڈسٹری کو اکیلا چھوڑ دیا ہے (آپ نے کہا اپنے معاوضے میں کمی کر دی؟) ویسے معمراٹا ایک فلم بنا رہے ہیں جس کو ڈائریکٹ بھی وہ خود کریں گے اس کا پورٹگ تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔

### فرض

اواراہہ رشیم نے شمال وزیرستان آپریشن کے متاثرین کی مدد کا اعلان کیا ہے (بہت اچھا فیصلہ ہے رشیم) اس سلسلے میں رشیم ووٹرز میں کھانے پینے کی مٹیاں ملبوسات لوہا اور بات کے پکٹ تیار کر کے متاثرین کو بھجوا دیں گی۔ (کاش یہ جذبہ لوہا لوگوں میں بھی پیدا ہو جائے) رشیم کا کہنا تھا کہ وزیرستان کے متاثرین

ایک دو سرے کو گراتے بھاگتے نظر آتے ہیں) میں اللہ کے فضل سے ان خوش نصیبوں میں سے ہوں جنہیں عزت و دولت اور شہرت تینوں سے نوازا گیا ہے۔ (شاید ہمیں آپ نمبر بڑی ہوڑ کو برا سمجھتے ہیں)

پہچے اوھر لوھر سے

ہذا ماذا قرآن عالمہ ماہر تعلیم انگریزی عربی فارسی فرانسیسی ہسپانوی پانچ زبانوں میں مہارت و خطابت ایسی غیر معمولی کہ میں کہ قوائی شہرت یافتہ دانش ور و مفکر علامہ سفر میں ان کا نقشہ بدندان نہ جا میں۔ بقول عالمی شہرت یافتہ منکر قوم جو سبکی "خانہ کے اندر اتنی صلاحیتیں ہیں کہ محاشرے اور سسٹم نو بدلی سکتی ہے"

امریکی ریسرچ اسکالر اسٹیفن لینڈمین کا کہنا ہے۔ "خانہ کے علاوہ وقت میں آباد جگہ راست گوئی کے بیج بونے چاہیے۔" ات اشرف نے امریکہ کے حوالے کر دیا۔ گماندہ صدر نے اپنی کتاب میں رقم کیا۔ میں نے سینکڑوں افراد کو قمار کر کے امریکہ بھاڑ کی خدمت میں پیش کیے۔

(حفیظ اللہ نیازی۔ جنگ)



پہلے اپنے اہل خانہ کو مطمئن کریں۔ (محترمہ سارے لئے فنکار اپنے والدین کی سپورٹ پر ہی آتے ہیں۔)

فکمرانی

عابد علی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے وہ اپنے کرداروں کے ذریعے لوگوں کے دلوں پر ہر دور میں راج کرتے رہتے ہیں۔ جگہ کر رہے ہیں۔ عابد علی کہتے ہیں کہ "شوہر اس کی دنیا میں فنکار کو صرف اپنے کردار کے ذریعے پر ستاروں کے دلوں پر فکمرانی کرنی چاہیے۔"

(یہ ان کا اپنا کردار ہے یا ادارے کا کردار؟) فنکار جس قدر اپنے کردار میں ڈوب کر اداکاری کرتا ہے اسی قدر لوگ اس کو پسند کرتے ہیں۔ (عابد علی کی یہ باتیں سننے آنے والے فنکاروں کے لیے شہرے موٹی ہیں کاش وہ اس کو سمجھ لیں تو۔۔۔!)

عابد علی صاحب کہتے ہیں کہ شوہر میں کوئی دوس نہیں ہے نہ آرٹ کی ایک قسم ہے۔ کچھ لوگ اداکاروں کو نمبر بڑی وہ نہیں سمجھتے کہتے ہیں تو کسی بھی صورت درست نہیں (اپنی ہمارے فنکار اب نمبر بڑی وہ نہیں



آئیڈیل شعلہ اگست 2014



بیتنا مصلوب



مگے کیا ہی اچھا ہو کہ ہر سب کے سب آپ کے پاس آجائیں اور آپ انہیں یہاں رکھیں۔  
گور نزل میں کہنے لگا کہ ایک آدمی کی جگہ میں آدمی نقل ہونے کو مل رہے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ میں انکار کروں چنانچہ اس نے فوراً ہاں بھری اور کہنے لگا۔

**فراست**

جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے لکھنویہ کو فتح کیا اور ایک علاقے کا محاصرہ کر لیا تو وہاں کے گور نزل نے ان کے پاس پیغام بھیجا۔  
”آپ لکھنویہ کے لیے کوئی آدمی میرے پاس بھیجیں۔“  
حضرت خود ہی ایک عام آدمی کی حیثیت سے تشریف لے گئے اور لکھنویہ شہر کی گور نزل کی حکیمانہ گفتگو اور جرات و بے باکی سے متاثر ہوا چنانچہ اس نے پوچھا۔  
”کیا تمہارے لوگوں میں اور لوگ بھی تمہاری طرح مہذب ہیں؟“

”آپ اپنے بچاؤ لوگ بھیجیں کہ ہمیں کو بھیجنا اور رہن کو کھلا بھیجا“ انہیں جانے دو۔“  
حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ عمل سے نکلے اور جب خطرے کے علاقے سے نکل گئے تو فرمایا۔  
”آج وہ ایسے خدا ترانوں کے پاس نہیں آواں گا۔“ چند روز کے بعد گور نزل نے صلح کی درخواست کی خود مسلمانوں کے پاس آیا اور جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے خیمے میں داخل ہو کر انہیں امیر لشکر کی حیثیت سے پیشا پایا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی اور پوچھا کہ پوچھا۔

”کیا آپ وہی ہیں؟“ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ”جی ہاں! میں تمہاری غداری کے پلہ جوڑ زندہ ہوں۔“

**حکمرانوں کا بعد الٹی استثناء**

عنبیہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے قاضی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ان کی عدالت میں دو آدمی حاضر ہوئے۔ ایک لبرانیہ بن محمد تھا اور دوسرا خلیفہ ہشام کا دربار خلیفہ سپاہی۔ دونوں عدالت میں پہنچ کر قاضی کے سامنے بیٹھ گئے۔ درباری سپاہی ہوا۔ ”قاضی صاحب! امیر المومنین اور لبرانیہ کے درمیان ایک تنازعہ ہے۔ امیر المومنین نے مجھے اپنی نیابت کے لیے بھیجا ہے۔“ قاضی نے کہا۔ ”تمہاری نیابت پر وہ گواہ مطلوب ہیں۔“ درباری سپاہی ہوا۔ ”کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں امیر المومنین کی طرف سے کچھ بھوٹ بولوں گا؟“ حالانکہ میرے لور ان کے درمیان کوئی دور کا واسطہ نہیں ہے۔ میں ان کا قریبی سپاہی ہوں۔“ قاضی نے

حضرت عمرو نے جواب دیا ”میں تو ان سب سے کتر آدمی ہوں تب ہی تو انہوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔“  
گور نزل نے یہ سن کر انہیں کچھ جھنجھوٹے دیکھے کا حکم دیا اور ساتھ ہی دربان کے پاس حکم لکھ کر بھیجا۔  
”جب یہ شخص تمہارے قہب سے گزرے تو اسے قتل کر کے اس کا لہجہ لیں لو۔“  
حضرت عمرو رضی اللہ عنہ جب واپس جانے کے لیے مڑے تو راستے میں ہسان نامی قبیلے کا ایک شخص آپ سے ملا اور اس نے آپ کو پہچان لیا تو چونکہ اس علاقے کی غداری سے واقف تھا اس لیے کہنے لگا۔  
”حضرت! آپ اس محفل میں آج بھی ملے جو داخل ہوئے تھے آج بھی ملے ہی لکھنا۔“  
حضرت عمرو بن عاص رخنک گئے۔ فوراً مڑے اور گور نزل کے پاس آکر کہنے لگے۔  
”آپ نے مجھ کو تجھے دے اسے دیکھ کر اتنا نہ ہوا کہ یہ میرے بچاؤ لوگوں کے لیے کافی نہیں ہوں

ہے اس کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ نے ہماری وجہ سے  
 کفر و شرک سے محفوظ کیا ہے اور اسے مسلمانوں کی  
 وراثت اور ملکیت میں دے دیا ہے۔  
 قاضی کیا تم نے حملے سے پہلے اہل سرحد کو اسلام  
 کی دعوت دی تھی یا جزیہ دینے پر آمادہ کیا تھا یا دونوں  
 صورتوں سے انکار پر جگ کا اعلان کیا تھا؟  
 امیر لشکر نہیں ایسا تو نہیں ہوا۔  
 قاضی تو گویا آپ نے اپنے قصور کا اعتراف  
 کر لیا۔

اس کے بعد قاضی نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے  
 امت کی ہمدانی سے لیا ہے کہ اس نے اپنی اپنی بات کی  
 اور دھوکا دہی کے اعتبار سے اللہ کی قسم! ہم اپنے  
 گھروں سے جہاد کی سبیل اللہ کے لیے نکلے ہیں۔ ہمارا  
 مقصد زمین پر قبضہ تھا۔ ہمیں اور نہ حق کے بغیر وہاں  
 حکومت چاہیے۔ میں تمہارے مسلمان اس شہر  
 کے اہل خانہ میں اور ہمارے اہل خانہ کے باشندوں کے  
 پاس سے زمین لے کر ان کو دعوت اسلام دیں گے۔ انہیں  
 جگ سے لے کر زمین اور ان سے لڑائی کا اعلان کریں۔

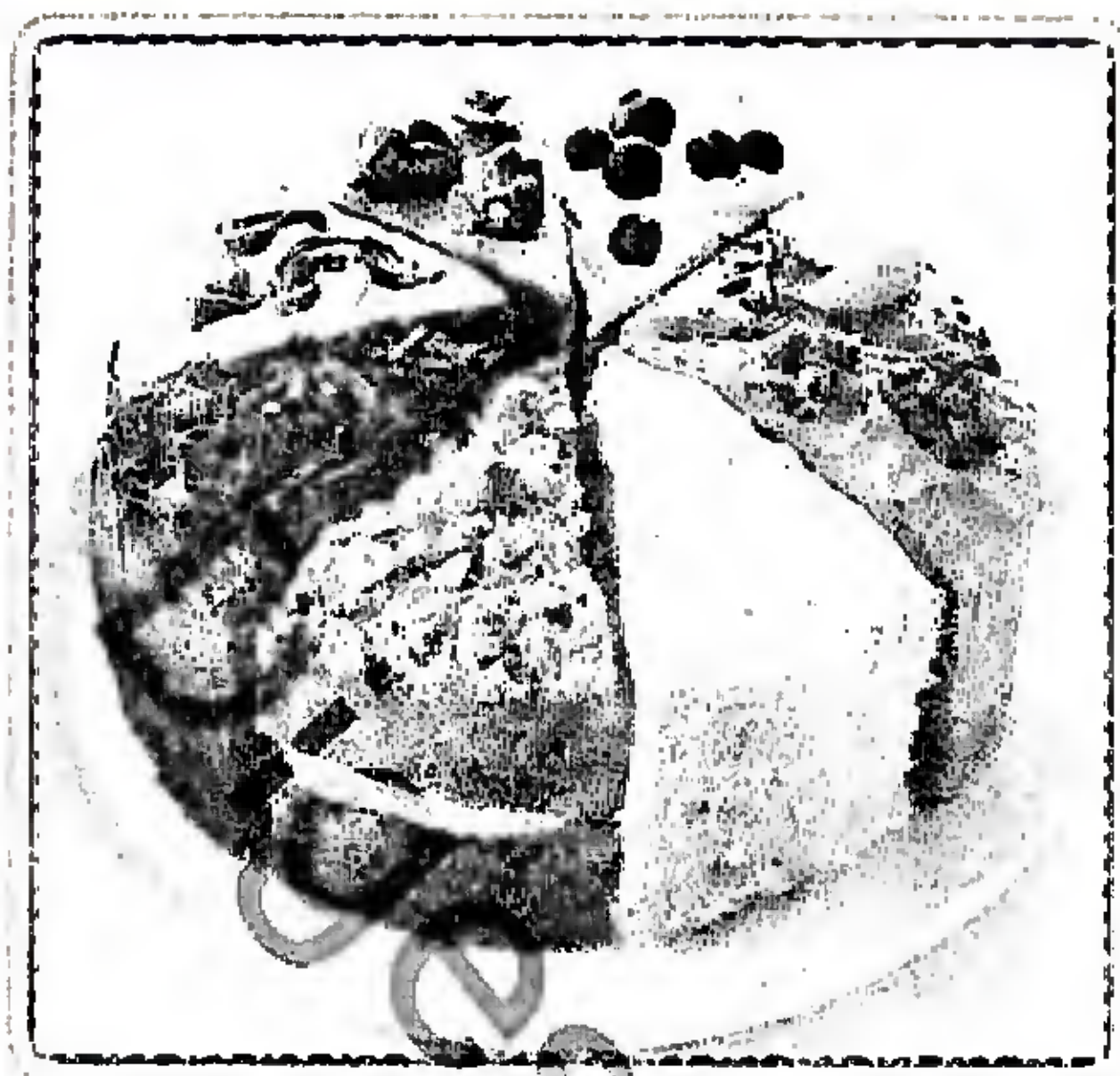
اہل سرحد نے دو سنا اور دیکھا اس پر انہیں یقین  
 نہیں آ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں قاضی کے فیصلے پر  
 عملدرآمد شروع ہو چکا تھا اور فوجیں واپس ہارشی  
 تھیں۔ وہ افواج جن کے سامنے مدینہ سے لے کر سر  
 قند تک کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکی! جنہوں نے یسرو  
 کسری اور خاقان کی قوتوں کو پاش کر کے رکھ دیا جو  
 رکاوٹ بھی راستے میں آئی اسے خس و خاشاک کی  
 طرح جہاں لے گئے، ٹکرائے جہاں ایک کمزور کھجف جسم کے  
 مالک قاضی کے فیصلے کے سامنے بے دست و پا  
 ہو گئیں۔ اس علو لاند فیصلے کو دیکھ کر اہل سرحد نے  
 اسلامی فوج کے راستے روک لیے ان کے گھوڑوں کی  
 باگیں پکڑ لیں کہ ہمارے ملک سے واپس نہ جائیں۔  
 ہمیں اسلامی عدل و انصاف کی ضرورت ہے۔ ہمارے ہم  
 فلک لے کر نظر بھی دیکھا کہ سرحد کی گھیاں بلور جو کہ  
 اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھے، موگ جوتی ورجوتی  
 مسلمان ہونے لگے۔

کہا۔ "شہادت کے بغیر نہ تمہارے حق میں مقدمہ  
 ہو سکتا ہے اور نہ تمہارے خلاف۔" قاضی کا دھوکہ  
 فیصلہ سن کر درباری سپاہی عدالت سے نکل گیا اور  
 خلیفہ کی خدمت میں پہنچ کر پوری داستان سنائی۔ خلیفہ  
 اٹھ کھڑا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد عدالت کے باہر  
 "وجود تھا۔ عدالت کا ووازہ کھلتے ہی درباری سپاہی  
 آگے بڑھا اور بولا۔ "قاضی صاحب! یہ دیکھیے امیر  
 المؤمنین حاضر ہیں۔" خلیفہ ہشام کو دیکھتے ہی قاضی  
 صاحب استعجال کے لیے کھڑے ہو گئے مگر خلیفہ نے  
 انہیں بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر قاضی نے ایک مصلیٰ پھیلایا  
 اس پر خلیفہ اور اس کا فریق مخالف امیر ایم بن محمد بیٹھ  
 گئے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم حاضرین اس قضیے سے  
 متعلق ہوئے واپس آئے تو سنا سنا سنا نہیں سن رہے  
 تھے! آیتہ کچھ باتیں ہمیں سمجھ میں آ رہی تھیں۔  
 فریقین نے اپنے اپنے دلائل پیش کیے۔ قاضی نے  
 عدالت سے نکلنے کے بعد خلیفہ ہشام کے خلاف فیصلہ  
 دے دیا۔

ایک موقع پر اہل سرحد نے اسلامی لشکر کے  
 سردار قتیبہ بن مسلم کے خلاف اسلامی عدالت میں  
 مقدمہ دائر کر دیا۔ قاضی نے مسجد کے ایک کونے میں  
 اپنی نشست سنبھالی اور کارروائی کا آغاز کر دیا۔ قاضی کا  
 قیام اس کے سر پر کھڑا۔ بغیر کسی لقب کے امیر لشکر  
 کا نام لے کر بلایا جا رہا ہے کہ وہ حاضر ہو جائے۔ امیر لشکر  
 سرحد قتیبہ بن مسلم حاضر ہوا۔ عدالت کے سامنے  
 بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر اہل سرحد کے سردار کاہن کو بلوایا  
 اور قتیبہ بن مسلم کے ساتھ بٹھاروا۔ عدالت نے اپنی  
 کارروائی شروع کی۔

قاضی اپنی نمائندہ پست آواز میں کاہن سے مخاطب  
 ہوئے "جہاں تم کیا کہتے ہو؟"  
 کاہن: آپ کا کمانڈر قتیبہ بن مسلم ہمارے ملک  
 میں دھوکے سے داخل ہوا ہے۔ اعلان جنگ نہیں کیا  
 اور نہ ہمیں اسلام کی دعوت دی ہے۔"  
 قاضی نے امیر کی طرف دیکھا اور پوچھا "تم کیا کہتے  
 ہو؟"  
 "امیر لشکر الہادی تو دھوکا ہوتی ہے یہ ملک ہمت بڑا





# عید کے پکوان

خالد جیلانی

پھینٹ لیں کہ تیزو مکھن کی طرف ہو جائے۔ عید کے پکوان  
 پالے میں سفیدی میں ایک چٹکی نمک ڈال کر اتنا پھینٹیں  
 کہ تیزو ہمال دار ہو جائے۔ پتہ آسنگ شوگر ڈال کر  
 پھر خوب پھینٹیں۔ اس کے بعد زردی والا تیزو ہما کر ایک  
 بار پھر خوب پھینٹیں۔ میدہ (دو تین دفعہ چھان لیں) ڈال کر  
 ایک بار پھر اتنا پھینٹیں کہ تیزو گاڑھا اور کچان دو جائے۔  
 مٹے میں مکھن کا کرہنہ چھو پھان لیں۔ اس پر بھی تھوڑا  
 سا مکھن لگانے میں پھر تیزو پھینٹیں۔ پتلے سے خوب گرم  
 توتے پر مٹا کر رکھ کر آٹھ دو مٹی کر دیں۔ میں منٹ بعد  
 چھری ڈال کر چیک کریں۔ چھری صرف نکل آئے تو  
 بھیں ایک پک گیا اور مزید پانچ منٹ کے لیے رکھ

ضروری اجزاء :  
 انڈے  
 آسنگ شوگر  
 میدہ  
 فریشن کریم  
 اسٹرابیری آپنس  
 مکھن اسٹرابیری زردی

کلیک  
 پانچ عدد  
 ڈھالی کپ  
 تین چوتھائی کپ  
 ایک کپ  
 ایک چوتھائی چائے کا چمچ  
 دو اوکھانے کے چمچے

ترکیب :

ایک پالے میں انڈوں کی زردی 'تومی آسنگ شوگر اور اسٹرابیری آپنس ڈال کر خوب اچھی طرح

ہری بھری دوائی

توہا کلو	جزا ۱ :	گوشت
توہا کلو		چاول
لاٹھ		پیاز
سب ضرورت		تھبت گرم مسالا
ایک کپ		زرد رنگ
ایک کپ		تیل
سب ذائقہ		نمک
سب ضرورت		جیل

پیاز سنہری اور کے اور کھن پیٹ بھون لیں۔ گوشت تھالی کر کے لال مرچ ذری نمک پیلو ضیا ہلدی تھبت گرم مسالا اور زہرہ شمال کر کے بھون لیں۔ پیاز ذال کر لیں۔ گوشت گل جائے تو بھون کر چھلنے سے اٹار لیں۔

تھالی اس طرح بنائیں کہ ایک کئی رو جائے۔ لنگ چھٹی میں گوشت کی تہ لگا کر چاولوں کی ایک تہ لگائیں۔

پھر ہر ارضیا پورینہ اور ہری مرچیں ذال کر لوہر دہارہ چاولوں کی تہ لگادیں۔ تھوڑے سے لادھ میں زرد رنگ کھول کر چاولوں پر ذال کر پھرو کے لیے منت دم پر رکھ دیں۔ دانتے کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

دس مائی

ایک کلو	جزا ۱ :	گوشت
ایک کپ		چینی خشک لادھ
ایک ہائے کاچی		بیکنگ پاؤڈر
ایک خند		جزا
ایک ہائے کاچی		تھی

لادھ میں چینی اور تھی اور بادام پستہ ذال کر پال لیں۔ خشک لادھ میں بیکنگ پاؤڈر اور لادھ تھی ملا کر اسی اگر جما ہوا سخت ہو تو زیادہ اچھا ہے) گوندھ لیں۔ تھبت چکنا کر کے چھوٹی چھوٹی کلی بنائیں۔ جب لادھ میں خوش آجائے

دیں۔ پک جائے تو اتار کر لٹھا کریں پھر چ میں سے چھری کی لادھ سے لادھوں میں کات لیں۔ ایک حصے پر تھوڑی سی گرم اور اسٹرا ہری پیوری ذال کر دھرا حصہ ڈھک دیں۔ گرم سے یک کو چاروں طرف اچھی طرح تھوڑ کریں۔ تازہ اسٹرا ہری سے اس کی سجاوٹ کریں اور فریج میں لٹھا کر کے پیش کریں۔

بادامی چاکلیٹ یک

بجور	جزا ۱ :	بجور عدد
بادام		ایک پیالی
کوئنگ چاکلیٹ		آدھی پیالی

کوئنگ چاکلیٹ کو پگھلائیں۔ بجور سے گھٹلیاں نکال کر اس کی جگہ بادام رکھ دیں۔ ہالی بادام ہر ایک کات لیں۔ اب بجور جس میں بادام رکھا ہے کو کوئنگ چاکلیٹ میں پینٹ دیں۔ کٹے ہوئے بادام اوپر چترک کر پیش کریں۔ (درا تھنک۔ لٹکان)

مزے دار سالم چکن

چکن سالم	جزا ۱ :	ایک عدد
برٹون پیاز ذری		توہا آدھا کب
لیوں کادس		پیاز کھلنے کے لیے
سرخ مرچ ارضیا		ایک ایک کھلنے کاچی
نمک		سب ذائقہ
تیل		سب ضرورت

بڑے پیالے میں اسی برٹون کی ہولی پیاز لال مرچ ارضیا گرم مسالا نمک اور لوہرک لسن پیٹ ذال کر پینٹ لیں۔ تیز چھری سے چکن کو کٹ لگا کر آمیزہ اچھی طرح مل دیں۔ اور ویلر کچھ میں رکھ دیں۔ تھبت بعد کڑھنی میں تیل گرم کر کے چکن ذال کر رکھیں۔ ایک طرف سے سرخ ہو جائے تو پینٹ دیں۔ تھبت چکن رکھیں۔ چکن گل جائے تو چھ لہا بند کریں۔ لیوں چترک کر پیالی اور تھنی کے ساتھ پیش کریں۔



تو درمیانی آنچ کر کے ساری کٹیہ ڈال دیں اور وقتے وقتے سے پھینکی جلائی رہیں۔ دس منٹ بعد یہ پھول جائیں گی۔  
دو دن گاڑھا او جائے تو آٹا لیں اور ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔

چکن ٹکڑے مسالا

اجزاء :  
چکن بون لیس  
دی  
پیارا گرم مسالا  
پیاز نمناز  
ٹکڑے مسالا  
کریم  
نمک  
تیل

ڈیڑھا پاؤ  
ایک کپ  
ایک چائے کا چمچ  
دو ٹوکڑے  
ایک کپ  
حسب ذائقہ  
حسب ضرورت

ترکیب :

دی میں دو کھانے کے چمچے لیموں کا رس، گرم مسالا، ٹکڑے مسالا، لیس، اور ک پیسٹ اور نمک ملا کر اچھی طرح پونوں پر لگائیں اور دو گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ پھر دی میں ڈال کر ٹکی آنچ پر تھوڑی دیر پکا میں اور الگ روک

دیں پیاز باریک ٹیس کر تیل میں بھونیں پھر اس میں ٹکڑے مسالا، نمک، لیس اور آٹا پکائیں کہ پیسٹ بن جائے۔ چکن شامل کرنے کے تھوڑا سا بھونیں اور روغن آنے تک پکائیں پھر اچھا منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔ پیش کرتے وقت کریم ڈال دیں۔

دھنیں سج کباب

اجزاء :  
چکن تیرے  
انڈے  
نیر  
ہری پیاز  
لال شملہ مرچ  
نمک  
نمک

ڈیڑھا پاؤ  
دو عدد  
ایک چم تیل کپ  
چھ عدد  
دو عدد  
حسب ذائقہ  
حسب ضرورت

ترکیب :

تیرے میں انڈے، سفید مرچ، چاٹ مسالا، گرم مسالا، لیس، جوس، زیرہ بھون کر اور ہری مرچ باریک کتر کر ملائیں۔ لاکھچے تیل بھی ملا دیں۔ ہنیر، ہری پیاز، شملہ اور ہرا دھنیا باریک کٹ لیں۔ تیرے کے سج کباب بنا کر باریک کٹی سبزوں میں بدل کریں۔ اچھی طرح ہاتھ سے چمکائیں۔ پھر ان کو یا تو کوٹلوں پر سینک لیں۔ ایون میں بیگ بھی کر سکتی ہیں اور کٹے تیل میں فرائی بھی کر سکتی ہیں۔ درمیان میں ٹکڑے کا برش بھی پھیلتی رہیں۔ پچھلے وار پیاز اور چھنی کے ساتھ پیش کریں۔

سب شیریں

اجزاء :

دو عدد  
دو نمکین سوہا لیا  
کاربن ٹیوور کھوٹا  
چائے  
جیلی  
کے لیے  
سیب  
پلوہم

ترکیب :

دو عدد کو جو لمبے پرائٹنے کے لیے روک دیں۔ جیلی کو الگ الگ پکا کر جھا کر جو کو روک کٹ لیں۔ دو عدد گاڑھا ہونے لگے تو سوال ڈال دیں۔ سویاں نرم ہو جائیں تو کلرن ٹیور اور چھنی ڈال دیں۔ چمچہ بلا تے رہیں۔ کھوٹا ڈال کر بند رو منٹ تک پکا میں اور جو لمبے سے آٹا کر ٹھنڈا کریں۔ ٹھنڈا ہونے کے بعد جیلی اور کیویرز میں کٹے پھل اور کترے ہوئے پلوہم چھڑک کر فریج میں رکھ دیں۔ ٹھنڈا ہو جائے تو پیش کریں

(البشہ دقت۔ ہارون آباد)



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کر ہم روزانہ لیمن جوس اور عرق کباب کے ساتھ اسکرپ کرنے کے بعد فونز کے طور پر لگائے۔

پوشے کو اسی کرپنی پائیں۔ رتلت نکھارنے پہت کے مساجل اور میل مساجوں کے لیے بے حد مفید ہے۔ پندرہ جوں کو بیس کر پیسٹ بنا کر رات کو گائیں لکھنچ نہ دھولیں۔

بنتے میں وہ نکھارے ضرور نکھائیں۔ ابا ہوا نکھائیں تو زیادہ بہتر ہے۔ کوا سٹرائل کا مسالہ ہو تو صرف مفیدی استعمال کریں۔ انڈسہ کی سفیدی بہترین اسکت ہے۔ ہر فیشن با مساج کے بعد ایک تپو شمد اور ایک تپو لیموں کا رس دیکھ کر ہرے رنگ میں بند ہو نکھارے بعد نکھارے ہوئے پر دھولیں۔

ان نکھاروں کو نکھارنے کے بعد جب میو کے ان تپ بنا کر مساج لپ کریں تو چھوڑ دیکھائے گا۔

ان عیدین ہنوز نرم گرم رہتے گاہ خاتون خالی ہونے کی طبیعت سے چن کی رات داریاں بھی خالی ہوں گی آپ پر ایذا اٹکا ایک آپ کریں جو ایکنے والے کو نکھارنے کے بعد اور آپ بھی ایکنے خصوصاً نہ کریں۔

وہلنگ کریم کا کریمیں یا ڈور کا ایک کوٹ لگائیں۔ ڈاؤنڈیشن ہر روز استعمال نہ کریں۔ ڈاؤنڈیشن میں تین اور تلی شیڈو لگائیں شراس با بھی صرف ایک کوٹ۔ کارا اور تلی لائٹ سے پہیز کرنا بہتر ہوگا۔ تلی پائل ایسٹ لگاسکتی ہیں۔ لپ اسٹک انٹ براؤن یا رنگ شیڈو لگائیں۔

البتہ رات یا شام میں نیارنی کے وقت آپ کریم شیڈو استعمال کر سکتی ہیں۔ اور نکھاروں کا بھی کھل میک لپ کر سکتی ہیں۔ لیکن میک اپ بانا کر نہیں۔ تلی شیڈو اپنے لباس کے مناسب سے منتخب کریں۔ کاجل لگائیں اور مسکار بھی لگاسکتی ہیں۔

لباس کے انتخاب میں بھی سب سے اہم چیز مونت پونہ۔ گرمی ہوگی تو دن میں ان کے خوش رنگ سوٹ کا انتخاب کریں البتہ شام میں آپ بھاری کپڑے بھی پہن سکتی ہیں۔

ایک خاتون خانہ کے میک اپ کی ڈوبی یہ ہے کہ یہ محسوس نہ ہو کہ اس نے میک اپ کر رکھا ہے اس کا حسن ڈھلری اور قدرتی نظر آئے بٹ میک اپ سے چمکتا چہرہ اور دلکش مسکراہٹ آپ کو ڈھلری دلکشی اور حسن عطا کرے گی۔



خوب صورتی بننے کی پہلی شرط مٹی ہوئی پاکش اور ترو آدہ جلد ہے۔ اس اصل خوب صورتی کو آپ تھوڑی سی توجہ اور تھوڑی سی صحت سے نہ صرف قائم رکھ سکتی ہیں بلکہ مزید نکھار بھی سکتی ہیں۔ اس کے لیے سب سے پہلے تو اس بات کا خیال رکھیے کہ آپ متوازن اور صحت بخش غذا میں استعمال کریں۔ آپ کی غذا نہ صرف جلد پر اثر انداز ہوتی ہے بلکہ آپ کا وزن بھی متوازن رہنے میں جلد کے نکھار کے لیے آپ کے جان سے بھی بہت سی چیزیں مل سکتی ہیں۔

ایک ڈاؤنڈیشن چھوڑ دو۔ میں نہیں کر پیسٹ بنا لیں۔ رات کو بٹنگ باٹھوں سے مساج کریں۔ بہترین لاکر ہے۔ مساج نہ دھولیں۔ ڈاؤنڈیشن میں ٹنگ ملا کر مساج کرنے سے بھی جلد ملائم ہوتی ہے۔ اس سے غیر ضروری ردواں بھی تھم جاتا ہے۔ یہی کوائٹ سے بھلا پورے آتا ہے۔ دن میں چند قطرات سفید سرکہ ملا کر مساج کریں۔ خشک ہونے پر دھولیں۔ ہفتے میں کم از کم تین بار یہ عمل کریں۔ مالٹس اور شادابی لانی ہے۔

روزانہ ایک گینا کھائے۔ توانائی کے لوری حصول میں اسیر ہے۔ کیلے کو دہلی یا دودھ کے ساتھ مسل کر مساج کریں۔ تھوڑی اور بعد لھندے پانی سے نہ دھولیں۔ روزانہ ایک لھیرا کھائے اور ایک لھیرے کارس نکھال



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1